وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ
بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ (القرآن)

اَلْاَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ (الحدیث)

مُقامِ حیات

المسمیٰ بہ

مَدَارِكُ الْاَذْكِيَاءِ فِي حَيَاةِ الْاَنْبِيَاءِ علیہم السلام

مکین گنبد خضراء کی حیات برزخی کا بیان

(جلد اوّل)

تالیف:

محقق العصر، جسٹس

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

فقل للعیون الرمد ایاک ان تری سنا الشمس فاستغشی ظلام اللیالیا
کہہ دو آنکھوں سے کہ دو کہ اگر وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکیاں اپنے اوپر اوڑھ لیں

مقام حیات

المسمّٰی بہ

جلد اول

مدارک الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء علیہم السلام

مکین گنبد خضرا کی حیات برزخی کا بیان

تالیف

محقق العصر، جسٹس

حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود دامت برکاتہم العالیہ
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

محمود پبلیکیشنز اسلامک ٹرسٹ لاہور
جامعہ ملیہ اسلامیہ محمود کالونی شاہدرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تفصیلی فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(حرفے چند)

حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ

پیدائش: ۱۹۲۵ء ...... وفات: ۱۴رمئی ۲۰۲۰ء

حضرت مولانا علامہ ڈاکٹر خالد محمود رحمہ اللہ اپنے دور کے عبقری انسان تھے۔ تحریر و تقریر، حافظہ اور حاضر جوابی میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ نے ۱۹۶۲ء میں یہ کتاب لکھی جس کا نام "مدارك الاذکیاء فی حیاۃ الانبیاء علیہم السلام، مکین گنبد خضراء کی حیات برزخی کا بیان" المعروف "مقام حیات" تجویز کیا جو انکار حیات النبی ﷺ کے پاکستان میں قضیہ کھڑا ہونے کے بعد ابتدائی کتب میں شمار ہوتی ہے۔ پہلا ایڈیشن مختصر کتابچہ تھا۔ پھر ہر ایڈیشن میں اضافہ ہوتا رہا۔ حضرت علامہ مرحوم کے آخری دور حیات میں یہ کتاب دو جلدوں میں شائع ہوئی جو نو سو ساٹھ صفحات کی حامل ہوگئی۔ اس آخری ایڈیشن کی مکمل دونوں جلدوں کو اس مجموعہ کی جلد ہذا نمبر چار میں یکجا شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔ (ناشر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدوم العلماء، جامع شریعت و طریقت

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ

کا مؤلف ''مقامِ حیات'' کے نام ۱۹۶۲ء کا ایک خط

حضرت محترم زید مجدکم السامی:

سلام مسنون نیاز مقرون، گرامی نامہ باعث شرف ہوا۔ میں شعبان رمضان اور اوائل شوال میں مسلسل سفر میں رہا۔ یہی وجہ تاخیر جواب کی ہے۔ اب بھی سفر میں ہی ہوں اور ریل ہی میں جواب لکھ رہا ہوں، کل دیوبند پہنچوں گا۔ ان شاء اللہ! ''مقام حیات'' جیسے موقر رسالہ سے مستفید ہوا اور حرفاً حرفاً اوّل سے آخر تک پورا رسالہ دیکھا، اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گزری۔ مسئلہ کا تجزیہ نہایت ہی فاضلانہ اور محققانہ انداز سے کیا گیا ہے۔ طرزِ بیان انتہائی بلیغ، موثر اور دلنشین ہے۔ مسئلہ کے ہر پہلو کا حکم نہایت ہی بالغ نظری کے ساتھ اس کی صحیح کیفیت و حقیقت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کی ایک ایک سطر سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور بڑھتا ہوا محسوس ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ آپ کی اس مبارک سعی کو قبول فرمائے اور جس طرح آپ نے اپنے اسلاف کے مسلک کی نصرت و اعانت کر کے اسے نمایاں فرمایا ہے، حق تعالیٰ آپ کی نصرت دارین میں فرما کر آپ کو سربلند اور رفیع المرتبت بنائے۔ آمین! اور اس خدمت کو قبول فرمائے۔

مستدعی دعا ہوں اور احباب کے لئے ہر وقت دعا گو ہوں۔ والسلام

محمد طیب مدیر دارالعلوم دیوبند

منقول از ہفت روزہ دعوت لاہور ۱۴ ر ستمبر ۱۹۶۲ء، ۱۳۸۱ھ

***

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کا فتویٰ

''نماز کے بعد نبی ﷺ اور آپ کے صاحبین ابوبکر و عمرؓ کی قبروں کی زیارت کرے اور نبی ﷺ کی قبر کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑا ہو جائے اور دبی آواز کے ساتھ آپ پر اس طرح سلام کہے:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللہِ وَرَحْمَۃُ اللہِ وَبَرَکَاتُہٗ!

جیسا کہ سنن ابی داؤد میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (الحج والعمرۃ والزیارۃ ص ۱۵۱)

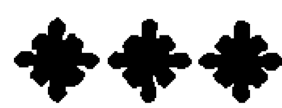
اس سے پتہ چلا کہ یہ کہنا درست نہیں کہ وفات کے بعد روح قیامت تک بدن میں لوٹنے سے روک دی جاتی ہے۔ فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ کا مطلب یہ ہے کہ موت والے کی روح اس دنیا میں اس کے بدن

میں لوٹنے سے روک دی جاتی ہے اور نیند والے کی اسے لوٹا دی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ مرنے والے کی روح عالم برزخ میں بھی بدن میں لوٹنے سے روکی ہوئی ہے شیخ عبداللہ بن باز حضور ﷺ کی وفات کے بارے میں فرماتے ہیں:
اہل علم کے نزدیک یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے لیکن آپ کی یہ موت آپ کی حیاتِ برزخی کے لئے مانع نہیں جیسے شہداء کی موت ان کی حیاتِ برزخی کے لئے مانع نہیں۔ (ایضاً ص۱۶۱)

یعنی اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ حضور ﷺ پر وفات آئی اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن اس آیت کو آپ کی عالم برزخ کی حیات کے لئے مانع سمجھنا اور اس سے عقیدہ حیات النبی کو رد کرنا کسی صاحبِ علم کا کام نہیں۔ ایسا ہوتا تو قرآن کریم میں حیاتِ شہداء پر نص وارد نہ ہوتی۔

***

تیسرا ایڈیشن



تعارف واعتذار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی... اَمَّا بَعْدُ!

۱۹۶۲ء میں ہمیں یہ کتاب بہت جلدی میں شائع کرنی پڑی اور اس میں بہت سے مضمون لکھنے رہ گئے تھے خاص طور پر قبر کے حقیقی معنی اور اس میں محدثین اور متکلمین کی آراء گرامی اس پیش آمدہ جلدی کے باعث لکھی نہ جاسکیں۔ اب اس ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اتمام کی توفیق بخشے۔

اس نازک دور میں جب کہ عوامی سطح پر مذہب کی گرفت ڈھیلی ہوتی جارہی ہے، تن آسانیاں اور لذت سامانیاں مذہب سے عام بیزاری پیدا کرنے میں مصروفِ عمل ہیں...... ضرورت تھی کہ احترامِ دین اور فکرِ آخرت رکھنے والا طبقہ...... جسے عام طور پر دینی طبقہ کہا جاتا ہے...... اپنی مجموعی کوششیں اور تمام تر جدوجہد...... دین وملت کے اصولی مسائل کے تحفظ پر لگادے، لیکن افسوس کہ جو لوگ احترامِ دین کے احساس میں مشترک تھے، تفاصیلِ فکر وعمل میں خود مختلف راہیں چلنے لگے اور ؂

جن پر تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

اتفاقی عقائد اختلافی بننے لگیں تو لادینیت کا محاذ قوت پکڑتا ہے

مالی قدروں اور جنسی لذتوں کا آمیزہ...... اسلام کو اپنے رستے میں ایک رکاوٹ سمجھ کر لادینی کے لئے ایک متحدہ محاذ بنائے ہوئے ہے...... زمین کہاں تک ہموار ہو چکی ہے، یہ اس کی تفصیل کا موقعہ نہیں...... مذہبی راہنماؤں سے مذہب تک پہنچنے میں کتنا وقت لگے گا...... تنگ نظر فرقہ پرستوں کو خوش فہمی ہے ؂

ہنوز دلی دور است

سوادِ اعظم کے مختلف مسالک عمل بے شک ایک ہی جادۂ شریعت کے نظام وسعت اور ایک ہی چشمۂ عمل کے مختلف کنارے ہیں۔ عقائد کی مختلف تعبیرات بھی بلا ریب نزاع لفظی کی حدود سے متجاوز نہ تھیں۔ لیکن افسوس کہ

محدود ذہنوں کی تنگ نظری نے انہیں بھی جنگ کے میدان بنا کر سواد اعظم کی مرکزی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا۔ معتزلہ اور کرامیہ خود اہل سنت کی صفوں میں آ گھسے ہیں۔

اختلاف سے خلاف پیدا ہوا اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ اصول تو درکنار فروعات اور تعبیرات پر بھی تعصب اور تخریب کی تند ہوائیں چلنے لگیں۔ ایسے حالات میں ہر دردمند اور حساس مسلمان کا دل تڑپ اٹھتا ہے اور تڑپنا بھی چاہئے ؎

یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ بعض ابواب میں خود شریعت ہی مختلف طریق عمل پیش کر کے اسلام کے نظام وسعت کا پتہ دیتی ہے، بے شک ایسے اختلافات رحمت ہیں۔ لیکن بیمار عقلیں اور کمزور ذہن جب ان اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اجماعیات اور مسائل متفق علیہ میں بھی کیڑے نکالنے لگیں تو کون سا حقیقت آشنا دل ہے، جو زخمی نہ ہو اور کون سی صداقت پسند آنکھ ہے جو اشک بار نہ ہو۔

اندرونی اتحاد کی ضرورت

اندرونی اتحاد کی ضرورت جتنی بیرونی حملے کے وقت ہوتی ہے، شاید ہی اس سے پہلے کبھی محسوس کی گئی ہو۔ ضروری ہوتا ہے کہ داخلی انتشار کے سدباب کے لئے جملہ عوامل بروئے کار لائے جائیں۔ فطرت کا نظام انقلاب اور قومی زندگی کا مدوجذر اس حقیقت کا نہ صرف پتہ دیتے ہیں بلکہ یقین دلاتے ہیں کہ وحدت ملی کا مرکز ومحور صرف اور صرف اعتماد علی السلف ہے۔ سلف سے مراد نسل ووطن کے پیش رو نہیں بلکہ علم ومعرفت کے وہ ستون ہیں جن سے تاریخ کے مختلف ادوار میں علم نبوت پوری امت کو وراثت میں ملتا رہا ہے۔ فکر ونظر کی وسعتیں اسی حد تک لائق تحسین ہیں کہ اعتماد علی السلف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے اور احساس ملی کا یہ چشمۂ حیات گدلا نہ ہونے پائے۔

راہِ آباء رو کہ ایں جمعیت است معنیٔ تقلید ضبطِ ملت است

دین محمدی ﷺ کا اہم ترین موضوع

اسلام کا عقیدہ معاد

قرآن کریم کا سب سے بڑا موضوع اللہ رب العزت کی ہستی کا اقرار اور اس کی وحدانیت کا اعتقاد ہے قرآن پاک میں یہ مضمون جگہ جگہ پھیلا ہوا ہے۔ اللہ رب العزت کے وجود علم حیات قدرت اور یہ کہ وہ ہر جگہ سے سنتا ہے اور ہر کسی کو دیکھتا ہے اس کا جگہ جگہ اقرار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سب پیغمبر اور فرشتے اس کی تخلیق سے وجود میں آئے اور سب امکان وحدوث کے دائرہ میں ہیں۔ ایک وہی ہے جو واجب الوجود ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں واجب الوجود کی کوئی صفت کبھی کسی بندے میں نہیں آتی اور کوئی انسان صفات واجبہ میں سے کسی صفت سے متصف نہیں ہو پاتا، اس کے لوحۂ قلب پر ملاء اعلیٰ کی کوئی جھلک اترے تو یہ امر دیگر ہے۔

اس عقیدہ توحید کے بعد قرآن پاک کا دوسرا بڑا موضوع اسلام کا عقیدہ معاد ہے، اسے "حشر اجساد" Resurrection بھی کہتے ہیں قرآن کریم میں جس طرح توحید باری کے دلائل وشواہد جگہ جگہ دیئے گئے ہیں۔

دوسرے نمبر پر اسلام کا عقیدہ معاد ہے۔ مسئلہ الٰہ اور یقین آخرت سے رسالت کی ضرورت محسوس ہوئی۔
اسلام کے یہی تین اصول ہیں: ۱......توحید، ۲......آخرت اور ۳......رسالت۔
اسے اس ترتیب سے بیان کرتے ہیں: التوحید والرسالۃ والآخرۃ۔ ایمان مجمل میں اللہ تعالیٰ، فرشتوں، آسمانی کتابوں اور پیغمبروں کے بعد پانچواں رکن ایمان یہی ہے۔ الروضۃ الندیہ میں ہے:

هذا هو الركن الخامس من اركان الايمان باليوم الآخر وجمهور بنى آدم يومنون بالبعث بعد الموت وقد دل منه على ذلك العقل والفطرة كما صرحت به جميع الكتب السماوية ونادى به الانبياء والمرسلون والناس فى البرزخ يفتنون وينعمون او يعذبون على ذلك۔

(الروضه الندیه شرح العقیدہ الواسطیه ص ۳۱۱، طبع ۱۳۸۸ء)

ترجمہ: ارکان ایمان میں سے پانچواں رکن یہی ہے اور وہ آخرت پر ایمان لانا ہے بنی آدم کی اکثریت اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ مرنے کے بعد پھر اٹھنا ہے عقل اور فطرت اس کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ تمام آسمانی کتابوں میں اس کی صراحت ہے اور تمام انبیاء و مرسلین اس دن کی آواز دیتے آرہے ہیں اور لوگ برزخ (اس درمیانی زندگی) میں آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں اور انہیں اس پر نعم وعذاب میں سے کسی کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔

جو لوگ منکرین مذہب Atheist تھے۔ انہیں سب سے زیادہ مشکل یہ سمجھنے میں تھی کہ موت کا جو نقشہ اس وقت ہمارے سامنے ہے اس کے بعد پھر سے جی اٹھنا کیسے ہوگا، قبریں کیسے کھلیں گی اور پھر جی اٹھنے کی صورت کیا ہو گی وہ جہاں کیسا ہوگا جہاں ہم لوٹیں گے؟

اس کا ایک جواب بہت آسان تھا وہ یہ کہ انسان بدن اور روح دو چیزوں سے مرکب ہے آخرت کا تعلق روح سے ہے بدن سے نہیں اور وہ ایک روحانی جہان Spiritual World ہے مرنے پر بدن کی ریزگاری اس جہان سے متعلق ہے روح باقی ہے اور آخرت کے سارے معاملات روح سے متعلق ہوتے ہیں اور اسی پر دنیا کے اعمال کی جزا و سزا مرتب ہوگی قبر میں تم بدن کے مٹی ہونے سے کیوں پریشان ہوئے جا رہے ہو اس کو بے شک فنا ہے روح ہرگز فانی نہیں سو آخرت برحق ہے۔

قرآن کریم نے یہ آسان اور عام فہم جواب نہیں دیا۔ اگر آخرت کا معاملہ صرف روح سے ہوتا تو اس سے بہتر جواب کوئی نہ تھا قرآن کریم نے اس کا دوسرا جواب دیا ہے۔

سوال یہ تھا: قَالَ مَنْ يُّحْىِ الْعِظَامَ وَهِىَ رَمِيْمٌ (پ ۲۳، یٰسین: ۷۸)
ترجمہ: کہنے لگا کون زندہ کرے گا ان ہڈیوں کو جب یہ کھوکھری ہو گئیں؟
جواب میں فرمایا: قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِىْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ (پ ۲۳، یٰسین: ۷۹)
ترجمہ: آپ کہہ دیں ان کو وہی زندہ کرے گا جس نے بنایا ان کو پہلی بار اور وہ سب طرح بنانا جانتا ہے۔

قرآن پاک میں یہ مضمون متعدد مقامات پر پھیلا ہوا ہے یہاں انسانی سوچ حیرت میں گھر جاتی ہے...... کیا ضرورت پڑی تھی کہ انہی مردہ ابدان کو پھر سے اٹھایا جائے اور ان کے ایک ایک ذرے میں زندگی لائی جائے کیا یہ بہتر نہ تھا کہ آخرت کے سارے معاملات صرف روح سے متعلق رکھے جاتے اور آخرت کے الم و نعیم کا مورد بھی انسانی روح ہوتی۔ مگر اللہ رب العزت نے ایسا نہیں کیا اس نے یہی چاہا کہ جن بدنوں سے انسان نے گناہ کیے

ہیں یا مشقتیں اٹھائی ہیں وہی ابدان آخرت میں نعیم والم کی جزا یا سزا پائیں۔ یہ نہیں کہ آخرت کی جزا وسزا صرف روح پر اترے۔ انسان اپنے دنیا کے برے عملوں کی ایک گونہ سزا پاتا ہے۔ آخرت کے بڑے حساب سے پہلے اسے قبر میں سوال وجواب کے ایک مرحلے سے گزرنا ہے پھر تا حشر وہ اپنے انجام کو دیکھتا رہے گا یہ درمیانہ جہاں چونکہ عام نظروں سے مخفی ہے اس لئے اسے سمجھنے میں لوگوں نے بہت سی ٹھوکریں کھائی ہیں یہ ایسی زندگی ہے جس کے بارے میں عقل ونقل کے بڑے بڑے معرکے ہوئے: اہل السنۃ والجماعۃ اور معتزلہ وکرامیہ کا زیادہ محاذ اسی زندگی کے گرد لگا ہوا ہے۔

یہی اختلافات بڑھتے بڑھتے معتزلہ اس مقام پر لے آئے کہ وہ شہداء کی حیات جسمانی کو بھی لَاتَشْعُرُوْنَ کے تحت تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے اور اسے شعور میں لانے کے لئے وہ ظاہر قرآن سے ٹکرا گئے اور پھر آگے چل کر انبیاء کی حیات برزخی بھی ان کے لئے ایک معمہ بن گئی۔ اہل السنۃ والجماعۃ ظاہر حدیث کے ساتھ رہے اور جو بات عام سمجھ میں نہ آتی تھی اسے وہ لَاتَشْعُرُوْنَ کے ٹھنڈے سائے میں آرام سے قبول کرتے گئے۔

جاننا چاہئے کہ اہل السنت والجماعت سواد اعظم کا سلف وخلف سے یہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اس دنیا سے انتقال فرمانے کے بعد عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ اسی جسد اطہر کے ساتھ ہے، جو دنیا میں آپ کا تھا اور جسے روضہ مطہرہ میں دفن کیا گیا۔

قبر منور کی اس حیات جسمانی کا مدار اس دنیا کے رزق مادی پر نہیں، بلکہ برزخ کے رزق روحانی پر ہے حضور کی ایسی حیات برزخی کا، جو باعتبار تعلق بالبدن حیات جسمانی اور باعتبار تعلق بالرزق حیات روحانی ہو، آج تک سلف وخلف میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں جس نے بھی اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کی، اسے اس متوارث نظریئے کے تسلیم کئے بغیر چارہ نہ رہا...... احناف وشوافع، موالک وحنابلہ، محدثین ومتکلمین اور فقہاء وائمہ ہدیٰ میں سے کسی ایک نامور شخصیت کا بھی...... باوجود تلاش وتجسس کے پتہ نہیں چل سکا، جس کا یہ عقیدہ ہو کہ آں حضرت ﷺ کا جسد اطہر روضہ منورہ میں محض بے جان اور بے حس و بے شعور پڑا ہے اور روح مبارک کا اس سے کوئی تعلق نہیں...... مَنِ ادَّعیٰ فَعَلَیْهِ الْبَیَانُ۔

اس میں تو کچھ خفیف سا اختلاف نظر سے گزرا کہ آنحضرت ﷺ کے مدفون ہونے کے بعد آپ کی روح اقدس اعلیٰ علیین سے لاکر پھر آپ کے جسد اطہر میں لوٹا دی گئی تھی، یا آپ کی وفات شریفہ کے وقت روح مبارک قبض ہوکر آپ قلب منور ہی میں ٹھہر گئی تھی، بعد دفن پھر سارے جسد اطہر میں پھیلا دی گئی، یعنی روضہ منورہ کی یہ حیات جسمانی روح لوٹانے سے قائم ہوئی، یا روح پھیلانے سے اس کا استقرار ہو...... ہمیں یہاں اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں کہ کیفیت وصول حیات کیا تھی۔ امر واقع خواہ کوئی ہی صورت ہو، یہ قدر مشترک ہے کہ آنحضرت ﷺ آج اپنے روضہ شریفہ میں حیات جسمانی سے فائز حیات ہیں۔

یہ اختلاف بھی نظر سے گزرا کہ آں حضرت ﷺ کے مدفون ہونے کے بعد آپ کی روح اقدس نے اعلیٰ علیین، رفیق اعلیٰ یا حظیرۂ قدسیہ میں استقرار پکڑا اور وہاں سے اس نے روضہ منورہ میں موجود جسد اطہر پر اپنی شعاعیں ڈالیں اور اس تاثیر سے پھر آپ کے جسد اطہر میں حیات لوٹ آئی، یا امر واقع یہ تھا کہ روح اقدس اس حظیرۂ قدسیہ یا اعلیٰ علیین سے تعلق قائم کرکے پھر قبر شریف میں رکھے ہوئے جسد اطہر میں لوٹا دی گئی روضہ منورہ کی یہ

حیات جسمانی روح مبارک لوٹانے سے قائم ہوئی۔ یا تاثیر روح سے اس کا تقوم ہوا۔ ہمیں اس وقت اس بحث میں جانے کی ضرورت نہیں کہ اس وصول حیات کی کیفیت کیا تھی۔ صورت واقعہ خواہ کچھ ہو، یہ حقیقت ہر صورت میں قدر مشترک ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے روضہ شریفہ میں حیات جسمانی سے زندہ اور تشریف فرما ہیں اور وہ جسد اطہر وہی ہے جو اس دنیا میں تھا اور وہ آج بھی اسی طرح تر و تازہ ہے جیسا کہ قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔

اگر اختلاف کی حدود یہی رہتیں کہ آں حضرت ﷺ کی روضہ شریفہ کی حیات کا تقوم آپ کے جسد اطہر میں روح مبارک دوبارہ لوٹانے سے ہوا یا روح مبارک پھیلانے سے۔ آپ کی یہ حیاتِ جسمانی دخولِ روح سے قائم ہوئی یا یہ حیات تاثیرِ روح سے عمل میں آئی تو اس میں دخل دینے کی ہمیں چنداں ضرورت نہ تھی اس لئے کہ یہ وہ مباحث ہیں جو خود سوادِ اعظم کے مختلف طبقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ نیز جو اختلافات عقائد و احکام پر اثر انداز نہ ہوتے ہوں ان پر وقت صرف کرنا فکر و نظر کی کوئی خاص خدمت نہیں ان مباحث میں سے خواہ کوئی موقف اختیار کر لیا جائے۔ اہل سنت کا یہ اجماعی نظریہ ہرگز متاثر نہیں ہوتا کہ آں حضرت ﷺ کو عالم برزخ میں جو حیات حاصل ہے وہ اسی دنیا والے جسد اطہر کے ساتھ قائم ہے اور یہ جسمانی حیات اور اس کا مدار اس دنیا کے رزق مادی پر نہیں بلکہ عالم برزخ کے رزق روحانی پر ہے۔ دنیوی حیات کے صرف انہی لوازم کو وہاں ثابت مانا جائے گا جن کے لئے مستقل دلیل شریعت ظاہرہ میں موجود ہو، اس لئے کہ اختلاف دارین محقق ہو چکا اور اب آپ اس دنیا میں نہیں عالم برزخ میں تشریف فرما ہیں۔

جہاں ہر صحت مند ذہن اس طریق عمل کی شدید مذمت کرے گا کہ فروعی اختلافات اور جزوی تعبیرات کو فکر و تنقید اور بحث و تمحیص کی آماجگاہ بنا لیا جائے خصوصاً اس دورِ الحاد میں جب کہ خود مذہب سے ہی تنفر بڑھتا چلا جا رہا ہے اور مالی قدروں کا خمار مذہب کو عہد رفتہ کی ایک رسمی یاد سے زیادہ کوئی مقام دینے کے لئے تیار نہیں۔ وہاں اس ضرورت کے تسلیم کرنے سے بھی چارہ نہیں کہ سوادِ اعظم کے اجماعیات کا تحفظ بھی ہر وقت امتحان کی پکار اور ہر ترد د و الحاد کے سامنے علمائے حق کی للکار رہا ہے۔

حیات النبی ﷺ کا مسئلہ دائرہ اہل سنت میں کوئی اختلافی مسئلہ نہ تھا سب اہل السنۃ والجماعۃ حیات النبی ﷺ کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اس حیات کو باعتبارِ عالم برزخی کہنے والے بھی تھے اور باعتبارِ جسد برزخ میں حیات دنیوی کہنے والے بھی تھے۔ آپ کے عالم برزخ میں اپنے آپ کو پوری طرح زندہ محسوس کرنے کے اعتبار سے اسے حیات حسی کہنے والے بھی تھے، باعتبار رزق اسے حیات قائم بالرزق کہنے والے بھی تھے۔ اور اس پہلو سے اسے حیاتِ روحانی بھی کہتے تھے، تاہم اس پر سب کا اتفاق تھا کہ وہ حیات اس دنیا والوں سے پردے میں ہے۔ یہاں کی آنکھیں اس حیات کو پا نہیں سکتیں۔ اس جہان میں روح کے اثرات غالب ہیں۔ سوا سے کسی نے روحانی بھی کہہ دیا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ سب ایک ہی حقیقت کی مختلف تعبیرات ہیں۔ حیات النبی ﷺ کا سب میں اقرار ہے اور معنیً یہ سب عنوان متقارب ہیں۔

اگر اختلاف انہی عنوانوں میں رہتا اور ہر حلقہ اپنے اپنے عنوان میں بہتری بتلاتا تو ظاہر ہے بات زیادہ نہ بڑھتی۔ مگر افسوس کہ تحقیق مسئلہ کی بجائے تشغیب عوام سے کام لیا گیا جس سے دو فریق بن گئے اور عنوان فریقین کے جدا جدا ہو گئے، یہ اہل علم کا انداز نہیں پھر کیا ہوا شرافت سر پیٹ کر رہ گئی۔

یہ تقریریں ہونے لگیں کہ آنحضرت ﷺ اس عالم میں زندہ نہیں ہیں ورنہ صحابہؓ آپ کو دفن نہ کرتے اور آپ کے خلیفہ کا انتخاب بھی عمل میں نہ آتا۔

ذرا سوچیں اپنے حلقے میں کوئی اس کا قائل تھا کہ آپ اس دنیا میں زندہ ہیں؟ دنیوی جسد کی زندگی میں کیا عالم برزخ کی صراحت نہ تھی؟ اگر بات یہی ہے تو آپ ہی بتائیں کہ تقریروں کا یہ عنوان بات کو گھٹانے کے لئے تھا یا بات کو بڑھانے کے لئے؟ تشغیبِ عوام اسی کو کہتے ہیں۔

جب فریقین کا محکوم علیہ ہی جدا جدا ہے تو اختلاف کس بات میں رہا؟ اور جب اختلاف ہی سامنے نہ آئے تو اتحاد کس میں ہو اور کون کرائے؟ ان حالات میں قوم کو اختلاف کا نہیں انتشار کا سامنا کرنا پڑا اور اب تک انتشار ہے اختلاف سامنے نہیں کہ اسے سلجھایا جاسکے۔

وقت کا موضوع حیات ہے ممات نہیں

حیات کی آپ جو بھی تشریح کریں اس میں اختلاف زیادہ نہیں بڑھے گا۔ لیکن ممات کو اس وقت کا موضوع نہ بنائیں۔ قاضی شمس الدین صاحب آف گوجرانوالہ اپنے عقیدے کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں، یہ بعد الوفات حیاۃ النبی کا کھلا اقرار ہے۔ فجزاء اللہ احسن الجزاء!

بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ سے بطور دلالۃ النص سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفات زندہ ہیں۔　(مسالک العلماء، ص ۲۹)

عزیزانِ من حیات الانبیاء میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے۔　(مسالک العلماء، ص ۵۶)

اس میں وفات کو پرانی بات اور حیات کو حال کی بات کہا گیا ہے جس سے صاف سمجھ میں آتا ہے کہ اس وقت کا موضوع حیات ہے ممات نہیں۔ وفات النبی ﷺ آج سے چودہ سو سال پہلے کا واقعہ ہے اس میں سیدنا حضرت عمرؓ اور دوسروں میں اختلاف ہوا تو وہ وہیں ختم ہو گیا سو ممات النبی ﷺ کا اختلاف محض ایک پرانا واقعہ ہے۔ آج کا موضوع حیات النبی ﷺ ہے ممات النبی ﷺ نہیں۔ برزخ میں حیات کی تشریحیں جس طرح بھی سلف میں ہوئیں، انہیں اپنے اپنے حلقوں میں بیان کرتے رہو لیکن خدارا ممات النبی کو موضوع نہ بناؤ۔ یہ ایک پرانا واقعہ ہے اس وقت آپ کے میت ہونے کا کوئی قائل نہیں ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب اپنے دوستوں کو بار بار سمجھاتے ہیں کہ تم نے ممات النبی ﷺ کو موضوع بنا کر خواہ مخواہ اپنے آپ کو مماتی بنا لیا ہے۔ اس وقت ہم بھی حیات کے قائل ہیں، میں لکھ کر دے چکا ہوں کہ انبیاء بعد الوفات زندہ ہیں۔

اگر یہ لوگ محترم قاضی شمس الدین صاحب کی بات مان لیتے اور ممات النبی ﷺ کو موضوعِ اختلاف نہ بناتے تو آج اختلاف بہت کم ہوتا۔ جو بات آج سے چودہ سو سال پہلے واقع ہوئی اور اس کا ہم انکار نہیں کرتے، اسے تقریروں کا موضوع بنانا اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے شہداء اور انبیاء کو جس حیات بعد الوفات سے نواز رکھا ہے اسے عنوانِ عقیدہ نہ بنانا کیا یہ اختلاف کو کم کرنے کی طرف قدم ہے یا محض ایک انتشار بڑھانے کی کارروائی ہے۔

آج اگر ایک مقرر اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ سے تقریر شروع کرتا ہے اور کہتا ہے کہ حضور ﷺ اس وقت

میت ہیں زندہ نہیں تو کیا وہ قاضی شمس الدین کے عقیدہ حضور ﷺ کے بعد الوفات زندہ ہونے کی کھلی تردید نہیں کر رہا؟ کوئی شخص ان انتشار پسندوں سے پوچھے یہ واقعہ وفات جسے تم بیان کررہے ہو کب کا ہے؟ تو وہ بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں گے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے کا۔ پھر پوچھیں اس تاریخی حقیقت کا اب کوئی منکر ہے، وہ بھی کہیں گے نہیں!...... پھر پوچھیں آج شہداء کرام اور انبیاء عظام اگلے جہان میں زندہ ہیں یا اموات؟ تو یہ کبھی دیانت سے اس کا جواب نہ دیں گے یہ وہ بواعث ہیں جن سے انتشار بڑھ رہا ہے۔

سو یہ صحیح ہے کہ اختلاف اپنی ابتدائی سطح میں کوئی بنیادی اختلاف نہ تھا لیکن اختلاف کرنے والے اگر اسے اس سطح پر لے آئے ہیں کہ آج بھی تمام شہدا اور انبیاء کو اموات کہا جائے کہ وہ بعد الوفات زندہ نہیں اور وہ اجساد زندہ نہیں جن پر موت وارد ہوئی یا وہ قتل ہوئے۔ تو کیا یہ قرآن سے کھلا تصادم نہیں؟ سو اہل سنت کے اجماعی عقیدہ کے پیش نظر یہ ایسی بات نہیں کہ اس کی تردید میں احادیث شریفہ کے مدلولات صریحہ میں تاویلات رکیکہ، تضعیفِ روایات میں ائمہ فن کی تجہیل، قواعدِ محدثین سے استہزا، شارحینِ حدیث وفقہاء اور سلفِ صالحین سے اعتماد اٹھنے کے صدمے کو آسانی سے برداشت کرلیا جائے یا اعتماد اٹھانے کی اس نہایت خطرناک مہم کو، محض اس لئے کہ ابتدائی سطح امورِ مُہمہ میں سے نہیں یا یہ مسائل روزمرہ کی زندگی سے متعلق نہیں یونہی چلنے دیا جائے؟

حیات النبی ﷺ کے ضمن میں جب ''اعتماد علی السلف'' کا اصولی مسئلہ پامال ہونے لگا تو اس تخمِ حنظل کے برگ وبار بہت دور دور تک پھیلتے نظر آئے۔ راہ گم کردہ قافلہ ہر مقام پر نیا موقف اور ہر طبقے کے سامنے نیا عنوان اختیار کرتا رہا اور یہی اہل باطل کا کھلا نشان ہے کہ کسی بات پر جمتے نہیں۔

روضہ منورہ کی حیات جسدی کا انکار اور اس سے متعلقہ مفاسد

جو لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کا جسد اطہر روضہ منورہ میں محض بے حس وشعور پڑا ہے اور فقط جمادی حیثیت میں ہے۔ روح اقدس کا اس سے کوئی تعلق نہیں، ان کا یہ خیال دراصل اس نظریے کا نتیجہ ہے کہ وفات کے بعد ثواب وعقاب کا سارا معاملہ صرف روح سے ہوتا ہے، بدن یا اجزائے بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

یہ نظریہ اہل سنت کے اس اعتقادی پہلو سے قطعی طور پر متصادم ہے کہ ثواب وعقاب کا معاملہ صرف روح ہی سے نہیں، بلکہ قبر میں پڑا ہوا بدن یا اجزائے بدن بھی لذت والم کا ادراک کرتے ہیں۔ بنی آدم کی ارواح وفات کے بعد خواہ وہ علیین اور سجین ہی میں استقرار پذیر کیوں نہ ہوں، ان کا تعلق اجساد مدفونہ سے ضرور قائم کیا جاتا ہے اور قبر میں لذت والم کا ادراک ضرور ہوتا ہے۔

اس دنیا سے عالم برزخ میں انتقال کرنے کے بعد روح وبدن میں کلی مفارقت رہتی ہے؟ یا روح وبدن میں کوئی ایسا علاقہ پھر قائم ہوجاتا ہے کہ ہر فوت ہونے والا اپنے اپنے اعمال اور اپنے اپنے مقام کے مطابق اپنے جسد میں الم یا لذت کا ادراک کرسکے؟

اوّل الذکر نظریہ معتزلہ وروافض کا ہے وہ عذاب قبر کے قائل نہیں ان کے نزدیک جسد مدفون محض جمادی حیثیت رکھتا ہے ثانی الذکر نظریہ اہل حق اہل السنۃ والجماعۃ کا ہے۔ فرقہ کرامیہ اور صالحیہ اس کے قائل ہیں کہ اجساد مدفونہ ہیں تو محض جمادی حیثیت میں، لیکن عذاب قبر پھر بھی حق ہے۔

یہ تیسرا مؤقف صرف ایک وہم اور سفسطہ[1] ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ حق وہی ہے جو اہل سنت کا نظریہ ہے اور قرآن وسنت کے چشمے اسی عقیدے کی آبیاری کرتے ہیں۔

واعلم أن أهل الحق اتفقوا على ان الله يخلق في الميت نوع حيوة في القبر قدر ما يتألم ويتلذذ

(شرح فقہ اکبر ص ۱۲۱)

ترجمہ: جان لیجئے! سب اہل حق اس نظریے پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ میت میں ایک ایسی قسم کی حیات پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ لذت والم کا ادراک کرتی رہے۔

ایوبی علی الخیالی میں ہے: ''ان المذاهب في هذا المقام ثلثة الاول الميت حي في قبره فيعذب وهذا مذهب اهل السنة والحق والثاني انه جماد لا يعذب ولا يدرك العذاب وهذا مذهب جمهور المعتزله والروافض والثالث انه جماد يعذب'' (وھو المختار فی الفتاوی النذیریہ ج ا، ص ۴۳۴)

ترجمہ: اس مقام پر تین مذاہب ہیں۔ (۱) میت اپنی قبر میں پھر زندہ ہوتی ہے پس عذاب قبر برحق ہے۔ یہ مذہب اہل سنت کا ہے جو اہل حق ہیں۔ (۲) میت قبر میں جماد محض ہے۔ (ایوبی علی الخیالی ص ۱۱۸) پس عذاب قبر کوئی نہیں، یہ مذہب جمہور معتزلہ اور روافض کا ہے۔ (۳) میت قبر میں ہے تو جماد محض، لیکن عذاب قبر پھر بھی ہوتا ہے (یہ مذہب کرامیہ کا ہے)

ان نظریات کی روشنی میں اہل السنۃ کا عقیدہ ہے کہ جب ہر جسد مدفون کو اپنے اپنے مقام کے مطابق کسی نہ کسی طرح کی حیات جسدی حاصل ہوتی ہے، تو آنحضرت ﷺ کو اپنے روضہ مطہرہ میں بہت قوی قسم کی اور نہایت ارفع واعلیٰ حیات جسمانی کیوں حاصل نہیں۔ انبیائے کرام کے اجساد دنیوی کا تحفظ بھی اسی لئے ہے کہ ان پر نہایت قوی قسم کی حیات جسمانی مرتب ہو۔ آنحضرت ﷺ کا مقام جس طرح انتہائی طور پر اعلیٰ ہے، اسی طرح روضہ اطہر میں آپ کی حیات بھی اپنی رفعت وشان میں نقطہ انتہا پر ہے۔ روح اقدس کا جسد اطہر کے ساتھ ایسا قوی تعلق ہے کہ آپ تلذذاً نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور روضہ منورہ پر عرض کئے گئے صلوۃ وسلام کو بھی سنتے ہیں۔

جسدِ اطہر اور روح انور میں کلی مفارقت کا عقیدہ رکھنے والوں کو یہ سوچنا چاہئے کہ جب ہر میت کو، خواہ اس کا جسم محفوظ ہو، خواہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو، یک جا ہو یا اس کے اجزائے بدن منتشر ہو چکے ہوں، روح کے ساتھ کسی نہ کسی طرح کا تعلق ضرور حاصل ہوتا ہے اور جسد مدفون یا اجزائے جسد اپنے اپنے مقامات کے مطابق لذت والم کا ادراک ضرور کرتے ہیں تو وہ ذوات قدسیہ جن کے اجساد مقدسہ کا تحفظ خود پروردگار فرما چکا، ان میں ان کے مقامات کے مطابق ارواح مطہرہ کی تاثیرات کیوں نہ ہوں گی۔ انبیاء اس اصل کلی سے مستثنیٰ کیوں ہوں؟ آخر وہ کون سی دلیل ہے جس کی بنا پر انبیائے کرام کو اس اصل کلی سے نکال کر یہ عقیدہ قائم کیا جا رہا ہے کہ ان کے اجساد مدفونہ صرف اکراماً محفوظ ہیں؟ ارواح مطہرہ سے انہیں کلی مفارقت ہے، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟

---

[1] وجوز بعضهم تعذيب غير الحي ولا شك انه سفسطة (خیالی ص ۱۱۸) لان الجماد لا حس له فكيف يتصور تعذيبه (حاشیہ مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی)

اگر کہا جائے کہ ہم اس اصل کلی ہی کے قائل نہیں کہ وفات کے بعد روح کا بدن یا اجزائے بدن کے ساتھ کسی نہ کسی درجے کا تعلق ضرور قائم رہتا ہے تو پھر یہ مسئلہ اور کھل کر سامنے آجائے گا۔ کہ یہ مذہب اہل سنت کا ہے یا معتزلہ وروافض کا۔ اور عذاب قبر کے متعلق واضح صورت اختیاری ہوگی کہ اس کا اقرار ہے یا انکار؟ اس کے بعد صورت مسئلہ اس قابل ہوگی کہ اس پر دلائل پیش کئے جاسکیں۔

خلاصۃ المرام ایں کہ اگر آنحضرت ﷺ کے جسد اطہر کو روضہ منورہ میں محض بے حس و بے شعور اور جمادِ مطلق تسلیم کیا جائے تو یا تو اس پر اس اصل کلی کے درجے کی قوی دلیل قائم کرنا ہوگی کہ انبیاء علیہم السلام اس سے مستثنیٰ ہیں اور مستقل دلیل پیش کرنا ہوگی کہ انبیائے کرام اپنے اپنے روضات میں محض بے جان پڑے ہیں۔ یا معتزلہ کے اس اصول کو تسلیم کرلیا جائے گا کہ وفات کے بعد روح وبدن میں کوئی تعلق نہیں ہوتا، کلی مفارقت رہتی ہے، ظاہر ہے کہ قرآن وحدیث کے پیش نظر یہ اہل حق کا نظریہ نہیں۔

عقائد اہل سنت کی سب کتابوں میں عذاب قبر کے برحق ہونے کی تصریح ہے اور اس عقیدے کو ضروریات اہل سنت میں شمار کیا گیا ہے جو اس کا قائل نہیں وہ معتزلہ وروافض کے موافق ہے اور اہل سنت کا مخالف ہے اور اگر بتاویل قائل ہے تو فرقہ کرامیہ میں سے ہونے میں تو شبہ ہی نہیں۔

روضہ منورہ کی حیات جسدی کے انکار کا دوسرا نتیجہ

ہم ہر نماز میں التحیات میں حضور ﷺ کے بارے اقرار کرتے ہیں: أشهد أن محمدا عبده ورسوله

ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

عبد کسے کہتے ہیں؟

روح اور بدن کے مجموعہ کو: سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ میں اللہ تعالیٰ نے سیر معراج کسے کرائی؟ اپنے ''عبد'' کو۔ ''اسراء'' کا سفر کس نے کیا؟ روح اور بدن کے مجموعے نے علماء اب تک لفظ عبد سے حضور ﷺ کے معراج جسمانی پر استدلال کرتے آئے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ حضور ﷺ اس وقت اللہ کے بندے اور رسول ہیں یا نہیں؟ صرف روح کو عبد کہیں تو حقیقت نہ ہوگی، صرف روح کو رسول کہیں تو یہ بھی حقیقت نہیں ایک مجازی تعبیر ہے اگر روح وبدن سے زندہ ہیں تو بے شک عبدہ ورسولہ ہیں۔ حضور ﷺ کی حیات اپنے حق میں حسی ہے اور وہ عالم برزخ میں یہی محسوس کرتے ہیں کہ آپ روح وبدن کے ساتھ زندہ ہیں، نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے عالم برزخ کی وسعتیں آپ کے لئے پھیلا رکھی ہیں اور حیات اسی بدن اطہر میں ہے۔ جو دنیا میں تھا اور اب وہ بدن روضۂ مبارک میں ہے۔ بایں ہمہ اس کی نقل وحرکت عالم برزخ میں جاری ہے گو وہ ہمیں دکھائی نہ دے، اس دُنیا والوں سے وہ حیات پردے میں ہو، لیکن آپ کے لئے وہ حقیقی حسی ہو، جسمانی ہو تو نہ آپ کا بندہ ہونا ایک مجاز ہوگا نہ رسول ہونا۔ آپ اب بھی عبدہٗ ورسولہ کا مصداق ہیں۔

اور اگر ہم کہیں کہ اس وقت آپ کی روح مبارک بدن سے کلی طور پر جدا ہے یا کسی مثالی جسد میں جلوہ پیرا ہے تو آپ کا خدا کا بندہ ہونا اور رسول ہونا حقیقت نہ رہے گا، دونوں تعبیریں مجازی ہوں گی، حقیقت میں آپ نہ بندے رہے نہ رسول رسول حقیقی ہونا تو تبھی ہے کہ آپ کے کچھ اعمالِ رسالت ابھی باقی ہوں (مثلاً امت کے حق میں استغفار) اور امت کی آپ کے پاس حاضری بھی ہوتی رہے گو درمیان میں برزخ کا پردہ ہو مگر سلامِ امت آپ پر ضرور پیش ہوتا رہے۔

کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ اپنی وفات کے بعد صرف حکمی طور پر نبی اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ حقیقت میں اس وقت رسول نہیں رہے۔ آپ کا روح و بدن علیحدہ علیحدہ ہے کسی کو کسی سے علاقہ نہیں۔ اس عقیدے کے لئے ضروری تھا کہ وہ روضۂ اطہر میں دفن جسدِ اطہر کو بے جان کہیں۔ اس فاسد عقیدے کو پھیلانے کے لئے انہوں نے روضۂ منورہ کی حیات جسمانی کو تختۂ مشق بنایا، اور احادیث صحیحہ صریحہ کی یکسر تکذیب کردی۔

کرامیہ کی بنائے استدلال

نبوت کے لئے شعور لازم ہے۔ علم و احساس کے بغیر اس کا تقوّم نہیں۔ نبی سے نیند کی حالت میں بھی اس کی نفی نہیں ہوتی۔ اُسے علم ہوتا ہے کہ اس کا وضو باقی ہے یا نہیں۔ اسے کبھی احتلام نہیں ہوتا۔ جب نبی سے اس شعور کا انتفاء ہوگا نبوت بھی منتفی ہو جائے گی۔ اب اسے رسول کہنا ایک مجازی تعبیر ہوگی۔ کرامیہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ وفات پانے کے بعد پردۂ قبر میں گئے تو وہاں جسدِ اطہر جمادِ محض ہے، صرف اکراماً محفوظ ہے روح کا اس بدن سے کوئی تعلق نہیں۔ (استغفر اللہ)

حافظ ابن حزم ﷫ (۴۵۷ھ) جو عامہ اموات کے باب میں صرف رُوح کے عذاب کے قائل ہیں انبیاء کے جسدِ اطہر کو وہ بھی جمادِ محض نہیں مانتے۔ ایسے کہنے کو وہ ایک خبیث عقیدہ کہتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ کی روح مقدسہ کو بدن اطہر سے کلیۃً جدا کرنے سے آپ کا اس وقت رسول ہونا خطرے میں پڑ جاتا ہے۔
ابن حزم ﷫ لکھتا ہے، سرخی ملاحظہ ہو:

الرد علیٰ من زعم ان الانبیاء علیہم السلام لیسوا انبیاء الیوم ولا الرسل الیوم رسلاً

ترجمہ: رد ان کا جو سمجھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام آج انبیاء و رسل نہیں رہے۔

حدیث فرقة مبتدعة تزعم ان محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ﷺ لیس هو الأن رسول اللہ ﷺ ولٰکنه کان رسول اللہ وسلم وهٰذا قول ذهب الیه الاشعریة وأخبرنی سلیمان بن خلف الباجی وهو من متقدمیهم الیوم ان محمد بن الحسن بن فورک الاصبهانی علیٰ هذه المسئلة قتله بالسم محمود بن سبکتگین صاحب ما دون وراء النهر من خراسان وهٰذه مقالة خبیثة مخالفة للہ تعالیٰ ولرسوله ﷺ ولما اجمع علیه جمیع اهل السلام مذ کان الاسلام الی یوم القیمة... فروح النبی عندهم قد فنیت وبطلت ولا روح له الأن عند اللہ تعالیٰ واما جسده ففی قبره موات فبطلت نبوته بذلک ورسالته قال ابو محمد ونعوذ باللہ من هٰذا القول فانه کفر صراح لا ترداد فیه۔ (کتاب الفصل فی الملل والنحل ج ۱، ص ۸۸)

یعنی ایک نئے فرقے کی بات جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ رسالت مآب ﷺ اب رسول اللہ نہیں رہے، وہ رسول اللہ تھے۔ اور مجھے سلیمان بن خلف الباجی (۴۷۴ھ) نے جوان لوگوں کے متقدمین میں سے ہے خبر دی کہ محمد بن حسن بن فورک کا یہی عقیدہ تھا جس کو محمود بن سبکتگین نے زہر دے کر قتل کیا تھا۔ اس فرقہ کا یہ خبیث عقیدہ اس کے اس فاسد نظریہ پر مبنی ہے کہ حضور ﷺ کا جسدِ مبارک روضۂ اطہر میں مردہ (محض بے جان) ہے۔ لہٰذا اس وجہ سے آپ کی نبوت و رسالت قائم نہیں رہی۔

سوجان لیجئے کہ روضۂ منورہ میں حیاتِ جسدی کی نفی اسے لازم ہے کہ اب آپ نبی نہیں رہے۔ اب آپ کی نبوت اس عالم میں صرف حکمی طور پر باقی ہے، بدن صرف اکراماً محفوظ ہے۔ اس کا مطلب اس کے سواء کچھ نہیں ہے کہ اسے مٹی نہ کھائے۔ ہم پوچھ سکتے ہیں کہ اگر وہ زندہ نہیں تو اس میں نرمی خوشبو اور پہلے دن کی سی تازگی کہاں سے آرہی ہے، اگر یہ روح کے تعلق سے نہیں تو اس کی اور کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ روح کے تعلق کا یہ خفیف سا اظہار ہے ورنہ باقی سارے مراحل برزخ کے پردے میں ہیں۔

ہدایہ میں ہے کہ آپ ﷺ کا بدن مبارک آج بھی اسی حالت میں ہے جیسے کہ یہ پہلے دن قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۱۶ اباب الجنائز)

قاضی شمس الدین صاحب بھی ہدایہ کی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں

آپ ﷺ اپنی قبر میں آج بھی ایسے ہیں جیسے پہلے دن رکھے گئے تھے اور پہلے دن جب رکھے گئے تو کیا کیفیت تھی؟ روح مبارک حسب کلام آخری اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ رفیق اعلیٰ میں پہنچ چکی تھی اور جسم مبارک صحیح وسالم گلاب کے پھول کی طرح تر و تازہ تھا۔ آج بھی یہی کیفیت ہے اور قیامت تک یہی رہے گی۔ (مسالک العلماء ص ۶۸)

یہاں جب کوئی انسان فوت ہوتا ہے تو اس کا بدن فوراً نہیں اکڑ جاتا۔ کچھ عرصے تک نرم رہتا ہے پھر سخت ہونا شروع ہو جاتا ہے یہ کیوں؟ یہ اس لئے کہ روح کے اثرات اس کے نکلنے کے باوجود کچھ عرصہ تک باقی رہتے ہیں پھر آہستہ آہستہ جاتے رہتے ہیں پھر ابدان اکڑ جاتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو بدن مبارک تادفن تر و تازہ رہا۔ معلوم ہوا روح نے اپنے اثرات سلب نہیں کئے تھے اور قبر مبارک میں یہ اثرات اب تک اسی طرح ہیں۔ سو ہم کیسے مان لیں کہ یہ موت عام اموات کی طرح ایک موت تھی۔ یہ تو ایک پردے میں جانا تھا اور آپ چلے گئے، روح کے برزخ میں جانے کے بعد اگر اس کا تعلق پھر بدن سے قائم ہو جائے، بدن کی پہلی دنیوی نرمی ابھی باقی ہو کہ روح برزخ میں پھر اس بدن پر پرتو ڈال دے تو اس کا اثر ظاہر میں یہی ہوگا اور ہے کہ بدن آج بھی اسی طرح تر و تازہ ہے جیسا کہ پہلے دن تھا۔

اگر کوئی شخص کسی درجے میں بھی اس جسدِ اطہر کے قائز الحیات ہونے کا اقرار کرلے، روح مبارک کو اعلیٰ علیین میں ماننے یا رفیق اعلیٰ میں، لیکن اس کے اتصال سے آپ کی حیات جسمانی کا قائل ہو تو وہ کرامیہ کے عقیدے سے نکل جاتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ میں حضور ﷺ کو حقیقی رسول مانتا ہوں۔

قاضی شمس الدین لکھتے ہیں: ''اسلام میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ وہ (اس)

زندگی میں بھی نبی حقیقی ہیں اور بعد الوفات (زندگی میں) بھی نبی حقیقی ہیں ابدالآباد کے لئے اور اُن پر کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آتا کہ وہ اس میں نبی حقیقی نہ ہوں بلکہ حکمی یا مجازی ہوں۔" (مسالک العلماء ص ۱۰)

اہل سنت کا عقیدہ

علم کلام کے مشہور امام علامہ حسن بن عبدالمحسن المشہور بابي عذبہ فرماتے ہیں: قال ابو حنیفة انه رسول الآن حقیقة وقالت الکرامیة لا۔ (ایضاً ص ۱۳)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ ﷫ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اب بھی حقیقی طور پر رسول ہیں اور فرقہ کرامیہ والے کہتے ہیں کہ آپ کا رسول ہونا اب حقیقی معنوں میں نہیں ہے۔

جب آپ ﷺ روح و بدن میں تقسیم ہو کر رہ گئے تو بتائیے رسول کہاں رہے؟ یہ کرامیہ کی بنائے استدلال تھی۔ اہل حق نے اس غلط فکر کو بالکل قبول نہ کیا۔ امام ابوالحسن الاشعری (۳۲۴ھ) نے معتزلہ اور کرامیہ کے سارے استدلال کو توڑ کر رکھ دیا...... ہماری عقائد کی کتابوں میں اسے اس طرح بیان کیا گیا ہے: "هو ﷺ بعد موته باق علىٰ رسالته و نبوته حقيقة كما يبقىٰ وصف الايمان للمؤمن بعد موته و ذٰلك الوصف باق بالروح والجسد معاً لأن الجسد لا تاكله الارض... انه ﷺ حي في قبره رسولاً الى الأبد حقيقة لا مجازاً"

(الروضة البهیه فیما بین الاشاعرة والماتریدیہ ص ۱۵ طبع حیدرآباد)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ اپنی وفاتِ شریفہ کے بعد اب بھی اپنی رسالت اور نبوت پر حقیقی طور پر قائم ہیں جیسا کہ مومن اپنی وفات کے بعد صفتِ ایمان سے متصف رہتا ہے اور حضور ﷺ کا اپنی رسالت پر حقیقی اعتبار سے قائم رہنا روح اطہر اور جسد انور کے مجموعہ کے ساتھ ہے......آپ ﷺ اب بھی اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور ہمیشہ تک کے لئے رسول ہیں۔ حقیقی معنی کے لحاظ سے نہ کہ محض حکمی طور پر۔

کرامیہ نے وفات النبی پر انتفائے نبوت کی بنا رکھنے کے لئے روضۂ منورہ کی حیاتِ جسمانی کو تختۂ مشق بنایا اور صریح طور پر عقیدہ حیات النبی کا انکار کر دیا اور نہ صرف خود ہی یہ اعتقاد باطل اختیار کیا۔ بلکہ انتفائے نبوت کے اس عقیدہ باطلہ کو امام اہل سنت امام ابوالحسن (۳۲۴ھ) کی طرف بھی منسوب کر دیا۔ جیسا کہ کتاب الفصل سے ظاہر ہے۔

امام ابوالحسن الاشعری کی زندگی تک کرامیہ کی یہ بات کہ حضور ﷺ اب حقیقی رسول نہیں ہیں، نہ آپ کی عبدیت باقی ہے، روح و بدن میں منقسم ہیں، کہیں نہ جم سکی۔ ان کے ساتھ امام ابوالمنصور الماتریدی ﷫ (۳۳۳ھ) نے عقائد اہل سنت کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا۔ محدثین کی طرف سے امام طحاوی ﷫ (۳۲۱ھ) اہلسنت عقائد کی سرحد پر آ کھڑے ہوئے تھے اور انہوں نے عقیدہ طحاویہ لکھ کر اہل حق کی طرف سے پورا تحفظ کر لیا تھا۔

چوتھی صدی ہجری کے آخر میں کرامیہ جو عبداللہ بن کرام کے پیرو تھے اس مسئلے میں کھلے طور پر آ گئے کہ حضور ﷺ اب نبی اور رسول نہیں رہے۔ آپ روح اور بدن میں منقسم ہیں۔ حافظ ابن حزم ﷫ (۴۵۸ھ) لکھتے ہیں: "حدث فرقة مبتدعة تزعم ان محمد بن عبدالله ليس هو الآن رسول الله ولكنه كان"

(کتاب الملل والنحل ج ۲، ص ۸۸)

ترجمہ: ایک نیا فرقہ پیدا ہوا ہے جو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ اب رسول اللہ نہیں رہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اسی دور کی پیداوار ہیں۔ ابن حزم ؒ کہتا ہے محمد بن حسن بن فورک ایرانی بھی یہی عقیدہ رکھتا تھا اور سلطان محمود بن سبکتگین (۴۲۱ھ) نے اسے الحاد پر موت کی سزا دی تھی۔ پانچویں صدی ہجری کے علماء اس الحاد کے خلاف اٹھے۔ اس وقت محدثین میں امام احمد بن الحسین البیہقی ؒ (۴۵۸ھ) کا چرچا تھا وہ بحر العلوم تھے۔ امام ابوالقاسم الکریم القشیری ؒ (۴۶۵ھ) بھی آپ کے ساتھ تھے۔ ان حضرات نے حیاۃ الانبیاء پر رسالے لکھے اور اہل سنت عقیدے کو بیان کیا۔ علامہ ابن حزم ظاہری ؒ (۴۵۷ھ) گو عذاب قبر کے مسئلہ میں اہل السنۃ والجماعۃ کے ساتھ نہ تھے لیکن اس عقیدے کو کہ حضور ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں (معاذ اللہ) بے جان پڑے ہیں وہ بھی ایک فاسد نظریہ سمجھتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں: ''اس فرقہ کا یہ خبیث عقیدہ اس کے اس فاسد نظریہ پر مبنی ہے کہ حضور ﷺ کا جسدِ مبارک روضۂ اطہر میں (معاذ اللہ) مردہ رکھا ہے۔''

کرامیہ اس نظریہ کے حامل تھے کہ اپنے مذہبی خیالات کی ترویج کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے اس راہ سے انہوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ امام ابوالحسن الاشعری بھی اسی عقیدے کے تھے، یہ اسی طرح ہے جس طرح آج کوئی شخص ان عقائد کو جو علمائے دیوبند کے نہ تھے بلکہ وہ ان سے تحاشی کر چکے تھے ان کے نام لگا کر کہے کہ اکابر علمائے دیوبند کے عقیدے بھی یہی تھے۔

حافظ ابن عساکر الدمشقی ؒ (۵۷۱ھ) نے اس فریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے ایک مستقل کتاب لکھی جس کا نام ''تبیین کذب المفتری فیما نسب إلی الإمام ابی الحسن الاشعری'' ہے اور کرامیہ پر اہل حق کی حجت تمام کر دی۔ علامہ ابوالقاسم عبدالکریم القشیری نے ''شکایة اهل السنة بما نالهم من اهل المحنه'' لکھی۔ امام بیہقی نے ایک مستقل رسالہ ''حیاۃ الانبیاء'' لکھا اور اہل حق اس وقت سے لے کر اب تک ان کرامیہ کی پرزور تردید کرتے آئے ہیں۔

کرامیہ کا مکر و فریب

کرامیہ کا کس قدر فریب ہے کہ اپنے غلط عقائد کی نسبت اکابر اہل سنت کی طرف کر رہے ہیں۔ حیات النبی ﷺ کا انکار اگر ان کا اپنا عقیدہ تھا تو صاف طور پر کہتے کہ یہ ہم کرامیہ کا اعتقاد ہے، اسے خواہ مخواہ اہل سنت کا عقیدہ بتلانا علم و دیانت کے قطعاً خلاف ہے، حیات النبی ﷺ کا انکار کرنے والے اس مسلکی التباس کے مرتکب کیوں ہیں؟ یہ اس لئے کہ ان کے نزدیک ترویجِ دین کے لئے اور اپنے خیالات پھیلانے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: ''ان بعض الکرامیة وبعض المتصوفة نقل عنهم اباحة الوضع فی الترغیب والترهیب وهو خطأ من فاعله نشأ عن جهل'' (شرح نخبۃ الفکر ص ۵۸)

ترجمہ: بے شک بعض کرامیہ[۱] سے اور بعض غلط مدعیان تصوف سے یہ منقول ہے کہ وہ ترغیب و ترہیب اور وعظ و نصیحت کی خاطر جھوٹ گھڑنا جائز قرار دیتے ہیں اور یہ بہت بڑی غلطی ہے جس کا منشاء صرف جہالت ہے۔

---

[۱] کرامیه: هم فرقة من المشبهة نسبت الی عبدالله بن کرام ویدعون زیادة الورع والتقوی والمعرفة التامة وراجع له شرح الشرح لعلی القاری علیه رحمة ربه الباری

المراد باعتقاد حل الکذب ھو اعتقاد حله لمصلحة دینه و ترویج مذھبه (شرح نخبۃ الفکر ص ۷۲)

ترجمہ: جھوٹ حلال ہونے سے ان کی مراد یہی ہے کہ اپنے (مزعوم) دین کی خاطر اور اپنے دھڑے کو چلانے کے لئے جھوٹ بولنا اعتقادی طور پر حلال ہے۔

ان لوگوں کے مکروفریب کا کیا حال ہوگا جو جھوٹ گناہ کے طور پر نہیں نیکی سمجھتے ہوئے بولتے ہیں۔ کیا یہ شیعہ کا عقیدہ تقیہ تو نہیں جو ہمیشہ مختلف اداؤں اور قباؤں میں ادا ہوتا آرہا ہے۔

فرقہ کرامیہ کے خصوصی عقائد

۱...... بنی آدم کی ارواح وفات کے بعد کلی مفارقت میں رہتی ہیں۔ اجساد محض جمادی حیثیت میں ہوتے ہیں۔ عذاب قبر صرف روح پر ہے بدن پر نہیں۔

۲...... آنحضرت ﷺ کا جسد اطہر روضہ میں بالکل بے جان اور بے حس و بے شعور ہے اور روح مبارک کا اس سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔

۳...... اپنے مسلک کی حمایت میں اور اپنے مذہب کی ترویج کے لئے غلط بیانی کرنا جائز ہے، جھوٹ اس طرح بولو اور اتنا زیادہ بولو کہ یہ سچ نظر آنے لگے۔

۴...... آنحضرت ﷺ کی رسالت صرف حکماً باقی ہے۔ آپ خود اب نبی اور رسول نہیں ہیں۔ (معاذ اللہ)

۵...... کلمہ اسلام کے جزو محمد رسول اللہ کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں بلکہ یہ ہے کہ آپ اللہ کے رسول تھے۔

ابن حزم ظاہری (۴۵۷ھ) نے اسے صریح طور پر کفر قرار دیا ہے اب اس کا انکار ہو ہی نہیں سکتا۔

''قال ابو محمد و نعوذ باللہ من ھذا القول فانه کفر صراح لاتردادفیه'' (کتاب الفصل ج ۲، ص ۸۸)

اس حقیقت کو کبھی نہ بھولئے

یہ بات غلط چل نکلی ہے کہ پنجاب میں مسئلہ حیات النبی ﷺ خیر المدارس ملتان کے ایک سالانہ اجلاس میں حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور حضرت مولانا محمد علی جالندھری ﷫ کی دو متقابل تقریروں سے شروع ہوا، ایسا نہیں۔ یہ اختلاف پانچویں صدی میں سامنے آچکا تھا اور ہم لوگ (اہل السنۃ والجماعۃ) اسے بھول چکے تھے کہ یکدم اس کا لاوا ملتان میں آنکلا۔ ہمیں اب تک معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ شخص کون تھا جس نے خیر المدارس ملتان کے اس سالانہ اجلاس میں اچانک کھڑے ہو کر شاہ صاحب کو ایک دوسرے موضوع پر لگا دیا تھا؟

مناسب معلوم ہوا کہ اب ہم اپنی کتاب مقامِ حیات کے اس نئے اڈیشن میں جو کمپوز ہو کر سامنے آرہا ہے یہ حقیقت قارئین کے سامنے لے آئیں کہ اہلِ باطل نے اہلِ سنت کے عقیدہ صحیحہ پر پہلا وار کب کیا؟

۱...... سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے عہد حکومت میں نیشا پور کے قریب ایک فتنہ پرداز شخص ہکندی نامی اپنی خفیہ محنت سے سلجوقی دربار میں برسر اقتدار آگیا۔ وہ کھلے طور پر معتزلہ عقائد رکھتا تھا اور خفیہ طور پر شیعہ عقائد پھیلا رہا تھا۔ (۴۴۵ھ) کے قریب اس نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق ؓ کی اس عزت کو ختم کرنے کے لئے

جو انہیں مکینِ گنبدِ خضراء کے ساتھ روضہ انور علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں حاصل ہے، حضور اکرم ﷺ کے اپنے جسدِ اطہر کے بارہ میں یہ عقیدہ شروع کیا کہ آپ کا جسد روضۂ انور میں محض بے حس اور بے شعور پڑا ہے اور اس نے اس سے اپنے اس نئے عقیدہ کو شروع کیا اور اپنے معتزلہ ہونے کی بناء پر اہلِ سنت کو کمزور کرنے کے لئے ان پر واروں کے وار کئے، اس وقت مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد نہ تھی کہ ان پر سوادِ اعظم کا کوئی سیاسی رعب ہو اور اس راہ سے اس نے حضور ﷺ کے بارے میں وہ عقیدہ لانے کی بھرپور محنت کی جس کا ذکر حافظ ابن حزم نے: ''کتاب الفصل بين الملل والنحل'' میں اس جلی عنوان سے تردید کی ہے: ''الرد على من زعم أن الأنبياء عليهم السلام ليسوا أنبياء اليوم ولا الرسل اليوم رسلاً'' (ج ۱، ص ۷۵)

یہ صرف ایک مکین گنبدِ خضراء ﷺ کی نبوت و رسالت کا انکار نہیں، کل انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کا کھلے طور پر انکار ہو گیا۔ عالمی سطح پر اسلام کو مٹانے کی اس سے بڑی سازش اور کیا ہو سکتی ہے؟ اسلام دین کامل ہے اور اس نے قیامت تک رہنا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اذان، اقامت اور نماز سے اپنی مسجدیں آباد اور قائم کیں۔ ان میں آپ کے اس عہد کے رسول ہونے کا ہی دو دفعہ اظہار اور اعلان ہوتا ہے:

أشهد أن محمدا رسول الله أشهد أن محمدا رسول الله

پہلے انبیاء کے بارے میں تو یہ بات چل سکتی تھی کہ وہ اب شاید رسول نہ رہے ہوں لیکن حضور ﷺ کے بارے میں تو اذان میں آپ کے عہد کا رسول ہونے کی ایک ایسی خبر ہے کہ کوئی انتہائی بدبخت بھی یہ کہنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔

یہ بات صحیح ہے کہ قادیانی حضور ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ اپنے اُس پہلے دور کے لئے رسول تھے۔ اِس دور کے لئے وہ مرزا غلام احمد قادیانی کو پیغمبر مانتے ہیں لیکن ہم مسلمان حضور ﷺ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آپ جس طرح اپنے پہلے دور کے امیین کے لئے رسول تھے آپ آخرین کے لئے بھی اسی طرح ایک رسول ہیں، آپ کے بعد کوئی نیا رسول نہیں۔

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ، وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (پ ۲۸، الجمعۃ: ۲، ۳)

ترجمہ: وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہی میں کا، پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے کھلی گمراہی میں۔ اور اٹھایا اس رسول کو ایک دوسرے لوگوں کے واسطے بھی انہی میں سے جو ابھی نہیں ملے اور ان میں، وہی ہے زبردست حکمت والا۔

اس آیت میں کھلا اعلان ہے کہ اُس دور کے لوگوں کے لئے بھی آپ ﷺ ہی رسول ہیں اور اِس عہد کے رسول بھی آپ ہی ہیں۔ آپ کے اس وقت کے رسول ہونے کا کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا اور کرامیہ نے جو عقیدہ اختیار کر رکھا ہے کہ حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں بالکل بے حس اور بے شعور پڑے ہیں اس میں حضور ﷺ کی رسالت کا کھلا انکار ہے اور اس عقیدے میں کھلا کفر ہے اور اس میں کسی شک کو بھی راہ نہیں دی جا سکتی۔

اسلام میں حیات النبی ﷺ کا عقیدہ پہلے سے ہے یا انکارِ حیات کا؟

ہم نے اس حقیقت پر ابن حزم کی تاریخی شہادت پیش کر دی ہے کہ انکارِ حیات کے شعلے پانچویں صدی میں اٹھے اور یہیں سے کرامیہ چلے۔ اب اگر حیات النبی ﷺ کا عقیدہ اس سے پہلے اہلِ سنت کا امتیازی عقیدہ چلا آرہا ہے تو اس سے مماتیوں کے بارے میں یہ ادنیٰ تصور بھی راہ نہیں پا سکتا کہ انہیں اہلِ سنت کی صف میں بیٹھایا جا سکے اور جس طرح پہلے کسی دور میں بیکندی نے عقیدہ حیات النبی ﷺ کا انکار کیا تھا آج کے منکرین حیات بھی اسی طرح معتزلہ اور کرامیہ کی زلّہ ربائی کر رہے ہیں۔ ہم پھر بھی دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ انہیں توبہ کی توفیق دے اور یہ لوگ مکینِ گنبدِ خضریٰ ﷺ کو روضۂ انور میں بے حس و بے شعور اور روح سے بے تعلق نہ سمجھیں۔

انکارِ حیات النبی ﷺ سے بہت پہلے کی عقیدۂ حیات کی تاریخی شہادتیں

۱...... نزولِ قرآن کے دوران حیات بعد الموت اور اس کے ہمارے شعور سے بالا ہونے کی قرآنی شہادت:
پ ۲، البقرہ ۱۵۴

۲...... دا کی راہ میں قتل ہونے والے مردہ نہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ رزق جسد کو ہی ملتا ہے:
پ ۴، آل عمران ۱۶۹

۳...... اس طرح شہیدوں کو رزق ملتا ہے اسی طرح بعض مرنے والے بھی وہ رزق پاتے ہیں۔ قرآنی شہادت:
پ ۱۷، الحج ۵۸

یہ آیات بتلا رہی ہیں کہ پانچویں صدی کے عقیدہ انکارِ حیات سے بہت پہلے عقیدہ حیات النبی ﷺ موجود تھا اور حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ میں اس کے عام تذکرے تھے۔ سچ پہلے سے موجود ہوتا ہے، جھوٹ بعد میں بنتا ہے۔ حقیقت پہلے ہوتی ہے مجاز بعد میں بنتا ہے۔ اصلی شیر پہلے سے ہیں اور کاغذی شیر بعد میں بنتے ہیں۔ سچے نبی پہلے آئے اور جھوٹے بعد میں۔ (کذب کی راہ سے ہوں یا دجل کی راہ سے)

حضور ﷺ کی دنیوی زندگی میں آپ کے اور صحابہ کرامؓ کے مابین آپ ﷺ پر امتیوں کے صلوٰۃ و سلام پڑھے جانے کے عام تذکرے:

۱...... جسدِ اطہر کے ریزہ ریزہ نہ ہونے کی شہادت بروایت حضرت اوس بن اوسؓ۔

۲...... جسدِ اطہر کے بے حس و بے شعور نہ ہونے پر حضرت عثمانؓ کی شہادت۔

۳...... حضور ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر کی زندگی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا۔

۴...... ام المؤمنین حضرۃ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حضور ﷺ کی قبر کے پاس شور نہ کرنے کی ہدایت کہ آپ کو اذیت نہ ہو۔

۵...... جسدِ اطہر کے بے حس و بے شعور نہ ہونے پر حضرت بلالؓ کی شہادت۔

عقیدہ انکارِ حیات سے صدیوں پہلے حضور ﷺ کے سماع عند القبر کا عقیدہ موجود ملتا ہے اس کی تائید میں یہ چند ایمان افروز واقعات بھی ذہن میں رکھیں۔ واقعات روایات کی نسبت یاد میں زیادہ پختہ رہتے ہیں۔

۱...... علامہ سمہودی ﷫ نے اپنی کتاب تاریخ مدینہ میں ایام حرہ میں حضرت سعید بن المسیب ؓ کا حضور ﷺ کی قبر مبارک سے اذان سننے کی متواتر روایات نقل کی ہیں۔

۲...... حضرت عثمان غنی ؓ کا اپنے ایام محاصرہ میں ہی کہنا کہ میں مدینہ میں حضور ﷺ کی مجاورت چھوڑ کر کسی اور آبادی میں نہیں جاسکتا۔ آپ نے فرمایا: ''لن أفارق دار هجرتي ومجاورة رسول الله ﷺ فيها''

ترجمہ: میں اپنے ہجرت سے بسائے ہوئے گھر کو چھوڑ کر نہیں جاسکتا اور نہ میں اس میں آپ ﷺ کی مجاورت سے نکلنا چاہتا ہوں۔

۳...... حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی عادت تھی کہ جب کبھی کسی سفر پر نکلتے تو حضور ﷺ کے روضہ پر سلام کر کے نکلتے اور واپسی میں بھی اپنے گھر جانے سے پہلے حضور ﷺ کے روضہ پر حاضری دیتے۔ یہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ آپ سمجھتے ہوں کہ حضور ﷺ میرا سلام سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

۴...... حضرت ابوایوب انصاری ؓ نے بھی ایک دفعہ مروان کو کہا: ''جئت رسول الله ﷺ ولم آتِ الحجر''
(أخرجہ الحاکم وقال صحیح الاسناد ج ۴، ص ۵۱۵)

۵...... حضرت بلال ؓ جب مدینہ سے داریا (ارضِ شام میں) چلے گئے تو آپ ﷺ نے (خواب میں) حضرت بلال کے اس عمل کو ناپسند فرمایا اور کہا: ''ماهذه الجفوة يا بلال؟'' اے بلال! یہ جفا کسی؟ تیرے لئے یہی تھا کہ تو مجھے ملتا رہے۔ اس پر حضرت بلال ؓ بہت غمگین ہوئے اسی وقت سواری لی اور مدینہ چل پڑے اور حضور ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہوئے۔ حافظ ابن عساکر دمشقی (۵۷۱ھ) لکھتے ہیں: ''فجعل يبكي ويمرغ وجهه عليه فأقبل الحسن والحسين فجعل يضمهما ويقبلهما فقالا له يا بلال نشتهي نسمع اذانك الذي كنت تؤذن لرسول الله ﷺ في المسجد ففعل فعلا سطح المسجد فوقف موقفه الذي كان يقف فيه فلما أن قال ''الله أكبر الله أكبر'' ارتجت المدينة فلما أن قال ''أشهد أن لا إله إلا الله'' ازدادت رجتها فلما أن قال ''أشهد أن محمدا رسول الله'' خرج العواتق من خدورهن وقالوا أبعث رسول الله ﷺ فما رئي يوم أكثر باكيا ولا باكية بالمدينة بعد رسول الله ﷺ من تلك اليوم'' (تاریخ ابن عساکر)

ترجمہ: آپ رونے لگے اور اپنا چہرہ قبر پر ملنے لگے اتنے میں حضرت حسن اور حضرت حسین ؓ بھی وہاں آگئے، آپ نے ان دونوں کو گلے سے لگایا اور چومنے لگے اور ان دونوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ ہم آپ سے وہ اذان سنیں جو آپ مسجد میں حضور ﷺ کے لئے دیتے تھے۔ آپ ؓ مسجد کی چھت پر چڑھے اور وہاں کھڑے ہوئے جہاں آپ اذان کے لئے کھڑے ہوتے تھے، جب آپ نے اللہ اکبر کہا پورے مدینہ کی زمین ہل گئی، پھر جب کہا أشهدان لا الٰہ الا اللہ تو زمین اور تیز ہلی پھر جب آپ نے حضور ﷺ کی رسالت کی گواہی دی کہ آپ ہی اس وقت کے رسول ہیں تو عورتیں بھی اپنے خیموں سے نکل آئیں اور سنا گیا کہ کیا حضور ﷺ تشریف فرمائے ہوئے ہیں؟ مردوں اور عورتوں کو مدینہ میں اس سے زیادہ رونے والا کبھی نہ دیکھا گیا۔

یہ صحیح نہیں کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ ۱۹۶۰ء میں خیر المدارس ملتان سے چلا اس سے بہت پہلے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ﷫ (۱۲۹۷ء) آب حیات لکھ چکے تھے۔ پھر مولانا عبدالرحمٰن بلہاوری (مقیم بمبئی) نے حضور اکرم ﷺ کے روضہ اقدس کی زیارت کے عنوان سے اس پر ایک نہایت محققانہ کتاب ''التحقيق التام فی

استحباب زیارۃ سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام'' کے نام سے لکھی جو مطبع ترکی واقع بمبئی میں ۱۳۲۵ء کو چھپی۔ یہ تیرہویں صدی کی دونوں کتابیں عقیدہ حیات کی پرانی کتابیں ہیں یہ پہلے سے موجود تھیں کہ ملتان سے انکار حیات کی آواز اٹھی اور اس عنوان سے ایک نیا مماتی فرقہ سامنے آگیا۔ پرانے دور میں اس کا نام کرامیہ تھا جو معتزلہ کی ایک شاخ تھے۔

نامناسب نہ ہوگا کہ ہم مولانا بلھاروی ؒ کی اس کتاب کے بھی چند جواہر ریزے اپنے قارئین کے سامنے لے آئیں اور انہیں کچھ مزید طمانینت کا موقع بہم پہنچائیں تاکہ ہمارے اہلِ سنت بھائی اس نئے بدعتی فرقہ سے اپنے آپ کو اور اپنی نسلوں کو بچا سکیں۔ مولانا بلھاروی لکھتے ہیں: ''وروی ابو داؤد الطیالسی بسند صحیح أن رسول الله ﷺ قال لما مات ابراهيم أن له مرضعاً في الجنة''

ترجمہ: امام ابوداؤد طیالسی ؒ (۲۰۴ء) نے سند صحیح سے روایت کیا ہے کہ جب حضور ﷺ کے بیٹے ابراہیم نے وفات پائی تو آپ نے فرمایا اسے جنت میں ایک دودھ پلانے والی گود میں لئے ہوئے ہے (ظاہر ہے کہ دودھ پینا جسد کی صفت ہے روح کی نہیں یہ عالم برزخ میں روح وجسد کا جمع ہونا ہے)

اور پھر اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ''فقد تبين لك...... من الأحاديث السابقه حياة النبي و سائر الأنبياء عليهم السلام وقد قال الله سبحانه و تعالىٰ في الشهداء وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ (آل عمران ۱۶۹) والانبياء أولىٰ بذلك فهم أجل و أعظم وقل نبي الا وقد جمع مع النبوة وصف الشهادة فيدخلون في عموم لفظ الآية فثبت كونه ﷺ حيٌ في قبره بنص القرآن اما من عموم اللفظ و اما من مفهوم الموافقة''

ترجمہ: پچھلی بیان کردہ احادیث سے حضور ﷺ کی حیات اور دیگر سب انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات کھل کر تمہارے سامنے آچکی ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ نے شہداء کے بارے میں فرمادیا ہے کہ تم شہیدوں کو مردہ نہ سمجھو وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں انہیں رزق ملتا ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اس شانِ حیات کے ان سے زیادہ لائق ہیں اور ان سے (شہیدوں سے) اپنی شان جلال اور عظمت میں بہت آگے ہیں شاید ہی کوئی ایسا نبی ہوا ہو جس میں نبوت کے ساتھ وصف شہادت جمع نہ ہو، سو اس عموم میں سب انبیاء آجاتے ہیں۔ اس سے حضور اکرم ﷺ کا اپنی قبر میں زندہ ہونا نص قرآن سے ثابت ہے اسے آیت حیاۃ شہداء کے عموم سے سمجھیں یا مفہوم موافقت سے آپ ﷺ کا اپنی قبر مبارک میں حیات برزخی سے زندہ ہونا پوری طرح واضح ہے۔

یہ وضاحت کس لفظ سے سامنے آئی؟

رزق پانے سے! اب رزق پانا اور کھانا پینا یہ بدن کے اوصاف میں سے ہیں، روح کھانا نہیں کھاتی نہ دودھ پیتی ہے جب حضور ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیم کے جنت میں دودھ پینے کی خبر دی تو اس سے اسکے عالم برزخ میں بدن کے زندہ ہونے کا کھلا ثبوت ملا اور معتزلہ جو اس بات کے قائل ہیں کہ عالم برزخ میں روح و جسد کا کلی انقطاع ہے وہ یقینی درجے میں غلطی پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں سمجھنے کی توفیق دے۔

اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ یہ برزخی رزق صرف قتل ہونے والوں کو نہیں ملتا ابراہیم کی طرح وفات پانے والوں کو بھی ملتا ہے۔ جس کے جنت میں دودھ پینے کی خبر خود حضور ﷺ نے دی ہے۔

قرآن کریم میں یہ رزق پانے کی خبر ''شہادت پانے والے'' اور ''وفات پانے والے'' دونوں کیلئے

''وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللهُ رِزْقًا حَسَنًا، وَاِنَّ اللهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ'' (پ ۱۷، الحج ۵۸)

ترجمہ: اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے اللہ کی راہ میں پھر مارے گئے یا مر گئے البتہ ان کو دے گا اللہ روزی خاصی اور اللہ ہے سب سے بہتر روزی دینے والا۔

ویسے تو سب مؤمنوں کے لئے جنت کا وعدہ ہے لیکن شہداء کرام اور انبیاء عظام علیہم السلام کی عالم برزخ میں جس رزقِ حسن کی بشارت ہے اس سے عقیدہ حیات کی اور وضاحت ہوگئی۔ حضرت شیخ الاسلام ﷫ لکھتے ہیں:

''مومنین کا انجام پہلے بتلایا تھا، یہاں (سورۃ الحج میں) ان میں سے ایک ممتاز جماعت کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا۔ یعنی جو لوگ خدا کے راستہ میں گھر بار چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے خواہ وہ لڑائی میں شہید ہوں یا طبعی موت سے مریں دونوں صورتوں میں اللہ کے ہاں ان کی خاص مہمانی ہوگی۔ کھانا، پینا، رہنا سہنا سب ان کی مرضی کے موافق ہوگا۔''

(تفسیر عثمانی ص ۴۵۱ طبع سعودی عرب)

یہی جنت کی زندگی ہے جسے حیات شہداء کہا جاتا ہے اس میں اَوْ مَاتُوْا کہہ کر طبعی موت سے وفات پانے والے انبیاء کرام بھی آ گئے۔ اہلِ سنت حیات شہداء اور حیات انبیاء دونوں کے برزخی حیات سے زندہ ہونے کے قائل ہیں۔ اس آیت میں قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا میں کسی فرق کو راہ نہیں دی جاسکتی۔ ہمیں بعض مماتی سورۃ الحج کے ان الفاظ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا پر اس طرح پریشان دکھائی دیئے کہ ان کی بیچارگی انتہائی قابلِ رحم تھی۔ انہیں کہا گیا کہ جب آپ شہداء کو جن کا خون سامنے بہا اور وہ دفن بھی کئے گئے زندہ مانتے ہیں تو ان کے ساتھ انبیاء کرام علیہم السلام کو زندہ ماننے میں کیا مشکل ہے؟ انہوں نے کہا آیت حیات شہداء کے آخر میں یہ جو وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کے الفاظ ہیں ہمیں ان سے کچھ سکون مل جاتا ہے کہ ان کی حیات ہمارے شعور سے بالا ہے۔ ہم نے کہا پھر حیات انبیاء کو تسلیم کرنے میں بھی آپ یہی سمجھ لیں کہ ان کی حیات ہمارے شعور سے بالا ہے لیکن وہ ہیں زندہ ہی گو وہ طبعی موت سے دنیا کی زندگی سے گئے اور آیت سورہ الحج میں ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا سے آپ انبیاء کی حیات پر اس طرح ایمان رکھیں کہ شہداء کی حیات عبارت النص سے اور انبیاء کی حیات دلالۃ النص سے ثابت ہے اس سے انکار حیات کے مدعی اپنے اس بدعی عقیدہ سے یکسر توبہ کر لیں اور اپنے اندر یہ احساس قائم کریں کہ ان کی حیات ہمارے شعور سے بالا ہے اس راہ سے شہیدوں کی حیات پر ایمان لانا اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حیات برزخی پر جو جسدِ اطہر سے قائم ہے ایمان لانا دونوں میں ہرگز کوئی بوجھ محسوس نہ ہوگا۔

سنن ابوداؤد جو صحاح ستہ میں تیسرے درجے کی کتاب ہے اس میں موت کے بعد پھر روح کا اپنے بدن میں لوٹایا جانا ''تُعَادُ رُوْحُهٗ'' کے الفاظ سے مذکور ہے لیکن یہ الفاظ عامہ اموات کے بارے میں ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے بارے میں ابوداؤد طیالسی کے یہ الفاظ سند صحیح سے ملتے ہیں ''رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوْحِيْ'' امام بیہقی (۴۵۷ھ) کے ہاں بھی یہی الفاظ ہیں۔

عارف باللہ علامہ سبکی رحمۃ اللہ علیہ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں اسے بمبئی کے علامہ بلہوری رحمۃ اللہ علیہ ان سے اس طرح نقل کرتے ہیں: ''قال الشیخ ورواية البيهقي ألطف وأنسب فان بين التعديتين فرقالطيفافان رديعدى بـــــــ ''على'' في الاهانةوبـــــــ ''إلى'' في الاكرام''

اس کے بعد علامہ بلہوری رحمۃ اللہ علیہ نے لغت کی کتاب الصحاح اور علامہ راغب کی المفردات سے لفظ رد کا ''عَلٰی'' سے متعدی ہونا اور ''اِلٰی'' سے متعدی ہونا دونوں کی مثالیں قرآن کریم سے نقل کی ہیں: قال فی الصحاح ردعليه الشيئ اذالم يقبله وكذا اذا خطأه وتقول: ردّه الى منزله ورداليه جوابا اى رجع

وقال الراغب من الاول قوله تعالىٰ: يَرُدُّوكُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران ۱۴۹) وَنُرَدُّ عَلٰى اَعْقَابِنَا (انعام ۷۱)

ومن الثاني: فَرَدَدْنٰهُ اِلٰى اُمِّهٖ (القصص ۱۳) وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا (الکہف ۳۶)''

بمبئی کے علامہ بلہوری نے اس عقیدہ پر منکرین حیات کے وہ دو اشکالات نقل کئے ہیں قارئین کرام پہلے وہ اشکالات سن لیں پھر ان کے ایمان افروز جوابات سے اور لذت انداز ہوں۔

الثالث: لا يقال لو كان النبي ﷺ حيا في قبره دائما لزم كونه محصورا في القبر أو مسجونا فيه لأنا نقول قدورد ان المؤمن يفسح له في قبره كمد البصر فكيف بالنبي ﷺ

الرابع: ان قيل فإذا كانوا أحياء فقد أحياهم الله تعالىٰ بعد موتهم فيلزم من ذلك أنهم...... موتة عند النفخ في الصور فيذوقون الموت اكثر من غيرهم أجاب الامام الحافظ العلائي في ترجمة عيسى علیہ السلام بأنه اذا نفخ في الصور فصعق من في السموات ومن في الأرض فلا شك ان صعق غير الانبياء بالموت واما صعق الأنبياء بالظاهر ان غشية وزوال استشعار لا موت غيرهم لئلا يلزم أنهم يموتون مرتين وهذا ما اختاره الامام البيهقي والقرطبي وغيرهما ان صعقتهم يومئذ ليس موت بل غشي أو نحوه ويدل بصحة قوله ﷺ ان الناس يصعقون يوم القيمة فأكون أول من يفيق جاذا أنا بموسىٰ آخذ بقائمة العرش فلا أدري أفاق قبلي أم جوزي بصعقة الطور جلم يكن حيًا من قبلي فان هذا يقتضي انه اذا نفخ النجخة الثالثة وهي نفخة البعث يفيق من كان مغشيا عليه ويحيىٰ من كان ميتا والنبي ﷺ وكذلك غيره من الأنبياء لا يحصل لهم الا الغشي۔

والحاصل أن نبينا ﷺ تحقق اول من يفيق وأول من يخرج من قبره قبل الناس كلهم كالانبياء وغيرهم الاموسىٰ علیہ السلام فانه يحصل له تردد هل بعث قبله أو بقي على الحالة التي كان عليها قبل نفخة الصعقة

اِعادۂ روح بہ رِدِ روح ہو یا بہ تعلق روح، برزخ میں دونوں کا اشتراک

حدیث کی کتابوں میں مؤمن کی وفات کے بعد روح کے پھر سے داخل بدن ہونے اور قبر میں منکر اور نکیر دو فرشتوں کے آنے اور میت سے سوالات کرنے کے عام تذکرے ملتے ہیں۔ روح داخل بدن نہ بھی ہو تو اس کے اشراف سے روح اور بدن کا ایسا تعلق قائم ہو جاتا ہے جیسے مقناطیس لوہے کے ذرات پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ سنن ابی داؤد میں ہے: ثُمَّ تُعَادُ فِيْهِ الرُّوْحُ (ج ۲، ص ۲۹۸) نیک مؤمن کو قبر میں کہا جاتا ہے: نم صالحا قد علمنا ان كنت موقنا به (صحیح بخاری ج ۱، ص ۱۹) آرام کی نیند سو جا تو بیشک اللہ پر ایمان رکھتا تھا ظاہر ہے کہ نیند جسد میں اترتی ہے روح پر نہیں، آنکھیں سوتی ہیں روح نہ سوتی ہے نہ بھاگتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا اپنا ارشاد ہے ''رد اللہ علی روحی'' اس سے

بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ بھی اپنی قبر مبارک میں روح اور جسد دونوں سے ہیں۔ جسد اطہر بے حس و بے شعور نہیں ہے۔ کرامیہ جو معتزلہ کی ایک شاخ ہے وہ حضور ﷺ کو قبر میں بے جان سمجھتے ہیں اور وہ اہلِ سنت کی ایک مخالف جماعت ہے۔ ''ماأنا علیه وأصحابی'' کی صف میں انہیں بٹھایا نہیں جا سکتا، وہ عذاب قبر کے بھی منکر ہیں اور اہلِ سنت روح و جسد دونوں پر عذاب قبر کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

روح کے بدن میں واپس لوٹنے سے متبادر ہوتا ہے کہ جسد اطہر کبھی روح سے بے تعلق بھی ہوتا ہے، ایسا نہیں ہے۔ جب حضور ﷺ اپنی قبر مبارک پر حاضری دینے والے سب زائرین کا سلام سنتے ہیں اور دن رات میں کوئی ایسا وقت نہیں آتا کہ کچھ نہ کچھ لوگ وہاں سلام نہ پڑھ رہے ہوں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جسدِ اطہر کسی ایک لمحہ کے لئے بھی بغیر روح کے ہو؟ پھر آپ پر یہ ردِ روح کب ہوا؟ جب آپ کی وفات ہوئی اور اللہ کا وعدہ انک میت آپ پر پورا ہوا تو اس کے بعد آپ پر جب پہلا سلام پڑھا گیا تو یہ ردروح عمل میں آیا۔

سب سے پہلے حضور ﷺ پر سلام کس نے پڑھا؟

حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی پیشانی پر بوسہ کس نے دیا؟ حضرت ابوبکرؓ نے، اور آپ کی وفات کا اعلان بھی آپ نے ہی کیا۔ ظاہر ہے کہ آپ پر سلام بھی آپ نے ہی عرض کیا ہوگا۔

علامہ علاؤالدین القونوی الشافعی اپنے رسالہ آداب البعث میں لکھتے ہیں: ''ظاهر رد روحه ﷺ عند سلام اول من سلم علیه بعد وفاته''

آپؓ کے حواس اس انتہائی درجے کے صدمے کے وقت بھی پوری طرح قائم تھے۔ حضرت عمرؓ جیسے مدبر اور مفکر بھی اپنے حواس کھوئے ہوئے تھے۔ حضرت سیدہ فاطمہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ بھی اپنی جگہ نڈھال تھیں اس وقت کس کی ہمت تھی کہ آپ کو سلام کہہ سکے۔ آپ کے سلام کہنے سے یہ ردِ روح ہوا اور اس وقت سے لے کر اب تک آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں حیات عنصری برزخی سے زندہ ہیں۔ یہاں حدیث رد اللہ علیّ روحی میں روح مبارک کا جسدِ اطہر کی طرف بار بار لوٹنا مراد نہیں بلکہ یہ استیقاظ (جاگنے) کے معنی میں ہے۔ حضرت علامہ بلہوری ﷫ حضرت امام سبکی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: ''قال الشیخ ان لفظ الرد قد لا یدل علی انفکاک المفارقة بل کنی به عن مطلق الصیرورة کما قیل فی قوله تعالیٰ حکایة عن شعیب ﷤ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ (الاعراف ۸۹) ان لفظ العود ارید به مطلق الصیرورة لا العود بعد الانتقال لان شعیبا ﷤ لم یکن فی ملتهم قط وحسن استعمال هذا اللفظ فی هذا الحدیث مراعاة للمناسبة اللفظیة بینه وبین قوله حتی أرد ﷺ فی لفظ الرد فی صدر الحدیث لمناسبة ذکره فی آخر الحدیث''

ترجمہ: علامہ سبکی کہتے ہیں لفظ رد کبھی انفکاک مفارقت (پوری علیحدگی) کے معنی میں نہیں مطلق صیرورت کے معنی میں بھی آتا ہے جیسے قرآن کریم میں حضرت شعیب کا یہ قول مذکور ہے: قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُم یہاں عود سے مراد مطلق صیرورت ہے، عود بعد الانتقال نہیں کیونکہ آپ ان کی ملت میں سے نہ تھے اور اس حدیث (رد اللہ علیّ روحی) میں اس کا آنا اس کے آخری حصے (حتی أرد علیه السلام) سے بہت خوبصورتی میں وارد ہے اور یہ اس کے اوّل اور آخری ایک لفظی مناسبت ہے۔

حضرت علامہ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ عالم برزخ میں عالم ملکوت سے اس قدر مشتغل اور اپنے رب کریم کے مشاہدہ میں اس قدر مستغرق ہوگئے تھے کہ آپ کی وہ حالت ہوگئی جو دنیا میں رہتے ہوئے بھی وحی کے اترتے وقت ہو جایا کرتی تھی (جیسے انتہائی سردی میں بھی پسینہ پسینہ ہو جانا اور وزن کی گرانی بھی اتنی کہ کسی سے برداشت نہ ہو سکے) اور صرف وحی کے اترتے وقت نہیں اور بھی کئی ایسے اوقات آجاتے کہ آپ کی اس دنیا کی طرف توجہ نہ رہے۔

شیخ عارف حضرت علامہ سبکی رحمہ اللہ نے اسے ''وفی اوقات آخر'' سے بیان کیا ہے۔

راقم الحروف کو ایک اور ایسا موقع بھی یاد آرہا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ آپ کے پاس آئیں تو آپ نے پوچھا کون ہے؟ ام المؤمنین نے کہا عائشہ، آپ نے کہا عائشہ کون؟ حضرت عائشہ سمجھ گئیں کہ آپ ﷺ نے مجھے پہچانا نہیں اور واپس ہوگئیں آپ کا یہ اس دنیا میں عالم ملکوت میں استغراق تھا۔ حضرت علامہ سبکی رحمہ اللہ حدیث کے ان الفاظ ''رد اللہ علیّ روحی'' میں بھی اسی طرح کی حالت آنا مراد لے رہے ہیں۔ حضرت علامہ سبکی رحمہ اللہ اسے اس طرح بیان کرتے ہیں: ''ان تکون روحہ الشریفة مشتغلة بشھود الحضرة الالٰھیة والملأ الأعلیٰ عن ھذا العالم فاذا سلم علیہ اقبل روحہ الشریفة علیٰ ھذا العالم فیدرک سلام من سلم علیہ ویرد علیہ''

ترجمہ: یہ اس صورت میں ہے کہ آپ کی روح مبارک اللہ کے حضور اور ملاء اعلیٰ میں اس قدر مشتغل ہو کہ اس دنیا کی طرف کوئی دھیان نہ رہے، جب آپ پر سلام کہا جائے تو آپ کی روح پھر اس طرف متوجہ ہو خواہ اس درجہ میں کہ سلام کہنے والے کا سلام سن لے یا اس درجے میں کہ اسے جواب میں وعلیک السلام بھی کہے۔

یہ اسی طرح ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام اپنے نزول کے بعد) میری قبر پر اتریں اور مجھ پر سلام کہیں تو میں انہیں جواب بھی دوں گا (جسے وہ بھی سن لیں) او کما قال النبی ﷺ

عادۃً ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی حضور ﷺ کے روضہ پر آکر آپ پر سلام کہے تو وہاں آپ کے دو ساتھیوں پر سلام کہے بغیر وہ واپس ہو جائے۔

حضرت علامہ سبکی رحمہ اللہ نے حضور ﷺ پر ایسی حالت کے آنے پر حدیث کے حوالے سے ایک اور بات بھی کہی ہے: ''قلت وفی حدیث ابی اسید حین جاء بابنہ الی رسول اللہ ﷺ لیحنکہ فوضعہ علی فخذ رسول اللہ ﷺ واشتغل رسول اللہ ﷺ بالحدیث مع الناس فرفع ابو اسید ابنہ ثم استیقظ رسول اللہ ﷺ فلم یجد الصبی فسأل عنہ فقالوا رفع فسماہ الراوی استیقاظا''

ترجمہ: حدیث ابی اسید میں ہے جب وہ اپنے بیٹے کو حضور ﷺ کے پاس تحنیک کے لئے لائے اور انہوں نے اسے حضور ﷺ کی ران مبارک پر رکھا حضور ﷺ لوگوں کے ساتھ کوئی بات کر رہے تھے اسی دوران ابو اسید نے اپنے بیٹے کو گود مبارک سے اٹھا لیا تو جب حضور ﷺ اس بات سے فارغ ہوئے اور بچے کو گود میں نہ پایا تو آپ نے اس کے بارے میں پوچھا، پاس کے لوگوں نے آپ کو بتایا کہ اسے اٹھا لیا گیا ہے۔

اس پر علامہ سبکی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بچہ اٹھاتے وقت حضور ﷺ کو جب بچہ کے اٹھائے جانے کا پتہ نہ چلا اور آپ نے اس کے بارے میں پوچھا تو راوی نے آپ کی اس حالت کو جاگنے سے تعبیر کیا ہے۔ حالانکہ حضور ﷺ اس وقت سوئے نہ تھے باتیں کر رہے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ راویوں کی اس طرح کی تعبیر سے کبھی بات کسی اور معنی پر بھی آجاتی ہے اس میں آپ سمجھانا چاہتے ہیں کہ اس طرح کے روحانی حالات میں آپ ﷺ کی عالم عنصری کی

برزخی زندگی کا انکار نہ کیا جائے اور معتزلہ کے فرقہ کرامیہ کے انکار حیات کے مؤقف سے بچنے اور ہٹنے کی پوری کوشش کی جائے۔ راقم الحروف اس قسم کے توہمات سے اہلِ سنت کے دائرہ حقہ سے نکلنے والے مماتیوں کو یہ مشورہ دینے میں خوشی محسوس کرتا ہے، اسے احقر کی طرف سے کوئی جذبہ عناد نہ سمجھیں۔ واللہ علی ما أقول شہید!

انکارِ حیات کا تاریخی پس منظر

سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے عہد حکومت میں نیشاپور کے قریب ایک بہت فتنہ پرداز شخص گزرا ہے، اس کا نام بیکندی تھا۔ وہ لطائف الحیل سے سلجوقی دربار میں منصب وزارت پر آ گیا تھا اس کے عقائد اعتزال و رفض کا امتزاج تھے۔

۴۴۵ھ کے قریب اس نے وفات النبی اور جسد جمادی کی تمہید سے انتفائے نبوت کا عقیدہ اختیار کیا۔ اس کا اعتقاد تھا کہ حضور ﷺ کا جسد اطہر روضہ منورہ میں محض بے حس و بے شعور ہے۔ اس نے اسے انعزال نبوت کے لئے کہ حضور ﷺ وفات شریفہ کے بعد اب حقیقۃً رسول نہیں رہے، ایک سیڑھی بنایا اور صرف یہی نہیں بلکہ اس نظریے کو امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کی طرف بھی منسوب کر دیا۔ اقتدار کے سہارے اور جھوٹ بول کر اس نے ان خیالات کو بہت دور تک پہنچانے کی کوشش کی۔

اس کے عقیدہ میں روضہ منورہ کی حیات جسمانی کا انکار اس لئے بھی تھا کہ اس سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کے جوارِ رسول ﷺ میں ہونے اور روضہ اطہر میں ہم پہلو سونے کی شانِ امتیاز کمزور ہوتی تھی۔ ممکن ہے اس سے اس کے رفض کو کچھ تسکین پہنچتی ہو۔

پھر وفات کے بعد روح و بدن کی کلی مفارقت سے عذابِ قبر کا انکار بہت ہی آسان ہو جاتا تھا سو اس سے اس کے اعتزال کو قوت ملتی تھی۔

یہ عقیدہ کہ اب حضور ﷺ رسول نہیں رہے، دراصل جزوِ کلمہ "محمد رسول اللہ" ہی میں تشکیک کی راہ پیدا کرنا تھا۔ حالانکہ یہ کلمہ بالاجماع صحیح ہے اور اس میں آپ کے لئے صحیح اقرارِ رسالت ہے۔ انکار حیاتِ قبریہ اور انعزال نبوتِ حقیقیہ کے دونوں باطل عقیدے دوش بدوش چلنے لگے۔ کتاب و سنت کی بہت سی تصریحات بنائے فاسد علی الفاسد کی لپیٹ میں نذرِ تاویلات ہوتی رہیں اور اہل حق بھی اپنی طرف سے اس کے ابطال کی طرف پورے متوجہ رہے۔ اکابر اہل سنت نے ان نظریات پر نکیر کی اور امام اہل سنت امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ پر جو افترائات باندھے گئے تھے کہ ان کے عقائد بھی یہی تھے، ان تمام الزامات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔

اس وقت امام حدیث احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) زندہ تھے۔ آپ نے اور امام ابوالقاسم عبدالکریم القشیری رحمہ اللہ نے نہایت قوت اور ثابت قدمی سے کرامیہ کا مقابلہ کیا۔ یہ سارے مفاسد جس بنیاد پر قائم کئے جا رہے تھے، وہ یہی تھی کہ حضور ﷺ اب اپنی قبر میں محض بے جان ہیں۔ معاذ اللہ ان بزرگوں نے یہ جڑ ہی اکھاڑ کر رکھ دی اور بتایا کہ حقیقت حال اور قرآن و سنت کا استدلال کیا ہے۔ امام بیہقی نے رسالہ "حیات الانبیاء" لکھا اور علامہ قشیری نے شکایۃ اهل السنۃ بما نالهم من اهل المحنۃ میں ان افترائات کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔

ان واقعات کی تفصیل کے لئے حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ کی کتاب "تبیین کذب المفتری" اور طبقات الشافعیہ زیر ترجمہ امام ابوالحسن الاشعری رحمہ اللہ ملاحظہ کیجئے۔ علامہ تقی الدین سبکیؒ لکھتے ہیں: "فان قیل فمن این وقعت

هذه المسئلة ان لم يكن لها اصل قيل ان بعض الكرامية ملأالله تعالٰى قبره نارا وظني ان الله قد فعل الزم بعض اصحابنا۔" (طبقات الشافعیہ ج ۲ ص ۲۸۲)

ترجمہ: اگر کہا جائے کہ جب اس مسئلے کی کوئی اصل نہیں تو پھر یہ کہاں سے آ گیا؟ تو جواب میں کہا جائے گا کہ بعض کرامیہ نے اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو آگ سے بھرے اور میرا گمان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھر دیا ہوگا، سب سے پہلے یہ مسئلہ گھڑا تھا۔

امام حدیثؒ کے اس جلال اور ناراضگی کو دیکھئے اور اس پر غور کیجئے۔ اس کے برعکس اپنا عقیدہ آپ ان الفاظ میں لکھتے ہیں: "لان عندنا رسول الله ﷺ حی یحس ویعلم وتعرض علیه اعمال الأمة یبلغ الصلوة والسلام علی مابینا" (طبقات الشافعیہ ج ۲، ص ۲۸۲)

ترجمہ: کیونکہ ہمارے نزدیک حضور ﷺ زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات حسی ہے اور آپ علم رکھتے ہیں اور امت کے اعمال آپ پر پیش کئے جاتے ہیں اور آپ کو صلوۃ وسلام جیسا کہ ہم نے بیان کیا پہنچایا جاتا ہے۔

پھر آپ نے اپنا عقیدہ ان الفاظ میں لکھا ہے: "ان من عقائدنا ان الانبياء علیہم السلام أحياء في قبورهم فاين الموت الی أن قال وصنف البيهقي جزء سمعناه في حياة الانبياء في قبورهم واشتد نكير الاشاعرة على من نسب هذا القول الى الشيخ" (ایضاً ج ۲، ص ۲۶۶)

ترجمہ: ہمارے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں سو وہاں موت کہاں اور امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے ایک مستقل جزو اس پر تصنیف کیا ہے جو انبیاء کرام کے قبروں میں زندہ ہونے کے بارے میں ہے اور جن لوگوں نے حضرت الشیخ ابوالحسن الاشعری کی طرف انبیاء کے قبروں میں مردہ ہونے کا قول منسوب کیا ہے اشاعرہ نے بڑی سختی سے اس پر نکیر کی ہے۔

حضرت علامہ قشیریؒ فرماتے ہیں: "فأما ما حكي عنه (اى الاشعري) وعن اصحابه انهم يقولون ان محمدا ﷺ ليس نبي في قبره ولا رسول بعد موته فبهتان عظيم وكذب محض لم ينطق احد منهم ولا سمع في مجلس مناظرة ذلك عنهم ولا وجد في كتاب لهم وكيف يصح ذلك وعندهم محمد ﷺ حيّ في قبره" (شکایۃ اہل السنۃ رسائل قشیریہ ص ۱۰، طبقات ج ۲، ص ۲۷۹)

ترجمہ: ہاں! جو امام ابوالحسن اشعری اور دوسرے اشاعرہ کی طرف منسوب کیا گیا کہ ان کے نزدیک حضور ﷺ اپنی وفات شریفہ کے بعد اب اپنی قبر شریف میں نبی اور رسول نہیں رہے، یہ محض جھوٹ اور بہتان عظیم ہے۔ اشاعرہ میں سے یہ کسی نے نہیں کہا نہ ان سے کسی مجلس مناظرہ میں ایسی بات سنی گئی اور نہ ان کی کسی کتاب میں یہ مضمون ملا ہے اور ان کا یہ عقیدہ کیسے ہو سکتا ہے جب کہ ان کے ہاں حضور اکرام ﷺ اپنے روضۂ اطہر میں زندہ ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامیؒ فرماتے ہیں: "واما ما نسب الى الامام الاشعري امام اهل السنة والجماعة من انكار نبوتها بعد الموت فهو افتراء وبهتان والمصرح به في كتبه وكتب اصحابه خلاف مانسب اليه بعض اعدائه لان الانبياء عليهم الصلوة والسلام احياء في قبورهم وقد اقام النكير على افتراء ذلك ابو القاسم القشيري" (شامی ج ۳، ص ۳۶۶ باب المغنم)

ترجمہ: امام اہل سنت امام ابوالحسن الاشعریؒ کی طرف جو منسوب کیا گیا ہے کہ وہ حضور ﷺ کے لئے

وفات شریفہ کے بعد اس وصف کے ثابت ہونے کا انکار کرتے ہیں، یہ محض افتراء اور بہتان ہے، ان کی اور ان کے ہم مشرب احباب کی کتابوں میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے۔ یہ ان کے دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کر دیا ہے تحقیق یہی ہے کہ انبیاء ﷩ اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور امام ابوالحسن الاشعریؒ پر اس افتراء باندھنے کے خلاف علامہ ابوالقاسم قشیریؒ نے زبردست احتجاج کیا ہے: ''ان نسبة الخلاف فی هذه المسئلة الی الشیخ ابی الحسن الاشعری زور وبهتان وانما وقع بسبب ان بعض الکرمیه... ان الاشعری وأصحابه قائلون بان النبی ﷺ فی القبر حی یحس ویعلم۔'' (الروضۃ البہیۃ فیما بین الاشاعرۃ والماتریدیہ ص ۱۵)

ترجمہ: امام ابوالحسن الاشعریؒ کی طرف اس عقیدے کی مخالفت کی نسبت محض افتراء و بہتان[1] ہے اور اس کا سبب کرامیہ تھے۔ امام اشعریؒ اور ان کے سب اصحاب تو اسی بات کے قائل ہیں کہ حضور انور ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور علم و احساس بھی رکھتے ہیں۔

ان ائمہ و اکابر کے انداز بیان کو دیکھئے اور غور فرمایئے کہ یہ مسئلہ اگر کوئی معمولی مسئلہ ہوتا، تو یہ اکابر و اعیان اتنی سی بات پر اس قدر جلالی میں نہ آجاتے۔ حیات النبی ﷺ کا انکار دراصل بہت سے فتن و مفاسد کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے اور ان ائمہ فن کی ان پر پوری نگاہ تھی۔ اندریں صورت یہ مسئلہ ایک اصولی مسئلہ بن کر سامنے آتا ہے۔ قصیدہ بدء الامالی میں ہے:

وأن الانبیاء لفی أمان عن العصیان قصدا وانعزال

ترجمہ: اور بیشک انبیاء اس سے محفوظ ہیں کہ وہ قصداً خدا کی کوئی نافرمانی کریں اور اس سے بھی کہ وہ کسی طرح نبی نہ رہیں (ان کی نبوت جاتی رہے۔)

امام ملا علی قاریؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ''المعنی ان الانبیاء لفی امان عن العزل عن مرتبة النبوة والرسالة وحکی شارح الطوالع فیه اجماع الامة'' (ص ۲۵ مطبع مجتبائی)

ترجمہ: اس کا معنی یہ ہے کہ نبیوں کو مرتبۂ نبوت و رسالت سے ہٹائے جانے سے مامون (امن میں) کیا گیا۔ شرح طوالع میں اس پر پوری امت کا اجماع نقل کیا گیا ہے۔

الغرض: یہ امور ہیں جنہوں نے ایک ایسے مسئلے کو جو اپنی ابتدائی سطح میں گو درجہ ضروریات میں سے نہ تھا، بقائے نبوت پیغمبر خاتم، شانِ شیخین بجوارِ رسول الثقلین، اعتماد علی السلف، تحفظ مسلک اہل السنۃ، ازالۂ اوہام کرامیت، حقیقت عذاب القبر، احترام اجماع امت اور آدابِ زیارت جیسے اہم مسائل کی پامالی کی وجہ سے وہ اہمیت دے دی ہے کہ حقیقت حال کو جاننا اور صورتِ مسئلہ کو پہنچانا ضروری ہو گیا ہے۔

ان حالات اور ضروریات سے متاثر ہو کر کہ مبادا راہ گم کردہ قافلہ مسلک اہل سنت ہی کو ملتبس کر دے اور جوہر وحدت سے ہاتھ دھو کر محض تفرد ہی نہیں، اپنے عوام کے لئے انتشار و تشتت اور ذہنی آوارگی کا موجب ہوں، یہ سطور پیش خدمت ہیں۔ ممکن ہے یہ ناچیز کوشش اہل تذبذب کے لئے شفاء قلب کا سامان، راہ گم کردہ دوستوں کے لئے منزل کا نشان اور اہل یقین کے لئے وضوح و برہان ثابت ہو۔

---

[1] اکابر کی طرف انکار حیات کی نسبت کرنا کوئی نیا افتراء و بہتان نہیں، یہ سنتِ کرامیہ چلی آرہی ہے۔ ولیست ہاوّل قارورۃ کسرت فی الاسلام۔

مقدمہ

مقامِ حیات (جلد اوّل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن وسنت اسلامی فکر ونظر کا سرچشمہ حیات ہیں۔قرآن پاک کی بلاغت اس کی انتہا پر واقع ہے کہ طوق بشر اس کی نظیر لانے سے عاجز ہے۔ بلاغت کا تقاضا اور ادب کی شان یہ ہے کہ ہر بیان اپنے مفہوم میں کچھ سیاق و سباق، کچھ اندازِ تخاطب اور کچھ قرائن کی وضاحت چاہے اور ظاہر ہے کہ ان امور میں علمی افکار اور نظری مقدمات عوامی سطح پر نہیں آسکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اصولی مسائل کے ماسواء، اکابر ہمیشہ سنت سے استدلال کرتے رہے ہیں۔ اسی میں انہیں عمل کی سلامتی نظر آئی اور انہی نظریات کی تفصیل ہوئی جن میں قرآن کا درجہ اجمال یا درجہ احتمال میں تھا۔بعض لوگوں نے تو یہاں تک روایت کیا ہے کہ ترجمان القرآن سیدنا حضرت ابن عباسؓ جب دوسری مرتبہ خوارج سے مناظرہ کرنے کے لئے گئے تو حضرت علیؓ نے انہیں یوں نصیحت فرمائی: ''ان خاصموک بالقران فخاصمھم بالسنۃ۔ کنز العمال'' (حقیقۃ الفقہ ۶۴، مولانا انواراللہ فاروقی)

سیاتی قوم یجادلو نکم فخذوھم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ

(کنزالعمال ج ۱۰۹ انہج البلاغہ ج ۲ ص ۱۹۵)

یعنی قرآن سے خطاب نہ کرنا (کہ یہاں ارشادِ باری کو دوسرے معنی پہنانے کی کوشش کی جائے گی) بلکہ استدلال کی بنیاد سنت پر رکھنا کہ یہاں انہیں مخلص نہ مل سکے گا۔

آپ نے بارہا محسوس کیا ہوگا کہ دینی فتنوں کا طریقِ واردات پہلے یہی ہوتا ہے کہ سنتِ پیغمبر ﷺ اور تشریحاتِ سلف سے بالکل بے نیاز کرکے بالاستقلال قرآن کی دعوت دی جائے۔اب یہاں اپنا میدان ہے، جو چاہو معنی کرلو، قرآن پاک کو اس کی پوری عظمتِ علمی سے سمجھنے والے اربابِ خبرت اگر باتوں میں نہیں آئیں گے تو کوئی حرج نہیں، اکثریت تو عوام کی ہے انہیں قرآن کے دلکش اور حسین عنوان کے ساتھ مغالطے میں ڈالنا کوئی مشکل بات نہیں۔انکارِ حدیث کی اگر جرأت نہ ہو تو عوامی سطح پر اسے قرآن سے ٹکرا دیا جائے اور پھر اس عنوان سے اس کا انکار کردیا جائے کہ جو روایت قرآن کے خلاف ہو اسے ہرگز نہ مانا جائے، پھر کون ہے جو آڑے آسکے۔عوام میں اتنی استعداد کہاں کہ وہ بشرطِ صحتِ روایت اس ٹکراؤ کو تطبیق وتوفیق کے دائرہ میں اتار سکیں۔عظمتِ قرآن کا یہ دلکش نعرہ مدتوں سے، پرانے فتنوں کو کم کرنے کے پروگرام کے ساتھ، نت نئے فتنوں کو جنم دیتا رہا ہے۔ملت کا کاروانِ حیات ایسی کئی سراؤں کے پاس سے گزرا ہے جن کی نشاندہی اس وقت ہمارا موضوع نہیں ہے۔

ہاں اسی رہ گزر سے شام و سحر اجنبی قافلے بھی گزرے ہیں

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ قرآن ہماری اساس نہیں۔اسلام کے جملہ اصول قرآن کریم میں منصوص ہیں۔ہم نے جو یہ مشورہ نقل کیا ہے اصولی مسائل کو مستثنیٰ کرکے ذکر کیا ہے۔جہاں قرآن پاک اپنے موضوع پر ناطق ہو وہاں تو

مسلمان کسی اور طرف جا ہی نہیں سکتا اور جہاں قرآن پاک کی بات میں کئی پہلوؤں کی گنجائش ہو تو پھر سنت ہی ہے جو فیصلہ کرے گی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی حضرت علیؓ کے پورے ہمنوا ہیں اور یہی جملہ اسلاف کا مسلک تھا۔

''کان عندھم انہ اذا وجد فی المسئلۃ قرآن ناطق فلا یجوز التحول منہ الی غیرہ و اذا کان القرآن متحملا لوجوہ فالسنۃ قاضیۃ علیہ'' (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱، ص ۱۱۹)

ترجمہ: اسلاف کا یہی طریقہ رہا ہے کہ جب کسی مسئلے میں قرآن ناطق موجود ہو تو اب کسی اور طرف رخ کرنا جائز نہیں اور جب قرآن کریم میں کئی وجوہ کی گنجائش ہو تو اب سنت ہی ہے جو ان پر فیصلہ کرے گی۔

مجتہد اور مناظر میں فرق

مجتہد کا فیصلہ غیر مجتہد کے لئے سند ہوتا ہے اور مجتہد اپنے فیصلے میں بیرونی اثرات سے محفوظ ہوتا ہے۔ قاضی ہو تو جو اس کی بات نہ مانے اسے اس پر حاکمانہ قوت حاصل ہوتی ہے لیکن برابر کے مناظر جب حق و باطل کے تصفیے کے لئے کھڑے ہو جائیں تو وہاں بات خطابی چلتی ہے اور حق کا ترجمان براہ راست آسان بات پر آتا ہے جس میں دوسرا شخص عوام کو نہ مغالطہ دے سکے نہ بھاگ سکے۔ یہ ایک ضرورت اور وقتی مصلحت تھی جو حضرت علی المرتضیٰؓ نے اختیار فرمائی اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو مشورہ دیا کہ استدلال سنت سے کرنا۔

مسئلے کو اس کے ماخذ سے لینا مجتہد اور اولی الامر کا کام ہے، لیکن بے راہرو مقابل کا منہ بند کرنے کے لئے وقت کی مناسبت دیکھنی پڑتی ہے، وہ آپ کے ماتحت نہیں کہ آپ کی بات ضرور مان لے۔ ایسے موقعہ پر ہر وہ بات کرو جو آسانی سے حل جائے۔

حضرت علیؓ کے مقابل خوارج تھے۔ تصنع سے قرآن پڑھنا اور لوگوں کو قرآن سے مغالطے میں ڈالنا ان کا فن تھا۔ حضرت علیؓ پوری طرح سمجھتے تھے کہ قرآن ان کے دلوں میں نہ اترے گا اس لئے آپ نے وہ نصیحت فرمائی جو ہم نے نقل کی ہے کہ استدلال سنت سے کرنا۔

خوارج جن سے یہ مناظرہ درپیش تھا۔ ان کے بارے میں آنحضرت ﷺ پیش گوئی کر گئے تھے اور وہ حضرت علیؓ کو معلوم تھی۔ سو آپ کا مذکورہ نصیحت کرنا کوئی بے جا عمل نہ تھا۔ خوارج کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا:

''یخرج فی ھذہ الامۃ قوم تحقرون صلوتکم مع صلوتھم یقرؤن القران لایجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کمروق السھم من الرمیہ'' (رواہ البخاری عن ابی سعیدؓ ج ۲، ص ۱۰۲۴)

ترجمہ: اس امت سے کچھ ایسے لوگ بھی اٹھیں گے کہ تم اپنی نمازوں کو ان کی نمازوں کے آگے ہیچ سمجھو گے، وہ قرآن قرآن پکارتے ہوں گے، لیکن وہ ان کے گلوں ہی تک ہوگا، یہ لوگ حقیقی دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار میں سے ہو کر نکل جاتا ہے۔

پاکستان میں مسئلہ زیرِ نزاع جن دو فریقوں میں زیر بحث ہے ان میں نہ کوئی قاضیٔ شرع ہے نہ کوئی مجتہد اور نہ کوئی حاکمِ وقت کہ اپنے فیصلے کو دوسرے پر مسلط کر سکے۔ سو اگر مسئلہ زیرِ نزاع حدیث میں عبارت النص سے موجود ہو جیسے: ''الانبیاء أحیاء فی قبورھم یصلون'' تو حدیث سے بات سمجھانا بہت آسان رہتا ہے۔ اس بناء پر ہم نے حضرت علی المرتضیٰؓ کا مذکورہ مشورہ ذکر کیا ہے۔

مجتہد اور مقلد میں علمی فرق

مجتہد اپنے اونچے علم کی روشنی میں ان امور میں بھی قرآن سے استدلال کرسکتا ہے جن پر قرآن کا فیصلہ بطور نص موجود نہ ہو۔ مسئلہ پیش افتاد کی قرآن میں نظیر تلاش کرنا، اس مسئلے کا حکم پالینا یہ مجتہد کا کام ہے۔ غیر مجتہد کے لئے سلامتی کی یہ راہ ہے کہ وہ ایسے مسائل میں مجتہدین کے فیصلے سے جو انہوں نے کتاب وسنت سے دریافت کئے ہیں راہ پائے۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عبداللہ مسعود، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، امام محمد بن سیرینؒ، حضرت عمر بن العزیزؒ یہ سب حضرات مجتہدین تھے۔ مقلدین کو ان کے طریق استدلال کی دعوت دینے کی انہی لوگوں کو ضرورت ہوگی جو ائمہ دین سلف صالحین اور اپنے اکابر کی تحقیقات کو ساتھ لے کر نہ چلنا چاہتے ہوں۔

مذہب اہل سنت والجماعت کوئی نیا مذہب نہیں جسے آج ادلہ اربعہ کی روشنی میں ترتیب دیا جائے یہ ایک طے شدہ مدون مسلک ہے جس نے معتزلہ، کرامیہ، جبریہ، قدریہ، شیعہ، ومرجۂ اور خوارج کے مقابل اپنے جملہ اصول وفروع کتابوں میں لکھ دیئے ہیں۔ آج نئے سرے سے ان مسائل کو کتاب وسنت میں تلاش کرنا ان دوستوں کو اس کی ضرورت تبھی محسوس ہورہی ہے کہ یہ صراحت اسلاف کے ذخیرۂ علم میں انہیں کہیں نہیں ملتی اور وہ اس سے کلی طور پر بچنا اور مذہب اہل سنت سے بالکل ہٹنا چاہتے ہیں۔

جس طرح منکرین حدیث ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ یہ لوگ عجمی سازش (جو ان کے نزدیک ذخیرۂ حدیث کی تدوین کا نام ہے) کا شکار ہیں اسی طرح ہمارے یہ کرم فرما ہمارے مقابل قرآن پاک کی وہ آیات بڑے شدومد سے پیش کررہے ہیں جن کا حاصل یہ ہے کہ قرآن کی بات مانو اور یہ کہ یہ کتاب صحیح کہتی ہے گویا حیات النبی کے قائلین سب قرآن کے نہ ماننے والے ہیں اور وہ نہیں سمجھتے کہ یہ کتاب ڈرنے والوں کے لئے ہدایت ہے۔ علمی مآخذ کی حیثیت سے اس تک مجتہد ہی پہنچ سکتے ہیں، نہ کہ ہر ایک واعظ۔ پھر انہوں نے ڈھونڈ کر وہی آیات پیش کی ہیں جن میں انکار حیات کا کوئی ادنیٰ اشارہ بھی نہیں۔ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کوئی مولوی صاحبان ہیں یا یہ حضرات مسٹر پرویز کے نمائندوں کی حیثیت سے اس میدان میں اترے ہوئے ہیں۔ والی اللہ المشتکی!

مسئلہ حیات النبی کیا قرآن پاک میں ہے؟

ہمارے کرم فرما خود کہتے ہیں: ''قرآن کریم میں اس مسئلہ کی کہیں صراحت نہیں، ہاں شہدا کے حق میں ارشاد ہے بل أحیاء ولکن لاتشعرون اس سے بطور دلالۃ النص کے سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا درجہ شہدا سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفات زندہ اور اسی طرح علماء کرام نے زادہم اللہ شرفا یہ مسئلہ قرآن کریم سے نکالا۔''

(مسالک العلماء ص ۱۹)

اب اگر اس مسئلے کی قرآن میں صراحت نہیں اور حدیث میں اس کی صراحت موجود ہو تو اس عنوان پر براہ راست حدیث سے استدلال کرنا آپ خود ہی سوچیں اس میں ہم نے کون سی غلطی کی ہے؟ فرق ہے تو یہ کہ ہم نے حیات انبیاء پر حدیث سے استدلال کیا ہے اور آپ نے علماء سے اور آپ نے انہیں اس احسان پر دعا بھی دی ہے کہ زادہم اللہ شرفا۔

پھر یہ بات جو انہوں نے کہی، ہم خود اسے ان لفظوں میں کہہ بھی چکے ہیں۔ مگر نہیں معلوم انہیں اسے دہرانے سے کیا ملا؟

ہاں شہداء کے لئے حیات بعد الوفات کا ثبوت یقیناً قرآن میں موجود ہے جسے انبیاء کی حیات بعد الوفات کے لئے دلالۃ النص کے طور پر بیان کیا جا سکتا ہے۔ (مقام حیات طبع اول ص ۲۸)

ان سے اصولی موافقت کرتے ہوئے اگر ہم حدیث سے بھی استدلال کر لیں تو یہ ہم پر انگلی اٹھاتے ہیں اور خود یہ اقوال علماء سے فیصلہ لیں تو ہم پھر بھی انہیں کچھ نہیں کہتے، اپنا اپنا ظرف ہے، اور اپنا اپنا مسلک۔ ہمیں تو یہ بات زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ مسئلہ اگر قرآن کریم میں صراحت سے نہ ملے تو اسے حدیث میں تلاش کر لیا جائے حضور ﷺ نے اسی ترتیب کو منظوری بخشی تھی، معلوم نہیں ان حضرات کو حدیث سے تنفر کیوں ہے؟ وہ اس طرف کیوں نہیں آتے؟

آیت حیات شہداء میں تخصیص کا احتمال

قرآن کریم میں حیات شہداء عبارۃ النص میں مذکور ہے۔ اگر کوئی صاحب اسے شہداء کی جزوی فضیلت کہے اور حیات انبیاء کا قائل نہ ہو تو کیا ہم اس پر حکم کفر جاری کر سکیں گے؟ ہم یہی کہیں گے کہ اس احتمال کو اس آیت میں نہ آنے دو۔

حدیث میں انبیاء کے لئے صریح طور پر احیاء (وہ زندہ ہیں) کا لفظ موجود ہے اس احتمال کو زائل کرنے کے لئے اگر ہم نے حدیث سے تمسک کیا تو خود ہی فیصلہ کیجئے کہ کون سی غلطی کی ہے؟ ہم نے یہ بات کہی تھی کہ جن مسائل میں قرآن کا یہ درجہ اجمال یا درجہ احتمال میں ہو ان میں سنت سے استدلال کر لینا چاہئے۔ اب اس پر ہمارے کرم فرماؤں کا تبصرہ ملاحظہ ہو: ''اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ کو درجہ اجمال واحتمال میں داخل کر دیا، جس کا واضح معنی یہ ہے کہ (انبیاء) اموات ہیں زندہ نہیں اور نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے یہ ایسے ہی ہے جیسے مرزائیوں نے وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کو درجہ اجمال اور احتمال میں رکھا ہوا ہے۔'' (مسالک العلماء ص ۱۱)

جو لوگ یہ نہ سمجھ سکیں کہ یہ درجہ اجمال واحتمال والی بات آیت اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ کے بارے میں نہیں۔ آیت حیات الشہداء کے پیش نظر کہی جا رہی ہے اور وہ بھی محض اس لئے کہ ادنیٰ احتمال کی گنجائش بھی نہ رہے۔ ہمیں بہت حیرانی ہے کہ ان حضرات نے اموات غیر احیاء کو کس دیدہ دلیری سے آیت وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ کی طرح قطعی الدلالۃ بنا دیا ہے۔ گویا اس میں واقعی کسی اور معنی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

کیا آیت ''اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ'' عقیدہ ممات النبی پر قطعی الدلالۃ ہے؟

مخالفین اپنے اس دعوے پر کہ حضور ﷺ اب زندہ نہیں ہیں۔ آیت اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ کو اسی طرح قطعی الدلالۃ سمجھے بیٹھے ہیں جس طرح آیت وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ حضور ﷺ کے آخری نبی ہونے پر قطعی الدلالۃ ہے ظاہر ہے کہ خاتم النبیین کا کوئی متبادل معنی نہیں ہے حضور ﷺ آخری نبی ہیں اور مرتبہ وزماں ہر اعتبار سے آخری نبی ہیں۔ کیا آیت اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ بھی اسی طرح انبیاء علیہم السلام (بشمولیت حضرت عیسیٰ بن مریم) کے بالفعل اموات ہونے پر قطعی الدلالۃ ہے یا اس کے کوئی اور معنی بھی ملتے ہیں؟ اموات میں انبیاء کے سوا کوئی اور احتمال بھی ہو کیا یہ ممکن نہیں؟ اگر نہیں تو پھر آپ کے نزدیک جملہ انبیاء کو بالفعل اموات نہ ماننے والے اور حضور ﷺ

کوزمانہ اور مرتبہ میں آخری نبی نہ جاننے والے دونوں کا حکم ایک ہونا چاہئے اور دونوں اپنے ان نصوص قطعیہ کے رد کرنے کے جرم میں دائرہ اسلام سے خارج تصور ہونے چاہئیں مگر سب حضرات جانتے ہیں کہ مماتی لوگ حیات النبی کے قائلین کو کافر نہیں کہتے اور قادیانیوں کو کافر کہتے ہیں آخر یہ فرق کیوں؟

کیا اس کی یہ وجہ تو نہیں کہ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ کی تفسیر میں اصنام (بت) مراد ہونے کا احتمال بھی لکھا ہے اور اس کا موضوع مجمل ہے کہ وہ جن جن کی عبادت کرتے ہیں وہ سب اموات ہیں ستارے ہوں یا بت، درخت ہوں یا آگ، زندہ انسان ہوں (جو انجام کار محل موت ہیں) یا شہداء (جو لوگ زندہ ہیں مگر ماضی میں مورد موت بنے) سب ان میں آگئے۔

ظاہر ہے کہ یہ آیت اس پہلو سے انبیاء کرام کے بالفعل اموات ہونے پر ہرگز دلالت نہیں کرتی چہ جائیکہ اسے اس معنی پر قطعی الدلالۃ کہا جاسکے، وہ ماضی میں موت کا ذائقہ چکھ چکے۔ مگر اب وہ زندہ ہیں حالاً اموات نہیں ہیں اور اس عقیدے سے کوئی کافر نہیں ہوجاتا۔

انبیاء کرام کو بھی ساتھ شامل کرلیں اور مطلقہ عامہ میں فعلیت نسبت کا تحقق ماضی میں مانیں، حالاً انہیں زندہ سمجھیں، شہداء کو ماسبق میں قتلوا سمجھیں۔ انہیں احیاء کہیں تو اس میں کوئی شرعی دلیل ایسا کہنے سے مانع نہ ہوگی۔ کیا مطلقہ عامہ میں فعلیت نسبت کا تحقق کسی ایک دور میں کافی نہیں ہوتا یا انہیں ہمیشہ ہی مرا ہوا ہونا چاہئے آخر آپ بھی تو کہتے ہیں: ''شہداء اور انبیاء بعد الوفات زندہ ہیں۔'' (مسالک العلماء ص ۲۹)

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ آپ کے نزدیک آیت اموات غیر احیاء کسی پہلو سے عقیدہ ممات النبی پر دال نہیں چہ جائیکہ اسے قطعی الدلالۃ اور وہ بھی مثل آیت خاتم النّبیین کہا جاسکے۔ تعصب اور ضد کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔ قاضی صاحب نے کس طرح عقیدہ حیاۃ النبی ﷺ اور انکار ختم نبوۃ کو برابر کردیا ہے۔

ہم نے حیات شہداء سے حیات انبیاء ثابت کرنے میں اس احتمال بعید کی رعایت کی کہ کوئی اسے فضیلت جزوی جو غیر نبی کو نبی پر ہوسکتی ہے قرار نہ دے اور کہے کہ حیات شہداء سے حیات انبیاء کا عقیدہ لازم نہیں آتا۔ ہم نے اس کا رد کئے بغیر براہ راست حدیث صحیح سے استدلال کیا کہ انبیاء بعد الوفات زندہ ہیں۔ لفظ اجمال یا احتمال میں ہمارا اشارہ اسی طرف تھا، آیت اموات غیر احیاء کی طرف نہ تھا۔

مگر ہمارے کرم فرماؤں کے علم وفہم کی داد دیجئے۔ وہ اسے ازخود اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ کے بارے میں لے بیٹھے۔ اور پھر کیا ہوا؟ اپنے آپ کو لے بیٹھے۔ ان کی صدائے ماتم سنئے: ''اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ کو درجہ اجمال و درجہ احتمال میں داخل کردیا۔ ایسا ہی ہے جیسے مرزائیوں نے وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ کو درجہ اجمال اور احتمال میں رکھا ہوا ہے۔'' (مسالک العلماء ص ۱۰)

ایک اور کرم فرما حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''موت کے کوئی اور معنی لے رہے ہیں اس معنی کو لے کر موت کا انکار نہیں ہوسکتا۔ تو خاتم النّبیین کی بھی قادیانی تفسیر اختیار کرکے ختم نبوت کا انکار نہیں ہوسکتا۔'' (العیاذ باللہ)

ایسی تحریریں دیکھنے سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ لوگ قادیانیوں سے ملے ہوئے تو نہیں جو سارا دیو بندان کے کھاتے میں ڈال کر خود مسلمان بنے، ساحل پر کھڑے محو تماشا ہیں۔

عوام کو یہ تاثر دینا کہ قادیانیوں اور مسلمانوں کا اختلاف اسی درجے کا ہے جس درجے کا اختلاف ہم میں حیات وممات کا ہے۔ یا یہ بات پھیلانا کہ قادیانیوں کی تفسیر آیت خاتم النّبیین بھی لائق قبول ہوسکتی ہے۔ یا یہ کہ فلاں فلاں عالم نے فلاں آیت کے معنی اس طرح بدلے ہیں جس طرح قادیانیوں نے قرآن کی تحریف کی ہے۔ آپ سوچیں کہ ان باتوں سے آپ کن لوگوں کی مدد کر رہے ہیں؟ کیا یہ انہی باتوں کا اثر نہیں کہ ان دوستوں کے اپنے ایک رفیق مولوی صاحب قادیانی ہوگئے ہیں۔

ہم اس اختلاف کو سمیٹنا چاہتے ہیں اور یہ لوگ ہیں جو اسے بڑھا رہے ہیں اور یہاں تک بڑھا رہے ہیں کہ اسے قادیانیوں کی دہلیز تک لے آئے ہیں۔ والی اللہ المشتکی!

آیت اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ کا موضوع بیان

کیا آیت خاتم النّبیین اسی درجے میں واضح المعنی ہے جس درجے میں آیت اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ؟ نہیں! آیت اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ میں مفسرین نے کئی احتمال ذکر کئے ہیں کہ یہ مراد ہے یا وہ لیکن آیت خاتم النّبیین کا کوئی اور متبادل معنی نہیں کہ اس معنی کو چھوڑ کر کوئی اور معنی اختیار کیا جائے۔ اول الذکر میں تاویل کرنے والا کافر نہ ہوگا اور ثانی الذکر میں تاویل کرنے والا دائرہ اسلام سے باہر ہوگا۔ لان التاویل فی ضروریات الدین لا یقبل۔

جس طرح آیت بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ حیات شہداء کے بارے میں نازل ہوئی، آیت اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ ممات انبیاء کے موضوع میں نازل نہیں ہوئی، یہ توحید کے موضوع پر ہے۔ کسی کے لائق عبادت نہ ہونے میں اس کا محل موت ہونا کافی ہے، جو ماضی میں یا حال میں یا مستقبل میں مورد موت ہو، وہ عبادت کے لائق نہیں، عبادت کے لائق صرف وہی ہے جو کبھی نہ مرے۔ آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رب العزت کے سوا تم جن کی پوجا کرتے ہو، وہ سب محل موت ہیں، حالاً ہوں یا ماسبق میں یا آئندہ کسی وقت (جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول وفات پائیں گے) ان میں سے کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

اس آیت میں ان میں سے کسی کے بالفعل مردہ ہونے کا بیان نہیں ہو رہا۔ فعلیت نسبت کا تحقق کسی زمانے میں ہو جائے کافی ہے۔ کسی کا بالفعل زندہ ہونا اسلام کے عقیدہ توحید کے ہرگز منافی نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانوں پر زندہ ہونا اور باقی انبیاء کا بعد الوفات زندہ ہونا رب العزت حی لا یموت کی صفت حیات سے ہرگز متصادم نہیں ہے۔ آیت کے آگے بھی دیکھیے: ''وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ، اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ، اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ'' (پ ۱۴ النحل ع ۲ آیت ۲۲)

ترجمہ: اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ تو خود پیدا کئے ہوئے ہیں جن میں جان نہیں اور وہ نہیں جانتے کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے معبود تمہارا معبود ہے اکیلا۔

یہ الفاظ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ بتلا رہے ہیں کہ آیت توحید کے موضوع میں وارد ہے، اس موضوع میں نہیں کہ انبیاء حالاً اموات ہیں یا ان کے روح کا ان کے جسم سے کوئی تعلق نہیں یہ مضمون آیت کا ہرگز موضوع بیان نہیں ہے۔ جب موضوع توحید الٰہ ہے تو اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ کا معنی اسی مورد پر رکھنا چاہئے جس درجے میں اس کا توحید سے تصادم ہوتا ہو۔ حالاً کسی کا زندہ ہونا توحید کے ہرگز منافی نہیں ہے۔ روح المعانی میں ہے۔ یہاں ان کے لئے صرف اثبات

مخلوقیت کافی ہے ان سے نفی حیات کا کوئی تقاضا نہیں۔

ان اثبات المخلوقیة لهم غیر مستدع لنفی الحیاة عنهم لما ان بعض المخلوقین احیاء

(تفسیر روح المعانی ج ۱۴ ص ۱۲۰)

ترجمہ: ان کا مخلوق ہونا ثابت کرنا اس بات کی دعوت نہیں دیتا کہ ان سے حیات کی بھی نفی کی جائے۔ کتنے لوگ مخلوق ہیں اور وہ زندہ ہیں۔

آیت اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ میں کیا کسی اور معنیٰ کا دخل بھی ہے؟

ہاں سیدنا حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہاں اموات کے معنی اصنام کئے ہیں۔ مفسر حقانیؒ لکھتے ہیں:

''جمہور مفسرین کے نزدیک ان سے مراد ان کے بت ہیں کہ جن کو وہ قادر زندہ اور دانا جان کر پرستش کرتے تھے۔ جلالین میں ہے وھم الاصنام، تفسیر کبیر میں اس جملہ کی شرح یوں ہے: فاعلم انه تعالیٰ وصف هذه الاصنام بصفات کثیرة پھر ان کے بتوں کی قدرت کو یوں باطل کرتا ہے: لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْـئًا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ'' (تفسیر حقانی ج ۵ ص ۱۷)

صفوۃ التفاسیر میں ہے: ''والذین یعبدونهم من دون الله کالاوثان والاصنام لایقدرون علیٰ خلق شئی اصلاً والحال انهم مخلوقون صنعهم البشر بایدیهم فکیف یکونون الهة تعبد من دون الله (اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ) ای وتلک الاصنام اموات لا ارواح لها لا تسمع ولا تبصر لانها جمادات لاحیاة فیها فکیف تعبدونها وانتم افضل منها لما فیکم من الحیاة۔'' (صفوۃ التفاسیر ج ۲ ص ۱۲۲)

ترجمہ: اور جن کو پکارتے ہیں اللہ کے سوا جیسے مجسمے ہوئے اور بت وہ بالکل کسی چیز کے پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اور حقیقت یہ ہے کہ خود انہیں انسانوں نے بنایا ہے سو وہ کیسے اللہ کے سوا عبادت کے معبود ہو سکتے ہیں اور یہ بت مردے ہیں ان کی ارواح ہیں ہی نہیں وہ سنتے دیکھتے نہیں کیونکہ وہ جمادات میں سے ہیں ان میں زندگی نہیں تم کس طرح ان کی عبادت کرتے ہو۔ حالانکہ تم ان سے افضل ہو تم میں حیات تو ہے۔

اب کہئے! کیا یہ آیت واقعی انبیاء کی نفی حیات کے لئے نازل ہوئی جیسے آیت خاتم النبیین بیان ختم نبوت کے لئے اتری۔

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) نے اموات کو عموم مجاز میں لیا ہے اور اس میں حضرت عیسیٰ ﷺ کو بھی لیا ہے جن پر موت آئندہ آئے گی۔ معلوم ہوا اس سے مراد کسی کا حالاً مردہ ہونا نہیں، محل موت ہونا مراد ہے، اس میں وہ بھی آ گئے جن پر پہلے کبھی موت آئی، مگر وہ بعد میں زندہ ہو گئے اور وہ بھی جن پر موت آئندہ آئے گی۔ جیسے فرشتے اور وہ بھی جن میں حیات سرے سے آئی ہی نہیں جیسے بت۔

(اموات) عموم المجاز لیشمل ما کان له حیاة ثم مات کعزیر او سیموت کعیسیٰ والملئکه علیهم الصلوة والسلام ومالیس من شانه الحیاة اصلاً کالاصنام (روح المعانی ج ۴ ص ۱۲۰)

ترجمہ: اموات عموم مجاز ہے یہ ان کو بھی شامل ہے جن میں پہلے حیات تھی پھر وہ فوت ہوئے جیسے عزیر ﷺ اور ان کو بھی شامل ہے جو آئندہ فوت ہوں گے جیسے عیسیٰ ﷺ ان کا بالفعل زندہ ہونا اس کے منافی نہیں ہے) اور فرشتے اور ان کو بھی شامل ہے جن میں حیات سرے سے آئی ہی نہیں جیسے بت۔

اللہ رب العزت کے لئے حیات تامہ ہے اور وہی ایک عبادت کے لائق ہے۔ باقی جو ہیں۔ ان میں کوئی حیات تامہ نہیں رکھتا۔ جو بھی ہے اسے اول یا آخر یا حالاً موت نے گھیر رکھا ہے سو اس آیت میں اثبات توحید باری ہے۔ کسی کا حالاً مردہ ہونا آیت کا موضوع نہیں ہے۔

معنی کون هم امواتا انهم لابدلهم من الموت و کونهم غیر احیاء غیر تامة حیاتهم و الحیاة التامة هی الحیاة الذاتیة التی لایرد علیها الموت۔ (روح المعانی ج ۴ ص ۱۲۰)

ترجمہ: ان کے اموات ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں موت سے مفر نہیں اور ان کے غیر احیاء کا معنی یہ ہے کہ ان کی حیات تامہ اس حیات ذاتیہ کو کہتے ہیں جس پر کبھی موت آئے ہی نہ (نہ پہلے آئی ہو نہ کبھی آئندہ آئے)۔

یہ معبودین کیسے مستحق عبادت ہو سکتے اور وہ مردے ہیں خواہ دواماً جیسے بت یا فی الحال جیسے وہ لوگ جو مر چکے ہیں (گو اب وہ زندہ ہوں) یا فی المال جو مریں گے مثلاً جن اور عیسیٰ علیہ السلام وغیرہم زندہ رہنے والے نہیں۔

(معارف القرآن ج ۵ ص ۳۱۶)

مزید تفصیل درکار ہو تو تفسیر ابن کثیر ج ا ص ۱۲۲، ج ۲ ص ۵۶۵، تفسیر قرطبی ج ا ص ۹۴، تفسیر خازن ج ۳ ص ۱۱۱ میں بھی دیکھ لیں۔ یہ آیت انبیاء علیہم السلام کے اس وقت اموات اور بے جان ہونے پر ہرگز دلالت نہیں کرتی۔ ان پر ماسبق میں موت آئی۔ اسی معنی میں وہ اموات میں آئے لیکن حالاً ان کو یا شہدا کو ہم اموات کہیں، اس کی قرآن ہمیں اجازت نہیں دیتا۔

افسوس کہ ہمارے مخالفین اس آیت اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ کو جس میں بت بھی مراد لئے گئے ہیں انبیاء کے حالاً بے جان ہونے پر اس درجہ کی قطعی دلیل سمجھتے ہیں۔ جیسے آیت وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ حضور ﷺ کی ختم نبوت کی قطعی دلیل ہے۔ ان حضرات کے علم وفہم اور دیانت وامانت پر جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ یہ حضرات پہلے تو علم سے اتنے دور نہ تھے اب انہیں کیا ہو گیا؟ اکابر کی شان میں گستاخی کا یہ فطری انجام ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیت انہیں بالکل سمجھ نہیں آرہی ۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد　　　میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

ان دوستوں نے علمی حیثیت سے اپنے آپ کو اتنا گرالیا ہے کہ شاید ہم انہیں اور مخاطب نہ کرسکیں۔ سو آئندہ ان شاء اللہ العزیز ہم اپنی بات مثبت پیرایہ میں کہیں گے۔ اگر سچائی کی امانت بغیر کسی تعصب اور احساس تحزب کے طلبہ علوم دینیہ اور عام اہل اسلام تک پہنچ جائے تو ہم سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی ذمہ داری ادا کردی۔ واللہ المستعان وعلیہ التکلان!

قرآن پاک اور آنحضرت ﷺ کی وفات شریفہ

قرآن پاک آنحضرت ﷺ کی اس دنیا کی زندگی ہی میں مکمل ہو چکا تھا۔ آپ عالم برزخ میں انتقال فرمانے سے پہلے متعدد اجزاء اور منتشر اوراق میں کتاب الٰہی کی یہ امانت امت کو سپرد کر چکے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس کتاب میں آپ ﷺ کے وقوع وفات کی خبر نہیں ہو سکتی۔ قرآن پاک میں آپ ﷺ کی وفات کا امکان (أفإن مات أو قتل کہ اگر آپ فوت ہو جائیں یا شہید ہو جائیں) موجود تھا اور آپ کی وفات کی پیشگوئی بھی آیت (انک میت

وانھم میتون) میں موجود تھی۔ لیکن اس بات کا بیان کہ آپ پر موت کا ورود ہو چکا ہے، اس کے لئے ابھی وقت کا انتظار تھا۔ سو اس کا قرآن میں نہ تذکرہ ہے، نہ ہو سکتا ہے۔ جو شخص کہے کہ قرآن میں ہے کہ آپ پر وفات آ چکی وہ اپنے اس دعویٰ میں کاذب ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات کے متعلق نصاریٰ کا جو تصور ہے، یہ پورا واقعہ صلیب بائبل میں موجود ہے۔ اس کا بائبل میں موجود ہونا ہی اس بات کی کافی دلیل ہے کہ یہ بائبل وہ انجیل مقدس نہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی اور جس کی تبلیغ آپ اپنی قوم کو کرتے رہے۔ ورنہ اس میں آپ کی اپنی موت کی خبر ہرگز نہ ہوتی۔

آنحضرت ﷺ پر وفات شریفہ کا یقیناً ورود ہوا اور آپ نے یقیناً اس دنیا میں سے انتقال فرمایا لیکن قرآن پاک اس وقوع موت کی ہرگز خبر نہیں دیتا۔ آپ ﷺ پر وفات آ چکی۔ اس کا سب سے پہلا ثبوت حضرت صدیق اکبرؓ کا وہ خطبہ بلیغہ ہے، جو کتب حدیث میں اسانید صحیحہ سے منقول چلا آ رہا ہے۔

وقوع موت ثابت کرنے کے لئے تاریخی حوالے کی بجائے خواہ مخواہ قرآنی آیات پڑھتے چلے جانا، امکان کو وقوع قرار دینا اور پیش گوئیوں کا تحقق وقتِ پیش گوئی سے واقع اور ثابت مانتے چلے آنا، معلوم نہیں کون سا علمی مقام اور کون سا طریق برہان ہے، بالخصوص جب کہ یہ کوئی اختلافی مبحث اور محل نزاع نہ ہو بلکہ وقوعِ وفات پر بربنا خبر مستفیض سب کا اجماع اور اتفاق ہو۔

واضح رہے کہ قرآن پاک آنحضرت ﷺ پر ورود موت ہو چکنے کی خبر نہیں دیتا۔ وہ اس کے واقع ہو چکنے سے بالکل خاموش ہے۔ آنے والی موت کے بعد پھر حیات حاصل ہو گی یا قیامت تک جسد اطہر اور روح انور میں کلی مفارقت رہے گی، اس پر بھی قرآن پاک کی کوئی عبارت النص موجود نہیں۔ اب خواہ مخواہ اقتضاء النص سے بھی کمزور سہارے لے کر آیات پر آیات پڑھتے چلے جانا، جزئیات کو کلیات بناتے چلے آنا اور جزئی اشارت کو کھینچ کھینچ کر مطالب کا جال بننا، یہ ایک ایسی حرکت ہے کہ کوئی صاحب علم اس بے راہ روی کی تائید نہ کر سکے گا اور اب اس مرض مزمن پر جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں۔ ایک قوم کی قوم اس کا شکار ہو چکی ہے۔

ہاں، شہدا کے لئے حیات بعد الوفات کا صریح ثبوت یقیناً قرآن میں موجود ہے، جسے انبیاء کی حیات بعد الوفات کے لئے دلالۃ النص کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ مگر ہم اس بحث میں نہیں پڑتے۔ ہمارے کرم فرما خود اسے تسلیم کرتے ہیں۔ ہاں یہ بات حق ہے کہ جس طرح وقوع وفات کی خبر کتب حدیث سے ملتی ہے۔ اسی طرح حیات بعد الوفات کے لئے بھی احادیث صحیحہ یقیناً موجود ہیں۔

اثبات عقائد کے لئے دلائل ظنیہ سے استشہاد ایسا کیوں؟

ممکن ہے کوئی صاحب یہاں یہ اعتراض کر دیں کہ اخبار احاد اور سلسلہ روایات سے یہ مسئلہ کیوں ثابت کیا جائے۔ عقائد ثابت کرنے کے لئے تو دلائل قطعیہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

جواباً عرض ہے کہ یقین کا فائدہ اور قطعیت صرف قرآن پاک اور خبر متواتر الاسناد ہی میں منحصر نہیں، بلکہ اخبار احاد بھی جو اپنی اپنی جگہ خواہ متفرق ہی سہی، کسی قدر مشترک میں متحد ہو جائیں، تو ایسے یقین کا فائدہ دے سکتی ہیں کہ اس پر عقیدے کی بنیاد رکھی جا سکے۔ پھر جب داخلی اور خارجی قرائن اور مختلف طبقوں کے اہل حق کا اجماع اس

کے حقیقتِ مسلمہ ہونے کی شہادت دے دیں، تو یہ بنیادِ یقین اور بھی مستحکم ہوجاتی ہے۔ حضرت علامہ شاطبیؒ ارشاد فرماتے ہیں: ''وانما الأدلة المعتبرة ههنا المستقرأة من جملة ادلة ظنية تظافرت على معنى واحد حتى افادت فيه القطع فان للاجتماع من القوة ماليس للافتراق ولأجله افاد التواتر القطع وهذا نوع منه فاذا حصل من استقراء أدلة المسئلة مجموع يفيد العلم فهو الدليل المطلوب وهو شبيه بالتواتر المعنوى''

(الموافقات ج۱ ص ۳۲)

ترجمہ: عام طور پر جو دلائل یہاں معتبر ہیں وہ اس قسم کے ہیں جو علیحدہ علیحدہ اگر چہ ظنی ہوں۔ مگر کسی ایک قدر مشترک پر سب متفق ہوجانے کی وجہ سے خاص اس مسئلہ میں یقین کا فائدہ دینے لگتے ہیں۔ دلائل کے اس اشتراک کے بعد مسئلے میں جو قوت پیدا ہوجاتی ہے ظاہر ہے کہ وہ ان کی انفرادی حیثیت میں نہیں ہوسکتی۔ خبر متواتر بھی اسی اجتماعی قوت کی وجہ سے یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ پس جب کسی ایک مسئلے کے لئے متفرق دلائل جمع ہوجائیں، تو ان کے مجموع سے (اس قدر مشترک کے لئے) ایک یقین حاصل ہوجاتا ہے۔ اور وہ بھی ایک قسم کا تواتر معنوی ہی ہے۔

عذاب قبر کا برحق ہونا عقائد اہل سنت میں اسی اصل کے ماتحت ہے۔ قرآن پاک کی جس آیۃ شریفہ میں اس کا بیان ملتا ہے، وہ قطعی الثبوت ہونے کے باوجود قطعی الدلالت نہیں اور جو احادیث اس مضمون پر قطعی الدلالت ہیں، وہ اپنے ثبوت میں ظنی ہیں۔ بایں ہمہ عذاب قبر کو برحق ماننا عقائد میں داخل ہے۔ ملا علی قاریؒ نے عذاب کے داخل عقائد ہونے میں یہی استدلال پیش کیا ہے: ''فلا يخفى ان المعتبر فى العقائد هو الادلة اليقينية واحاديث الآحاد لو ثبتت انما تكون ظنية اللهم الا اذا تعدد طرقه بحيث صار متواتر امعنويا فحينئذ قد يكون قطعيا''

(شرح فقہ اکبر ص ۱۲۲)

ترجمہ: یہ بات مخفی نہ رہے کہ عقائد کے باب میں دلائل یقینیہ ہی معتبر ہیں۔ اخبار آحاد اگر ثابت بھی ہوں، تو بھی ظنی ہیں۔ ہاں اگر ایک ہی مضمون متعدد طریقوں سے اس طرح مروی ہو کہ تواتر معنوی پیدا ہوجائے، تو اس وقت یہ (قدر مشترک) بھی قطعی اور یقینی ہوجائے گی۔

ہاں اس طرح ثابت ہونے والا مسئلہ اگر نظری ہو تو بقول حضرت شاہ صاحبؒ منکر پر قول کفر لازم نہیں آتا اور زیادہ سے زیادہ یہی شک کا فائدہ ہے جو ہم اپنے مخالفین کو دے سکتے ہیں۔ (والتفصیل فی العرف الشذی ص ۳۴ و ص ۳۵۵)

واللہ أعلم بالصواب وعلمہ أتم وأحکم فی کل باب!

قرآن عزیز کا موت انسانی کے بارے میں نظریہ

ذہن جاہلیت سے مفہوم موت پر اختلاف

عربوں کا تصور ''موت'' کے متعلق یہی چلا آرہا تھا کہ:

۱...... یہ فقط روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام ہے، اور یہ ایک امر عدمی ہے۔

۲...... ان کے عقائد میں نہ بقائے جسد تھی نہ بقائے روح دونوں کی فنا ہے۔

۳...... ورود موت کے بعد پھر روح اور اس جسد دنیوی کا اجتماع ان کے نزدیک محال اور ایک امر مستبعد ہے۔

قرآن عزیز نے مفہوم ''موت'' پر ذہن جاہلیت بدل ڈالا۔ ان لوگوں نے اپنے فکر ونظر کے مطابق

"موت" کے لئے کئی لفظ اختیار کر رکھے تھے۔ ابن سید الناس اندلسیؒ نے "المخصص" میں بائیس (۲۲) الفاظ کی فہرست پیش کی ہے اور ہر لفظ پر اشعار جاہلیت سے استدلال کیا ہے۔

اسمائے موت

"الهميغ والنيط والدهر والمنون والشعوب والفود والحمام والسام والمقدار وقتيم وجباز وحلاق والقاضية والطلاطل والعول والذام والكفت، الجداع والحذرة والحتف والخالج... وغيرها"
(المخصص ج ۲ ص ۲۱۵)

انہی میں لفظ "توفی" بھی آیا ہے، لیکن اس پر محقق اندلسیؒ نے اشعار عرب سے استناد نہیں کیا۔ بلکہ استدلال میں قرآن عزیز کو پیش کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مفہوم موت پر نزول قرآن کے وقت ہی سے ذہن جاہلیت سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: "جاہلیت کے اعتقاد میں موت پر "توفی" کا اطلاق درست نہ تھا کیونکہ ان کے اعتقاد میں نہ بقائے جسد تھی، نہ بقائے روح۔ توفی وصول کرنے کو کہتے ہیں، ان کے عقیدے میں موت توفی نہیں ہو سکتی۔ قرآن مجید نے موت پر توفی کا اطلاق کیا اور بتلایا کہ موت سے وصول یابی ہوتی ہے نہ فنا محض۔ اس حقیقت کو ایک کلمہ سے عیاں کر دیا اور کہیں اس لفظ کا اطلاق اپنے اصلی معنی سے جسد مع الروح کے وصول کرنے پر کیا۔" (مقدمہ مشکلات القرآن ص ۷)

یوں کے تصور موت کو جب اسلام کے قرن اول ہی سے نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ تو اب موت سے متعلقہ مباحث پر معنی موت کے لئے کلام عرب کا مطالبہ ہم نہیں سمجھتے کہ کون سی شان تحقیق ہے۔ حالانکہ وہاں بھی صرف "إبانة الروح عن الجسد" کا نام موت نہیں ہے بلکہ قوت حیوانیہ کے زوال یعنی آثار حیات کے سلب ہونے کو بھی موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

علامہ راغب اصفہانیؒ (۵۰۲ھ) لکھتے ہیں: "كل نفس ذائقة الموت فعبارة عن زوال القوة الحيوانية وإبانة الروح عن الجسد وقوله انک ميت وانهم ميتون فقد قيل معناه ستموت تنبيها انه لا بد لاحد من الموت" (المفردات ج ۱، ص ۴۷۷)

ترجمہ: ہر جان نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے پس موت سے مراد: (۱) حیات کی قوت زائل ہونا، (۲) روح کا جسد سے جدا ہونا ہے۔

یہاں موت صرف روح کی جدائی کو نہیں کہا گیا، اس کے ساتھ قوت حیوانی کا زائل ہونا بھی بیان کیا ہے۔ قرآن کریم نے موت اسی کو کہا ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ انک میت وانہم میتون کا صرف ایک ہی معنی نہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس سے تنوع موت پر استدلال کیا ہے تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔

قرآن کریم کی روشنی میں موت کی حقیقت

"اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰى اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ" (پ ۲۴ الزمر ع ۵ آیت ۴۲)

ترجمہ: اللہ کھینچ لیتا ہے جانیں جب وقت ہو ان کے مرنے کا اور جو نہ مریں ان کو کھینچ لیتا ہے ان کی نیند میں پھر روک لیتا ہے ان کو جن پر مرنا ٹھہرا دیا اور چھوڑ دیتا ہے دوسری روحوں کو ایک وقت مقرر تک۔ اس بات میں پتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو دھیان کریں۔

یہ آیت بتلاتی ہے کہ روح قبض ہونے کے باوجود ضروری نہیں کہ موت ہو، سونے والے کی روح قبض ہونے کے باوجود اس کے آثار حیات قائم ہیں، نبضیں تک اچھل رہی ہیں اور روح کے چار گھنٹے باہر رہنے کے باوجود اس کا بدن ٹھنڈا نہیں پڑا، نہ اکڑا ہے، نہ کسی نے اسے دفن کے لئے پکڑا ہے۔

یہ تو نائم کا حال ہے۔ خود میت کو دیکھئے، جونہی روح نکلی بدن فوراً ٹھنڈا نہیں پڑ جاتا روح کے آثار کچھ دیر کے لئے اور رہتے ہیں اور انہی سے یہ بدن کچھ گرم رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور اکڑ جاتا ہے، بدن کی تازگی باقی نہیں رہتی، اب موت کا پورا تحقق ہو چکا اور حسب بیان راغب اصفہانی ابانۃ الروح عن الجسد بھی ہوا اور قوت حیوانی بھی جاتی رہی۔

اب اگر کوئی ایسا کیس ہو کہ روح تو قبض ہو جائے لیکن بدن کی تازگی ختم نہ ہو، گھنٹے گزر جائیں مگر بدن نہ اکڑے، پھر دفن کے بعد بھی وہ تازگی رہے اور اسی صدیاں گزر جائیں تو یہاں کیا کہا جائے گا؟

یہی نا کہ یہ موت کچھ عجیب سی ہے کہ قبض روح بھی ہو چکا، روح بدن سے جدا ہو کر ایک جگہ سمٹ چکی اور کچھ آثار حیات اب تک باقی ہیں۔ علامہ برہان الدین المرغینانیؒ (۵۹۳ھ) لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کا بدن مبارک پانچ صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی اسی حالت میں ہے جیسا کہ اسے قبر میں رکھا گیا تھا: ''وھو الیوم کما وضع''

(ہدایہ باب الجنائز ج ۱ ص ۱۶)

قاضی شمس الدین صاحب (گوجرانوالہ) اس کی تشریح میں لکھتے ہیں: ''جسم مبارک صحیح وسالم گلاب کے پھول کی طرح تروتازہ تھا۔ آج بھی وہی کیفیت، اور قیامت تک وہی کیفیت رہے گی۔'' (مسالک العلماء ص ۹۸)

سوال: قاضی صاحب جب تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کے جسد اطہر میں کچھ آثار حیات اب تک باقی ہیں وہ ایک لمحہ کے لئے بھی بدن اطہر سے نہیں ہٹے تو معلوم نہیں لوگ انہیں منکرین حیات میں کیوں ذکر کرتے ہیں؟

جواب: یہ تو صحیح ہے کہ ان کا عقیدہ بیر طریقت والا نہیں لیکن یہ عبارت جو ہم نے پیش کی ہے وہ انہوں نے اپنے عقیدے کے طور نہیں کہی۔ انہوں نے صاحب ہدایہ کی بات اپنے لفظوں میں ادا کی ہے۔ اس کے آخر میں فرماتے ہیں۔ ''یہ ہے ہدایہ کی عبارت کا مطلب'' یہ نہیں فرمایا کہ ہدایہ کی یہ بات صحیح ہے۔

معلوم ہوا صاحب ہدایہ صرف اس کے قائل نہیں کہ بدن محفوظ ہو، مٹی میں ریزہ ریزہ نہ ہو، بلکہ وہ بدن کی تازگی کے بھی قائل ہیں اور یہ بدوں اس کے نہیں کہ کچھ آثار حیات آپ ﷺ میں آخر تک باقی رہے اور ہیں۔ سو اگر اسے ایک نرالی موت سمجھا جائے یا یوں کہا جائے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی موت کی نوع ہی جدا ہے۔ تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ آپ کی موت بھی واقع ہوئی اور کسی درجے میں حیات بھی باقی رہی اور آپ کی موت ساتر حیات ہوئی۔ یہ نہیں کہ اس سے آثار حیات کلیۃً منتفی ہوئے۔

یہ کہنا کہ ہمیں موت کے یہ معنی کلام عرب میں نہیں ملتے، اسے کوئی شخص جسے یہ علم ہو کہ مفہوم موت پر اسلام کا ذہن جاہلیت سے شروع ہی سے مختلف ہو گیا تھا، اہمیت نہ دے گا۔ قرآن کریم نے بتایا ہے کہ موت صرف مفارقت روح کا نام نہیں، یہ تو نیند میں بھی ہوتا ہے۔ جب تک پورے آثار حیات منتفی نہ ہوں وہ موت نہیں اور راغب نے یہی بات کہی ہے۔ حضور ﷺ سے بعض آثار حیات چونکہ آخر تک منتفی نہ ہوئے بلکہ اب تک باقی ہیں۔ تو اگر اسے ایک جدی نوع حیات کہہ دیا جائے تو معلوم نہیں کون سا آسمان گرتا ہے۔ علامہ محمد بن احمد بن عبدالہادیؒ (۷۴۴ھ) لکھتے ہیں: ''والحیاۃ جنس تحتہ انواع و کذلک الموت فاثبات بعض انواع الموت لاینافی الحیوۃ'' (الصارم المنکی ص ۱۸۵)

ترجمہ: حیات کی کئی قسمیں ہیں اسی طرح موت کی بھی کئی قسمیں ہیں سو کسی موت کا واقع ہونا ہو سکتا ہے کہ حیات کے منافی نہ ہو۔

دوستوں کا عذر لنگ

بعض کرم فرما یہ کہہ کر بات ٹالتے ہیں کہ نیند کی حالت میں روح نہیں نکلتی۔ قرآن پاک نے جو یہ دعویٰ کیا ہے یہ متشابہات میں سے ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر یہ آیت متشابہات میں سے ہوتی تو حضور ﷺ اپنی دُعا میں اس آیت کی پیروی نہ کرتے۔ امام بخاری کتاب الدعوات میں حضور ﷺ کی نیند کے وقت کی یہ دُعا نقل کرتے ہیں: ''باسمک ربی وضعت جنبی و بک أرفعہ ان امسکت نسفی فارحمھا وان ارسلتھا فاحفظھا بما تحفظ بہ الصالحین'' (صحیح بخاری، ج ۲، ۹۳۵)

ترجمہ: تیرے ہی نام پر اے میرے رب! میں نے اپنا پہلو رکھا ہے اور تیرے سہارے ہی میں اسے اُٹھاؤں گا اگر تو میری جان کو روک رکھے تو اس پر رحم فرما اور اگر اُسے واپس بھیج دے تو اس کی حفاظت فرما جیسے تو اپنے بندوں کی حفاظت کیا کرتا ہے۔

اس حدیث سے پتہ چلا کہ واقعی نیند کے وقت روح نکلی ہوتی ہے جس کے بعد یہ پھر آ جاتی ہے اور موت والے کے لئے یہ واپس نہیں آتی (برزخ میں روح کا بدن میں واپس آنا یا میدان حشر میں روح کا بدن میں واپس آنا، یہ اس آیت کے خلاف نہیں ہے) یہاں جو اس کے روکے رکھنے کی خبر دی گئی ہے یہ صرف اسی دنیا کی بات ہے کہ اس دنیا میں اب روح بدن کی طرف واپس نہ کی جائے گی۔ امساک کا تعلق اسی جہان سے ہے جس سے ارسال کا تعلق ہے۔ ظاہر ہے کہ نیند والے کی روح اسی جہان میں بدن کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ کسی اور جہان میں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ موت کی حقیقت صرف ابانۃ الروح عن الجسد نہیں۔ آثار حیات جب تک پورے منتفی نہ ہوں۔ قرآن کریم اسے موت نہیں کہتا۔ الا یہ کہ کوئی جدا نوعیت موت ہو اور یہ موت کی کوئی اور نوع ہو۔

پہلے دور میں کیا مفہوم موت پر اختلاف نہیں ہوا؟ کیا معتزلہ نے موت کے عدمی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا؟ کشاف اٹھا کر دیکھیں۔ اور کیا اہل سنت نے اس کی کھلی تردید نہیں کی، الانتصاف اٹھا کر دیکھیں۔

سوال: نیند والے کی طرف روح کا لوٹنا جسے قرآن کریم نے لفظ ارسال سے بیان فرمایا ہے کہ نیند والے

کی روح روکی نہیں جاتی، چھوڑ دی جاتی ہے۔ کیا کہیں اسے احیاء (زندہ کرنے) سے بھی تعبیر کیا گیا ہے اگر نہیں تو معلوم ہوتا ہے نیند سے حقیقت موت واقع نہ ہوئی تھی؟

جواب: سنن نسائی کی روایت میں اس ارسال کے لئے احیاء کا لفظ بھی وارد ہے۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں: ''اللھم انت خلقت نفسی وانت تتوفاھا لک مماتھا ومحیاھا ان احییتھا فاحفظھا وان امتھا فاغفر لھا۔'' (عن عبداللہ بن عمر مرفوعا)

ترجمہ: اے اللہ! تونے مجھے پیدا کیا اور تو ہی میری جان کی توفی کرے گا میری موت اور زندگی سب تیرے لئے ہیں اگر تو میری جان کو زندگی بخشے تو اس کی حفاظت فرما اور اگر تو اسے موت دے تو اس کی مغفرت فرما۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسے فتح الباری میں نقل کیا ہے اور ابن حبان سے اس کی تصحیح نقل کی ہے۔
(فتح الباری ج ۲۳ ص ۱۴۹)

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک روایت میں اس جاگنے پر ردّ روح کے الفاظ بھی ملتے ہیں: ''الحمد للہ الذی عافانی فی جسدی ورد علیّ روحی'' (جامع ترمذی ج ۲ ص ۷۶)

ترجمہ: حمد کے لائق وہ ذات ہے جس نے میرے جسد کو عافیت بخشی اور اس میں میری روح پھر سے لوٹا دی۔

امام ترمذیؒ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ امام نوویؒ کہتے ہیں، اس حدیث کی سند صحیح ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بھی کہتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔ (کما فی فیض القدیر ج ۱ ص ۲۸۰)

ان تفصیلات سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے اپنے طور پر موت کا ایک مفہوم متعین کیا ہے اور اسلام اس اطلاق میں ذہن جاہلیت کا تابع نہیں ہے اور نہ حقائق کے لئے وہ اشعار جاہلیت کا محتاج ہے۔

نظریۂ قرآن میں موت کیا ہے

موت ایک ایسی صفت ہے، جو صفت ''حیات'' کے تغیر پر بدن کو عارض ہوتی ہے یہ فقط روح کے بدن سے جدا ہونے کا نام نہیں، بلکہ ایک وجودی شئے ہے جس کی اپنی تخلیق ہے۔

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ (پ:۲۹، الملک)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے موت کو بھی پیدا کیا اور حیات کو بھی۔

پس جب موت کی اپنی ایک خلقت ہے، تو اُسے محض روح و بدن کی مفارقت سے تعبیر کرنا اور محض ایک امر عدمی قرار دینا کس طرح درست ہوسکتا ہے؟

امام ناصرالدین احمد بن محمد بن المنیر الاسکندری المالکیؒ (۶۸۳ھ) فرماتے ہیں: ''ان الموت عدم و ھو خطأ صراح ومعتقد اھل السنۃ انہ امر وجودی یضاد الحیاۃ وکیف یکون العدم بھذہ المثابۃ ولو کان العدم مخلوقاً حادثاً وعدم الحوادث مقررًا ازلاً للزم قطع الحوادث۔'' (الانتصاف ج ۳، ص: ۲۰۳ مصر)

ترجمہ: موت کو محض ایک عدمی شئے قرار دینا ایک کھلی ہوئی خطا ہے۔ اہل سنت کے عقیدے میں یہ ایک امر وجودی ہے جو حیات کے مقابل ہے، عدمی شئے اس درجے میں نہیں ہوسکتی۔ اگر عدمیات کی بھی خلقت ہوتی ہو

اور وہ حادث ہوں اور عدم حوادث کا تقرر بھی ازلی ہو تو اس سے قطع حوادث لازم آتا ہے۔

علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں: ''والموت علیٰ ما ذھب الیه الکثیر من اھل السنة صفة وجودیة تضاد الحیاة واستدل علیٰ وجودیته بتعلق الخلق به وھو لا یتعلق بالعدمی لازلیة لاعدام'' (روح المعانی ج ۲۹ ص ۴)

ترجمہ: جمہور اہل سنت کے نزدیک موت ایک صفت وجودی ہے، جو حیات کے مقابل ہے اور اس کے وجودی ہونے کا استدلال اس فعل خلق سے متعلق ہونے سے ہوتا ہے۔ کیونکہ فعل خلق عدمی چیزوں سے متعلق نہیں ہوتا، عدمیات تو ازلی ہیں۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں: ''واختلفوا فی الموت فقال قوم انه عبارة عن ھذہ الصفة وقال اصحابنا انه صفة وجودیة مضادة الحیاة واحتجوا علیٰ قولھم بانه تعالیٰ قال الذی خلق الموت والحیاة والعدم لایکون مخلوقا ھذا ھو التحقیق والموت عند اصحابنا وجودیة مضادة للحیاة'' (روح المعانی ج ۲۹، ص ۴ مصر)

ترجمہ: مفہوم موت پر بہت پہلے سے اختلاف چلا آرہا ہے، بعض اسے عدم حیات سے تعبیر کرتے ہیں اور ہمارے اصحاب (اہل سنت) اس بات کے قائل ہیں کہ وہ (موت) ایک صفت وجودی ہے جو حیات کے مقابل ہے۔ اکابر اہل سنت کا استدلال اس ارشاد قرآنی سے ہے ''خلق الموت والحیاة'' کیونکہ عدمیات کے پیدا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تحقیق یہی ہے کہ موت کوئی عدمی صفت نہیں بلکہ ایک صفت وجودی ہے۔

اگر موت عدم کا نام ہو تو خلق کا فعل کس چیز پر واقع ہوگا۔ فتفکر وتدبر!

موت کا وجود حدیث کی روشنی میں

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''یجمع اللہ الناس یوم القیمة فی صعید واحد ثم یطلع علیھم رب العلمین...... فیقوم المسلمون ویوضع الصراط فیمرون علیه مثل جیاد الخیل والرکاب وقولھم علیه سلم سلم ویبقی اھل النار فیطرح منھم فیھا فرج...... فاذا ادخل اللہ تعالیٰ اھل الجنة الجنة واھل النار النار اتی بالموت ملبیا فیوقف علی السور الذی بین اھل الجنة واھل النار ثم یقال یا اھل الجنة فیطلعون خائفین ثم یقال یا اھل النار فیطلعون مستبشرین یرجون الشفاعه فیقال لاھل الجنة ولاھل النار ھل تعرفون ھذا فیقولون ھولاء وھولاء قد عرفناہ ھو الموت الذی وکل بنا فیضجع فیذبح ذبحا علی السور۔'' (جامع ترمذی ج ۲ ص ۷۹ دہلی ص ۲۱۰ لکھنؤ)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو حشر میں ایک جگہ اکٹھا کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے کچھ سوال، جواب کریں گے اور نیک لوگ پل کو عبور کر کے جنت میں پہنچ جائیں گے اور اہل جہنم جہنم میں جا گریں گے۔ پھر موت کو وہاں لایا جائے گا اور اسے دیوار پر کھڑا کیا جائے گا جو اہل جنت اور اہل دوزخ کے مابین ہوگی۔ پھر فرمائیں گے دیکھتے ہو یہ کیا ہے؟ دونوں کہیں گے، ہاں ہم جانتے ہیں یہ موت ہے جو ہم پر طاری ہوئی تھی۔ اس وقت اسے لٹایا جائے گا اور اسے ذبح کیا جائے گا...... اس کے بعد موت کسی کو نہ آئے گی۔

عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ یؤتی بالموت یوم القیمة کانه املح فیوقف بین الجنة والنار

ثم ینادی منادیا اھل الجنة فیقولون لبیک ربنا قال فیقال ھل تعرفون ھذا فیقولون نعم ربنا ھذا الموت فیذبح کما تذبح الشاة فیامن ھؤلاء وینقطع رجاء ھؤلاء رواہ ابویعلی والطبرانی فی الاوسط بنحوہ والبزار ورجالھم رجال الصحیح غیر نافع بن خالد وھو ثقة۔ (مجمع الزوائد ج۱۰ص:۳۹۵)

ترجمہ: قیامت کے دن کبش املح کی صورت میں موت کو لایا جائے گا اور جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا کیا جائے گا اور اعلان کیا جائے گا کہ جنت والو دیکھو اسے جانتے ہو، وہ کہیں گے یا اللہ ہم جانتے ہیں یہ موت ہے۔ اس وقت موت ذبح کی جائے گی جیسے بکری ذبح کی جاتی ہے۔

اس حدیث کے تمام راوی نافع بن خالد کے سوا سب صحیح بخاری کے رجال ہیں اور نافع بن خالد بھی ثقہ ہے۔

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ موت یہی نہیں کہ ملک الموت آئے اور روح نکال کر لے جائے یا نازعات وناشطات آئیں اور روح نکال لیں۔صرف یہی ہو تو یہ ایک عدمی حقیقت ہے مگر حضور ﷺ نے خبر دی کہ یہ ایک وجودی شئے ہے جو ہر مرنے والے پر وارد ہوتی تھی اور اسے سب اہل جنت جنت میں اور سب اہل جہنم جہنم میں پہچانتے ہوں گے......اگر یہ کوئی وجودی چیز نہیں تو مرنے والوں کو یہ کیا چیز نظر آئی تھی جسے انہوں نے پہچان لیا اور اللہ تعالیٰ نے پھر اسے ذبح کرڈالا۔معتزلہ اور کرامیہ مفہوم موت جاہلیت کے اندھیرے میں متعین نہ کرتے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں چلتے،تو کبھی نہ کہتے کہ موت صرف ابانۃ الروح عن الجسد کا نام ہے اور کچھ نہیں اور یہ کہ کوئی اور اس کی انواع نہیں ہیں۔

ایک سوال: جب موت ذبح کردی جائے گی اور نیک وبد، جنت وجہنم میں جاچکے ہوں گے تو یہ جو بعض روایات میں ہے کہ جو گنہگار مسلمان جہنم میں ہوں گے۔ایک موت ان پر وہاں وارد کی جائے گی تاکہ انہیں نارجہنم کا احساس نہ ہو تو یہ موت کیا اس موت کے علاوہ ہے جو ان پر وارد ہوگی،حدیث کے ان الفاظ پر غور کریں:''اذا ادخل اللہ الموحدین النار اماتھم فیھا اماتة فاذا اراد ان یخرجھم منھا امسھم الم العذاب تلک الساعة''

(جامع صغیر ص:۲۵)

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کو جہنم میں داخل کریں گے تو اللہ تعالیٰ انہیں وہاں موت دے دیں گے جب ارادہ فرمائیں گے کہ انہیں آگ سے نکالا جائے تو اس وقت انہیں یہ عذاب چھوئے گا (اور پھر انہیں جہنم سے نکال دیا جائے گا)

''(أماتھم فیھا) بمعنی انه یغیب اجسامھم اویقبض ارواحھم لطفا منه بھم واظھار الاثر التوحید''

ترجمہ: اللہ تعالیٰ انہیں وہاں موت دے گا اس کا معنی یہ ہے کہ ان کے جسم وہاں سے غائب ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے لطف وکرم سے ان کی روحیں قبض فرمالیں گے یہ اس لئے کہ ان پر توحید کا اثر ظاہر ہو (وہ یہ کہ ان پر آگ اثر نہ کرے)

یہاں اماتھم کا معنی یہ نہیں کہ ان کی روح ان کے بدن سے نکالی جائے گی۔ یہاں مراد یہ ہے کہ حق اللہ تعالیٰ ان کے احساس وشعور کو معطل کردے گا،تاکہ ان کو جہنم کا عذاب محسوس نہ ہو۔

موت تو ذبح ہو چکی، اب ہیں تو وہ حقیقت میں زندہ مگر اللہ تعالیٰ ان کی زندگی کے ظاہر آثار اور شعور واحساس کو روک دیں گے۔ یہ بھی ایک قسم کی موت ہے، جسے لسان نبوت نے لفظ موت سے تعبیر کیا ہے۔

حقیقت موت

موت ایک وجودی چیز ہے جو کسی جسم پر وارد ہوتی ہے، موت کی حقیقت انفکاکِ روح یا ازالۂ حیات بتلانا ہمارے دوستوں کو ایک بڑا مغالطہ ہے۔ ازالہ حیات نہ بھی ہو تو موت وارد ہوسکتی ہے اور ابانۃ الروح پر بھی (جیسے کہ یہ نائم پر وارد ہوتی ہے) تو ضروری نہیں کہ موت ہو جائے روح کا ارسال یا بدن کی طرف عود کرنا پھر ہوسکتا ہے کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہمارے دوست موت کا معنی ابانۃ الروح عن الجسد یا ازالۂ حیات ٹھہرا کر معتزلہ کے ذہن سے موت کو ایک عدمی چیز سمجھیں۔ اور قرآن کی نص بھول جائیں کہ موت کی ایک اپنی خلقت ہے، یہ محض ازالہ حیات کا نام نہیں ہے۔

''خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا'' (پ۲۹: الملک: آیت ۲)

ترجمہ: اس نے پیدا کیا موت کو اور حیات کو تا جانچے تم کو تم میں سے کون اچھے کام کرتا ہے۔

موت کا عدمی معنی (ازالہ حیات) کرنے میں ایک دقت یہ پیش آئے گی کہ موت کے لئے سبق حیات ضروری ہوگا۔ پھر اموات صرف انہیں کو کہا جائے گا، جن میں پہلے حیات رہ چکی۔ اس صورت میں بتوں کو اموات نہیں کہا جا سکے گا۔ کیونکہ ان میں پہلے حیات کبھی نہیں رہی۔ پھر لَا يَسْمَعُ کا معنی بھی یہی ہوگا کہ جو پہلے سنتے تھے اب نہیں سنتے لَا يُبْصِرُ کا معنی یہ ہوگا کہ جو پہلے دیکھتے تھے اب نہیں دیکھتے پہلے کام آتے تھے اب کچھ نہیں کر سکتے پھر یہ کہنا کیسے درست ہوگا: ''لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْءً''

بت پرستی کی ابتداء بے شک قبر پرستی سے ہوئی (ردالمحتار شامی ج۱، ص: ۳۵۲) لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صنم پرستی، حجر پرستی، ستارہ پرستی اور سورج اور چاند کی پوجا بھی دنیا میں ہے اور رہی ہے قرآن کریم ان سب معبودان باطلہ کو اموات کہتا ہے۔ اگر مسبوقیت الحیاۃ (کہ پہلے ان میں حیات رہی ہو) موت کا لازم اقتضاء ہے اور موت کا معنی ہے ازالہ حیات .... تو خود ہی فرمائیں۔ سورج اور چاند میں، ستاروں اور پتھروں میں پہلے کب زندگی تھی جو ان کو اب اموات کہا جا رہا ہے کہ ان کی زندگی جاتی رہی۔ عجیب علم و دانش ہے کہ موت ازالہ حیات کا نام ہے اور جواز الہ حیات کے بغیر موت کا اقرار کرے وہ مولانا نانوتویؒ بھی ہو تو ہمارا امام نہیں ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ (پ۱ البقرۃ آیت ۲۸) میں موت کا لفظ حیات کے بالمقابل ہے۔ یہاں موت کے لئے مسبوقیت بالحیاۃ نہیں ہے اور موت کا معنی یہاں ازالہ حیات کا نہیں، یہاں موت سے مراد عدم ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت مجاہدؒ (۱۱۰ھ) سے یہی منقول ہے۔ معلوم ہوا موت کا معنی ازالہ حیات نہیں، صرف عدم حیات ہے۔ اس تعریف پر معتزلہ کی تائید ہوتی ہے۔ صحیح یہی ہے کہ موت ایک وجودی چیز ہے۔ ازالہ حیات اس کے لئے ضروری نہیں اسی طرح اعادہ روح سے بھی ازالہ اسم موت ضروری نہیں۔

''ان ھذہ الاعادۃ لیست مستلزمۃ لاثبات حیاۃ مزیلۃ لاسم الموت بل ھی نوع حیاۃ برزخیۃ''
(الصارم المنکی ص:۱۸۵)

آنحضرت ﷺ کی موت طیبہ

آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کا عنوان تو آپ نے بارہا سنا ہوگا۔ آج موت طیبہ کا عنوان بھی دیکھ لیجئے۔ طیب کا لفظ جس طرح آپ کی حیات کے لئے ہے، اسی طرح یہ اطلاق آپ ﷺ کی موت کے لئے بھی ہے، حضرت ابوبکر صدیق﷜ نے آپ ﷺ کی وفات پر ''ان محمداً قد مات'' کا اعلان کرنے سے پہلے موت طیبہ کی آواز لگادی تھی۔ حضرت عبداللہ بن عمر﷜ روایت کرتے ہیں کہ آپ﷜ نے حضور ﷺ کے جسد اطہر کو پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا: ''طبت حیًا و میتا'' (فتح الباری ج ۱۶ ص:۲۸۱ نقلا عن ابن ابی شیبہ)

ترجمہ: آپ ﷺ کی حیات بھی طیب اور موت بھی طیب۔

جس طرح آپ ﷺ کے بدن اطہر سے زندگی میں خوشبو نکلتی تھی، موت پر بھی وہ جسد اطہر اسی طرح خوشبو دے رہا ہے۔ عروض موت نے آپ کو صرف زیر پردہ کیا ہے۔ آثار حیات آپ ﷺ سے منفی نہ ہوں گے۔ بدن اسی طرح نرم اور تر تازہ رہے گا۔ اس میں غور کیا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ یہ موت کی کوئی اور قسم ہی ہے اور موت میں اختلاف نوع کا تصور کوئی کفر نہیں ہے کہ اس کی مخالفت کو اشاعت توحید کا نام دیا جائے۔

یہ موت طیبہ کیسی تھی یا کیسی نہیں؟ اس بحث میں ہم نہ پڑیں۔ اور اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ کی روشنی میں اتنا عقیدہ رکھیں کہ آپ پر موت وارد ہوئی اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر موت کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن یہ موت کچھ اس قسم کی تھی کہ نہ صرف کچھ آثار حیات باقی رہے۔ بلکہ بعض اثرات ظاہری بھی قائم اور باقی رہے تو ہم نہیں سمجھتے کہ اس سے اسلام کا کوئی ستون ہے جو گرتا ہے اور کوئی شریعت ہے جو بگڑتی ہے۔ موت کا صحیح اقرار تو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی﷫ بھی کرتے ہیں اور اگر وہ اسے ساتر حیات کہتے ہیں اور اس کے کچھ اثرات حیات ہم سب تسلیم کرتے ہیں تو پھر ان جزئیات میں الجھنا اور انہیں جنگ کے میدان بنانا کیا کھلی نادانی نہیں۔

اثرات حیات جو اجماعاً مسلّم رہے

موت کا ایک سریع اور صریح اثر یہ ہے کہ میت کسی چیز کی مالک نہیں رہتی۔ اس کے جملہ اموال اس کی ملک سے نکل جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کے اموال آپ ﷺ کی ملک پر باقی رہے اور آپ ﷺ کی ملک سے نہ نکلے۔ محدثین نے اپنی کتابوں میں اس مضمون کے باب باندھے ہیں:

''باب ما کان مالہ بعد موتہ قائما علی نفقتہ و ملکہ'' (سنن کبریٰ امام بیہقی ج ۷، ص:۶۴)

دوسرے لوگوں کے لئے یہ باب باندھا ہے:

ترجمہ: جب آدمی مرجائے تو اس کے مال پر اس کا ملک نہیں رہتا۔ (مجمع الزوائد ج ۴ ص:۲۲۶)

امام بخاری﷫ کتاب الفرائض میں حضرت ابوہریرہ﷜ سے حضور ﷺ کی یہ حدیث لائے ہیں۔

"لاتقتسم ورثتی دینارا ماترکت بعد نفقۃ نسائی و مؤنۃ عاملی فھو صدقۃ"

ترجمہ: میرے وارث مال آپس میں تقسیم نہ کریں گے اپنی بیویوں کے نفقہ اور اپنے عامل کی مزدوری کے بعد میں جو کچھ چھوڑوں وہ صدقہ ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۹۶)

(۱) امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کا خرچہ تو سالہا سال تک چلنے والی بات ہے۔ آپ کے اموال بعد وفات بھی آپ کی ملکیت میں رہیں اور آپ کی طرف سے آپ کی ازواج اپنا خرچہ حاصل کریں۔ اور آپ کے عامل اس سے اپنی اجرت لیں تو یہ آپ کے اموال کا آپ کی ملک میں باقی رہنا بتاتا ہے کہ اثرات حیات میں سے یہ اثر باقی ہے کہ آپ کے اموال آپ کی ملک میں رہے۔

(۲) فوت شدہ کی بیوی تا انقضائے عدت متوفی کے مال میں حقدار ہے اس کے بعد نہیں پھر اس کا خرچہ اس کے والدین دیں یا اس کے بیٹے، اب یہ مرحوم خاوند کے ذمہ نہیں۔ حضور ﷺ کی ازواج کے لئے یہ عدت نہیں۔ وہ تا زندگی حضور ﷺ کے اموال میں حقدار ہیں۔ یہ بھی تبھی ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے اموال آپ کی ملک پر باقی رہیں۔

(۳) موت کا وقت اور موت کے بعد کا وقت میت کے حق میں وصیت کے باب میں برابر ہے اسے اپنے مال میں کوئی حق باقی نہیں رہتا حضرت مصعب بن سعدؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں:

میں بیمار تھا، میں نے حضور ﷺ کے پاس کسی کو بھیجا کہ کیا میں اپنے کل مال کی وصیت کر سکتا ہوں جہاں چاہوں۔ آپ ﷺ نے اس پر نہ کہی میں نے کہا نصف کی وصیت کروں آپ ﷺ نے اس پر بھی انکار فرمایا...... پھر میں نے ثلث (تہائی) کے لئے کہا، آپ اس پر خاموش رہے۔

لیجئے! فوت ہونے والا خود اپنے مال کے نصف حصے کا مالک نہیں رہا۔ اسے اس کے وارث لیں گے، یہ مال گویا اب اس کی ملک میں نہیں رہا۔

"مرضت فارسلت الی النبی ﷺ فقلت دعنی اقسم مالی حیث شئت فابی قلت فالنصف فابی"

(صحیح مسلم ج ۲ ص ۴۰)

ادھر حضور ﷺ کو دیکھئے، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے خرچہ اور خادم کی اجرت کے بعد جو بچے اسے کلی صدقہ فرما دینے کے حکم سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے اموال اس حالت کے باوجود آپ کی ملک سے نہیں نکلے۔

عام انسان ایسے وقت میں اپنے مال سے بے تعلق ہو جاتا ہے یہ کیوں؟ بوجہ موت کے۔ موت تمام علائق دنیوی کو ختم کر دیتی ہے۔ حضور ﷺ کے املاک باوجود وفات ان کی ملک میں ہیں اور آپ ﷺ اس سے اپنے اخراجات جاری رکھنے کا حکم دیتے ہیں۔ تو اگر مختلف مسائل پر اتنی بات کہہ دی جائے کہ آپ کی موت طیبہ عام انسانوں سے کچھ مختلف تھی اور اس میں موت کا انکار بھی نہ ہو تو محض اتنی بات سے اپنے اسلاف کا استہزاء اور اپنے عوام کی تشغیب ہم نہیں سمجھتے اسلام کی کون سی خدمت ہے اور کس پہلو سے اسے ایک نیکی سمجھا جا رہا ہے۔

موت کے بارے میں اہل دانش بہت کچھ کہہ چکے اور کہتے رہیں گے موت کی حقیقت پر اہل تحقیق نے بہت گرد پیائی کی ہے۔ بات کو الجھانے سے بچانا ہو تو یوں سمجھئے موت ایک ایسی صفت ہے جو صفت حیات کے تغیر پر

بدن کولاحق ہوتی ہے۔اگر صفت حیات اپنے موصوف کے حق میں صفت عرضی ہے تو اس کے زوال پر موت کا ورود ہوتا ہے اور اگر صفت حیات اپنے موصوف کے حق میں ذاتی ہو تو پھر دو صورتوں سے خالی نہیں، قابل تغیر ہے۔(جس کا پتہ ہمیں اس سے چل سکتا ہے کہ اس کی کیفیت میں پہلے بھی کبھی ظہور وخفا کا انقلاب آیا ہو) یا نا قابل تغیر ا اگر قابل تغیر ہے تو پھر صفت حیات کے معرض خفا میں آنے یا مستور ہونے پر یہ صفت موت بدن کو لاحق ہوگی۔اور اگر نا قابل تغیر ہے تو پھر اس پر ورود موت محال ہے۔پھر وہ موت دائمہ ازلیہ ہے۔واللہ اعلم بالصواب!

اتنی تدقیق میں جانے کی ضرورت نہیں۔جمہور اہل سنت مفہوم موت کی اس گہرائی میں نہیں گئے۔ایسی حیات ذاتی جس کی کیفیات ظہور وخفا میں قابل تغیر ہوں اور اس کی ذاتیت بھی اضافی ہو، ازلی نہ ہو اس کا مرکز و مصداق پوری کائنات میں ایک ہی ذات ہے جو باعث تکوین عالم اور خلاصہ کائنات ہے اس لئے لسانیات کی دنیا میں مفہوم موت کا یہ پہلو اتنا شائع وذائع نہ ہوسکا اگر موت کو اسی عام معنی میں لیا جائے کہ موت روح کے بدن سے جدا ہونے کو کہتے ہیں تو عوامی سطح پر اسے قبول کرنے میں بھی کوئی ممانعت نہیں۔

اس تفصیل سے ہمارا مدعا یہ ہے کہ ان باریک حقائق میں الجھنا اور خواہ مخواہ کسی ایک پہلو کو معرکہ بحث بنانا، کوئی ایسی بات نہیں، جس پر نجات کا یا کم از کم مسئلہ حیات النبی ﷺ کے ثبوت یا عدم ثبوت کا مدار ہو۔موت کو اگر اسی عام معنی میں لے لیا جائے، جو جمہور کی رائے ہے تو بھی مسئلہ زیر بحث میں مقصود کلام قطعاً متاثر نہ ہوگا۔ہاں یہ پیش نظر رہے کہ روح کے بدن میں مقید رہنے کا نام ہی حیات نہیں۔روح بدن سے نکل جائے، لیکن اس کا کوئی خاص تعلق یا اثر بدن کے ساتھ قائم رہے تو بایں صورت بھی بدن کو صفتِ حیات حاصل رہے گی۔محقق ابن ہمامؒ کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہاں روح اور حیات میں ملازمہ نہیں، تاثیر وتعلق بھی وجودِ حیات کے لئے کافی ہے۔متن فقہ اکبر میں جو یہ جزئیہ داخل عقائد ہے کہ:"إعادة الروح الی العبد حق" (شرح فقہ اکبر ص ۱۲۰)

ترجمہ: بندے کی طرف (قبر میں) روح کا لوٹایا جانا برحق ہے۔

ممکن ہے اس میں حرف "الی" اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہو کہ روح کو بدن میں لوٹانا ضروری نہیں، بدن کی طرف لوٹانا ہی اس حیات فی القبر کے لئے کافی ہے جس پر سوال نکیرین اور ازاں بعد ادراک الم ولذت کے احکام مرتب ہوسکیں۔واللہ أعلم بالصواب وعلمہ أتم وأحکم فی کل باب!

موت کا شرعی مفہوم

یاد رکھیئے موت فنائے محض کا نام نہیں۔وہ اختلاف دارین کے تحقق کا نام ہے کہ انسان اس عالم دنیا سے دوسرے عالم میں چلا جائے، علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:"الموت لیس بعدم انما ھم انتقال من دار الی دار" (عینی علی البخاری ج ۶، ص ۷۸)

ترجمہ: موت ایک عدمی چیز نہیں، بلکہ وہ تو ایک عالم سے دوسرے عالم میں منتقل ہوجانے کا نام ہے۔

"لیس بعدم محض ولا فناء صرف" (بشری الکئیب ص:۱۶)

ترجمہ: موت ہرگز عدم محض اور فنائے خالص کا نام نہیں۔

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالیؒ کے الفاظ میں ''ایک لباس اتار کر دوسرا لباس پہننے'' کا نام موت ہے۔
موت کیا ہے یہ راز کھل ہی گیا؟ زندگی اک رخ بدلتی ہے اس کنارے سے اس کنارے تک جیسے ایک موج جا نکلتی ہے۔

جاننا چاہیے کہ کفار عرب کی طرح موت کے متعلق قرآن عزیز کا نظریہ فنائے کامل کا نہیں انبیاء وصلحاء تو درکنار کل بنی آدم ذائقہ موت چکھنے کے بعد پھر انہی اجسام عنصریہ کے ساتھ زندہ کئے جائیں گے۔ اگر آخرت میں یہ جسمانی زندگی محل استبعاد نہیں تو اگر اللہ تعالیٰ بعض نفوس قدسیہ کو عالم برزخ ہی میں یہ جسمانی زندگی عطا فرمادیں تو اس میں کون سا استبعاد ہے؟ اگر آپ کی عقل اس کا ادراک نہیں کر سکتی تو عالم آخرت کی عنصری حیات کا ادراک بھی تو کوئی کم کٹھن منزل نہیں، وہ کیسے ہوگا؟ فتفکروا یا اُولی الابصار!

قرآن عزیز کہتا ہے: ''وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا۔ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا۔ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ'' (بنی اسرائیل ۴۹)

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور چورا چورا ہو جائیں گے، کیا پھر نئے سرے سے بن کر اٹھیں گے؟ آپ کہہ دیجئے کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا کوئی اور خلقت، جس کو تم اپنے دلوں میں مشکل سمجھ لو۔ پھر پوچھیں گے، کون ہمیں دوبارہ زندہ کرے گا؟ فرمادیجئے، جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا۔

پھر فرمایا: ''كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ'' (پ ۱۷، انبیاء ۱۰۴)

ترجمہ: جیسے ہم نے پہلے بنایا تھا، اسی طرح پھر اس کو لوٹائیں گے، ہمارا ضرور وعدہ ہے، ہمیں پورا کرنا ہے۔

جن ذرات کو مٹی کھا چکی، وہ کہاں سے آئیں گے؟ فرمایا: ''قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْاَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتٰبٌ حَفِيْظٌ'' (پ ۲۶، ق ۴)

ترجمہ: ہمیں معلوم ہے جو زمین کھا رہی ہے ان میں سے، اور ہمارے پاس پورا ریکارڈ محفوظ ہے۔

پھر ارشاد ہے: ''مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ۔ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۔ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ'' (پ ۲۳، یٰسین: ۷۸)

ترجمہ: کون ان ہڈیوں کو ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر زندہ کر دے گا؟ آپ فرمادیجئے، وہی انہیں دوبارہ زندہ کر دے گا، جس نے انہیں پہلی بار بنایا تھا اور وہ سب بنانا جانتا ہے۔

کفار و مشرکین کو حیرت تھی کہ ہڈیوں کے ریزہ ریزہ ہونے کے بعد پھر حیات انسانی کیسے ان ذروں میں عود کر آئے گی؟ رب العزت نے فرمایا، یہ ریزے اور چورا تو بہرحال انسانی لاش ہے، جس میں پیشتر زندگی رہ چکی ہے اور خود مٹی کے ذرات میں بھی آثار حیات کا پیدا ہونا چنداں مستبعد نہیں۔ میں اس سے بڑھ کر تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ ہڈیوں کا چورا نہیں اگر ممکن ہے تو پتھر میں تبدیل ہو جاؤ یا لوہا بن جاؤ، جو آثار حیات قبول کرنے کی بظاہر صلاحیت نہیں رکھتے، بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت چیز، جس کا زندہ ہونا تمہیں لوہے اور پتھروں سے بھی زیادہ مشکل نظر آئے، بن کر دیکھ لوحتیٰ کہ موت مجسم بھی بن جاؤ تو اس قادر مطلق کے لئے تمہیں پھر اسی جسد عنصری سے زندہ کر دینا کوئی مشکل نہیں۔

ایک سوال: یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں جہاں جہاں بھی حشر آخرت کا ذکر ملتا ہے، وہاں ہڈیوں کے چورے اور ذرات منتشرہ کو پھر سے جمع کرنے اور زندہ کرنے کا ذکر ملتا ہے۔ جہاں اجمال ہے، وہاں بھی یہ مفہوم منطوی ہے، گویا کہ حشر آخرت کے لئے زمین یہی ہے کہ ریزہ ریزہ ہڈیاں اور ذرات منتشرہ پھر سے اٹھائے جائیں۔ پس جب اس دن انبیاء بھی اٹھائے جائیں گے، تو ان کی یہ بعثت ذرات منتشرہ اور عظام رمیم سے کیوں نہ ہوگی؟ حدیث شریف کے اس مضمون سے کہ "زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے" ان کا اجساد سالمہ سے اٹھایا جانا کیا قرآن پاک کے ان مضامین کے خلاف نہیں، جہاں "حشر آخرت" ہڈیوں کے چورے اور ذرات منتشرہ پر مبنی ہے؟

اگر انبیاء اس عموم سے مستثنیٰ ہیں تو کیا اس تخصیص کے لئے اتنے درجے کی قوی دلیل موجود ہے جتنے درجے کی قوی اصل یہ ہے کہ حشر آخرت، ذرات منتشرا ور عظام رمیم سے ہوگا۔

جواباً: عرض ہے کہ انبیاء کے اجساد مٹی نہیں ہوتے۔ اس کی شہادت قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام ایک بستی پر سے گزرے جو چھتوں پر گری پڑی تھی۔ آپ کے دل میں آیا، اللہ تعالیٰ اس بستی کو پھر سے کیسے اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اور ان کی سواری پر موت طاری کردی اور سو سال اسی حال میں گزر گئے۔ ان کا گدھا مٹی میں ہڈی ہڈی ہو چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر سے اٹھایا اور فرمایا: "وَانظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا " (پ:۳، البقرہ ۲۵۹)

ترجمہ: اور تو دیکھ اپنے گدھے کو اور تا ہم تجھے لوگوں کے لئے ایک نشان بنائیں اور تو (گدھے کی) ان ہڈیوں کی طرف دیکھ کس طرح ہم انہیں ابھار کر جوڑتے ہیں اور انہیں گوشت پہناتے ہیں۔ پھر جب اس پر یہ حال ظاہر ہو گیا تو اس نے کہا مجھے معلوم ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

دیکھئے گدھے کا جسم تو ریزہ ریزہ ہو گیا، مگر حضرت عزیر علیہ السلام پر سو سال کی موت نیند جیسی تھی، ان کا بدن پوری طرح محفوظ رہا، اللہ نے حرام کردیا کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے فوت شدہ پڑے رہنے کے لئے قرآن کریم نے لَبِثْتَ (آپ رہے) کے الفاظ اختیار کئے ہیں اور اصحاب کہف کے سوئے پڑے رہنے کو بھی قرآن کریم نے وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ (پ ۱۵، الکہف ۲۵) سے تعبیر کیا ہے جس طرح سوئے ہوئے اصحاب کہف کو پتہ نہیں چلا کہ وہ کتنا عرصہ سوئے رہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو بھی پتہ نہ چلا کہ وہ کتنا عرصہ اس حال میں پڑے رہے سو صورتحال سے بے خبری نہ یہاں عدم حیات کی دلیل ہے اور نہ وہاں۔

تاہم یہ بات واضح ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کا جسد محفوظ رہا اور گدھے کی لاش ریزہ ریزہ ہو گئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی موت گویا ایک نیند تھی جو ان پر سو سال تک وارد رہی اس دوران وہ اپنی چھپی زندگی کو نہ پاسکے۔ جس طرح اصحاب کہف کو اپنی زندگی کا کچھ پتہ نہ رہا۔ حالانکہ وہ طبعاً زندہ تھے۔

کھانا پینا یہاں زندگی کا نشان ہے حضرت عزیر علیہ السلام کا کھانا نہ سڑا، نہ باسی ہوا، کھانے میں زندگی رہی تو ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ نے کھانے والے کو بھی کوئی مخفی حیات دے رکھی ہو۔ جس کا انہیں خود بھی پتہ نہ رہا ہو، انبیاء کا بدنیہ جنت کی مٹی سے ہوتا ہے اور یہاں کی مٹی جنت کی مٹی پر غالب نہیں آسکتی۔

حضرت عزیر علیہ السلام کے اس واقعہ میں اس بات پر قوی شہادت موجود ہے کہ انبیاء کے اجساد مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے۔ وہ مٹی سے ملتے تو ہیں مگر مٹی نہیں ہوتے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام وفات کے بعد مدتوں لاٹھی کے سہارے کھڑے رہے، جب لاٹھی کو کیڑا لگ گیا اور وہ ٹوٹ گئی تو حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسد زمین پر آ گرا اسے کیڑا کیوں نہ لگا؟ اس لئے کہ یہ اللہ کے نبی تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر حرام کر رکھا ہے کہ نبیوں کے اجساد کو کھائے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے گرنے سے ان کی ہڈی تک نہ کھنکھنائی، نہ ٹوٹی، خشک اور سوکھی ہڈی گرنے سے ٹوٹ جاتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا جسد مبارک نرم اور تروتازہ رہا، اس دنیا کے موسمی اثرات اس پر نہ اترنے پائے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی روح مبارک کے آثار باقیہ اب تک جسد کو محیط تھے فقہاء لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کا جسد اطہر قبر مبارک میں آج بھی اس طرح تروتازہ اور نرم ہے جیسے کہ اس کو رکھا گیا تھا۔

"فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ" (پ ۲۲، السبا ۱۴)

ترجمہ: پھر جب وہ زمین پر آ گرا، تو جنوں کو پتہ چل گیا کہ اگر وہ غیب جانتے تو کیوں اتنی کڑی محنت میں لگے رہتے۔

اس میں ارشاد ہے کہ نبی کے اعمال اس کی وفات کے بعد بھی جاری رہتے ہیں جن کے اعمال جاری رہیں، ان کی موت ایک پردہ ہے۔ اللہ کے قرب میں مزید بڑھنے کا سامان انہیں اب بھی حاصل ہے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: "سلیمان علیہ السلام پر زندگی میں جو انعامات ہوئے تھے یہ اس کی تکمیل ہوئی کہ موت کے بعد بھی ایک ضروری حد تک انہیں باقی رکھا گیا۔" (تفسیر عثمانی ص: ۵۵۷)

حشر کے دن انبیاء علیہم السلام کا اٹھایا جانا اسی طرح کا ہوگا جس طرح حضرت عزیر علیہ السلام اٹھائے گئے کہ بدن بھی محفوظ اور اس میں زندگی کے آثار لطیفہ بھی جنہیں یہاں کے رہنے والے محسوس نہ کر پائیں موجود...... جب ان سے برزخ کا پردہ اٹھے گا تو وہ کھلی زندگی میں سامنے آ جائیں گے یہی ان کا حشر ہے اور وہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرام کو آخرت میں دوبارہ لباس حیات پہنانے کی ضرورت ہی نہیں، عامۃ الناس کو جو زندگی اور کامل حیات عنصری اس دن ملے گی، وہ انبیائے کرام کو پہلے ہی سے عالم برزخ میں حاصل ہے، صرف یہ ہے کہ وہ اوروں سے پردے میں ہے۔ اور وہ اپنی قبور میں ہی اس حیات بعد الوفات پر فائز کر دیئے جاتے ہیں۔ اس دن تو انہیں صرف اپنی اپنی قبور سے نکلنا ہی ہوگا۔ اور ان کا عالم برزخ اچانک عالم آخرت میں بدل جائے گا۔ اور اب یہ ایک کھلی اور محسوس زندگی ہوگی۔ قدرت ایزدی سے ان کی قبور شریفہ شق ہوں گی۔ بخلاف عامۃ الناس کے کہ وہ خود نکلنے کی حالت میں نہیں ہوں گے بلکہ انہیں قدرت ایزدی سے روح و جسد میں جمع کیا جائے گا، اور اسی دن واذا النفوس زوجت کی شان ظاہر ہوگی۔ اس کے برعکس انبیائے کرام علیہم السلام کے قیامت کے دن زندہ کئے جانے کا ثبوت کسی روایت سے نہیں ملتا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "انا اول الناس خروجا اذا بعثوا" (مشکوۃ ص: ۵۱۴)

ترجمہ: جب لوگ حشر کے دن اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلے قبر سے نکلنے والا میں ہوں گا۔

دوسروں کے لئے لفظ بعثت (اٹھایا جانا) ہے اور اپنے لئے لفظ خروج (نکلنا) ہے ان دونوں کو ایک لفظ

کے تحت نہیں رکھا گیا۔ سو جس طرح انبیاء کی موت اوروں کی موت سے مختلف ہے ان کی حیات برزخی دوسروں کی حیات برزخی سے مختلف ہے، ان کا حشر بھی دوسروں سے مختلف ہے اوروں کا اپنی قبروں سے اٹھنا ہے اور ان کا نکلنا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ واتم واحکم!

انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ وفات کے بعد ان کے اجسام عنصریہ میں ریزہ ریزہ ہونے کے بغیر پھر سے حیات عود کر آئے۔ تو یہ مضمون بھی صحیح ہے کہ اس حیات بعد الوفات کا تحقق قیامت کے دن نیا نہیں۔ بلکہ قبور شریفہ ہی میں عمل میں آ چکا ہو۔ فرق ہے تو یہ کہ برزخ میں یہ حیات پردے میں ہے اور آخرت میں یہ حیات ایک کھلی حیات ہو گی۔ پہلے مضمون پر سب کا اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کے لئے اعادہ حیات اجسام عنصریہ کے ریزہ ریزہ ہونے کے بغیر ہے۔ پس یہ قرآنی مضمون کہ حشر آخرت زمین کے ''ذرات منشرہ'' اور ''عظام رمیم'' سے ہو، انبیاء اس ذیل میں نہیں آتے...... سو قرآنی عنوان بعثت ''عام مخصوص منہ البعض'' کے درجہ میں ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی تخصیص خبر واحد سے محل کلام نہیں، بناء علیہ اس حدیث کی وجہ سے کہ ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح عامۃ الناس کو کامل حیات عنصری حشر کے دن ملے گی۔ انبیاء کرام علیہم السلام اس سے بہت پہلے اپنی اپنی قبور شریفہ میں فائز الحیات ہو چکے ہوئے ہیں۔

پس اس باب میں احادیث سے استدلال خصوصاً، جب کہ وہ تواتر معنی سے اپنے مضمون کو ثابت کر رہی ہوں، عین مقتضائے موضوع ہے یونہی آیات سے الجھتے چلے جانا اور قلب موضوع کرنا کوئی امر مستحسن نہیں ہے۔

ارشادات پیغمبر خاتم ﷺ شریعت اسلام میں قانونی حیثیت رکھتے ہیں۔ صحابہؓ کے عہد سعادت مہد سے سلسلہ روایت چلا، تابعین کے عہد کے بعد علم حدیث فن حدیث سے وابستہ ہوا، اور راویوں کے حالات، ان کی جرح وتعدیل اور اتصال وارسال ایک مستقل موضوع بن گئے۔ پہلے دور میں روایات کا مدار زیادہ اعتماد پر رہا اور آگے چل کر اسناد نے زیادہ اہمیت پائی۔

اس تحقیق وتنقیح کی جوں جوں ضرورت بڑھتی گئی، محدثین کے قواعد وضوابط مدون ہوتے چلے گئے۔ راویوں کے حالات سے بھی اور محدثین کی تصحیح سے بھی روایات کے صحیح وسقیم ہونے کا پتہ چلتا رہا۔ تحقیق روایت کی یہ دو ہی راہیں ہیں۔

یہ بات کافی نہیں کہ کسی سلسلہ روایت میں جب کوئی ایسا راوی ملے، جس پر کسی نے جرح کی ہو، تو یکسر اس روایت کو چھوڑ دیں۔ بلکہ دیکھا جائے گا کہ تعدیل کرنے والے کون کون اور کتنے ہیں اور جرح کرنے والے کون کون اور کتنے ہیں۔ جرح مفسر ہے یا غیر مفسر اور محدثین کے نزدیک مقبول ہے یا مردود۔ غرضیکہ یہ ایک مستقل فن ہے، جس تک رسائی بغیر فنی مہارت کے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ عوام کو تو یہاں بھی اکابر فن کی تقلید سے چارہ نہیں۔ علمی تنقیحات اور فنی مباحث میں عام لوگوں کو کوئی جرح یاد کرا دینا اور پھر ائمہ فن سے استغنا برتنے کی آبیاری کرنا۔ عام کہتے رہنا کہ اہل سنت کے پاس اپنے مسلک کی حمایت میں صرف منکر اور ضعیف قسم کی ہی روایات ہیں اگر تشغیب العوام نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر یہ روایات کلیۃً اور قطعاً لائق رد ہوتیں تو محدثین انہیں روایت کیوں کرتے؟

آپ سمجھ چکے ہوں گے کہ یہاں عوام کو مغالطہ دینے اور تعصب و تحزب کا شکار کرنے کے لئے کافی گنجائش ہے۔ جہاں انکار مطلوب ہوا، کسی راوی پر ادنیٰ اشارۂ جرح بھی معاف نہ ہونے دیا اور جہاں خود ضرورت درپیش ہوئی، وہاں تصحیح محدثین کا سہارا لے لیا۔ فالی اللہ المشتکی!

جہاں صحیح مسلم اور ابوداؤد تک کی احادیث ''موضوع روایات'' کے تحت درج کی جا رہی ہوں اور اس مکتبِ فکر کے حدیث پڑھنے پڑھانے والے علماء تک کا یہی حال ہو تو اس سے چارہ نہیں کہ اس اندازِ فکر پر خون کے آنسو بہائے جائیں:

طبعت علی کدر و انت تریدھا صفوًا من الاقذار والاکدار

ایسے پُرخطر دور میں، جب کہ احترام سلف اور فکر آخرت کا دائرہ سمٹتا چلا جا رہا ہے، جہاں یہ امر ضروری ہے کہ ملک وملت کی مہمات میں تعبیری اور فروعی اختلافات میں نہ الجھا جائے وہاں اس ضرورت سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ دینی طبقوں میں جہاں بھی ''اعتماد علی السلف'' کے خلاف کوئی چنگاری سلگتی نظر آئے، اسے اوّل دھلہ ہی میں بجھا دینے کی پوری جدوجہد کی جائے۔ بیرونی حملے کے وقت بھی تو اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ اندرونی آتشزدگی کہیں خرمن حیات کو جلا نہ دے۔

ہاں، اگر طریق اختلاف ایسا ہو، جس میں اکابر کے خلاف جذبات تنفر نہ پیدا ہوں۔ تو پھر یہ اختلاف رائے برداشت کر کے اصولی مسائل میں سب ایک چشمۂ اتحاد سے سیراب ہوسکتے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ یہ اختلافات تفردات محققین کا مقام پالیں۔

اس سے انکار نہیں کہ نظریاتی مسائل میں اختلاف رائے ہوسکتا ہے، لیکن اگر بعض اکابر سے اختلاف ہو تو بعض دوسرے اکابر کی تائید کے ساتھ ہو...... اور اس امر کی وضاحت کے ساتھ کہ مؤقف قطعی نہیں، اجتہادی ہے، آخر جانب مخالف بھی احتمال صواب سے خالی نہیں۔ الغرض ہر شے اپنے محل پر رہے تو اختلاف کے باوجود نزاع کی صورتیں پیدا نہیں ہوتیں۔

قرآن سے استدلال کرتے اختلاف پیدا ہو تو فیصلہ سنت پر آ ٹھہرتا ہے۔ دو مختلف حدیثیں مروی ہوں تو صحابہ کرامؓ کا عمل فیصلہ کن قرار پاتا ہے۔ حضرت علیؓ کی نصیحت آپ پہلے پڑھ آئے ہیں۔ حضرت عمرؓ کی نصیحت بھی اس باب میں یہی ہے: ''عن عمر ﷺ انہ قال سیاتی ناس یجادلونکم بشبہات القران فخذوھم بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ رواہ الدارمی'' (کنز العمال ج ۱، ص ۱۰۸)

ترجمہ: ایسے لوگ بھی آئیں گے جو تم سے متشابہات قرآن سے استدلال کرتے جھگڑیں گے تم ان کا سامنا سنت سے کرنا اصحاب السنن سے زیادہ قرآن کو جاننے والا کون ہوسکتا ہے۔

اس کتاب مستطاب میں اس آفتاب رشد و ہدایت کے زندہ جاوید ہونے کا بیان ہے۔ جس کے نور و عرفان نے لاتعداد ذروں کو غیرت خورشید بنا دیا تھا اور جس کی تابانی آج بھی بھٹکتی مخلوق کو چشمۂ ہدایت سے سیراب کر رہی ہے۔ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

خالد محمود عفا اللہ عنہ

تمہید

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الکبیر القادر علیٰ جمیع الممکنات المرید لجمیع الکائنات و الصلوٰۃ و السلام علیٰ جمیع الھداۃ بالزبر و البینات الذین ھم احیاء فی قبورھم بعد الممات خصوصاً علیٰ خاتم الرسل و افضل المخلوقات سیدنا و مولانا محمدنِ النبی الذی ھو حیٌ فی روضۃ من ریاض الجنات و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ و اَتباعہٖ الذین یقتبسون من نور حیاتہٖ فی الحیات و بعد الوفات۔ اما بعد:

عالم برزخ کے حالات پر ایک ایسا پردہ پڑا ہے، جو از خود اٹھایا نہیں جا سکتا۔ قرآن کریم نے عالم دنیا اور عالم آخرت کی تفصیلات تو بہت پیش کی ہیں، لیکن درمیانی منزل...... عالم برزخ...... پر اجمال و اشارات ہی کی مصلحت کارفرما ہے۔ برزخ ایک ایسا پردۂ خفا ہے کہ وہاں کے حالات عامۃ الناس کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔ عالم آخرت کا جتنا حصہ اس پردۂ خفا میں ہے، اسے ہی عالم برزخ کہا جاتا ہے۔ اس کی انتہا قیامت پر ہے۔

"وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ" (پ ۱۸، مومنون ۱۰۰)

ترجمہ: اور ان کے پیچھے قیامت کے دن تک ایک پردہ ہے۔

انسان اس عالم میں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ میں ہو جاتا ہے اور آخرت بھی ابھی پوری طرح سامنے نہیں آئی ہوتی۔ صرف اس کا تھوڑا سا نمونہ سامنے رہتا ہے۔ باقی پردہ ہی پردہ ہے، جو نہ ہٹتا ہے، نہ پھٹتا ہے۔

ہاں انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظامؒ نے اس کائنات کے اسرار و رموز کا بارہا مشاہدہ کیا ہے اور رب العزت نے کئی دفعہ اس عالم کو اُن پر منکشف بھی فرمایا، ظاہر ہے کہ گاہے گاہے کی یہ جھلکیاں اور انکشافات کے یہ پرتو اس وادی کے ناآشنا ماحول میں عالم برزخ کے روابط و ضوابط کی جملہ کڑیاں نہیں ملا سکتے۔ پس ہمارے لئے یہی کافی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو کچھ فرما دیا، اس پر یقین رکھیں اور برزخ کا جو پہلو معرض خفا میں رہا، اس میں قیاسات کے گھوڑے نہ دوڑائیں اور مافوق العقل کو خلافِ عقل خیال کرتے ہوئے منقولات صحیحہ کے انکار کے درپے نہ ہوں۔

حیاتِ انسانی کے چار دَور

۱...... عالم اَرواح

یہ وہ جہان ہے جہاں روحیں رہتی ہیں اور پھر باری باری اس جہان میں کسی بدن سے متعلق ہو کر آتی ہیں۔ سب روحوں کی ایک ہی دفعہ تخلیق ہو چکی ہے۔ جب کسی کی باری آجاتی ہے، تو وہ روح کسی جسم میں آکر یہاں جلوہ پیرا ہوتی ہے۔

انسان کی یہ وہ پہلی زندگی ہے جس میں جملہ بنی نوع انسان سے عہد الست لیا گیا تھا قرآن پاک میں اس کی شہادت موجود ہے: "وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ" (پ ۹، الاعراف ۱۷۲)

ترجمہ: اور اللہ نے ان سے ان کی جانوں پر اقرار کرایا "کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب؟" سب نے کہا کیوں نہیں ہم اقرار کرتے ہیں، کہیں کہنے لگو قیامت کے دن ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: "ضروری تھا کہ یہ تخم ہدایت جسے کل اسلامی تعلمات کا مبدء ومنتہیٰ اور تمام ہدایات ربانیہ کا وجود مجمل کہنا چاہئے۔ عام فیاضی کے ساتھ نوع انسانی کے تمام افراد میں بکھیر دیا جائے۔ تا کہ ہر آدمی عقل وفہم اور وحی والہام کی آبیاری سے اس تخم کو شجر توحید وایمان کے درجہ تک پہنچا سکے۔ اگر قدرت کی طرف سے قلوب بنی آدم میں ابتداء یہ تخم ریزی نہ ہوتی اور اس کی سب سے زیادہ اساسی وجوہری عقدہ کا حل ناخن عقل وفکر کے سپرد کر دیا جاتا، تو یقیناً یہ مسئلہ بھی منطقی استدلال کی بھول بھلیاں میں پھنس کر ایک نظری مسئلہ بن کر رہ جاتا۔ جس پر سب تو کیا، اکثر آدمی بھی متفق نہ ہو سکتے...... حضرت شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت سے ان کی اولاد اور ان سے ان کی اولاد نکالی۔ سب سے اقرار کروایا، اپنی خدائی کا، پھر پشت میں داخل کیا۔" (تفسیر عثمانی ص: ۲۲۳)

پھر یہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس عالم ارواح میں تمام اولاد آدم کو خبر دی کہ ان کے پاس اس تخم کی آبیاری کے لئے میرے پیغمبر آتے رہیں گے: "يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ" (الاعراف ۳۵)

ترجمہ: اے اولاد آدم! اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم اولاد آدم میں سے ہی، سنائیں تم کو آیات میری تو جو کوئی ڈرے اور نیکی اختیار کرے تو نہ خوف ہوگا ان پر نہ غمگین ہوں گے۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں: "ابن جریر (۳۱۰ھ) نے ابو یسار سلمی سے نقل کیا ہے کہ یہ خطاب "يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ" کل اولاد آدم کو عالم ارواح میں ہوا تھا۔ (ایضاً ص ۲۰۰)

احادیث میں بھی اس عالم ارواح کا ذکر ملتا ہے اس دور کی انتہا والدہ کے پیٹ میں ہوتی ہے جب روح جسد جنین میں داخل ہوتی ہے یہ چند ماہ کی مدت نہ عالم ارواح میں ہے نہ دنیا میں یہ عالم ارواح اور دنیا کا برزخ ہے جو پیدائش پر ختم ہو جاتا ہے۔ اور نومولود کی دنیا شروع ہو جاتی ہے۔

عالم ارواح کو اسی لئے عالم ارواح کہتے ہیں کہ اس کے سوا انسانی زندگی کے جتنے دور ہیں ان سب میں روح اور بدن کا ایک تعلق ہے خواہ جلی طور پر جسے کہ سب دیکھ پائیں یا خفی طور پر جسے عام دیکھا نہ جا سکے (جیسے قبر میں روح وبدن کا تعلق) تاہم عالم ارواح کے سوا دنیا ہو یا آخرت (اور آخرت میں بھی برزخ ہو یا قیامت کے بعد کا جہاں) ہر جگہ روح وبدن کا علاقہ ضرور ہے۔

الحاصل عالم ارواح ایک پورا جہان ہے جس کے اپنے احکام ہیں۔ اور صرف اسی جہان میں انسان کی روحانی زندگی ہے۔ دنیا برزخ اور آخرت تینوں میں بدن کا علاقہ اپنے اپنے حالات کے مطابق ضرور رہتا ہے۔

۲...... عالم دنیا

عام محسوسات میں یہ زندگی انسان کے قریب تر ہے۔ اس کا معنی قریبی زندگی کا دور ہے۔ قرآن اسے "الحیوۃ الدنیا" سے تعبیر کرتا ہے۔ اس میں روح وبدن کا تعلق نہایت مضبوط ہوتا ہے مگر جسد کے احکام روح پر غالب

ہوتے ہیں[1]۔ یہاں حیات کا تقوم اس دنیا کے رزق مادی پر ہوتا ہے۔ تغذیہ وتنمیہ اس زندگی کے لوازم ہیں۔ اس دور کی انتہا موت پر ہوتی ہے۔ لیکن بعض اوقات مرنے سے پہلے ہی اگلی زندگی کے آثار نظر آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ یہی عالم ''دار التکلیف'' ہے اور یہی ''دار العمل'' جس کے ذخیرۂ عمل پر بعد کی جزا یا سزا مرتب ہوتی ہے۔

عالم دنیا میں برزخ کی جھلکیاں

کبھی اس دنیا کے تیز نظر عارفین برزخ کی کھڑکی میں بھی جھانک لیتے ہیں اور اس دنیا میں رہتے ہوئے وہ بعض برزخی اعمال کو دیکھ یا سن پاتے ہیں۔ بایں ہمہ ان کی یہ دنیوی زندگی دنیوی ہی رہتی ہے کیونکہ انہوں نے ابھی عالم برزخ میں قدم نہیں رکھا۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''انہ صورت لی الجنۃ والنار حتی رایتھا وراء الحائط'' (صحیح بخاری ج ٢ ص ١٠٩٤)

ترجمہ: جنت اور دوزخ ایک تصویر کی صورت میں میرے سامنے لائی گئیں میں نے ان دونوں کو اس دیوار کے پاس سے دیکھا۔

ایک دوسری جگہ یہ روایت یوں ہے: ''لقد رأیت الان منذ صلیت بکم الصلوۃ الجنۃ والنار ممثلتین فی قبلۃ ھذا الجدار'' (ایضاً ج ١ ص ١٠٣)

ترجمہ: ابھی جب میں نے تمہیں نماز پڑھائی میں نے اس دیوار کے قبلہ کی طرف جنت اور دوزخ مثالی شکل میں دیکھی ہیں۔

یہاں حضور ﷺ نے عالم بیداری میں جنت اور دوزخ کو ایک مثالی صورت میں دیکھا یہ کہاں دیکھا؟ اسی دنیا میں کیا کوئی اور بھی دیکھ پایا؟ نہیں یہ دنیا میں کسی اور جہان کی جھلکیاں ہیں جو آپ ﷺ دیکھ رہے تھے۔ یہ برزخ کی جھلک تھی۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں، ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے کسوف (سورج گرہن) کی نماز پڑھائی اور فرمایا: ''انہ عرض علی کل شئی تولجونہ فعرضت علی الجنۃ حتی تناولت منھا قطفا اخذتہ... عرضت علی النار فرأیت فیھا امرأۃ من بنی اسرائیل تعذب فی ھرۃ لھا ربطتھا فلم تطعمھا ولم ترعھا تاکل من خشاش الارض ورایت اباثمامۃ عمرو بن ملک یجر قصبہ فی النار'' (صحیح مسلم ج ١ ص ٢٩٧)

ترجمہ: ابھی مجھے ہر چیز جہاں تمہیں جانا ہے دکھائی گئی ہے مجھے جنت بھی دکھائی گئی یہاں تک کہ میں نے اس سے انگور کے کچھ خوشے لئے اور مجھے جہنم بھی دکھائی گئی میں نے اس میں بنی اسرائیل کی ایک عورت کو دیکھا جسے ایک بلی کے سلسلہ میں عذاب ہو رہا تھا۔ اس نے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا اور اسے کھانے کو کچھ نہ دیتی تھی اور نہ اسے چھوڑتی تھی کہ وہ خود زمین کے جانور کھالے اور میں نے ابو ثمامہ عمرو بن ملک کو دیکھا وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا تھا۔

اور یہ بھی فرمایا: ''مامن شئی لم اکن اریتہ الا رایتہ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار''

(رواہ البخاری عن اسماء ج ١ ص ١٨)

[1] (قال العارف الجامی ان الغالب فی ھذا العالم احکام الاجساد واحکام الروح مستورۃ لظھور الجسد وخفاء الروح وینعکس الحال فی البرزخ وتظھر احکام الروح اما المحشر فیستوی فیہ الحکمان واللہ اعلم)

ترجمہ: کوئی ایسی چیز جو مجھے پہلے نہ دکھائی گئی تھی میں نے ابھی یہاں دیکھی ہے یہاں تک کہ میں نے جنت اور دوزخ کو بھی دیکھا ہے۔

حضرت انس بن مالک ؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: ''عرضت علی اجور امتی . . . وعرضت علی ذنوب امتی فلم ار ذنبا اعظم من سورۃ من القران او ایۃ اخذھا رجل ثم نسیھا''
(جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۱۵)

ترجمہ: ابھی مجھے اپنی امت کے اجر اعمال دکھائے گئے...... مجھے میری امت کے گناہ بھی دکھلائے گئے اور سب سے بڑا گناہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کی کوئی سورت یا آیت سیکھ لے اور پھر اسے بھلا دے۔

حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''عرضت علی الامم ورأیت سوادا کثیرا سد الافق فقیل ھذا موسی فی قومہ'' (صحیح بخاری ج ۱ ص ۴۸۴)

ترجمہ: مجھے امتیں دکھائی گئیں اور میں نے ایک بڑی جماعت جو افق ڈھانپ رہی تھی دیکھی مجھے بتایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ کھڑے ہیں۔

ایک دفعہ آپ ﷺ شہدائے احد کی قبروں پر تشریف لے گئے۔ وہاں سے آکر آپ نے خطبہ دیا: ''انی واللہ لانظر الی حوضی الان وانی اعطیت مفاتیح خزائن الارض انی واللہ ما اخاف ان تشرکوا بعدی ولکنی اخاف'' (ایضاً ج ۲ ص ۹۷۵)

ترجمہ: میں اپنے حوض کوثر کو یہیں سے دیکھ رہا ہوں اور مجھ کو زمین کے خزانہ کی کنجیاں دے دی گئیں۔ اے لوگو! مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک میں جا پڑو گے مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ دنیا کی دولت میں پڑ کر آپس میں حسد نہ کرنے لگو۔

حضرت اسامہ بن زید ؓ کہتے ہیں ایک دن آپ شہر سے باہر جا نکلے اور ایک ٹیلے پر چڑھ کر کہا: ''انی لاری الفتن تقع خلال بیوتکم کوقع المطر......'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۶)

ترجمہ: اے لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں، کیا تمہیں نظر آرہا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں فرمایا: تمہارے گھروں میں فتنوں کو اس طرح اترتے دیکھ رہا ہوں جس طرح بارش اتر رہی ہو۔

حضرت ابو ایوب انصاری ؓ کہتے ہیں ایک دفعہ آپ دوپہر کے وقت گھر سے نکلے تو قبروں کے پاس سے گزرے۔ آپ نے فرمایا: ''فقال یھود تعذب فی قبورھا'' (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۴ کتاب الجنائز)

ترجمہ: یہود پر ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔

طبرانی کی روایت میں ہے آپ ﷺ نے فرمایا: ان کی آوازیں میرے کانوں میں آرہی ہیں۔

(ارشاد الساری ج ۲ ص ۴۶۶)

امام احمد، امام بیہقی اور حاکم حضرت زید بن ارقم ؓ سے روایت کرتے ہیں۔ ہم ایک دفعہ حضرت ابوبکر ؓ کے ساتھ تھے، کسی نے آپ کو شہد اور پانی پیش کیا تو آپ رو پڑے۔ لوگوں نے رونے کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا:

ترجمہ: ایک دن میں حضور ﷺ کی خدمت میں تھا کہ آپ نے ہاتھ سے کوئی (غیر مرئی) چیز ہٹائی اور مجھے وہ چیز نظر نہ آرہی تھی میں نے کہا۔ حضور ﷺ کس چیز کو سامنے سے ہٹا رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ دنیا ہے جو میرے سامنے متشکل ہو کر آئی ہے میں نے اسے کہا ہے میرے پاس سے چلی جا۔

یہ سب برزخی نظارے ہیں جو آپ ﷺ نے عین بیداری میں دیکھے۔ آپ ﷺ کے بعد بہت سے اولیاء بھی ایسے گزرے ہیں جنہوں نے اس عالم دنیا میں عالم برزخ کے نظارے دیکھے...... اس سے پتہ چلا کہ برزخ کوئی اتنی دور کی منزل نہیں کہ اسے دنیا میں دیکھا ہی نہ جا سکے تیز نظر عارفین نے کئی دفعہ یہیں اس عالم کی جھلک دیکھی ہے۔

گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دل وجود گاہ الجھ کے رہ گئی اپنے تصورات میں

پھر دنیا میں پیغمبروں کے خواب بھی خیالات کی پیداوار یا کوئی صدائے بازگشت نہیں ہوتے یہ وحی الٰہی کے پردے ہیں جن پر حقائق و معارف اترتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں: ''رؤیا الانبیاء وحی'' (رواہ الترمذی)

۱...... حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے نیند میں دیکھا کہ دودھ کا پیالہ ہے اور میں پی رہا ہوں یہاں تک کہ میں نے اپنے ناخنوں میں اس کی سیرابی کے اثرات دیکھے: ''ثم اعطیت فضلی عمر ؓ قالوا فما اولته یارسول اللہ قال العلم'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۷)

ترجمہ: میں نے اپنا بچا دودھ عمرؓ کو دیا۔ صحابہؓ نے پوچھا حضور ﷺ اس دودھ کی حقیقت کیا ہے؟ فرمایا: ''علم''

۲...... حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا میں سویا ہوا تھا کہ میں نے لوگ دیکھے ان پر مختلف پیمائشوں کی قمیصیں تھیں: ''ومر علی عمر بن الخطاب ؓ علیه قمیص یجرہ قالوا ما اولت یارسول اللہ قال الدین'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۳۶ جامع ترمذی ج ۲، ص ۵۲)

ترجمہ: اور میرے سامنے سے عمرؓ گزرا اور اس پر اتنی لمبی قمیص تھی کہ وہ زمین پر گھسٹتی جاتی تھی، صحابہؓ نے پوچھا اس قمیص کی حقیقت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دین''۔

۳...... حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: میں نے نیند میں دیکھا کہ میں ایک کنویں پر ہوں اور ایک ڈول دھرا ہے میں اس ڈول سے کچھ پانی نکالتا رہا۔ پھر اسے ابو بکرؓ نے پکڑ لیا اور ایک یا دو ڈول نکالے، پھر ڈول بھاری ہونے لگا: ''فاخذها عمر بن الخطاب ؓ فلم ارعبقریا من الناس ینزع نزع ابن الخطاب ؓ حتی ضرب الناس بعطن'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۰)

ترجمہ: پھر اسے عمر بن الخطابؓ نے لے لیا اور اب تک کوئی جوان اس طرح پانی نکالتے نہیں دیکھا جس طرح خطاب کا بیٹا پانی کھینچ رہا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ اپنے اپنے ڈول لئے اپنی باری کے انتظار میں جا بیٹھے۔

یہ خلافت کے جلوے تھے جو اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو دکھا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ جب منصب خلافت پر آئیں گے تو کس طرح ایک دنیا ان سے سیراب ہوگی، چونکہ حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کو خدا سے مانگ کر لیا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ خود حضور ﷺ کو مقامات عمرؓ دکھلا رہے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''رأیت کان امرأة سوداء ثائرة الرأس خرجت من المدینة حتی قامت بمهیعه وهی الحجفة فتأولتها ان وباء المدینه نقل الیها''

(صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۰۴۲: جامع ترمذی ج ۲ ص ۵۲)

ترجمہ: میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ عورت ہے جس کے سر کے بال بکھرے ہیں مدینہ سے نکلی ہے اور مہیعہ ٹھہر گئی ہے اور وہ جگہ جحفہ ہے میں نے اس کا مطلب یہ سمجھا کہ مدینہ کی وبا وہاں چلی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا میں نیند میں تھا کہ مجھے پوری زمین کے خزائن دیئے گئے اور مجھے میرے ہاتھوں میں سونے کے دو کنگن دیئے گئے، وہ مجھے گراں لگے اور انہوں نے مجھے فکر میں ڈالا۔ اسی وقت مجھے وحی آئی: "انفخهما فنفختهما فاولتهما الكذابين اللذين انا بينهما صاحب صنعاء وصاحب اليمامة" (صحیح بخاری ج ۲، ص ۱۰۴۲: جامع ترمذی ج ۲، ص ۵۲)

ترجمہ: آپ انہیں پھونک دیں سو میں نے انہیں پھونک دیا (وہ اڑ گئے) میں نے ان سے دو کذاب (اسود عنسی اور مسیلمہ کذاب) مراد سمجھے میں اس سرزمین میں ہوں جو ان دو کے درمیان ہے۔ ایک طرف یمن اور ایک طرف یمامہ۔

دونوں طرف سے دو کذاب اٹھیں گے اور اس طرح اڑ جائیں گے جیسے مٹی اڑ جاتی ہے۔ آپ کو کہا گیا انہیں پھونک لگا دیں۔ آپ نے دونوں پھونک ڈالے۔ عملاً انہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دور خلافت میں پھونکا یہ حضرت صدیق اکبرؓ کی سعادت تھی کہ ارادۂ رسالت بلکہ ارادۂ الٰہیہ ان کے دستِ حق پرست پر پورا ہوا اور اس سے ان کی خلافت کی صداقت اور آشکار ہوئی۔

آنحضرت ﷺ کا خواب خود بھی وحی تھا۔ اس خواب میں وحی کا آنا ایک اور مرتبۂ وحی کا پتہ دیتا ہے اور یہ دونوں مراتب آپ ﷺ کو نیند میں دکھائے جا رہے ہیں۔ کیا یہ حقائق یہ سمجھنے کے لئے کافی نہیں کہ حضور ﷺ اس دنیا میں رہتے ہوئے عالم بیداری ہو یا عالم خواب بارہا برزخی اور اخروی جلووں سے آشنا ہوئے اور آپ کے لئے عالم دنیا اور عالم برزخ کے کچھ ایسے فاصلے نہ تھے جن کی سرحدیں ایک دوسرے سے قطعی جدا ہوں۔ جب یہاں رہتے ہوئے آپ برزخی کوائف سے ناآشنا نہ رہے تو عالم برزخ میں جا کر آپ کے بعض دنیوی اعمال باقی رہیں جن کا کم از کم درجہ یہ ہے کہ امت کا آپ سے سلام کا سلسلہ باقی رہے تو کون سے تعجب کی بات ہے؟

۳...... عالم برزخ

قرآن کریم میں ہے: "وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ" (پ ۱۸، مومنون: ۱۰۰)

ترجمہ: اور ان کے ورے ایک پردہ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔

موت کے بعد سے لے کر قیامت تک کا یہ دور ہے۔ اس میں روح اور بدن یا روح اور اجزائے بدن کے مابین نہایت لطیف اور قوی تعلق[1] قائم ہوتا ہے اس میں دنیا والوں سے بھی پردہ ہو جاتا ہے اور آخرت بھی پوری طرح

---

[1] یہ تعلق یا تو اس طرح قائم ہوتا ہے کہ روح، بدن یا اجزائے بدن پر اپنی تاثیر ڈالتی ہے اور جیسا روح کا مقام ہو اس کے مناسب بدن یا اجزائے بدن میں آثار حیات قائم ہو جاتے ہیں اور یا خود روح ہی علیین یا سجین سے لا کر داخل بدن یا اجزائے بدن کر دی جاتی ہے اور وہ تعلق قائم کر کے پھر اپنے اپنے مستقر میں لوٹ جاتی ہے۔ اگر روح کمزور ہو اور ذرات بدن بھی منتشر ہوں تو پھر یہ حیات نہایت کمزور قسم کی ہوتی ہے۔ در قبر احیاء و اماتۂ حقیقی نیست بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلقی پیدا می شود کہ تغذیہ و تنمیہ ہمراہ آں نمی باشد (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۳۸ نولکشور)

ان ارواح کو ایک علاقہ اپنی قبر سے بھی ہوتا ہے کہ زیارت کے لئے آنے والوں اور اقرباء اور دوستوں سے مطلع ہوتے ہیں کیونکہ روح کو قرب اور بعد مکانی سے اس دریافت کو مانع نہیں ہوتا۔ (تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۸۸) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سامنے نہیں آتی۔ یہاں کی زندگی کے لئے روح اور حیات میں تلازمہ¹ نہیں۔ روح اگر بدن میں نہ بھی داخل ہو، صرف تاثیر ہی کر رہی ہو، تو بھی حیات کا تقوم ہو جاتا ہے قبر کی منزل اسی دور میں شمار ہوتی ہے یہ عالم ایک جہت سے مواطن دنیوی سے بھی متعلق ہے اور گنجائش ترقی رکھتا ہے۔ (دیکھئے مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی دفتر ۲ ص ۱۶ ص ۲۹ لکھنؤ)

مختلف درجوں کے لوگوں کا برزخ مختلف ہوتا ہے: (۱) عام اموات عالم برزخ میں روح و بدن کے تعلق سے راحت قبر یا عذاب قبر کے مرحلے سے گزرتی ہیں۔ (۲) شہدا عالم برزخ میں جسمانی حیات سے زندہ ہیں۔ ان کی ارواح پرندوں کی صورت میں متجسد ہوں یا کسی اور صورت میں وہ اپنے ابدان پر برابر متوجہ رہتی ہیں اور ان کے ابدان میں آثار حیات برابر مشاہدہ کئے جاتے رہتے ہیں۔ (۳) انبیاء عالم برزخ میں اپنے اجساد کے ساتھ زندہ ہیں۔ گو وہ زندگی یہاں محسوس اور مشاہدہ نہ ہو سکے۔ اپنے ہاں وہ ایک حسی زندگی محسوس کرتے ہیں اور اس احساس سے وہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ان کے زندوں والے اعمال میں انقطاع نہیں ہوتا ان کی حیات روح کے اعادہ سے ہو یا اس کے اشراف و اشراق سے اس میں اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں کوئی اختلاف نہیں کہ انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

عالم برزخ کے لئے دنیوی تجربے کی قریب ترین تعبیر

عالم برزخ پر ایک دبیز پردہ پڑا ہے۔ وہاں کے کوائف اور پیرائے ایسے لطیف اور باریک ہیں کہ ہمارے پاس کوئی ایسا لفظ نہیں جو عالم برزخ کا پورا نقشہ کھینچ کر آپ کے سامنے کر دے اور برزخی حالات کو پورا واضح کر کے ہمارے سامنے لے آئے۔ اس زندگی کے قریب تر جو لفظ پایا گیا ہے۔ وہ لسان شریعت میں لفظ نیند ہے۔ آنحضرت ﷺ قبر کے سوال و جواب کی بات کرتے ہوئے مومن کے بارے میں فرماتے ہیں: ''فیقال نم صالحا قد علمنا ان کنت لموقنا بہ'' (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۹)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) روح کا علاقہ بدن سے از راہ نظر وعنایت کے بحال رہتا ہے اور زیارت کرنے والوں اور دوستوں سے فائدہ لینے والوں کی طرف روح کی توجہ آسانی سے ہوتی ہے کہ بدن کے مکان معین ہونے سے گویا روح کا مقام ہی معین ہے۔
(تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۸۹ تحت آیت ثم اماتہ فاقبرہ)

¹ الحیاۃ فی اللغۃ شیء مغائر للروح لاعینہ بل ثمرۃ تعلقۃ وزعم بعض الناس انہ نفس الحیوۃ ولیس کذالک ففی النصوص ذکر الحیوۃ ولیست روحا و طلاقات الروح فی عقیدۃ السفارینی ج ۲ ص ۲۹ تحیۃ الاسلام ص ۳۶ ان ملازمۃ الحیوۃ للروح امر عادی لا عقلی فھذا مما یجوزہ العقل (شفاء السقام ص ۱۵۹)

عالم برزخ کا محل صرف قبر کا ظاہر نہیں، بلکہ اس قبر کی مافوق الادراک حیثیت ہے بعض قبور اپنی برزخی حیثیت میں میلوں تک وسیع ہو سکتی ہیں۔ اگرچہ عام نظروں میں وہ ایک گڑھا ہی دکھائی دیں اور بعض اپنی ظاہری کشادہ سے بھی تنگ ہو سکتی ہیں۔ اگرچہ ظاہر میں کتنی ہی وسیع کیوں نہ ہوں پس حقیقت قبر صرف اس ظاہری گڑھے کا نام نہیں، یہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے۔ یہ قبر صرف اس منزل کا ایک پہلو ہے اور اس کی ظاہری علامت ہے اس کی برزخی وسعت و نسعت کو رب العزت ہی جانتے ہیں یا وہ مقدس ہستیاں جن پر عالم برزخ کا انکشاف ہو رہا ہو، اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ اس ظاہر قبر کو حقیقت قبر سے کوئی علاقہ نہیں یا برزخ اس قبر سے کوئی بالکل مغائر چیز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ا

ترجمہ: اسے کہا جائے گا آرام سے سو رہو ہمیں علم ہے کہ تو ان پر ایمان رکھتا تھا۔

یہ برزخی زندگی کی ایک حالت ہے جسے نیند سے تعبیر کیا گیا ہے۔ نیند میں انسان وہیں کا وہیں رہتا ہے۔ لیکن عالم خواب میں وہ کہاں کہاں سے ہو آتا ہے یہ کسی سے مخفی نہیں، اور پھر اس سیر کے آثار اس کے اس مادی جسم پر بھی وارد ہوتے ہیں۔ وہ پریشان بھی ہوتا ہے اور خوش بھی ہوتا ہے عالم برزخ میں میت وہیں کی وہیں دکھائی دیتی ہے۔ مگر خدا کے پیدا کردہ اس عجیب نظام (عالم برزخ) میں اس پر وہ تمام واردات ہورہی ہیں جن کا شریعت نے پتہ دیا ہے اور وہ شرعی حقیقت ہیں۔ کوئی پیرایہ مجاز نہیں محدثین لکھتے ہیں: ''تضييق القبر و اختلاف الاضلاع حقيقى لانه مجاز'' (مرقات ج۱۰ ص ۸۷)

ترجمہ: قبر کا سمٹنا (تنگ ہونا) اور پسلیوں کا آپس میں ٹکرانا یہ حقیقت ہے کوئی مجاز نہیں۔

برزخی زندگی کی مثال نیند سے دی جاسکتی ہے اصحاب کہف مدتوں نیند میں رہے اور حضرت عزیر علیہ السلام برزخ میں سے اٹھے، دونوں کی کیفیت یہی تھی۔ لبثنا یوما او بعض یوم برزخی زندگی میں نیند کی سی ایک کیفیت ہے اور اعمال برزخ کا عالم خواب کی طرح ایک وسیع سلسلہ ہے۔ اس حال سے گزرنے والے اسے نیند ہی سمجھتے ہیں۔

''قَالُوْا يٰوَيْلَنَا مَنْۢ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ'' (پ ۲۳، یٰسین ۵۲)

ترجمہ: کہیں گے خرابی ہماری کس نے اٹھا دیا ہمیں ہمارے سونے کی جگہ سے یہ وہ ہے جو وعدہ کیا تھا رحمن نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے۔

اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی تردید نہیں کی کہ یہ نیند نہیں تھی، ایک دور برزخ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر بھی نیند اور موت کو جمع کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: ''اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا'' (پ ۲۴ الزمر آیت ۴۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ جانوں کو قبض کرتا ہے موت کے وقت اور جن کی موت واقع نہیں ہوئی ان کی نیند کے وقت۔

اللہ تعالیٰ نے توفّی (جان کو پورا کر لینا) کے تحت موت اور نیند دونوں کو جمع کیا ہے توفی میں روح نکلتی ہے جو موت والے کے لئے یہاں نہیں لوٹتی اور نیند والے کے لوٹ آتی ہے امساک وارسال کا ظہور اسی عالم (دنیا) میں ہوتا ہے۔ نیند اور موت دونوں توفی میں جمع ہیں سو نیند سے زیادہ کوئی حقیقت برزخ کے قریب نہیں ہوسکتی۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''النوم اخو الموت''

(رواہ البیہقی کمافی الجامع الصغیر ص ۳۲۳: السراج المنیر ج ۴ ص ۳۶۰)

ترجمہ: نیند موت کی بہن ہے۔

سوال یہ ہے کہ جب عالم برزخ نیند کی سی ایک کیفیت ہے تو جنت اور جہنم کے اپنے اپنے ٹھکانوں کا دیکھنا کیسے ہوگا۔ ایک طرف قرآن یہ کہتا ہے کہ حشر پر اٹھتے یہ کہیں گے۔ من بعثنا من مرقدنا ہم کو نیند سے کس نے اٹھایا اور دوسری طرف ہے: ''اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا'' (پ ۲۴ المومن آیت ۴۶)

ترجمہ: آگ ہے جس پر وہ صبح وشام پیش کیے جاتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ دنیوی اعمال کے مختلف پیرائے عالم برزخ میں بھی مختلف پیرائے اختیار کر لیتے ہیں کہیں عذاب کے منظر دکھائے جا رہے ہیں اور کہیں قیامت کا ہولناک منظر برزخ کو ایک نیند کر کے سمجھا جا رہا ہے یا ہوسکتا ہے، یہ نفخہ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان بے ہوشی کا وقفہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم اس نادیدہ شہر کی تفصیل بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ محسوسات کے اس دائرہ میں جس سے ہم گزر رہے ہیں صرف نیند ہے جو برزخ کے قریب ہے جس طرح پیغمبروں کی نیند دوسروں کی نیند سے مختلف ہے، آنکھیں سوتی ہیں دل جاگتا ہے، ان کا برزخ بھی دوسروں سے مختلف ہے۔ یہ وہاں پورے احساس سے زندہ ہیں اور ان کے اعمال بھی جاری ہیں جو کیفیت سمجھ میں آجائے بہتر جو نہ سمجھ میں آئے اسے لاتشعرون کے پہلو میں جگہ دے دیجئے۔ وفیہ السداد وفیہ السلامۃ!

حضور ﷺ سے پوچھا گیا: ''أینام أھل الجنۃ'' کیا اہل جنت سوئیں گے بھی؟ آپ نے فرمایا: ''لا ینامون'' کہ وہ سوئیں گے نہیں۔

انسان خواب وخیال میں کہاں کہاں کھو جاتا ہے، مگر پیغمبر کے خواب پر بھی خدا کا پہرہ ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ فرماتے ہیں: ''رؤیا الانبیاء وحی'' (جامع ترمذی ج ۲ ص ۵۶۴ لکھنؤ)

ترجمہ: انبیاء کا خواب بھی وحی ہے۔

یعنی وحی کی طرح محفوظ ہے مجال ہے کہ اس میں کوئی دخل شیطانی ہو اور عملاً یہ حکم ہے۔ بچے کو بھی ذبح کرتے دیکھیں تو وہ اسے قربان کرنے لے نکلیں گے لیکن ہر کسی کا خواب اس درجے کا نہیں انسان کو احتلام دخل شیطانی سے ہوتا ہے اور نبی کو کبھی احتلام نہیں ہوتا[1]

جب نیند موت کی بہن ہے اور پیغمبروں کی نیند دوسروں کی نیند سے نوعاً مختلف ہے تو اگر ان کی موت بھی دوسروں کی موت سے نوعاً مختلف ہو تو اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔

یہاں اصل موضوع موت انبیاء نہیں، اس کی بحث حیاۃ الانبیاء کے ضمن میں آئے گی یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ عالم برزخ کے کوائف اور حالات بہت عجیب ہیں ہمارے پاس کوئی ایسے الفاظ نہیں جو برزخ کو پوری طرح شیشے میں اتار سکیں۔ جو شہر دیکھا نہیں ایک اجنبی مسافر اس کا کیا پتہ دے سکتا ہے؟

۴...... عالم آخرت

یہ وہی آخری مقام ہے، جسے قرآن کریم ''دار القرار'' کہتا ہے۔ یہ ہمیشہ ٹھہرنے کا گھر ہے جنت اور جہنم اسی دنیا کے دو مختلف مقامات ہیں۔ یہی زندگی ''أبقی'' ہے (پ ۳۰، سورہ اعلیٰ) آگے فنا نہیں۔

''وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ'' (پ۲۱، العنکبوت ۶۴)

یہ چاروں ادوار بالترتیب چلتے ہیں اور صفات مختلفہ رکھتے ہیں جو مختلف جہات سے جمع ہوتی رہی ہیں۔ ان میں سے کوئی دو عالم آپس میں متوازی نہیں۔

''فلھذہ الانفس اربع دور کل دار اعظم من التی قبلھا'' (کتاب الروح ص ۱۴۴)

ترجمہ: سو ان جانوں کے لئے یہ چار جہان ہیں ان میں سے ہر جہان پہلے سے بڑا ہے۔

عالم ارواح سے یہ دنیا وسیع ہے اور اس کے عجائب کی انتہا نہیں۔ سائنس کے سارے کرشمے اسی جہان میں کھلے ہیں۔ اس دنیا سے عالم برزخ کی وسعت زیادہ ہے۔ اس کے اسرار کی انتہا نہیں۔ ہر سو اللہ رب العزت کی

---

[1] پنجاب کے جھوٹے مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کو احتلام ہوتا تھا۔ (سیرت المہدی)

قدرت کے جلوے ہیں اور آخرت کی مدت لامتناہی ہے ہر طرف خالدین فیہا کی صدائیں ہیں۔ یہاں آ کر گاڑی رک جاتی ہے اور موت ذبح کر دی جاتی ہے۔ آگے کسی اور جہان میں تبادلہ نہ ہوگا۔ یہ چاروں جہان اپنے اپنے وقت میں رہنے کی جگہیں ہیں۔ ہاں ہمیشہ رہنے کی جگہ صرف آخرت ہے: ''وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ'' (پ ۲۱، العنکبوت ۶۴)

یہ چاروں جہان آپس میں ایک لطیف ربط رکھتے ہیں۔ آخرت حیات برزخ کی ہی شان تمام ہے۔ عالم برزخ میں بھی روح و بدن کا ایک لطیف اور برزخی تعلق تھا جو عالم آخرت میں آ کر کھل گیا اور بدن میں حیات اس طرح عود کر آئی جس طرح عالم دنیا میں تھی سو جن آیات اور روایات میں اس دن روح و بدن کا ملنا یا ارواح کا لوٹنا ہے۔ اس سے مراد کامل درجے میں روح و بدن کا ملنا ہے۔ ان میں یہ مراد ہرگز نہیں کہ پہلے روح و بدن میں کسی درجے کا کوئی علاقہ نہ تھا۔ اگر ہر جہان ایک نئی دنیا ہو تو پھر اگلے جہاں میں پہلے جہان والے پکڑے کیوں جائیں۔

عالم برزخ میں ہر ایک پکڑ اپنی اپنی ہے اور عالم آخرت میں تمام افراد انسان مختلف انواع میں منقسم ہو کر اجتماعی پکڑ یا اجتماعی آرام و راحت پائیں گے۔

یہ کہنا صحیح نہیں کہ عالم برزخ کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ اس دنیا والا جسد ہی تو سپرد برزخ کیا جاتا ہے جس پر پھر وہاں کے حالات گزرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''واعلم انہ لیس عالم القبر الا من بقایا ھذا العالم وانما تترشح ھنالک العلوم من وراء حجاب وانما تظھر احکام النفوس المختصۃ بفرد دون فرد بخلاف الحوادث الحشریۃ فانما تظھر علیھا وھی فانیۃ من احکامھا الخاصۃ بفرد فرد باقیۃ باحکام الصورۃ الانسانیۃ'' (حجۃ اللہ البالغہ ج۱، ص ۳۶)

ترجمہ: اور سمجھ لیجئے کہ عالم قبر اس عالم دنیا کا ہی ایک حصہ ہے جو باقی رہا اور اس میں پردہ غیب کے پیچھے سے علوم اترتے ہیں اور وہی احکام ظاہر ہوتے ہیں جو افراد سے مخصوص ہوں (ہر کسی کے اپنے اپنے) بخلاف حشر کے حالات کے یہ وہاں ظاہر ہوں گے اور برزخ کے انفرادی حالات ختم ہو جائیں گے اور اب اجتماعی انسانی احکام چلیں گے۔

اس سے عالم برزخ اور آخرت میں فرق کھل کر سامنے آ گیا برزخ میں روح و بدن کا علاقہ مخفی ہے۔ ایک پردے کے پیچھے ہے اور آخرت میں ظاہر و باہر۔ برزخ میں احکام فرداً فرداً اترتے ہیں۔ آخرت میں اجتماعی زندگی میں جو مختلف انواع میں منقسم ہوگی۔ یہ بات اصولی ہے کہ عالم برزخ ایک پہلو سے اس دنیا کا ہی ایک حصہ ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ عالم آخرت کی زندگی کوئی نئی زندگی نہ ہوگی، حیات برزخی کا ہی ایک پھیلاؤ ہوگی جس میں روح و بدن کھلے طور پر اور کامل طور پر یک جا ہوں گے۔ یہ سمجھ لینا کہ عالم برزخ میں روح کا بدن سے کوئی علاقہ نہیں رہتا۔ یہاں تک کہ تعلق توجہ بھی نہیں، سخت نادانی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ آگے جا کر لکھتے ہیں: ''فاعلم ان حشر الاجساد واعادۃ الارواح الیھا لیست حیاۃ مستأنفۃ انما تتمۃ النشأۃ المتقدمۃ بمنزلۃ التخمۃ لکثرۃ الاکل کیف ولو لاذلک لکانوا غیر الاولین ولما اخذوا بما فعلوا'' (ایضاً ج۱، ص ۳۷)

ترجمہ: جان لو کہ حشر اجساد اور جسموں میں روحوں کا (کاملۃ) لوٹنا یہ کوئی نئی زندگی نہیں ہے یہ پہلی گزری زندگی کا ہی ایک تتمہ ہے جیسے بیج سے آگے فصل بنتی ہے اور ایسا کیوں نہ ہو۔ ایسا نہ ہوتا تو بعد کے اجسام پہلوں سے کلیۃً مختلف ہوتے اور ان پر اپنے اعمال کا کسی طرح مواخذہ نہ ہو سکتا۔

ان چار جہانوں میں صرف پہلا جہان عالم الارواح ہے۔ ان تینوں جہانوں میں انسان نفس انسانی رکھتا ہے۔ انسان جسم اور روح دونوں سے مرکب ہے اور اس مجموع کو ہی نفس انسانی کہتے ہیں۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں:

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے جسم اور روح اس کا مجموعہ ہی نفس انسانی کہلاتا ہے۔ اس نفس انسانی کو طبعاً تین جہانوں سے گزرنا ہوتا ہے۔ ایک دنیا دارالعمل ہے ایک آخرت جو دارالقرار ہے اور ایک برزخ جو دارالانتظار ہے۔ ان تینوں جہانوں کے احکام مختلف ہیں اور ان کی نوعیت الگ الگ ہے: (۱) دنیا میں جسم اور جسمانی زندگی اصل ہے۔ روح اس کے تابع ہوکر اس کے اثرات قبول کرتی ہیں۔ (۲) برزخ میں روح اور روحانی زندگی اصل ہے جسم اس کے تابع ہوکر اس کی نعمت ومصیبت کے اثرات قبول کرتا ہے خواہ وہ اپنی ہیئت پر ہو، یا بکھر جائے۔ (۳) اور آخرت میں روح وجسم کا مکمل امتزاج ہے جس میں ہر ایک اپنے اپنے تاثر میں مستقل ہے اور ہر ایک کا اپنا اپنا ادراک اور اپنا اپنا انتفاع ہے۔

ان تینوں جہانوں میں روح کے تعلق کی نوعیت

برزخ چونکہ دنیا اور آخرت کے بیچ میں ہے۔ اس لئے اس کا ان دونوں جہانوں سے تعلق ہے۔ آدمی جیسے برزخ میں رہتے ہوئے آخرت کی نعیم وجحیم کا مشاہدہ کرتا ہے۔ روحانی طور پر ان سے متلذذ یا متالم ہوتا ہے اور مدبرات آخرت کی زیارت سے بھی مشرف ہوتا ہے۔ ایسے ہی برزخ میں رہتے ہوئے دنیا کی معلومات سے بھی حسب حیثیت ومرتبہ مستفید ہوتا ہے۔ دنیا والوں کے اعمال خیر یعنی دعاء ایصال ثواب، افاضہ باطنی اس تک پہنچتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ اس کی زیارت سے بھی متمتع ہوتا ہے۔ پھر خود بھی اپنے اسی قسم کے تصرف دعاء اور ہمت باطن سے افاضہ انوار وکیفیات حتیٰ کہ اپنی ملاقات وزیارت کا بھی انہیں موقع دیتا ہے۔ جس کے لئے نصوص شرعیہ موجود ہیں۔

برزخ کا عالم دنیا سے قریبی تعلق

لیکن غور کیا جائے تو برزخ کا تعلق بہ نسبت آخرت کے دنیا سے زیادہ ہے، کیونکہ انسانی نفس کا ایک مستقل جزو (روح) جیسے عالم برزخ میں ہے ویسے ہی اس کا دوسرا مستقل جزو (بدن) دنیا کے عالم میں موجود ہے۔ خواہ بہیئت بدن ہو یا بہیئت ذرات لیکن آخرت میں قبل از قیامت انسانی نفس کا کوئی جزو بھی مستقلاً قائم اور مستقر نہیں چہ جائیکہ خود نفس قائم ہو یہ الگ بات ہے کہ وقتاً فوقتاً اسے عالم آخرت کے اہم مقامات اور عجائبات کی سیر کرادی جائے یا مشاہدہ ہو جائے اور وہ روحانی طور پر ان کی نعمتوں اور کلفتوں سے متلذذ اور متالم بھی ہو لیکن قیامت سے پہلے آخرت چونکہ انسان کا مستقر نہیں اور اس کا کوئی جزو تک بھی وہاں جنت یا نار میں ٹھہرا ہوا نہیں کہ اس کے حیلہ سے انسان کو وہاں اقامت گزیں اور قیام پذیر کہہ دیا جائے۔ اس لئے اس کے تعلق کی نوعیت بھی صرف ایک مشاہداتی یا جزوی طور پر انتفاعی رابطہ کی ہے بخلاف دنیا کے کہ اس میں اس کا ۲/۱ حصہ بدن مقیم ہے خواہ اپنی ہیئت پر یا بصورت ذرات، خواہ وہ کہیں منتشر ہوں۔

اہل برزخ کی دنیا سے اور اہل دنیا کی برزخ سے دلچسپی

اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ برزخ کو جتنا تعلق دنیا سے ہے اتنا آخرت سے نہیں اس کا قدرتی تقاضا ہے کہ برزخی اہل دنیا سے اور اہل دنیا برزخی افراد سے ملنے، زیارت کرنے اور ان کے احوال ومقامات جاننے کے خواہشمند ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ قبر میں سوال وجواب کے بعد کامیاب میت کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ مجھے اجازت دے دو کہ میں اپنے اعزہ واقارب کو تسلی دے آؤں کہ میں بہت اچھی حالت میں ہوں۔ بالفاظ دیگر میں اپنے احوال ومقامات ان تک پہنچادوں۔ جیسے بنص قرآنی شہداء حق تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں[1] کہ ہمارے ان اعلیٰ مقامات کی خبر ہمارے دنیوی بھائیوں تک پہنچادی جائے تاکہ وہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کی طرف راغب ہو جائیں۔ اسی طرح برزخ والے دنیا والوں کے احوال معلوم کرنے خواہشمند رہتے ہیں جیسے بنص حدیث نبوی مرنے کے بعد روح کے عالم برزخ میں پہنچتے ہی میت کے اعزہ واقارب اس کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں اور اپنے اپنے عزیزوں کے حالات بے تابی سے دریافت کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ ملائکہ کو یہ کہہ کر انہیں روکنا پڑتا ہے کہ اسے دم تو لینے دو، یہ موت کی شدتوں سے چور چور ہو کر آرہا ہے۔

بہرحال جانبین سے ایک دوسرے کے احوال ومقامات پر مطلع ہونے کی خواہش اسی بناء پر ہے کہ برزخ کا دنیا سے اور دنیا کا برزخ سے بہت قریب کا رشتہ ہے ہر ایک کا ایک نصف حصہ دنیا میں ہے اور ایک نصف حصہ برزخ میں۔

اہل برزخ اور اہل دنیا کی باہمی واقفیت

حق تعالیٰ کی بالغ حکمت نے جب ان دونوں جہانوں میں اس تقسیم اجزاء کی وجہ سے یہ خواہش فطرتوں میں ڈال دی ہے تو اسی کی فیاض قدرت کا یہ بھی تقاضا تھا کہ وہ اس خواہش کی تسکین کا سامان بھی پیدا فرمائے اور ایسے وسائل وذرائع پیدا فرمادے کہ برزخ والے دنیوی مقامات واحوال سے اور دنیا والے برزخی مقامات واحوال سے خود بلاواسطہ بھی باخبر ہوتے رہیں اور ان مقامات کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔

باہمی واقفیت کے پانچ طریقے

باہمی واقفیت کے وسائل وطرق کیا ہیں؟ کتاب وسنت کی روشنی میں جہاں تک اپنے نارسا ذہن کی رسائی ہوئی پانچ طریقے سامنے آئے جن سے براہ راست برزخی مقامات واحوال کا فی الجملہ علم ہو سکتا ہے۔

۱...... یک عینی مشاہدہ۔
۲...... دوسرے مخبر صادق کی خبر۔
۳...... تیسرے صاحب واقعہ کی اطلاع دہی۔
۴...... چوتھے انکشاف قلبی۔
۵...... پانچویں قیاس واستنباط۔

[1] وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ (پ ۴، آل عمران ۱۷۰، تفسیر عثمانی ص ۱۲۴)

پانچوں طریقوں کے فنی اور اصطلاحی عنوانات

انہی پانچ مقامات کو اگر قدرے ترتیب بدل کر اور اصطلاحی لفظوں میں لاتے ہوئے حجتوں کے انداز سے بطور فنی ترتیب کے ادا کیا جائے تو ذیل کے عنوانات سے ادا کر سکیں گے۔

پہلا استدلال شرعی، دوسرا کشف باطنی، تیسرا رویائے صادقہ، چوتھا عبرت واعتبار اور پانچواں عیان ومشاہدہ۔

پہلا مقام علماء کا ہے، دوسرا عرفاء کا ہے، تیسرا صلحاء کا ہے، چوتھا عقلاء کا ہے اور پانچواں ہر کس وناکس کا ہے۔

پھر ان مقامات کی نوعیت یہ ہے کہ پہلا مقام اختیاری اور یقینی ہے، دوسرا اکتسابی ظنی ہے، تیسرا غیر اختیاری مگر ظنی ہے، چوتھا اختیاری ظنی ہے اور پانچواں کلیۃً غیر اختیاری مگر یقینی ہے جو محض موہبت من اللہ ہے۔

ان پانچوں طریقوں سے لوگوں نے برزخی مقامات تک علمی اور عرفانی رسائی حاصل کی ہے۔

ان مختلف طرق میں اولین مرتبہ استدلال شرعی کا ہے کہ اللہ تعالیٰ ورسول ﷺ برزخ کے بارے میں خود خبر دیں اور امت اس سے استدلال کر کے اس پر ایمان لائے۔

استدلال کا شخصیاتی درجہ

پھر استدلال شرعی کے درجہ میں ایک درجہ شخصیاتی ہے کہ کسی شخص معین کا نام لے کر اللہ ورسول ﷺ اسے جنت یا مقام یا برزخ میں عالی مقام ظاہر فرمائیں تو ظاہر ہے کہ یہ معرفت یقینی اور واجب الاعتقاد ہوگی۔ جیسے ایک بار حضور اقدس ﷺ کے دائیں طرف صدیق اکبرؓ اور بائیں طرف فاروق اعظمؓ تھے اور ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے نکلے اور حضور ﷺ نے فرمایا ھکذا انبعث ہم اسی طرح گلے میں باہیں ڈالے ہوئے قبروں سے اٹھیں گے جس سے مقامات برزخ پر روشنی پڑتی ہے۔

یا جیسے حضرت بلالؓ عین نزع کے وقت بے حد خوش وخرم نظر آرہے تھے۔ چہرہ انتہائی بشاش اور امنگوں سے پُرمحسوس ہو رہا تھا۔ اسی حالت میں شوق وخوشی سے لبریز آواز میں فرمایا: "غدا نلقی محمدا و أصحابه" (کل کو انشاء اللہ ہم محمد ﷺ اور آپ کے اصحابؓ سے ملیں گے) آپ درحقیقت اپنا برزخی مقام ظاہر کر رہے تھے کہ وہ معیت نبوی میں ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ فرمانا قیاس وتخمین سے ممکن نہ تھا بلکہ قوت یقین اور جوش ایمان سے تھا جو بلاشبہ امر تعبدی ہے عقلی اور قیاسی نہیں۔ اس لئے یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگا اور یہی کہا جائے گا کہ اس برزخی مقام کی حضور ﷺ ہی نے انہیں اطلاع دی ہوگی۔ جس پر انہیں اس درجہ کامل وثوق اور یقین تھا اور یقین بھی محض عقلی نہیں بلکہ یقین حالی تھا اس لئے اس اطلاع کو استدلال شرعی کے دائرہ میں ہم شخصیاتی مقام کہیں گے۔ اس سے ہمیں ایک برزخی مقام کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

استدلال کا طبقاتی درجہ

شرعی استدلال کا دوسرا درجہ طبقاتی ہے کہ اللہ ورسول ﷺ کسی خاص طبقہ کے برزخی مقام کو ظاہر فرمائیں جس میں افراد واشخاص کا تذکرہ نہ ہو۔ بلکہ ایک طبقہ اور صنف کا ذکر ہو جیسے قرآن کریم میں شہداء کا مقام بیان کیا گیا

کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس سے رزق ذکر پاتے ہیں اور بعض حدیث انہیں سبز پرندوں کے خول دیئے جائیں گے جن میں وہ اڑ اڑ کر جنتوں میں سیر کریں گے اور انہیں اس کے پھلوں، باغوں اور نہروں سے متمتع ہونے کی آزادی ہوگی لیکن جنت اس وقت ان کا قرار نہ ہوگی۔ بلکہ ان کا قراری مقام وہ سونے اور جواہرات کی قندیلیں ہوگی جوعرش میں آویزاں ہوگی اور یہ ارواح طیبہ اپنے ان برزخی اجسام کے ساتھ ان میں بسیرا کریں گی۔[1]

مزید اکرام وتنشیط کے لئے ان سے بار بار پوچھا جاتا رہے گا کہ کچھ اور چاہتے ہو؟ وغیرہ! اس سے ایک خاص طبقہ کا برزخی مقام متشخص ہوا، اس لئے جو بھی شہادت کے مرتبہ کو پہنچے گا، اس کے لئے اسی مقام کی شہادت دی جائے گی۔

استدلال کا کلیاتی درجہ

استدلال شرعی کا تیسرا مقام کلیاتی ہے جس میں برزخی مقام معلوم کرنے کا محض اصولی معیار ذکر کر دیا گیا ہو یعنی اشخاص یا طبقات کا کوئی ذکر نہیں بلکہ صرف ایک کسوٹی دے دی گئی ہو کہ ہر شخص کو اس پر پرکھ کر دیکھ لیا جائے تو اپنا اور غیر کا برزخی مقام معلوم ہو سکے گا۔ حدیث نبوی میں اصول ارشاد فرمادیا گیا کہ: "تحشرون کما تموتون وتموتون کما تحیون"

ترجمہ: تمہارا حشر اس حالت پر ہوگا جس پر موت آئی تھی اور موت اسی حالت پر آئے گی جس پر زندگی گزاری ہے۔"

اس کلیہ میں ہر شخص کے محشر کے مقام کو پہچاننے کی کسوٹی تو حالت موت کو بنایا گیا ہے اور برزخی مقام پہچاننے کے لئے (جو موت سے شروع ہو کر یوم محشر پر ختم ہوتا ہے) دنیا کی عملی زندگی کو معیار تعارف فرمایا گیا ہے پس اخروی مقام کے لئے ذریعہ تعارف برزخ ہے اور برزخی مقام کے تعارف کے لئے ذریعہ تعارف دنیوی زندگی کی رفتار ہے جو اصولاً ہر انسان کے سامنے اپنی یا اپنے متعارف انسانوں کی کسی نہ کسی حد تک مستحضر رہتی ہے۔ اس سے برزخی مقام کے پہنچاننے کا ایک اصولی اور کلیاتی طریقہ معلوم ہوا جس سے انسانوں کے اعمال اور زندگی دیکھ کر فی الجملہ ان کے برزخی مقام کو پہنچانا جا سکتا ہے۔

کلیاتی استدلال کی مثالی توضیح

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہم کیسے معلوم کریں کہ اللہ کے یہاں ہمارا کیا مقام اور کیا مرتبہ ہے؟ فرمایا اپنے عمل کو دیکھ لو یعنی عمل کی نوعیت سے قرب اور قرب الٰہی کی نوعیت معلوم کرو۔ پھر اس تعارفی طریقہ کو اور ذرا وسیع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے پڑوسی تمہارے حق میں نیک گواہی دیں تو سمجھ لو کہ تم عنداللہ بھی اچھے ہو، پھر اس معیاری دائرہ کو ذرا اور وسیع کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ تم زمین پر خدا کے سرکاری گواہ ہو جس کے حق میں جیسی گواہی دے دوگے وہ اللہ کے نزدیک بھی ویسا ہی مانا جائے گا خواہ وہ دنیا میں ہو یا برزخ اور آخرت میں چنانچہ دنیا میں ایک جنازہ گزرنے پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ جنت واجب ہوگئی اور علت وجوب یہ

---

[1] وہاں سے ان ارواح کا ان کے یہاں کے اجساد سے جو برزخی تعلق ہے یہ وہاں کا قرار اس تعلق میں مانع نہیں۔

فرمائی کہ لوگ اس کے بارہ میں کلمہ خیر کہہ رہے ہیں کہ یہ اچھا آدمی تھا۔ لہٰذا جنتی ہو گیا۔ اور ایک دوسرا جنازہ گزرنے پر فرمایا کہ جہنم واجب ہو گئی کیونکہ لوگ اس کے بارے میں کہتے جا رہے تھے کہ بہت برا آدمی تھا ۔

خس کم جہاں پاک

اسی طرح آخرت میں بھی بحق اقوام اس امت کی شہادت معتبر ہو گی اور اس امت پر رسول شاہد ہوں گے جیسے قوم نوح کا فیصلہ اسی امت کی شہادت پر کیا جائے گا۔

ہر سہ استدلال شرعی سے برزخی مقامات کا اندازہ

بیان مذکور سے معلوم ہوا کہ استدلال شرعی کا ایک مقام شخصیاتی ہے ایک طبقاتی ہے اور ایک کلیاتی جس سے ہر انسان کے برزخی مقام کا فی الجملہ اندازہ ہو سکتا ہے۔

پھر ان تینوں مقاموں میں اجمال وتفصیل کا فرق بھی ہے مثلاً شخصی طور پر کسی کے لئے یا اس کے مقام کی تفصیلات ارشاد فرمائی گئی ہوں یا اسے درجہ اجمال میں ذکر کیا گیا ہو، اسی طرح طبقاتی اور کلیاتی اطلاعات میں بھی اجمال وتفصیل کا فرق ہے کہ کس کے لئے ایک ایک عمل کو تشخص کے ساتھ یا نوعی طور پر الگ الگ گنا کر اس کا برزخی ثمرہ تفصیل سے ظاہر کیا گیا ہو۔ اس صورت میں تو وہ اس عمل کنندہ کا تفصیلی برزخی مقام ہو گا۔

(عالم برزخ ص ۱۳ تالیف حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب طبع لاہور)

عالم برزخ کی تفصیل اس لئے گزارش کی گئی ہے کہ آپ اس کی کچھ وسعتوں کا اندازہ کر سکیں تاہم اس اقرار سے چارہ نہیں کہ عالم برزخ کے حالات اور کیفیات کا اس طرح جان لینا جیسا کہ ہم یہاں دنیا میں ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں کوئی آسان کام نہیں۔

اس کے مختلف الانواع انکشافات کے باوجود اس پر الٰہی حکمت کے ہزاروں پردے پڑے ہیں۔ اس کے بعد عالم آخرت ہے۔ جس میں ایک دوسرے کو جاننا پہچاننا اور ملنا ملانا اسی طرح واضح ہو گا جس طرح ہم یہاں ایک دوسرے کو جانتے اور پہچانتے ہیں۔ بلکہ وہاں ظواہر کے ساتھ حقائق بھی کھلے نظر آئیں گے۔

عالم ارواح کے بعد یہ تینوں جہان عالم دنیا ہو یا عالم برزخ یا عالم آخرت نفس انسانی سے قائم ہیں صرف عالم ارواح ہے جس میں صرف روحوں کی زندگی ہے اور اسی لئے اسے عالم ارواح کہتے ہیں باقی تینوں جہان روح وبدن کے مختلف النوع تعلق سے ساتھ ساتھ چلتے ہیں انسان ان جہانوں میں اپنے اپنے وقت میں رہتا ہے۔ ہاں مستقل طور پر دار القرار صرف عالم آخرت ہے: "وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ "

اگر آپ دنیوی حیات کے لفظ سے بدکتے ہیں تو لیجئے اس کی بھی تفصیل سن لیں ہم شہداء اور انبیاء کو اس عالم (دنیا) میں نہیں اگلے جہان (عالم برزخ) میں زندہ مانتے ہیں انتقال دارین ہو چکا ہے اور اب یہ حضرات اس عالم کے افراد نہیں۔ اس جہان کے رہنے والے ہیں۔ وہ اگلا جہان ہے۔

اگر کہیں ان نفوس قدسیہ کو دنیوی حیات سے زندہ کہا گیا ہے تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان کی عالم برزخ کی یہ زندگی انہی ابدان سے متعلق ہے جو ان کے اس دنیا میں تھے یا یہ کہ ان کے اعمال میں دنیا کی طرح اب بھی ارتقاء ہے اور ان کی وفات سے ان کے اعمال کا ارتقاء رکا نہیں۔

سو ان کی اس زندگی کو دنیا کی سی زندگی تو کہا جا سکتا ہے لیکن حقیقت میں اس عالم کی زندگی نہیں ظرف کے اعتبار سے یہ ان کی برزخی زندگی ہے۔

برزخی زندگی کی اس تفصیل کے بعد ہم انشاء اللہ کچھ وہ عبارات بھی پیش کریں گے جن میں عذاب قبر کا بیان ہے اور اس میں یہ تفصیل ہے کہ اس کے لئے روح و بدن کا بالکل دنیا کا سا تعلق ہونا ضروری نہیں۔ جس طرح وہ زندگی پردے میں ہے یہ تعلق بھی پردے میں ہے۔

اس برزخی زندگی میں موت وحیات دونوں جمع ہیں اعادہ روح ایسے انداز میں ہوا ہے کہ اس سے وہ حیات قائم نہیں ہوئی جو اسم موت کو کلیۃً اٹھا دے بلکہ اس میں ایک ایسی حیات آتی ہے جو برزخی رہے کہ عام نگاہیں تو اسے نہ پا سکیں مگر اندر ہی اندر ایک حیات قائم ہو جس سے قبر کے نعیم والم کا ادراک ہو سکے۔ قبر میں نعیم والم کے اس ادراک کا اقرار اسلام کے عقائد ضروریہ میں سے ہے یہ حیات کی ایک جدی نوع ہے جو ظاہراً پردے میں ہوتی ہے اسی لئے اسے حیات برزخی کہتے ہیں۔ علامہ محمد بن احمد بن عبد الہادیؒ لکھتے ہیں:

"ان هذه الاعادة ليست مستلزمة لاثبات حياة مزيلة لاسم الموت بل هي نوع حياة برزخية والحياة جنس تحته انواع و كذلك الموت فاثبات بعض انواع الموت لاينافي الحياة" (۱۸۵)

ہاں شہداء اور انبیاء کے لئے اس حیاۃ برزخی میں آنے سے اسم موت اٹھ جاتا ہے ان کے لئے موت صرف اس درجہ میں تھی کہ وہ عالم دنیا سے نکلے اور عالم برزخ میں پہنچے اس کے بعد ان کے لئے موت نہیں نہ انہیں مردہ کہو نہ مردہ سمجھو۔



اسلام کا عقیدۂ برزخ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى... اَمَّا بَعْدُ!

قرآن وحدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عالم دنیا اور عالم آخرت میں ایک درمیانی منزل ہے جس پر اسرار کا پردہ پڑا ہے۔ یہ عالم برزخ ہے جسے عام نگاہیں دیکھ نہیں پاتیں۔ اس میں بھی انسان اپنے دنیا کے برے عملوں پر ایک گونہ عذاب پاتا ہے۔ آخرت کے بڑے حساب سے پہلے یہاں بھی اسے ایک چھوٹے عذاب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس چھوٹے عذاب میں پھر دو احتمال ہیں۔ دنیا کے مصائب و آفات اور امراض مراد ہوں یا آخرت سے پہلے عالم برزخ کا عذاب مراد ہو حضرت عبداللہ بن عباسؓ پہلی صورت کے قائل ہیں اور حضرت براء بن عازبؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد مجاہدؒ اس سے عذاب قبر مراد لیتے ہیں۔ جو صورت مراد لیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جس طرح عذاب اکبر (آخرت کا عذاب) روح اور جسم دونوں سے متعلق ہے یہ عذاب ادنیٰ بھی روح اور جسم دونوں سے ہے بدن جس حال میں ہو (یکجا ہو جیسا کہ اس دنیا میں ہے یا ذرات منتشرہ کی صورت میں) اس عذاب ادنیٰ کا تعلق بدن سے ضرور ہے۔

دنیا کی زندگی ایک کھلی کتاب ہے ہر کوئی اسے پڑھ سکتا ہے۔ یہ ہر کسی کے لئے مدرک اور مشاہد ہے۔

آخرت کی زندگی بھی کھلی ہوگی اور لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ اہل نعیم بھی ایک دوسرے کو پہچانیں گے اور جہنمی بھی ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ دنیا اور آخرت کے درمیان کی زندگی پر ایک پردہ ہے اور یہ قیامت تک رہے گا۔ پردے کو عربی میں برزخ کہتے ہیں یہ برزخی زندگی پردے میں ہی ہے یہاں کی آنکھیں اسے پا نہیں سکتیں اور یہاں کے کان از خود اسے سن نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ اس سے کسی وقت کسی شخص کے لئے پردہ اٹھا دیں تو یہ اور بات ہے۔ علامہ ابو عبداللہ القرطبیؒ (۶۷۱ھ) لکھتے ہیں: ''فاعلموا ایها الاخوان ان عذاب القبر و نعیمه حق کما صرحت به الاحادیث الصحیحة ولکن الله تعالی یاخذ بابصار الخلائق و اسماعهم من الجن و الانس عن رؤية عذاب القبر و نعیمه الحکمة الٰهیة و من شک فی ذلک فهو ملحد'' (مختصر التذکرہ ص ۳۶ للشعرانی طبع مصر)

ترجمہ: اے بھائیو! جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کا آرام برحق ہے احادیث صحیحہ صراحت سے یہی بتلا رہی ہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے دوسرے انسانوں کی آنکھوں اور ان کے کانوں سے اس عذاب اور راحت کو اپنی حکمت سے پردے میں کر رکھا ہے اور جو شخص اس برزخی عمل میں شک کرے وہ ملحد ہے۔ (گمراہ ہو چکا)

یہ عمل پردے کا ہے اسے محسوس نہ کر سکنے کے پیش نظر اس کا انکار نہ کیا جائے اسے برزخی زندگی کہتے ہی اس لئے ہیں کہ اس کا ادراک واحساس کھلے بندوں نہیں ہوتا لیکن اس کا ہونا برحق ہے گو ہم اسے کھلے طور پر دیکھ نہ سکیں۔ علامہ سیوطیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں: ''ونحن لا نشعر به کما انا نحسب المغمی علیه میتا و کذلک یضیق علیه الجو کضمة القبر و لا ینکر شیاء من ذلک من خالط الایمان قلبه'' (شرح الصدور ص ۵۹ مصر)

ترجمہ: اور ہم اسے محسوس نہیں کر پاتے جیسا کہ ہم بے ہوش کو مردہ سمجھ لیتے ہیں اور اسی طرح اس مردہ پر فضا تنگ کر دی جاتی ہے (جو لکڑی پر لٹکا ہو) اور یہ اس کے لئے ضمۃ القبر (قبر کا دباؤ) ہے۔

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ بھی لکھتے ہیں: ''روح کا تعلق باوجود علیین وسجین کے تعلق کے بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور ہے مگر اس کو دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ عالم غیب کے اسرار دنیا دار کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جانا ہی مناسب ہے کیونکہ پھر ایمان بالغیب نہیں رہے گا۔'' (المصالح العقلیہ ج ۳ ص ۲۲۸)

دنیا اور آخرت کے درمیان یہ برزخی زندگی ہے۔ اس کے سارے معاملات پردے کے پیچھے ہیں۔ دنیوی زندگی برزخی زندگی اور اخروی زندگی یہ تین دوائر حیات ہیں اور تینوں میں بدن اور روح ساتھ ساتھ ہیں۔ ہاں برزخ میں یہ ربط اور تعلق اتنا لطیف ہے کہ اسے سمجھنا بہت مشکل ہے۔ سوائے اس کے کہ اس باب میں ہم نصوص شریعت پر ایمان لائیں اور اس کے جو آثار ہمیں کتاب وسنت میں ملتے ہیں انہیں حق تسلیم کریں۔

۱...... قرآن کریم میں تین زندگیوں کا ثبوت

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے تین دفعہ سلامتی کی دعا کی گئی ہے: (۱) پیدائش کے دن (یہ سلامتی ان کی پوری دنیوی زندگی کو شامل ہے)۔ (۲) وفات کے دن (یہ سلامتی پوری برزخی زندگی کو شامل ہے)۔ (۳) جس دن آپ قبر سے زندگی اٹھائے جائیں گے (یہ سلامتی پوری اخروی زندگی کو محیط ہوگی)۔

قرآن کریم میں ان تینوں حالتوں کا بیان ہے: ''وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا'' (پ ۱۶، سورۃ مریم: ۱۵)

پیدائش کے دن کی سلامتی صرف اسی دن کے لئے نہیں پوری دنیوی زندگی کے لئے ہے۔ وفات کے دن کی سلامتی اگلی برزخی زندگی کے لئے مانگی گئی وفات کے بعد اگر کوئی زندگی نہیں تو یہ سلامتی کی دعا کیا صرف موت کی گھڑی کے لئے کی گئی تھی؟ یہ زندگی پردے میں ہے۔ ہاں کھلی زندگی سے آپ اس وقت اٹھائے جائیں گے جس دن سب کو قبروں سے اٹھنا ہے ان تینوں زندگیوں میں روح وبدن دونوں کے لئے سلامتی کی طلب ہے۔

اس آیت میں نہایت واضح طور پر تین زندگیوں کا ثبوت ملتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دعا کی ہے: ''وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا''

(پ۱۶ مریم آیت ۳۳)

ترجمہ: سلامتی مجھ پر اس دن بھی ہوئی جس دن میں پیدا ہوا اور اس دن بھی ہو جب میں مروں اور اس دن بھی جب میں زندہ کیا جاؤں۔

یہاں تین ایام سے صرف تین دن مراد نہیں مواطن مراد ہیں اور یہ تین زندگیاں ہیں۔

یہ صرف ایام ثلثہ ہیں یا مراد مواطن ثلثہ ہیں

یہاں صرف یوم پیدائش یوم وفات اور یوم بعث مراد نہیں، مراد مواطن ثلثہ ہیں اور انسان ان تینوں میں اللہ رب العزت سے سلامتی کا طالب ہے۔ محققین نے یہاں مواطن ثلثہ ہی مراد لئے ہیں۔

حافظ ابن الجوزی (۵۹۷ھ) اپنی تفسیر زاد المسیر میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی اس دعا پر لکھتے ہیں: ''فخص اللہ تعالی یحیی بالکرامة والسلامة فی المواطن الثلثة'' (زاد المسیر ج۵ ص۲۱۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے یحییٰ کو ان تینوں مواطن میں عزت اور سلامتی سے خصوصیت بخشی ہے۔

علامہ نسفی (۵۳۷ھ) بھی مدارک میں لکھتے ہیں کہ یہاں مواطن ثلثہ مراد ہیں: ''و ذلک السلام الموجه الی یحیی فی المواطن الثلثة'' (مدارک التنزیل ج۳ ص۲۲۰)

آیئے! اب ذرا آپ کو ساتویں صدی میں لے چلیں۔

علامہ قرطبی (۶۷۱ھ) يَوْمَ وُلِدْتُ سے پوری کی زندگی مراد لیتے ہیں کہ انسان پوری دنیوی زندگی میں خدا سے سلامتی کا طلب گار رہے۔ وَيَوْمَ اَمُوْتُ سے پوری قبر کی مدت مراد ہے اور اس دور میں بھی انسان سلامتی کا محتاج ہے اور وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا سے بھی آخرت کی پوری زندگی مراد ہے۔

ان مواطن کی ابتداء یوم ولادت، وفات اور یوم بعث سے اس لئے ذکر کی کہ ان مواقع میں انسان بہت کمزور بے بس اور نہایت مضمحل ہوتا ہے پھر کچھ سنبھلتا جاتا ہے۔

علامہ قرطبیؒ لکھتے ہیں: ''وجاء فی المواطن التی الانسان فیه فی غایة الضعف والحاجة''

(الجامع لاحکام القرآن ج۱۱ ص۸۸)

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں: ''یوم ولدت یعنی فی الدنیا ویوم اموت یعنی فی القبر ویوم أبعث یعنی فی الاخرة''

اور حاصل اس دعا کا لکھتے ہیں: کہ وہ اپنے ان تینوں احوال کے کل عرصے میں خدا سے سلامتی کا طالب ہے۔
امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) بھی ان تین دنوں سے فقط ایام ثلثہ مراد نہیں لیتے۔ ان مواطن کی کل مدت مراد لیتے ہیں۔ سو یہاں یَوْمَ اَمُوْتُ سے کل برزخی زندگی مراد ہے نہ کہ ایک دن آپ لکھتے ہیں: ''اعظم احوال الانسان احتیا جا الی السلامة هی هذه الاحوال الثلثة ... فجميع الاحوال يحتاج فيها الى السلامة واجتماع السعادة من قبله تعالیٰ طلبها ليكون مصونا عن الافات والمخافات فی كل من الاحوال''

(تفسیر کبیر ج ۲۱، ص ۲۱۶)

ترجمہ: انسان کے سب سے زیادہ حاجتمندی کے احوال یہ تین مواقع ہیں سو تمام احوال جن میں وہ خدا کی طرف سے سلامتی اور خوش قسمتی کا طالب ہو سکتا ہے ان میں اس کی طلب ہے کہ وہ ان تمام میں جملہ آفات اور مخافات سے محفوظ رہے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی بھی یَوْمَ اَمُوْتُ صرف وفات سے خاص نہیں کرتے اس سے قبر کی پوری مدت مراد لیتے ہیں اور وَالسَّلَامُ عَلَیَّ (مجھ پر سلامتی ہو) سے ایک نہایت لطیف معنی اخذ کرتے ہیں کہ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ حالانکہ پہلے بات جملہ فعلیہ میں چلی آرہی تھی۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی دنیا کی پوری زندگی میں قبر کی پوری مدت میں اور آخرت کی پوری زندگی میں شامل رہے۔

(والسلام علی) جعلت اسمية للدلالة على الاستمرار۔ (تفسیر مظہری ج ۶ ص ۹۴)

صاحب روح المعانیؒ بھی اس کی تائید کرتے ہیں: ''فعدل الی الاسمية لارادة الدوام والثبوت''

(روح المعانی ج ۱۶ ص ۷۴)

تفسیر خازن میں بھی یوم وفات کی سلامتی سے مراد صرف یوم وفات کا امن نہیں سلامتی کی طلب عذاب قبر کی پوری مدت میں مراد لی گئی ہے۔ (دیکھئے تفسیر خازن ج ۳، ص ۲۱۷)

سو اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان قبر کی برزخی زندگی میں بھی اس حالت میں ہے کہ وہ اس میں خدا کی طرف سے سلامتی اور عذاب قبر سے حفاظت چاہتا ہے۔ وہ قبر میں محض جماد اور بے جان نہیں کہ اس پر جو کچھ گزرے اسے کوئی فرق محسوس نہ ہو۔ برزخی زندگی بھی ایک زندگی ہے وہ اس میں (اپنی قبر میں) خدا سے سلامتی کا طالب ہے۔ برزخی زندگی میں انسان قبر میں اگر محض جماد بے جان ہوتا تو اس دور کے لئے اللہ سے سلامتی کی طلب نہ ہوتی۔

قبر میں سلام سے مراد عذاب قبر سے سلامتی ہے یا سلام تحیہ بھی مراد ہو سکتا ہے؟

علامہ طبریؒ (۳۱۰ھ) نے اس سے مراد مطلق امان لیا ہے اور یہ بات عامہ اموات کے بہت مناسب ہے کہ اہوال قبر اور اس کی آفات سے سلامتی مل جائے یہ بڑی بات ہے لیکن انبیاء علیہم الصلوت والتسلیمات کے لئے اس سلام سے مراد سلام تحیہ ہے ہم جب یہاں ایک دوسرے کو ملتے ہیں تو سلام تحیہ کہتے ہیں۔ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا (پ ۵، النساء ۸۶) میں السلام علیکم کہنے کو سلام تحیہ کہا گیا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام پر اس قبر کی زندگی میں جو سلام وارد ہوتا ہے وہ سلام تحیہ ہی ہے۔

قرآن کریم میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے لئے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے موطن وفات (قبر کی زندگی) میں جس سلام کی طلب ہے وہ یہی سلام تحیہ ہے اور یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی قبور میں محض جماد یا پتھر نہ ہوں بلکہ ایسی زندگی سے سرفراز ہوں جو گو دوسروں کو محسوس نہ ہو، لیکن اللہ رب العزت کی طرف سے ان پر سلام تحیہ برابر اترتا ہو اور امت کا سلام بھی ان پر پیش ہوتا ہو۔ علامہ ابن عطیہ (۵۴۱ھ) کہتے ہیں: ''والاظھر عندی انھا التحیة المتعارفه فھی أشرف وأنبه من الامان لان الامان یتحمل بنفی العصیان عنه وھی اقل درجاته وانما الشرف فی ان سلم اللہ تعالیٰ علیه'' (تفسیر قرطبی ج ۱۱ ص ۸۸، روح المعانی ج ۱۶ ص ۷۴)

ترجمہ: میرے نزدیک زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہاں سلام تحیہ مراد لیا جائے جو بطور سلام متعارف ہے یہ مطلق امان سے شرف اور بزرگی میں زیادہ ہے امان تو اسے گناہ نہ ہونے کی وجہ سے حاصل ہے اور یہ تو ایک ابتدائی درجہ ہے شرف تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس (نبی) پر اپنا سلام (تحیہ) بھیجے۔

قرآن کریم کی نص ہے کہ انبیاء علیہم السلام پوری دنیوی زندگی اور پوری اخروی زندگی خدا کا یہ شرف پاتے ہیں اور ان پر بے شک یہ سلام تحیتہ اترتا ہے۔ امتوں کا سلام بھی ان پر پیش ہوتا ہے اور وہ اپنی قبر شریف میں محض جماد اور پتھر نہیں ہیں جیسا کہ پتھری سمجھتے ہیں۔ رہی یہ بات کہ یہ قبر کی سلامتی اس متعارف قبر سے نہیں یہ کسی اور درجے کا نام ہے جس پر یہ اکرام و شرف اترتا ہے۔ سو آنحضرت ﷺ اس کا نہایت واضح جواب ارشاد فرما چکے ہیں۔ آپ نے یہ نہ فرمایا کہ وفات کے بعد یہ اکرام و سلام روح پر پیش ہوتا ہے بلکہ بتلایا کہ اسی بدن پر پیش ہوتا ہے جسے تم سمجھتے ہو کہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا۔ حضرت اوس بن اوس ؓ کہتے ہیں کہ صحابہ ؓ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا: ''کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد أرمت'' (سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۱۵۰، نسائی ج ۱ ص ۱۵۴، سنن کبریٰ للبیہقی ج ۳ ص ۲۴۹)

ترجمہ: ہمارا درود آپ ﷺ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب آپ ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''إن اللہ حرم علي الأرض أن تأکل أجساد الأنبیاء''

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے بدنوں کو ریزہ ریزہ کرے۔

اس میں آپ ﷺ نے اس پر متنبہ فرمایا کہ یہ موت کے بعد کی زندگی اسی بدن سے متعلق ہے اور یہ برزخی زندگی ہے اور اس میں بھی آپ پر صلوۃ و سلام پیش ہوتے ہیں یہ زندگی چونکہ کھلی زندگی نہیں پردے میں ہوتی ہے اس لئے اسے برزخی زندگی بھی کہتے ہیں۔ مگر برزخ چونکہ بعض علماء کے نزدیک موطن دنیوی میں سے ہے اس لئے اسے ایک پہلو سے دنیوی زندگی بھی کہتے ہیں اور مراد اس سے دنیا کی سی زندگی لیتے ہیں۔

۲...... قیامت سے پہلے آل فرعون کا عذاب

آل فرعون کی غرقابی ایک بری طرح کا عذاب تھا اس سے وہ عالم برزخ میں داخل ہوئے اور یہ ان کا عذاب قبر ہے آخرت کا عذاب انہیں قیامت کے بعد ہوگا۔

''وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ'' (پ ۲۴، المومن آیت ۴۶)

ترجمہ: اور الٹ پڑا فرعون والوں پر بری طرح کا عذاب وہ آگ ہے جس پر وہ پیش کئے جاتے ہیں صبح وشام اور جس دن قیامت قائم ہوگی حکم ہوگا کہ داخل کرو فرعون والوں کو سخت در سخت عذاب میں۔

فرعونیوں کی پہلی نافرمانی کی زندگی گزر چکی۔ اب جب عذاب نے انہیں گھیرا اور وہ ڈوبے تو یہ دوسری زندگی شروع ہوگئی۔ یہ سوء العذاب ان پر اترا۔ اس میں صبح وشام وہ آگ پر پیش کئے جاتے ہیں کہ یہ تمہارا ٹھکانا ہے۔ اور جس دن قیامت واقع ہوگی کہا جائے گا کہ آل فرعون کو اس بڑے عذاب میں ڈالو یہ ان کی تیسری زندگی ہوگی بڑے عذاب میں داخلہ قیامت کو ہے اس آیت میں سوء العذاب اور أشد العذاب کی خبر علیحدہ علیحدہ دی گئی ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں: ''وھذہ الایة اصل کبیر فی استدلال اھل السنة علی عذاب البرزخ فی القبور'' (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۸۱)

ترجمہ: اور یہ آیت اہل السنۃ کے استدلال کی بڑی اساس ہے کہ قبروں میں عذاب برزخ ضرور ہے۔

۳...... دنیوی پکڑ کے متصل عذاب اخروی

قوم نوح اپنی غرقابی سے اپنی برزخی زندگی میں داخل ہوئی۔ یہ آگ میں داخلہ غرق ہونے کے معاً بعد ہوا اور جس دن قیامت واقع ہوگی اس دن یہ لوگ تیسری زندگی میں داخل کئے جائیں گے یہ ان کا اشد العذاب میں داخلہ ہوگا: ''مِمَّا خَطِيٓـٰٔتِهِمْ أُغْرِقُوْا فَأُدْخِلُوْا نَارًا'' (پ ۲۹، نوح ۲۵)

ترجمہ: وہ اپنی غلطیوں کے سبب غرق کردیئے گئے اور اسی وقت آگ میں ڈال دیئے گئے۔

بڑے عذاب میں یہ بھی قیامت کے دن ڈالے جائیں گے۔ شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں: ''بظاہر پانی میں ڈبائے گئے لیکن فی الحقیقت برزخ کی آگ میں پہنچ گئے'' (تفسیر عثمانی ص ۷۴۲)

مماتیوں کے لئے پانی کو آگ کہنا بھی خاصا مشکل ہے۔

۴...... انسانی زندگی کے تین دور

''مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى'' (پ ۱۶، طٰہٰ ۵۵)

ترجمہ: اسی زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی میں پھر تمہیں پہنچا دیتے ہیں اور اسی سے نکالیں گے تم کو ایک دفعہ پھر۔

''فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ'' سے مراد قبر میں جانا ہے قبر جس شکل میں بھی ہو اور جہاں ہو انسان کو اس میں جانا ضرور ہے۔ جلے ہوئے انسان کے ذرات منتشرہ جہاں جہاں بھی ہوں ان میں باریک باہمی ربط ہی اس کی قبر ہے جس پر احوال قبر وارد ہوں گے۔ اس قسم کی شاذ مثالوں سے ان قبور ظاہرہ کا انکار نہیں کیا جاسکتا یہ قبریں جن میں ہم ظاہراً دفن کرتے ہیں یہ بھی قبریں ہی ہیں۔

اور یہی آگ کے گڑھے یا جنت کے باغات ہیں۔ ان میں میتوں کو اتارو تو یہی سمجھ کر کہ یہی فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ کا مصداق ہیں۔ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: ''برزخ کے احکام روح پر جاری ہوں گے اب دکھ اور سکھ روح کو پہنچے گا وہ صاحب روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا۔ روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات میں

ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر یہ بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور جدائی نہیں ہوتی۔"
(المصالح العقلیہ ص ۲۲۶)

قبر میں لوٹنے کے بعد وہاں بے جان پڑے رہنا ہے یا وہاں کے کچھ اپنے معاملات بھی ہیں جن کی مخبر صادق ﷺ نے خبر دی ہے؟ حضرت براء بن عازب ؓ فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "فتعاد روحه في حياته فياتيه ملكان فيجلسانه فيقولان له من ربك" (مسند امام احمد ج ۴ ص ۲۸۷، سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۹۸)

ترجمہ: پس اس کی روح اس کے بدن میں لوٹائی جاتی ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرے عقیدے میں تیرا رب کون ہے؟

علامہ قرطبی نے بھی اس حدیث کو ان دو حوالوں سے ذکر کیا ہے۔ اس کی پوری بحث احادیث کے ذیل میں آئے گی۔ یہاں صرف دو حوالے نوٹ فرما لیں: "روى الامام احمد و ابو داؤد باسناد صحيح عن البراء ؓ" (مختصر تذکرہ القرطبی ص ۳۴)

ترجمہ: امام احمد اور امام ابوداؤد نے سند صحیح کے ساتھ اس حدیث کو حضرت براء ؓ سے روایت کیا ہے۔

ضلع مظفر گڑھ کے مشہور محقق عالم حضرت علامہ عبد العزیز فرہاروی ؒ لکھتے ہیں: "ان الاحاديث الصحيحة ناطقة بان الروح تعاد في الجسد عند السوال" (نبراس علی شرح العقائد ص ۳۲۲)

ترجمہ: احادیث صحیحہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ روح اس سوال (فی القبر) کے وقت بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔

فرشتوں کا میت کو بٹھانا اور سوال کرنا احادیث صحیحہ میں پوری صراحت سے موجود ہے۔ یہ بیٹھنا اور اٹھنا بدن کی شان ہے روح تو کروٹیں نہیں لیتی۔ سو یہ قبر میں ہونے والے سارے معاملات صرف روح سے نہیں بدن اور روح کے تعلق سے ہیں مردہ ایک برزخی حیات پا چکا ہے گو ہمارے لئے یہ حیات اور اٹھنا بیٹھنا مدرک اور مشاہد نہ ہو۔

حافظ ابن مندہ نے کتاب الروح والنفس میں حدیث براء نقل کرتے ہوئے یہ بھی روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ نے قبر میں روح کے لوٹائے جانے کا ذکر کرتے ہوئے یہ آیت بھی تلاوت فرمائی ہے: "مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰى" (پ ۱۶: طٰہٰ ۵۵) (کتاب الروح ص ۷۴)

حضور ﷺ کے اس استشہاد سے ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں روح کے لوٹائے جانے کا مسئلہ قرآن کریم میں بھی اشارۃً موجود ہے۔

"فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ" میں قبر میں محض بے جان پڑے رہنے کی بات ہوتی تو قرآن کریم اسے اس اہتمام اور شان سے ذکر نہ کرتا یہ واقعی دنیا اور آخرت کے درمیان ایک برزخی زندگی ہے جس کے اپنے معاملات ہیں اور یہاں مرنے والے کو قیامت تک کے لئے ٹھہرنا ہے۔

۵..... سوالات اخروی میں ثابت قدمی کی بشارت

"يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ" (پ ۱۳، ابراہیم ۲۷)

ترجمہ: اللہ ثابت قدم رکھتا ہے ایمان والوں کو قول ثابت (کلمہ طیبہ) سے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی اور بچلا (راہ بھلا) دیتا ہے بے انصافوں کو اور کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے۔

قبر کی منزل جو دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو پہلی زندگی میں بھی شمار کر سکتے ہیں کہ قبر اس دنیا میں بھی تو ایک نشان ہے مرنے والا گو اس دنیا سے نکل چکا لیکن ابھی تک اس کا یہاں ایک نشان ہے۔ آخرت کے باوجود اس کا اس سے ایک تعلق ہے۔ اور اس برزخی زندگی کو آخرت میں بھی شمار کر سکتے ہیں کہ آخرت کی دو منزلیں ٹھہرائی جائیں۔ پہلی قبر کی زندگی یہاں عذاب قبر ہوگا اور دوسری محشر کی زندگی جہاں قبروں سے اٹھ کر پہنچنا ہے۔ پھر جنت یا دوزخ کی زندگی ہے جہاں راحت حقیقی دائمی یا اشد العذاب کے ٹھکانے ہوں گے حدیث میں قبر پر بھی آخرت کا لفظ وارد ہے: "ان القبر اول منازل الاخرۃ" (مستدرک حاکم ج۱، ص۳۷۱)

"واحوال البرزخ اشبہ باحوال الآخرہ" (فتح الباری پ ۱۳، ص ۲۷۹)

ترجمہ: بے شک قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں: "سلف سے دونوں قسم کے اقوال (کہ برزخ کو ادھر شمار کرو یا ادھر) منقول ہیں۔ غرض یہ کہ مومنین دنیا کی زندگی سے لے کر محشر تک اسی کلمہ طیبہ کی بدولت مضبوط اور ثابت قدم رہیں گے دنیا میں کیسی ہی آفات و حوادث پیش آئیں کتنا ہی سخت امتحان ہو قبر میں نکیرین سے سوال و جواب ہو محشر کا ہولناک منظر ہوش اڑا دینے والا ہو ہر موقعہ پر یہ ہی کلمہ توحید ان کی پامردی اور استقامت کا ذریعہ بنے گا" (تفسیر عثمانی ص ۳۳۵)

صحیح بخاری میں ہے کہ آخرت سے مراد اس آیت میں برزخ ہے حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں:

"ان رسول اللہ ﷺ قال المسلم اذا سئل فی القبر یشھد ان لا الہ الا اللہ ... الخ" (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۸۲)

تقریباً چالیس صحابہ کرامؓ سے معتبر اسانید کے ساتھ اس مضمون کی حدیثیں منقول ہیں۔ ان سب حضرات صحابہ کرامؓ نے آیت مذکورہ میں آخرت سے مراد قبر لی ہے اور اس آیت کو قبر کے عذاب و ثواب سے متعلق قرار دیا ہے۔

مرنے اور دفن ہونے کے بعد میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا۔ پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃً اور رسول کریم ﷺ کی ستر احادیث متواترہ میں بڑی صراحت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے جس میں مسلمان کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ (تفسیر معارف القرآن ج ۵ ص ۲۳٦)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر بقول مفتی اعظم اس میں کسی مسلمان کو شک و شبہ کی گنجائش نہیں تو پھر مفتیوں نے عذاب قبر کے منکر پر کفر کا فتویٰ کیوں نہیں دیا؟ جواب یہ ہے کہ علمائے محققین کا فتوےٰ یہی ہے محقق ابوشکور السالمیؒ کتاب التمہید میں لکھتے ہیں: "فلما عذاب القبر للمؤمنین من الجائزات وللکافرین من الواجبات واللہ تعالیٰ یقول النار یعرضون علیھا غدوا وعشیًّا یعنی فرعون وقومہ دل انہ کان صحیحا فی ای موضع وعلی ای حال ومن انکر ھذا یصیر کافرا" (کتاب التمہید ص ۱۲۵ طبع ہندی)

ترجمہ: پس جب مومنین کے لئے عذاب قبر جائز ہے اور کافروں کے لئے واجب ہے، اور اللہ تعالیٰ نے فرعون والوں کے بارے میں کہا کہ آگ پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ عذاب قبر برحق ہے کہاں ہو اور کس حال میں ہو۔ اور جو اس کا انکار کرے کافر ہو جاتا ہے۔

حافظ ابن ہمام الاسکندریؒ (۸۶۱ھ) جو بقول علامہ شامیؒ مجتہد کے درجے کو پہنچے ہوئے تھے لکھتے ہیں:

"ولاتجوز الصلوة خلف منکر الشفاعة والرؤیة وعذاب القبر والکرام الکاتبین لانه کافر لتوارث هذه الامور عن الشارع ﷺ" (فتح القدیر ج ۱ ص ۲۴۷)

ترجمہ: جو شفاعت کا منکر ہو یا آخرت میں رویت باری تعالیٰ کا منکر ہو عذاب قبر کا منکر ہو یا کرام کاتبین کا اس کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ کیونکہ یہ سب باتیں آنحضرت ﷺ سے استفاضہ عام سے منقول ہیں۔

عذاب القبر پر اس قدر احادیث وارد ہیں کہ ان کی قدر مشترک تواتر کا حکم رکھتی ہے۔

"عذاب القبور کان ثابتا بالا حادیث المشهورة التی یبلغ الحد المشترک منها مبلغ التواتر وکان السلف الصالح متفقین علی ذلک قبل ظهور المخالفین" (تنقیح اللمعات ج ۱، ص ۱۸۹)

ترجمہ: عذاب قبر احادیث مشہورہ سے ثابت ہے جن کی قدر مشترک تواتر کو پہنچتی ہے اور سلف صالحین سب اس پر متفق تھے ان مخالفین کے آنے سے پہلے۔

یہ کہنا کہ عذاب قبر ہمیں نظر نہیں آتا اور سوال وجواب کے لئے میت کو بٹھانا ہم نے کبھی نہیں دیکھا نہایت بے تکی بات ہے۔ اس جہان کی آنکھوں سے اس جہان کی واردت کو دیکھنا اور انہیں اس جہان کے اسباب میں تولنا یہ ہرگز کوئی شرعی بصیرت نہیں ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ لکھتے ہیں:

وہ عامیانہ شبہات کہ دنیا میں دیکھنے والوں کو یہ ثواب وعذاب نظر نہیں آتے سو اس کے تفصیلی جوابات کی تو یہاں گنجائش نہیں اجمالاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ کسی چیز کا نظر نہ آنا اس کے موجود نہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتی جنات اور فرشتے بھی کسی کو نظر نہیں آتے مگر موجود ہیں ہوا نظر نہیں آتی مگر موجود ہے جس کا ئناتی فضا کا اس زمانہ میں راکٹوں کے ذریعہ مشاہدہ ہو رہا ہے وہ اب سے پہلے کسی کو نظر نہ آتی تھی مگر موجود تھی۔ خواب دیکھنے والا خواب میں کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر سخت عذاب میں بے چین ہو یا ہے مگر پاس بیٹھنے والوں کو اس کی کچھ خبر نہیں ہوتی۔

اصل بات یہ ہے کہ ایک عالم کو دوسرے عالم کے حالات پر قیاس کرنا خود غلط ہے جب خالق کائنات نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ دوسرے عالم میں پہنچنے کے بعد اس عذاب وثواب کی خبر دی تو اس پر ایمان واعتقاد رکھنا لازم ہے۔ (معارف القرآن ج ۵ ص ۲۳۷)

آخرت کے تمام حالات وواقعات جس طرح قرآن وسنت میں وارد ہوئے ان پر بغیر جھجک اور تاویل کے ایمان لانا ہی درحقیقت ایمان ہے۔ حشر اجساد کی بجائے حشر روحانی اور عذاب وثواب جسمانی وروحانی میں اسی طرح وزن اعمال میں تاویلیں کرنا سب اللہ کے نزدیک مردود و باطل اور گمراہی ہے۔ (ایضاج ۱ ص ۳۵۶)

پھر بھی اگر کوئی شخص اس عالم برزخ اور اس کی کیفیت کا انکار کرے تو ویضل اللہ الظالمین کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو بات ماننے کی توفیق نہیں دیتا ورنہ حق تو ظاہر ہے۔ اس آیت میں اشارہ دیا گیا ہے کہ عذاب قبر کے منکر ظالم ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان ظالموں کو مرتے ہی اس عذاب کا سامنا ہوگا۔ اس وقت اس کا نام عذاب الهون ہوگا۔ اس سے زیادہ رسوائی کیا ہوگی کہ جس کا انکار کرتے تھے اس میں آ گھرے۔

۶......مرنے کے ساتھ ہی عذاب الہون کا سامنا

''وَلَوْ تَرٰٓي اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰي كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ'' (پ ۷، الانعام ۶۳)

ترجمہ: اور اگر آپ دیکھ پائیں (یہ کس حال میں ہیں) جب یہ ظالم موت کی سختیوں میں (جکڑے) ہوں گے اور فرشتے ہاتھ بڑھائے ہوئے ہوں گے کہ نکالو اپنی جانیں تمہیں آج عذاب الہون دیا جائے گا اسی بدلے میں جو تم خدا تعالیٰ پر جھوٹی باتیں لگاتے تھے اور تمہارا اس کی آیات کو جھٹلانا از راہ تکبر تھا اور اب آئے ہو ہمارے پاس ایک ایک کر کے جیسا کہ ہم نے تمہیں پہلی بار (ایک ایک کر کے) پیدا کیا تھا۔

یہ ایک ایک کر کے خدا کے پاس حاضری برزخ کی حاضری ہے۔آخرت کی حاضری اکٹھی ہوگی حشر کے ساتھ ہوگی وہاں اگلے پچھلے سب اکٹھے پیش ہوں گے۔یہ ایک ایک کی حاضری اس سے پہلے کی حاضری ہے۔اس یوم وفات سے ہی عذاب الہون ان کو اپنے گھیرے میں لے لے گا یہ عذاب برزخ ہے جو ابھی سے شروع ہو گیا ہے۔

آج جو لوگ عذاب قبر کا انکار کر رہے ہیں اور حیات برزخ کے انکار کے لئے بے محل آیتیں پڑھتے چلے جاتے ہیں کیا وہ تَقُوْلُوْنَ عَلَي اللهِ غَيْرَ الْحَقِّ کے مخاطب نہ ہوں گے اور کیا ان کی یہ صدا از راہ تکبر نہیں ہے حقیقت وہی ہے جو قرآن کریم نے بتائی ہے۔

ایک پیر طریقت کو ہم نے اس برزخی منزل کے انکار پر یہ آیت پڑھتے خود سنا: ''ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبَارَكَ اللهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ '' (پ ۱۸، المومنون ۱۴)

ترجمہ: پھر ہم نے اسے اٹھا کھڑا کیا ایک نئی صورت میں سو بڑی برکت اللہ کی ہے جو سب سے بہتر بنانے والا ہے پھر تم اس کے بعد مرو گے پھر تم قیامت کے دن ہی اٹھائے جاؤ گے۔

اس پر وہ پیر طریقت جھوم جھوم کر کہہ رہے تھے مرنے اور قیامت کے دن اٹھنے کے درمیان کہاں کوئی زندگی ہے۔قرآن کریم مرنے کے بعد اور قیامت سے پہلے کسی زندگی کا پتہ نہیں دیتا۔

اس پر ہمیں یہ آیت یاد آ گئی کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق تم اللہ رب العزت کے ذمہ وہ باتیں لگاتے تھے جو اس نے نہیں کہیں۔قرآن کریم میں جب مرتے ہی عذاب الہون کی ایک زندگی کی خبر ہے۔تو کیا کوئی مسلمان قیامت سے پہلے کی اس زندگی کا انکار کر سکتا ہے۔یہ زندگی چھپی ہے اور علیحدہ علیحدہ ہے ثم انکم یوم القیمۃ تبعثون میں اس کھلی زندگی کا بیان ہے جب تم سب اکٹھے اٹھائے جاؤ گے اور تمہارا حشر ہوگا ظاہر ہے کہ ایسی کھلی زندگی تو قیامت کے دن ہی ملے گی۔اس میں قبر کی برزخی حیات کا انکار ہرگز نہیں ہے۔مگر افسوس کہ وہ پیر طریقت ان آیات کو اس پہلی زندگی کے انکار کے لئے ہی بار بار پڑھ رہے تھے۔جس میں کئی آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کا انکار ہو رہا تھا مگر جاہل مریدین سب زندہ باد کے نعرہ لگا رہے تھے۔

وھل افسد الدھر الا الملوک احبار سوء و رھبانھا

۷......مرنے کی ضربیں اور عذاب الحریق کا سامنا

"وَلَوْ تَرٰٓی اِذْ یَتَوَفَّی الَّذِیْنَ کَفَرُوا الْمَلٰٓئِکَۃُ یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ۔ ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْکُمْ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ" (پ۱۰، الانفال ۵۰)

ترجمہ: اور اگر دیکھے تو جس وقت فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں، تو مارتے ہیں ان کے منہ پر (تھپڑ) اور ان کی پیٹھ پر (کوڑے) اور کہتے ہیں چکھو عذاب آگ کا یہ بدلہ ہے تمہارے اعمال کا جو تم نے آگے بھیجے اور اللہ ظلم نہیں کرتا اپنے بندوں پر۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اس آیت پر لکھتے ہیں: "یعنی مار کر کہتے ہیں کہ ابھی تو یہ لو اور عذاب جہنم کا مزا آئندہ چکھنا...... الفاظ آیت کے سب کافروں کو عام ہیں۔ اس لئے راجح یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ (ان کو مارنے کا) عالم برزخ کا ہو اب برزخ کے واقعات سے تعلق یہ ہوگا کہ دنیا میں ان کافروں کی گت بنی، برزخ میں یہ ہوگا اور آخرۃ کے عذاب کا تو کہنا ہی کیا ہے۔" (تفسیر عثمانی ص ۲۴۷)

کیا یہاں کھلے طور پر ان تین زندگیوں کا اقرار نہیں: (۱) دنیا، (۲) برزخ، (۳) آخرت۔

یہ آیت بتلاتی ہے کہ قبض روح کے وقت سے ہی اس کی برزخی زندگی شروع ہوگئی اور عذاب اترنے لگا قبر میں جانے سے پہلے ہی یہ عذاب شروع ہو چکا۔

یہ ضربیں کہاں لگ رہی ہیں؟ بدن کے مختلف حصوں پر سو یہ روحانی عذاب کیسے ہوا؟ قرآن کریم تو کہے یَضْرِبُوْنَ وُجُوْھَھُمْ وَاَدْبَارَھُمْ اور ہم کہیں یہ صرف روحانی عذاب ہے جسمانی نہیں۔ کیا قرآن کریم کی بات جھٹلائی جاسکتی ہے؟ نہیں! ومن أصدق من اللہ قیلا!

برزخ کا جسمانی عذاب برحق ہے۔ گو یہاں کے رہنے والے اسے دیکھ نہ سکیں یا سن نہ سکیں یہ واقعات ہمیں نظر نہیں آتے مگر چونکہ قرآن میں ان کا بیان ہے ان پر ایمان لانا فرض ہے۔ برزخی معاملات یہاں مشاہدہ میں نہ آئیں تو ان پر تعجب نہ کرنا چاہئے۔ انہیں تسلیم کر کے ایمان بالغیب کا لطف لیں اور یہی اللہ سے ڈرنے والوں کی شان ہے: "ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ، الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ" (البقرہ: ۲، ۳)

ترجمہ: اس کتاب میں کوئی شک نہیں راہ بتاتی ہے ڈرنے والوں کو جو ایمان لائے ہیں بن دیکھے۔

۸......قیامت سے پہلے ایک برزخی زندگی

"حَتّٰیٓ اِذَا جَآءَ اَحَدَھُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ، لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا اِنَّھَا کَلِمَۃٌ ھُوَ قَآئِلُھَا وَمِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ" (پ۱۸، المومنون ۱۰۰)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب پہنچے ان میں سے کسی پر موت تو کہے گا اے رب مجھے واپس بھیج دے شاید میں کچھ بھلے کام کرلوں جو میں چھوڑ آیا تھا۔ ہرگز نہیں (ایسا کبھی نہ ہوگا) یہ ایک بات ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور ان کے پیچھے برزخ ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔

شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں: ''عالم برزخ آتا ہے جہاں پہنچ کر دنیا والوں سے پردہ ہو جاتا ہے اور آخرت بھی سامنے نہیں آتی۔ ہاں عذاب آخرت کا تھوڑا سا نمونہ سامنے آتا ہے جس کا مزا قیامت تک پڑا چکھتا رہے گا''

(تفسیر عثمانی ص ۴۵۲)

دنیا، برزخ، آخرت یہ تین جہاں ہیں جن کی قرآن کریم بار بار خبر دیتا ہے ان زندگیوں کی کیفیات احساسات اور لوازمات میں فرق ہوسکتا ہے بعض امور میں اشتراک و اتحاد بھی ہوسکتا ہے لیکن اس یقین سے چارہ نہیں کہ اضواء قرآن ان تینوں زندگیوں کی خبر دیتے ہیں اور مومن ان تینوں زندگیوں میں اللہ تعالیٰ سے سلامتی چاہتا ہے: ''کما یشیر الیہ قولہ تعالیٰ حاکیا عن لسان عیسیٰ ابن مریم وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا''

حکیم الامت حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں: (۱) اللہ تعالیٰ نے تین مقام انسان کے لئے ٹھہرائے ہیں۔ دنیا، برزخ اور دار قرار اور ہر مقام کے لئے علیحدہ علیحدہ کچھ احکام ٹھہرائے ہیں جو اسی سے مخصوص ہیں اور انسان کو بدن اور نفس سے مرکب کیا اور دنیا کے احکام بدنوں پر ٹھہرائے اور روحوں کو بدنوں کے تابع کیا۔ اس لئے شرعی احکام ان حرکات سے مرکب کئے ہیں جو زبان اور انداموں سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ دل میں کچھ اور باتیں چھپی ہوئی ہوں اور خدا تعالیٰ نے برزخ کے احکام روحوں پر ٹھہرائے اور جسموں کو روح کے تابع کیا[1]

(۲) اس جگہ بدن ظاہر ہے اور روح پوشیدہ اور عالم قبر یعنی برزخ میں روح غالب و ظاہر ہوگی اور بدن پوشیدہ اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری ہوں گے یعنی دکھ اور سکھ روح کو پہنچے گا تو وہ صاحب روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا۔

(۳) روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر یہ بھی رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور جدائی نہیں ہوتی۔　(المصالح العقلیۃ حصہ سوم ص ۲۱۷)

(۴) پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہونا چاہئے اس چشم سے لینا چاہئے جس کو کسی قدر کشفی آنکھ نے بھی بتلایا ہے کہ اس تودہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا أھل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے جو آدمی ان قویٰ سے کام لے جن سے کشف قبور ہوتا ہے تو وہ ان تعلقات کو دیکھ سکتا ہے۔　(ایضاً ص ۲۲۶)

(۵) غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ انسان میت سے کلام کرسکتا ہے اور ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کو ایک مقام ملتا ہے وہاں استقرار ہو یا سیر۔ اور یہ ایک ایسی مسلّم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے پس یہ مسئلہ عام طور پر مسلّمہ مسئلہ ہے بجز اس گمراہ فرقے کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے۔　(ایضاً ص ۲۲۷)

روح اعلیٰ علیین میں بھی ہو تو بدن مدفون سے بے تعلق نہیں۔ انہیں قبر پر آنے والوں کے سلام کی اطلاع ہوتی ہے اور روح کے مکانی فاصلے اس دریافت میں مانع نہیں ہوتے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ لکھتے ہیں: ''ان ارواح کو ایک علاقہ اپنی قبر سے ہوتا ہے...... روح کو قرب و بعد مکانی اس دریافت سے مانع نہیں ہوتا۔''

(تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۸۸ دہلی)

---

[1] جسموں کو روح سے لاتعلق نہیں کیا روح کے تابع کیا یہ ہے مولانا تھانویؒ کا عقیدہ۔

اس کی کچھ تفصیل آگے آئے گی جہاں حیات انسانی کے مختلف ادوار سے بحث ہوگی۔ یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ حیات انسانی صرف عالم ارواح میں بدن سے متعلق نہیں دنیا، برزخ اور آخرت۔ تینوں جہانوں میں یہ بدن سے متعلق ہے۔ ارشاد قرآنی وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا آپ کے سامنے ہے ولادت، موت اور حشر کے دن اٹھنا کس سے ہے؟ بدن سے! ولادت بھی بدن سے، موت بھی بدن پر اور پھر جی اٹھنا بھی بدن سے ہوگا۔ سو ولادت موت اور بعثت کے بعد کی زندگیاں اسی بدن سے ہیں اور انصاف کا بھی یہی تقاضا ہے کہ انسان نے جس بدن سے عبادت یا معصیت کی ہے عالم برزخ اور عالم آخرت کی راحت اور کلفت اسی بدن کے تعلق سے ہو، یہ علیحدہ بات ہے کہ کسی جہان میں بدن کے احکام غالب ہوں اور کسی میں روح کے اور کسی میں روح اور بدن کی کیفیت ایک سی ہو جائے[1]

عذاب برزخ اور عذاب آخرت

یہاں ہم عالم برزخ پر بحث کر رہے ہیں قرآن کریم کی آٹھ آیات سے ہم نے عالم برزخ ثابت کیا ہے یہ ایک جہان ہے جو عالم دنیا اور عالم آخرت کے مابین قائم ہے اور اس کے اپنے حالات اور احکام ہیں۔ اس میں اور عالم آخرت میں قدر مشترک وہ نعیم و عذاب ہے جو انسان کو اپنے اس دنیا میں کئے گئے اعمال کے نتیجہ میں ملے گا یہ پہلا عذاب ادنی ہے تو دوسرا عذاب اکبر...... یہ قیامت تک کے لئے ہے اور وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔

آخرت کے نعیم و عذاب کے بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ وہ اسی بدن پر ہوگا جو دنیا میں تھا اور جس کے تعلق سے انسان گناہ کرتا رہا اور فطرت کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ جزا و سزا اسی بدن کو ہو جس سے انسان نے کوئی نیکی یا گناہ کیا آخرت کے فیصلے کے لئے اللہ تعالیٰ کوئی نئے بدن نہ بنائیں گے انہی ریزہ ریزہ ہوئے ابدان کو پھر سے قبروں سے اٹھایا جائے گا۔

عذاب برزخ اور نعیم برزخ بھی جب اسی دنیا میں کئے گئے اعمال کی ایک چھوٹے درجے کی جزا و سزا ہے تو فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ اس بدن سے ضرور متعلق ہو جس سے انسان نے کوئی نیکی یا کوئی گناہ کیا تھا جس اصول کی بنا پر آخرت میں یہ عنصری بدن مورد لطف و بطش ہوگا۔ اسی اصول پر عالم برزخ میں عذاب قبر اس بدن سے متعلق ہونا چاہئے جس سے انسان نے گناہ کئے ہیں۔ قرآن کریم سے عالم برزخ کا نشان اور عذاب قبر کا پتہ ہم آپ کو پہلے دے آئے ہیں آیئے اب ہم آپ کو احادیث سے بھی اس جہان اور اس کے کچھ حالات کی خبر دیں۔

عذاب قبر محدثین کی نظر میں

قرآن کریم کے بعد دوسری سند علمی ارشادات نبوت ہیں۔ پیشتر اس کے کہ ہم وہ احادیث پیش کریں جن میں حیات برزخ کی خبر دی گئی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس باب میں کچھ مسلک محدثین کی وضاحت کر دی جائے تا معلوم ہو کہ یہ محض نقل واقعہ نہیں نہ یہ صرف احکام میت میں سے ہے بلکہ اسے سلفاً و خلفاً ہمیشہ سے ایک عقیدے کی حیثیت حاصل رہی ہے اور اہل سنت کے ہاں یہ مسئلہ ہمیشہ ایمان کا جزو سمجھا گیا ہے۔

---

[1] کما یشیر الیہ قول العارف الجامی أن المحشر یتساوی فیہ الحکمان فافهم

امام سلیمان بن اشعث ابوداؤد السجستانیؒ (۲۷۵ھ) صاحب السنن سے کون واقف نہیں۔ ائمہ صحاح ستہ میں فقہی دقت نظر کی بناء پر آپ کا خاص مقام ہے۔ آپؒ کی مرویات مجتہد کا ایک جامع ذخیرہ علم ہیں۔ آپ نے معتزلہ، کرامیہ، جبریہ، قدریہ اور شیعہ وخوارج کے بالمقابل عقائد اہل سنت کا پورا تحفظ کیا ہے اور سنن ابی داؤد میں کتاب السنۃ کے نام سے ایک مرکزی سلسلہ ابواب قائم کیا ہے۔ آپؒ اس میں یہ باب لائے ہیں:

''فی المسئلة فی القبر و عذاب القبر''

اس کے بعد آپ نے باب المیزان باندھا ہے (کہ اعمال تولے جائیں گے) پھر دجال کے ظہور کا باب ہے۔ یہ سب وہ مسائل ہیں جو ان دنوں معتزلہ اور اہل السنۃ کے مابین اختلافی مسائل تھے، معتزلہ نہ سوال فی القبر کے قائل تھے نہ عذاب قبر کے۔ امام ابوداؤدؒ نے عذاب قبر کو کتاب السنۃ میں لاکر اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کا انکار اعتزال کا ایک کھلا نشان ہے اور جو اس کا قائل نہیں وہ اہل سنت میں سے نہیں۔

امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) صحیح مسلم میں کتاب صفۃ المنافقین واحکامھم (ج ۲، ص ۳۶۸) اور کتاب الجنة و صفة نعیمها و اهلها (ج ۲، ص ۳۷۸) کے تحت اثبات عذاب القبر کو لائے ہیں۔ باب باندھنے والے نے گو یہاں دو بڑے باب باندھے ہیں۔ لیکن آخری باب الامر بحسن الظن باللہ تعالیٰ عند الموت (ج ۲، ص ۳۸۷) اور باب لن یدخل احد الجنة بعمله بل برحمة الله (ج ۲، ص ۳۷۶) پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری بحث ایک ہے اور کتاب صفة المنافقین و أحكامهم (ج ۲، ص ۳۶۷) کے تحت ہے اور وہی (منافقین) عالم برزخ میں میت کو (جنت یا دوزخ کے) ٹھکانہ دکھائے جانے اور عذاب قبر کے منکر ہیں۔ صحیح مسلم کا باب عرض مقعد المیت من الجنة و النار علیه و اثبات عذاب القبر و التعوذ منه (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۵) بتا رہا ہے کہ محدثین نے اسے ہمیشہ اہل السنۃ کے اصولی مسائل میں جگہ دی ہے، اسے محض ایک انکشاف یا نقل واقعہ کا درجہ نہیں دیا۔ بلکہ اثبات عذاب القبر سے معتزلہ پر حجت تمام کی ہے۔ اس کے بعد صحیح مسلم میں کتاب الفتن ہے۔

حضرت امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے جہاں اور فتنوں سے اللہ کی پناہ میں آنے کے باب باندھے ہیں ان میں آپ باب التعوذ من عذاب القبر لائے ہیں۔ آپؒ نے اسی میں عذاب قبر کی احادیث لکھی ہیں اور ان تمام فتنوں سے پناہ مانگی ہے۔

امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) سنن نسائی میں اسے کتاب الاستعاذہ میں لائے ہیں۔ پہلے الاستعاذة من عذاب القبر کا باب ہے، پھر باب الاستعاذة من عذاب جهنم۔

یہ ترتیب بتاتی ہے کہ عذاب جہنم سے پہلے ایک چھوٹا عذاب ہے۔ یہی عذاب برزخ ہے اور یہی عذاب قبر۔

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) عذاب قبر کی احادیث نو صحابہؓ سے مروی بتاتے ہیں یہ نو کی نو مرفوع ہیں اور حضور ﷺ سے مروی ہیں آپ لکھتے ہیں: ''و فی الباب عن علی و زید بن ثابت و ابن عباس و البراء بن عازب و ابی ایوب و انس و جابر و عائشة و ابی سعید کلهم رووا عن النبی ﷺ فی عذاب القبر'' (جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۲۷)

ان حضرات کے علاوہ احادیث عذاب قبر حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے بھی مروی ہیں۔

صحاح ستہ ایک طرف رہیں، مشکوٰۃ تو ہر عالم کے پاس ہوتی ہے اس میں دیکھ لیں، خطیب تبریزی عذاب القبر کا باب کتاب الایمان میں لائے ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ عقیدہ عذاب قبر کو ہمیشہ ایمان کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ مشکوٰۃ کتاب الایمان میں پانچ باب ہیں:

۱...... الکبائر و علامات النفاق
۲...... الوسوسہ
۳...... الایمان بالقدر
۴...... اثبات عذاب القبر
۵...... الاعتصام بالکتاب و السنة

آپؒ نے اثبات عذاب القبر کو الایمان بالقدر کے ساتھ لا کر اس پر متنبہ کیا ہے کہ جس طرح تقدیر کا انکار معتزلہ کا موقف ہے عذاب قبر کے منکرین بھی معتزلہ میں شمار ہوں گے۔ محدثینؒ کی یہ تنبیہ معتزلہ کے بدعی عقائد سے بچنے کے لئے ہے۔

محدثینؒ کا مسلک کھل کر آپ کے سامنے آچکا ہے جو بات بارہ صحابہؓ سے مروی ہو اس کے تواتر میں کسے شبہ ہوسکتا ہے؟ یہ کوئی خبر واحد نہیں کہ اس کا انکار کفر نہ ہو۔ اب ہم یہاں دس بزرگوں کی روایات پیش کرتے ہیں جنہوں نے عذاب قبر کی احادیث خود آنحضرت ﷺ سے روایت کی ہیں۔

عذاب قبر پر احادیث کی روشنی میں محدثینؒ کی شہادت

قرآن کریم کی شہادت کھل کر آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اب آیئے حدیث کی روشنی میں عالم برزخ کا کچھ پتہ لگائیں اور جاننے کی کوشش کریں کہ کہ برزخ کے یہ حالات اور اس کے ثواب وعذاب کی واردات کہاں اور کس طرح واقع ہوتی ہیں اور یہ کہ یہ احادیث کس پائے کی ہیں؟...... اس کے بعد ان شاء اللہ اس پر بحث ہوگی کہ امت نے پچھلے چودہ سو سال میں اس عقیدے کو کس درجے اور کس تفصیل سے قبول کیا ہے۔

۱...... حضرت عبداللہ بن عباس ﷠ فرماتے ہیں: ''مر النبی ﷺ بقبرین فقال انهما لیعذبان و ما یعذبان فی کبیر أما أحدهما فکان لایستتر من البول و أما الآخر فکان یمشی بالنمیمة ثم اخذ جریدة رطبة فشقها نصفین فغرز فی کل قبر واحدة قالوا یا رسول اللہ لم فعلت هذا قال لعله یخفف عنهما مالم ییبسا''

(صحیح بخاری ج۱ ص ۳۵، صحیح مسلم ج۱ ص ۱۴۱)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے۔ آپ نے بتایا کہ ان دو کو عذاب ہو رہا ہے اور وہ کسی بڑے گناہ پر نہیں، ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے بچاؤ نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلی کھانے کا رسیا تھا۔

پھر آپ ﷺ نے کھجور کی ایک ٹہنی لی اور اس کو دو حصوں میں کاٹا اور دونوں ٹکڑے ایک ایک قبر میں گاڑ دیئے۔ صحابہؓ نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا شاید جب تک یہ ٹہنیاں سبز رہیں ان سے عذاب ہلکا رہے۔

اس حدیث میں یہ امور پیش نظر رہیں: (۱) یہ حدیث کسی نادر کتاب کی نہیں، حدیث کی اول درجے کی کتابوں میں ہے۔ (۲) آنحضرت ﷺ نے ان دو شخصوں کو انہی گڑھوں میں عذاب ہوتے پایا جنہیں ظاہری قبریں کہا جاتا تھا، کسی اور عالم غیب کی خبر نہیں دی جو ان قبروں سے بالکل لاتعلق ہو اور وہاں ان کو عذاب ہو رہا ہو۔ (۳) پھر آپ نے کھجور کی شاخیں بھی انہی قبروں پر رکھیں جنہیں عرف عام میں قبر کہا جاتا ہے۔ کیا آپ یہ شاخیں

مقام علیین پر رکھ رہے تھے؟ یہ اسی نشان قبر کی بات ہے! (۴) یہ عذاب جو انہیں ہو رہا تھا حشر کے بعد نہیں، جسے عذاب آخرت کہتے ہیں، یہ عالم برزخ کی واردات ہے اور اسے ہی عذاب قبر کہتے ہیں۔ یہ عذاب اکبر سے پہلے ایک چھوٹا عذاب ہے۔

۲...... حضرت زید بن ثابت ؓ فرماتے ہیں: ''بینما النبی ﷺ فی حائط لبنی النجار علی بغلة له و نحن معه اذ حادت به فکادت تلقیه و اذا اقبر ستة او خمسة او اربعة... فقال من یعرف اصحاب هذه الاقبر فقال رجل انا قال متی مات هؤلآء قال ماتوا فی الاشراک فقال ان هذه الامة تبتلی فی قبورها فلولا ان لا تدافنوا اموتاکم لدعوت الله ان یسمعکم من عذاب القبر الذی اسمع منه'' (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶، سنن ابی داؤد ج)

ترجمہ: حضور ﷺ ایک خچر پر سوار ہوئے بنو نجار کے ایک باغ سے گزر رہے تھے اور ہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے کہ خچر بکا یک بدکا قریب تھا کہ وہ حضور ﷺ کو اتار ڈالتا وہاں چھ یا پانچ قبریں تھیں۔ آپ نے پوچھا کوئی ان قبروں والوں کو جانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں جانتا ہوں، آپ ﷺ نے پوچھا یہ کب کے لوگ ہیں؟ اس نے کہا، دورِ شرک کے، آپ ﷺ نے فرمایا یہ لوگ اپنی قبروں میں ابتلاء میں گھرے ہیں۔ یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں خدا سے دعا کرتا کہ وہ یہ عذاب قبر تمہیں بھی سنا دے جو میں سن رہا ہوں۔

اس حدیث میں بھی یہ امور پیش نظر رہیں: (۱) یہ حدیث کس پائے کی کتاب میں ہے۔ صحیح مسلم اول درجے کی دو کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس کے ساتھ امام ابو داؤدؒ نے اپنی سنن میں اسے روایت کیا ہے۔ (۲) آنحضرت ﷺ نے وہیں اس عذاب قبر کی آوازیں سنیں جہاں یہ ظاہری قبریں تھیں۔ سو ان گڑھوں کو عالم برزخ سے بے تعلق نہیں کیا جا سکتا۔ یہی قبر مومن کے لئے دور تک وسیع کر دی جاتی ہے گو ہم اس کا ادراک نہ کر سکیں لیکن اس عدم ادراک سے اس نتیجہ پر پہنچنا کہ یہ گڑھا قبر ہے ہی نہیں ہرگز درست نہیں۔ ہاں یوں کہئے اس کا دوسرا کنارا عالم غیب میں ہے کیونکہ ہم اسے محسوس نہیں کر رہے ہیں...... اس کے بغیر ان احادیث صحیحہ صریحہ کی تکذیب لازم آتی ہے۔ العیاذ باللہ الکریم! (۳) اللہ کے سنانے سے ان آوازوں کا صحابہؓ کو بھی سنایا جانا ممکن تھا۔ حضور ﷺ دعا کرتے تو ہو سکتا ہے صحابہؓ بھی انہیں سن پاتے۔ حضور ﷺ کا انہیں سننا بھی اللہ کے ہی سنانے سے تھا منوں مٹی کے نیچے سے آوازیں سنی جائیں یہ اسماع الٰہی سے ہے بندہ اسباب سے اتنے دور سے نہیں سن پاتا۔ (۴) حضور ﷺ اس دنیا سے مٹی کے اتنے گہرے فاصلے سے برزخ کی آوازیں باسماع الٰہی سن سکتے ہیں۔ تو جب حضور ﷺ خود عالم برزخ (اپنی قبر شریف) میں ہوں تو یہاں کی سلام معروض کو باسماع الٰہی کیوں نہیں سن سکتے؟ اس میں کونسا عقلی یا شرعی استبعاد ہے جو اس کا انکار کیا جائے۔ (۵) حضور ﷺ نے اگلے جہاں کی آوازیں تو سن لیں لیکن یہ لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہ لوگ کون تھے؟ یہ اس لئے کہ پہلی بات کشف اور مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری علم سے ......غیب کی بات جب تک اللہ تعالیٰ نہ بتائیں از خود اسے جان لینا یہ کسی کے بس میں نہیں نہ غیب جاننے کی چابی اللہ رب العزت نے کسی کو دی ہے۔ (۶) اس خچر کا اس عذاب قبر کو سن پانا اور صحابہؓ کا اسے نہ سننا یہ کسی حکمت الٰہیہ کے سبب تھا۔ نہ اس لئے کہ خچر کا درجہ اور مرتبہ کوئی زیادہ ہے۔ سو اس قسم کے جاہلی استدلالات کہ شیطان کو مشرق و مغرب میں جو وسعت پرواز حاصل ہے وہ اولیاء اللہ کو کیوں نہیں یہ ہرگز کسی اخلاص اور تحقیق پر مبنی نہیں، نہ انسانوں کو جنات و ملائکہ یا حیوانات اور پرندوں پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

۳...... حضرت براء بن عازب ؓ فرماتے ہیں: ''ان رسول اللہ ﷺ قال المسلم اذا سئل فی القبر یشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ فذلک قولہ یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا و فی الآخرۃ'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۸۲، سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۶۵۳)

ترجمہ: بے شک حضور ﷺ نے فرمایا مسلمان سے جب قبر میں سوال ہوتا ہے وہ کلمہ شہادت پڑھتا ہے سو یہاں اللہ تعالیٰ کی بات پوری ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو قول ثابت میں ثابت قدم رکھتا ہے دنیا میں اور آخرت میں (یہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے)

۴...... حضرت انس ؓ فرماتے ہیں: ''قال قال رسول اللہ ﷺ ان العبد اذا وضع فی قبرہ و تولی عنہ اصحابہ انہ یسمع قرع نعالھم اتاہ ملکان فیقعدانہ فیقولان... و اما المنافق و الکافر... فیقال لہ لا دریت و لا تلیت ویضرب بمطارق من حدید ضربۃ فیصیح صیحۃ یسمعھا من یلیہ غیر الثقلین متفق علیہ''

(مشکوۃ ص ۲۵ ابوداؤد ج ۲ ص ۶۵۴ سنن نسائی ج ۱ ص ۲۸۸)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا میت کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اسے چھوڑ آتے ہیں اور وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال وجواب کرتے ہیں جو منافق اور کافر ہوتا ہے اسے کہتے ہیں نہ تو نے بات خود سمجھی نہ کسی دوسرے سمجھنے والے کے پیچھے چلا، پھر اسے لوہے کے ہتھوڑوں سے مارتے ہیں اور وہ چیختا ہے ایسی چیخ کہ اسے سب پاس والے سنتے ہیں انسانوں اور جنات کے علاوہ۔

اس حدیث میں ان امور پر نظر رہے: (۱) یہ واقعہ کس قبر میں پیش آتا ہے؟ جس میں میت کو اتارا جاتا ہے اور جس سے اس کے ساتھی رخصت ہوتے ہیں اور وہ ان کے جانے کی آواز سنتا ہے۔ (۲) فرشتے اس کے پاس کس قبر میں آتے ہیں؟ جس میں اسے پکارا گیا اور جہاں اسے چھوڑ کر اس کے ساتھی چل دیئے۔ اگر یہ فرشتے علیین میں اس کے پاس آئے ہوں تو اسے اس طرح بیان نہ کیا جاتا۔ (۳) وہ فرشتے اسے بٹھاتے ہیں۔ یہ اس کا بیٹھنا عالم دنیا کا نہیں نہ یہاں کے حواس سے اسے دیکھا جا سکتا ہے، یہ عالم برزخ کا معاملہ ہے جو اسی قبر میں اسی بدن سے پیش آرہا ہے۔ گو یہاں سے جھانکنے والے کو وہاں کچھ بھی ہوتا دکھائی نہ دے۔ (۴) کافر اور منافق کی سزا کو وہی سن سکتے ہیں جو اس قبر کے زیادہ قریب ہوں یسمعھا من یلیہ...... سو عذاب اسی قبر میں ہو رہا ہے گو یہ اتنی تنگ ہو رہی ہو کہ اس کی پسلیاں اس میں پس جائیں اور دیکھنے والے کو وہ ویسی ہی دکھائی دے۔

۵...... حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں: ''قال قال رسول اللہ ﷺ ان احدکم اذا مات عرض علیہ مقعدہ بالغداۃ و العشی ان کان من اھل الجنۃ فمن اھل الجنۃ و ان کان من اھل النار فمن اھل النار فیقال ھذا مقعدک حتی یبعثک اللہ الیہ یوم القیمۃ'' (مشکوۃ ص ۲۵، سنن نسائی ج ۱ ص ۲۹۱)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی مرجائے تو اسے (عالم برزخ میں) اس کا ٹھکانہ (جہاں اس نے جانا ہے) صبح وشام دکھایا جاتا ہے اگر وہ اہل جنت میں سے ہے تو وہ اہل جنت میں دکھایا جاتا ہے اور اگر وہ جہنم والوں سے ہے تو اسے اس کا ٹھکانہ جہنم میں دکھایا جاتا ہے اور اسے کہا جاتا ہے یہ تمہارا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ تجھے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے ہاں لے آئے۔

قیامت تک کا یہ منظر عالم برزخ کا منظر ہے۔ اس میں بدن مدفون صبح و شام اپنا آخرت کا ٹھکانہ دیکھتا ہے۔ اگر روح اس جسد مدفون سے بالکل بے تعلق ہے تو کیا روح کی آنکھیں اسے علیین اور سجین سے دیکھ رہی ہیں؟ پھر اس قبر سے اس کا کیا تعلق اور کیا ان ٹھکانوں میں بھی جو دکھائے جاتے ہیں صرف روح ہی جائے گی کیونکہ یہ تو اسی کو کہا جا رہا ہے، هذا مقعدک فافهم!

۶ ...... (۱) حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں: ''قال رسول اللہ ﷺ اذا اقبر المیت اتاہ ملکان اسودان ازرقان یقال لاحدهما المنکر وللآخر النکیر فیقولان . . . وان کان منافقا . . . فیقال للارض التئمی علیه فتلتئم علیه فتختلف اضلاعه فلا یزال فیها معذبا حتی یبعثه الله من مضجعه ذلک رواه الترمذی'' (مشکوٰۃ ص ۲۵)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب میت قبر میں اتاری جاتی ہے تو اس کے پاس دو سیاہ رنگ نیلی آنکھوں والے فرشتے منکر اور نکیر آتے ہیں اور اس سے سوال جواب کرتے ہیں اگر وہ منافق ہو تو زمین کو کہا جاتا ہے کہ اس پر تو سمٹ آ وہ اس پر سمٹ آتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسری میں دھنس جاتی ہیں۔ اسے اسی طرح عذاب ہوتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کی اس قبر سے اٹھا دے۔

(۲) حضرت ابو ہریرہؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے نصیحت فرمائی: ''استعیذوا باللہ من خمس: ۱: من عذاب جهنم ۲: وعذاب القبر ۳: وفتنة المحیا ۴: والممات ۵: وفتنة المسیح الدجال'' (سنن نسائی)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی پانچ چیزوں سے پناہ مانگو، ۱: عذاب جہنم سے (جو آخرت میں ہوگا)، ۲: عذاب قبر سے (جو برزخ میں ہوگا)، ۳: زندگی کے فتنہ سے، ۴: موت کے فتنہ سے (یہ کہ خاتمہ خیر پر ہو) اور ۵: مسیح دجال کے فتنہ سے۔

(۳) آپؓ نے حضور ﷺ سے یہ بھی نقل فرمایا کہ آپ نے کہا: ''ان المیت یصیر الی القبر فیجلس الرجل الصالح فی قبره . . . الحدیث'' (سنن ابن ماجہ ص ۳۲۵)

ترجمہ: میت قبر میں جاتی ہے نیک آدمی کو اس کی قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے اس طرح کہ اسے کوئی گھبراہٹ اور پریشانی نہیں ہوتی پھر اس سے پوچھا جاتا ہے تو کس حال میں رہا وہ کہتا ہے فی الاسلام، پھر اسے حضور ﷺ کے بارے میں پوچھا جاتا ہے وہ حضور ﷺ کا نام لیتا ہے کہ آپ ہمارے پاس روشن معجزات کے ساتھ آئے اور ہم نے آپ کی تصدیق کی (اسے پھر یہاں اپنا آخرت کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے)

۷ ...... حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''اذا ادخل المیت القبر مثلت له الشمس عند غروبها فیجلس یمسح عینیه ویقول دعونی اصلی رواه ابن ماجه'' (مشکوٰۃ ص ۲۶)

ترجمہ: جب میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے سامنے غروب آفتاب کا منظر لایا جاتا ہے وہ اپنی آنکھیں پونچھتا ہوا بیٹھتا ہے اور کہتا ہے مجھے نماز پڑھنے دو۔

کاش! کہ یہ کرم فرما قبر میں نماز پڑھنے کو مذاق بتانے کی بجائے اس فرمودہ رسالت پر غور کرتے۔

۸ ...... حضرت جابرؓ کہتے ہیں: حضور ﷺ نے جب حضرت سعد بن معاذؓ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو قبر میں اتار دیا گیا اور آپ پر مٹی برابر کر دی گئی، حضور ﷺ دیر تک تسبیح پڑھتے رہے ہم بھی آپ کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہے پھر آپ نے تکبیر کہی ہم نے بھی آپ کے ساتھ تکبیر کہی...... پھر ہم نے آپ سے اس تسبیح و تکبیر کا سبب پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''لقد تضایق علی هذا العبد الصالح قبره حتی فرجه الله عنه'' (ایضا)

ترجمہ: اس نیک بندے پر قبر تنگ ہو رہی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اس سے کشائش بخشی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بڑے بڑے صلحاء کو بھی اس منزل سے گزرنا پڑتا ہے اور یہ کہ اس کے قریب اللہ رب العزت کی تسبیح و تقدیس کی جائے تو اللہ رب العزت اس سختی کو معاف فرما دیتے ہیں۔

حضور ﷺ کہاں کھڑے رہے؟ اسی گڑھے کے پاس جس کو عرف عام میں گڑھا کہتے ہیں یا یہ سب معاملہ مقام علیین میں ہو رہا تھا جہاں صلحاء کی ارواح حاضری دیتی ہیں؟

۹ ...... حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ کہتی ہیں: ''قام رسول اللہ ﷺ خطيبا فذكر فتنة القبر التي يفتن فيها المرء فلما ذكر ضج المسلمون ضجة رواه البخاری'' (ایضاً)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ خطبہ پر کھڑے ہوئے اور آپ نے فتنہ قبر کا ذکر کیا جس میں آدمی مبتلا کیا جائے گا آپ نے جب یہ ذکر فرمایا تو مسلمان (اس کی گھبراہٹ سے) چیخ اٹھے۔

کیا حضور ﷺ اس وقت کسی آسمانی قبر کا ذکر کر رہے تھے یا یہ اسی قبر کا ذکر تھا جسے لوگ قبر سمجھتے تھے؟ سنن نسائی میں یہ زیادہ ہے کہ اسماء بنت ابی بکرؓ آپ کی بات آخر تک نہ سن سکیں، آپ نے ایک دوسرے شخص سے پوچھا کہ آنحضرت ﷺ نے آخر میں کیا فرمایا تھا اس نے بتایا کہ آپ نے کہا: ''قد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور قريبا من فتنة الدجال'' (سنن نسائی ج ۱ ص ۲۹۰)

ترجمہ: مجھے وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ تم اپنی قبروں میں آزمائش میں ڈالے جاؤ گے یہ آزمائش فتنہ دجال کی آزمائش کے قریب قریب ہوگی۔

حضرت امام بخاریؒ نے اس پر باب التعوذ من عذاب القبر باندھا ہے۔ ام خالد کہتی ہیں میں نے کسی صحابیؓ سے اس کے خلاف کچھ نہیں سنا جسے اس نے حضور ﷺ سے روایت کیا ہو: ''لم اسمع احدا سمع من النبی ﷺ غیرھا'' (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۴۲)

اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ حضور ﷺ کے صحابہؓ میں سے کسی نے اس مسئلہ سے (عذاب القبر) سے اختلاف نہیں کیا نہ اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش موجود تھی۔

۱۰ ...... ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں میرے پاس دو بوڑھی یہودی عورتیں آئیں اور مجھے بتایا اُھل القبور یعذبون فی قبورھم کہ فوت شدگان کو ان کی قبور میں عذاب ہوتا ہے میں نے ان کی تصدیق نہ کی اور یہ مجھے اچھا نہ لگا کہ میں یہود کی تصدیق کروں۔ وہ چلی گئیں اور حضور ﷺ تشریف لے آئے میں نے حضور ﷺ سے سارا واقعہ عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان دونوں نے سچ کہا ہے: ''انهم يعذبون عذابا تسمعه البهائم كلها''

ترجمہ: وہ ایسا عذاب پا رہے ہیں جسے سب چوپائے سن رہے ہیں صرف انسانوں اور جنوں سے وہ عذاب پردے میں رکھا گیا ہے۔

ام المومنینؓ کہتی ہیں کہ اس کے بعد حضور ﷺ نے کسی نماز میں اس دعا کو نہیں چھوڑا۔ آپ ہر نماز کے بعد اعوذ بک من عذاب القبر پڑھتے تھے۔

بہائم (چوپائے) کہاں رہتے ہیں؟ زمین پر...... کیا یہ سجین میں عذاب سنتے جاتے ہیں یا اسی زمین پر قبروں سے گزرتے ہوئے یہ آوازیں ان تک پہنچتی ہیں؟

نہایت افسوس ہے کہ ایک پیر طریقت نے یہاں بھی مثالی ابدان کی بات چلا رکھی ہے اور اس ظاہری قبر کو وہ قبر ماننے کے لئے تیار نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ (اس زمین کے) دراصل چوپائے اِن عذاب یافتہ لوگوں کی آوازیں نہیں سنتے۔ ان کے مثالی ابدان مقام سجین پر لے جائے جاتے ہیں وہ وہاں عذاب یافتہ لوگوں کی آہ و بکا سنتے ہیں۔ ان قبروں (اس زمین پر نظر آنے والی قبروں) کا اس عذاب سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ یہ گڑھے قبریں ہیں۔ یہاں کسی کو عذاب نہیں ہوتا۔ نہ یہاں چوپائے کوئی عذاب قبر سنتے ہیں۔

ان سے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ نے ان معذبین کی آوازیں کہاں سے سنی تھیں؟ انہی گڑھوں سے یا مقام سجین سے؟ اس پر پیر طریقت نے فرمایا: حضور ﷺ کی روحانیت بہت اونچی ہے، آپ یہیں سے (اس زمین سے) مقام سجین کی آوازیں سن رہے تھے آوازیں وہاں سے آرہی تھیں مگر آپ کو اس طرح محسوس ہوتا تھا گویا انہی قبروں سے سن رہے ہیں۔

پھر آپ سے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ نے جب پوچھا تھا کہ یہ کن کی قبریں ہیں؟ تو کیا آپ نے ان گڑھوں کی طرف اشارہ کر کے نہ پوچھا تھا ''یہ کن کی قبریں ہیں'' ہم کیسے مان لیں کہ ان گڑھوں کا قبر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا؟ اس پر پیر طریقت لاجواب ہو گئے۔

***

قبر کی واردات

اسلام کا چودہ سو سال کا مسلسل اعتقاد

حدیث کی ان روشن شہادتوں سے یہ بات واضح ہے کہ یہ قبریں صرف گڑھے نہیں ہیں۔ یہ وہ اسرار گاہیں ہیں جن میں قدرت باری کا نقشہ مکمل کر سامنے آتا ہے۔ آیئے اب ان واردات پر اسلام کی چودہ صدیوں کی شہادت لیں۔ اہل اسلام نے اپنی تاریخ کے کسی موڑ پر اس حقیقت کا انکار نہیں کیا کہ عذاب قبر برحق ہے۔ قبر ظاہر میں تو ایک گڑھا ہے مگر اس میں وہ لاتعداد ہنگامے سو رہے ہیں کہ یہاں کی آنکھ نہ انہیں دیکھ سکے نہ یہاں کے کان انہیں سن سکیں۔ مسلمان قرآن و حدیث کی روشنی میں انہیں تسلیم کر کے ایمان بالغیب کی لذت پاتا ہے۔

نو جلیل القدر صحابہؓ کی گواہی جامع ترمذی کے حوالے سے آپ دیکھ آئے ہیں۔ یہ اسلام کی پہلی صدی کی آواز ہے۔ ہم نے اس پر کچھ اور شہادتیں بھی پیش کی ہیں۔ آیئے اب ہم آپ کو دوسری صدی ہجری میں لے چلیں۔

دوسری صدی کی شہادت

پہلی صدی کے اختتام پر حضرت امام ابوحنیفہؒ کی عمر بیس سال کی تھی۔ آپ نے حضرت انس بن مالکؓ (۹۱ھ) جو حدیث احوال برزخ کے راوی بھی ہیں، کی زیارت بھی کی تھی[1]۔ آپ کے درس و تدریس کا دور دوسری صدی کا نصف اوّل ہے۔ آپؒ نے کوفہ و بصرہ کے جبر و قدر کے معرکے اور اعتزال و ارجاء کے فتنوں کو قریب سے

[1] رای انس بن مالک غیر مرۃ لما قدم علیہم الکوفۃ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۵۸)

دیکھا تھا۔ آپ نے عقائد اہل سنت کے تحفظ کے لئے اور حضور ﷺ کی امت کو عقائد بدعت سے بچانے کے لئے عقائد اسلام پر ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا عقائد اسلام پر یہ اس امت کی سب سے پہلی تحریر ہے۔ آپ کے نزدیک احکام کی فقہ، دراصل فقہ اصغر ہے اور عقائد کی فقہ، فقہ اکبر ہے۔ آپ نے یہی نام اپنے رسالہ کو دیا جس کی بڑے بڑے محدثین نے شرحیں لکھی ہیں۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) اس میں قبر کی واردات کا یوں ذکر کرتے ہیں: ''واعادة الروح الی العبد فی قبرہ حق'' (شرح الفقہ الاکبر ص ۱۲۰)

ترجمہ: اور روح کا بندہ کی طرف لوٹایا جانا برحق ہے۔

تیسری صدی کی شہادت

تیسری صدی جلیل القدر ائمہ حدیث کی صدی ہے۔ حضرت امام احمدؒ (۲۴۱ھ) لکھتے ہیں: ''الایمان بالحوض والشفاعة والایمان بمنکر ونکیر وعذاب القبر والایمان بملک الموت بقبض الارواح ثم ترد فی الاجساد فی القبور فیسألون عن الایمان والتوحید'' (کتاب الصلوٰۃ للامام احمد بن حنبل ص ۴۵)

ترجمہ: حوض کوثر، شفاعت، قبر میں منکر ونکیر کا آنا، عذابِ قبر، اس بات پر ایمان لانا کہ ملک الموت روحیں قبض کرتا ہے پھر یہ روحیں قبروں میں اپنے اجساد میں لوٹائی جاتی ہیں اور وہاں ایمان اور توحید کے بارے میں پوچھ لیا جاتا ہے (یہ سب امور برحق ہیں)

پھر امام بخاری (۲۵۶ھ)، امام مسلم (۲۶۱ھ)، امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) اور امام ترمذی (۲۷۹ھ) کی شہادتیں بھی آپ کے سامنے آچکیں۔ اب آیئے اس تسلسل کو چوتھی صدی میں دیکھیں۔

چوتھی صدی شہادت

حافظ ابن جریر الطبریؒ (۳۱۰ھ) لکھتے ہیں: ''ذکر قبض روح المومن فتعاد روحه فی جسده ویاتیه الملکان فیجلسانه فی قبره فیقولان من ربک'' (تفسیر ابن جریر ج ۱۳ ص ۲۱۴)

ترجمہ: یہ مومن کی روح کے قبض ہونے کا بیان ہے پھر وہ روح (قبر میں) اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے (اس میت کو) قبر میں بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟

امام ابوجعفر الطحاویؒ (۳۲۱ھ) جنہیں فقہاء کرام أعلم بمذهب أبي حنيفة وصاحبيه (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۴۲) لکھتے ہیں، رقمطراز ہیں: ''نؤمن بعذاب القبر ونعمه... وبسؤال منکر ونکیر للمیت فی قبره عن ربه ودینه ونبیه علی ما جاءت به الأخبار عن رسول الله ﷺ وعن أصحابه اجمعین والقبر روضة من ریاض الجنة او حفرة من حفر النیران'' (العقیدۃ الطحاویہ مع الشرح ص ۶۰)

ترجمہ: ہم عذاب قبر اور نعیم قبر پر ایمان لاتے ہیں ...... منکر ونکیر کا قبر میں تین سوال پوچھنا جیسا کہ آنحضرت ﷺ اور آپ کے سب صحابہؓ سے منقول ہے برحق ہے اور قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ اس زمین کی قبر کو روضة من ریاض الجنة نہیں کہا گیا وہ قبر کہیں اور ہے تو وہ لازما

حضور اکرم ﷺ کے مدینہ کے روضہ منورہ کو بھی روضۃ من ریاض الجنۃ نہیں مانتے ہوں گے۔ حافظ ابو بکر الجصاص الرازیؒ (۳۷۰ھ) لکھتے ہیں: ''واذا جاز ان یکون المومنون قد احیوا فی قبورھم قبل یوم القیمۃ وھم منعمون جاز ان یحیی الکفار فی قبورھم فیعذبوا'' (احکام القرآن ج۱ ص۱۰۸)

ترجمہ: اور جب یہ جائز ہے کہ مومنین کو قیامت سے پہلے ان کی قبروں میں زندہ کیا جائے اور وہاں نعمت ربانی سے سرفراز ہوں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کافر بھی اپنی قبروں میں زندگی پائیں اور (اس زندگی سے) انہیں وہاں عذاب ملے۔

نعیم قبر اور عذاب قبر کی ان کیفیتوں کو ان قبروں سے یکسر بے تعلق سمجھنا کیا ظاہر شریعت کا انکار نہیں؟

پانچویں صدی کی شہادت

پانچویں صدی کے علماء میں امام بیہقی (۴۵۸ھ)، امام ابوالمظفر الاسفرائنی (۴۷۱ھ)، امام ابوالقاسم عبدالکریم القشیری (۴۶۵ھ)، حافظ ابن عساکر الدمشقی (۵۷۱ھ) اور امام غزالی (۵۰۵ھ) نے عقائد کی سرحدوں پر بڑا کام کیا ہے۔

ابوالمظفر طاہر بن محمد الاسفرائنیؒ لکھتے ہیں: ''اخبر انھم یحیون فی القبور وقد ورد فی معنی احیاء الموتی فی القبور مالایحصی من الای والاخبار والآثار'' (التبصیر ص۱۵۸)

ترجمہ: آپ نے خبر دی ہے کہ انہیں قبروں میں زندگی ملتی ہے اور قبروں میں مردوں کو زندہ کیا جاتا ہے اس پر اتنی آیات اور احادیث اور آثار وارد ہیں کہ گنے نہیں جاسکتے۔

''وفیہ احادیث کثیرۃ عن النبی ﷺ فی ھذا الباب ان الملکین یجیئان فی القبر الی المیت ویحی اللہ المیت فیسألان عما ذکرنا وقد انکرت المعتزلۃ وعامۃ المبتدعۃ ھذا'' (اصول الدین ص۱۶۵)

ترجمہ: اور اس میں نبی کریم ﷺ سے احادیث کثیرہ منقول ہیں کہ قبر میں میت کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ میت کو زندہ کر دیتا ہے اور وہ فرشتے اس سے وہ باتیں پوچھتے ہیں جو ہم نے ذکر کی ہیں۔ معتزلہ اور بدعتی لوگ قبر کے اس سوال وجواب کے منکر ہیں۔

اما غزالیؒ (۵۰۵ھ) لکھتے ہیں: ''واما عذاب القبر دلت علیہ قواطع الشرع اذ تواتر عن النبی ﷺ وعن الصحابۃ رضی اللہ عنھم بالاستعاذۃ منہ فی الادعیۃ واشتھر عنہ المرور بقبرین انھما لیعذبان ودل علیہ قولہ تعالیٰ وحاق بال فرعون سوء العذاب، النار یعرضون علیھا غدوا وعشیا وھو ممکن فیجب التصدیق بہ ووجہ امکانہ ظاھر وانما تنکر المعتزلۃ'' (الاقتصاد فی الاعتقاد ص۹۷)

ترجمہ: اور عذاب قبر کے ثبوت پر شریعت کے قطعی دلائل وارد ہیں اور آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے تواتر سے ثابت ہے کہ یہ حضرات اپنی دعاؤں میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے رہے اور یہ بات آپ سے خبر مشہور کے درجہ میں ہے کہ آپ دو قبروں کے پاس سے گزرے جن میں مُردوں کو عذاب ہو رہا تھا اس برزخی عذاب پر قرآن کریم کی یہ آیت دلالت کرتی ہے ''اور گھیر لیا آل فرعون کو برے عذاب نے، آگ ہے جس پر وہ صبح وشام پیش کئے جاتے ہیں'' اور ایسا ہونا ممکن ہے سو ضروری ہے کہ اس کی تصدیق کی جائے اور اس کی وجہ امکان ظاہر ہے اور سوائے معتزلہ کے اس کا انکار کوئی نہیں کرتا۔

پھر یہ بھی لکھتے ہیں: ''ولا یبعدان تعاد الروح الی الجسد فی القبر ولا یبعدان تو خر الی یوم البعث''
(احیاء العلوم ج ۴ ص ۴۰۹)

ترجمہ: اور بعید نہیں کہ قبر میں روح ہی جسد میں لوٹائی جاتی ہو اور یہ بھی بعید نہیں کہ اسے حشر تک مؤخر رکھا جائے (یعنی اس دوران روح کا بدن سے صرف تعلق ہو)

نوٹ: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بھی اس باب میں امام غزالیؒ سے تمسک کیا ہے اور ان کی تائید کی ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۴)

اب ذرا چھٹی صدی میں چلئے:

چھٹی صدی کی شہادت

علامہ برہان الدین المرغینانیؒ (۵۹۳ھ) صاحب الہدایہ فرماتے ہیں: ''من یعذب فی القبر یوضع فیہ الحیوۃ فی قول العامۃ'' (ہدایہ ج ۲ ص ۴۸۴)

ترجمہ: جسے قبر میں عذاب دیا جائے اس میں جمہور اہل سنت کے قول کے مطابق زندگی قائم کی جاتی ہے۔

ساتویں صدی کی شہادت

علامہ قرطبی ابوعبداللہ محمد بن احمدؒ (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں: ''ان عذاب القبر ونعیمہ حق کما صرحت بہ الاحادیث الصحیحۃ ولکن اللہ تعالیٰ یاخذ بابصار الخلائق واسماعھم من الجن والانس عن رؤیۃ عذاب القبر ونعیمہ'' (مختصر تذکرہ القرطبی ص ۳۶)

ترجمہ: عذاب قبر اور نعیم قبر برحق ہے جیسا کہ احادیث صحیحہ نے اس کی تصریح کی ہے لیکن اللہ تعالیٰ عام انسانوں اور جنات کی آنکھوں کو اور ان کے کانوں کو عذاب قبر اور نعیم قبر سے روکے رکھتے ہیں (کہ وہ اسے دیکھ نہیں پاتے)

علامہ قرطبیؒ کی دوسری عبارت

''وقد اجمع اھل الکشف ان المیت یحس بظغطۃ القبر ویحس باختلاف اضلاعہ ولو کان فی بطون السباع والطیور او کان قد حرق وذری فی الریح فتحس کل ذرۃ بالألم ولو کانت متفرقۃ'' (ایضاً)

ترجمہ: سب اہل کشف اس پر متفق ہیں کہ میت قبر کے دباؤ کو محسوس کرتی ہے اور پسلیوں کے ایک دوسرے میں دھنسنے کو محسوس کرتی ہے گو وہ میت درندوں اور پرندوں کے پیٹوں میں ہی کیوں نہ ہو یا وہ جل کر خاک ہوگئی ہو اور خاک میں اڑ گئی ہو۔ اس میت کا ایک ایک ذرہ اس الم (عذاب قبر) کو محسوس کرتا ہے گو وہ میت متفرق ذرات میں ہی کیوں نہ بٹی ہو۔

امام نوویؒ (۶۷۶ھ) شرح صحیح مسلم میں برزخی عذاب کی یہ صورت بتلاتے ہیں: ''ثم المعذب عند اھل السنۃ الجسد بعینہ او بعضہ بعد اعادۃ الروح الیہ والی جزء منہ وخالف فیہ محمد بن جریر وعبداللہ بن کرام وطائفۃ فقالوا لا یشترط اعادۃ الروح قال اصحابنا ھذا فاسد لان الالم والاحساس انما یکون فی الحی قال اصحابنا ولا یمنع من ذلک کون المیت قد تفرقت اجزاءہ کما نشاھدہ فی العادۃ او اکلتہ السباع او حیتان

البحر او نحو ذلک فکما ان اللہ تعالیٰ یعیدہ للحشر و ھو سبحانہ وتعالیٰ قادر علی ذلک فکذا یعید الحیوۃ الی جزء منہ وان اکلتہ السباع والحیتان" (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶)

ترجمہ: پھر اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک عذاب اس (دنیا والے) جسد کو پورے جسد کو یا بعض حصہ بدن کو اس میں روح لوٹنے کے بعد ہوتا ہے گو وہ اس کے کسی ایک جزو میں ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں محمد بن جریر اور عبداللہ بن کرام (جو فرقہ کرامیہ کا بانی گزرا ہے) اور کچھ دوسرے لوگوں نے اختلاف کیا ہے وہ کہتے ہیں روح کا لوٹنا اس کے لئے شرط نہیں ہمارے اصحاب (اہل السنۃ والجماعۃ) کا کہنا ہے عذاب قبر میں یہ بات مانع نہیں کہ میت کے بدن کے اجزاء مختلف جگہوں میں بکھر گئے ہوں۔

جیسا کہ ہم روز دیکھتے ہیں یا اسے (میت کو) درندوں نے یا سمندر کی مچھلیوں نے کھا لیا ہو یا ایسا ہی کوئی اور سبب واقع ہوا ہو۔ سو جیسے اللہ تعالیٰ ان ذرات منتشرہ کو حشر کے دن لوٹائے گا اور اللہ تعالیٰ جو ہر کمزوری سے پاک ہے اور وہ اس پر قادر ہے سو اسی طرح اللہ تعالیٰ اس میں (گو اس کے کسی ایک حصہ بدن میں کیوں نہ ہو) حیات لوٹا دیتا ہے گو اسے درندے اور مچھلیاں کھا چکے ہوں۔

اس عبارت میں امام نوویؒ نے محمد بن جریر اور عبداللہ بن کرام کے مقابلہ میں جن علماء کو پیش کیا ہے انہیں أصحابنا کہہ کر پیش کیا ہے اور دو دفعہ ایسا کہا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں حضرات ان کے نزدیک اہل سنت کے افراد نہیں ورنہ ان کے مقابلے میں وہ قال أصحابنا کی تعبیر اختیار نہ کرتے۔ سو جاننا چاہئے کہ اس محمد بن جریر سے مراد ابن جریر طبری نہیں ابن جریر کرامی ہے جسے علماء کرام شیعہ لکھتے ہیں۔ کرامیہ اور شیعہ دونوں تقیہ کے قائل ہیں اور جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں...... سو ہم صاحب نبراس سے اتفاق نہیں کر سکتے جو اسے اہل سنت میں سے سمجھتے ہیں۔

یہ اس صورت میں ہے کہ نبراس ص ۳۲۲ میں یہ اضافہ کسی نقل نویس کا نہ ہو۔ واللہ أعلم وعلمہ أتم وأحکم!

تفسیر ابن جریر طبری ج ۱۳، ص ۲۱۴ میں عقیدہ اہل سنت کی کھلی تائید موجود ہے۔ امام نسفیؒ (۷۰۱ھ) بھی لکھتے ہیں: "عند العامہ توضع فیہ الحیوۃ بقدر ما یتألم والحیاۃ المطلقۃ وقیل توضع فیہ الحیوۃ من کل وجہ" (الکافی شرح الوافی)

ترجمہ: جمہور اہل سنت کے نزدیک میت میں اس قدر حیات ڈال دی جاتی ہے کہ وہ نعیم والم کا ادراک کر سکے وہ مطلق حیات ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہر پہلو سے اس میں حیات لوٹائی جاتی ہے۔

آٹھویں صدی کی شہادت

علامہ صدر الدین الحنفیؒ (۷۴۳ھ) شارح عقیدہ طحاویہ رقمطراز ہیں: "وکذلک عذاب القبر یکون للنفس والبدن جمیعاً باتفاق اھل السنۃ والجماعۃ" (شرح عقیدہ طحاویہ ص ۳۴۰)

ترجمہ: اور اسی طرح عذاب قبر ہے جو باتفاق اہل السنۃ والجماعۃ روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

افسوس کہ اہل السنۃ والجماعۃ کی یہ اجماعی پکار بھی ہمارے راہ گم کردہ دوستوں کو راہ نہیں دکھا سکتی۔ علامہ تقی الدین السبکی الشافعیؒ (۷۵۶ھ) لکھتے ہیں: "وقد اجمع اھل السنۃ علیٰ اثبات الحیوۃ فی القبور قال امام الحرمین فی الشامل وقد اتفق سلف الامۃ علی اثبات عذاب القبر واحیاء الموتی فی قبورھم ورد الارواح فی اجسادھم" (شفاء السقام ص ۱۵۱)

ترجمہ: اہل السنۃ کا اجماع ہے کہ قبروں میں میت کو حیات ملتی ہے امام الحرمینؒ نے لکھا ہے کہ سب سلف امت کا اس پر اتفاق ہے کہ: (۱) عذاب قبر ثابت ہے، (۲) مردوں کو یہ زندگی قبروں میں ملتی ہے اور (۳) یہ کہ ارواح اجساد میں لوٹائی جاتی ہیں: ''ان حیاۃ جمیع الموتی بأرواحھم واجسامھم فی قبورھم لاشک فیھا'' (ایضاً)

ترجمہ: تمام اموات کے لئے زندگی ان کی قبروں میں ان کی ارواح واجساد کے ساتھ ثابت ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

اسلاف امت کے اس کھلے اجماع کے بعد بھی کیا اس عقیدے میں کسی قسم کا کوئی شک ہو سکتا ہے؟

قاضی عضدالدین الایجیؒ (۷۵۷ھ) صاحب مواقف: ''احیاء الموتی فی قبورھم ومسئلۃ منکر و نکیر و عذاب القبر للکافر والفاسق کلھا حق عنہ واتفق علیہ سلف الامۃ قبل ظھور الخلاف واتفق علیہ الاکثرون بعدہ'' (شرح مواقف ص ۵۱۷ مع الشرح)

ترجمہ: اموات کا اپنی قبروں میں زندہ کیا جانا۔ اور منکر ونکیر کے (وہاں) سوالات۔ اور عذاب قبر تمام کافروں اور فاسقوں کے لئے برحق ہے اور اس پر تمام اسلاف امت کا ظہور اختلاف سے پہلے اتفاق رہا ہے اور ظہور اختلاف کے بعد بھی اسلاف امت کی اکثریت اسی عقیدے کی رہی ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ): ''الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن وقت السؤال والسؤال للبدن بلا روح قول طائفۃ من الناس وانکرہ الجمھور وقابلھم اٰخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن ... وکلاھما غلط والاحادیث الصحیحۃ تردہ ولو کان ذلک علی الروح فقط لم یکن للقبر بالروح اختصاص'' (شرح حدیث النزول ص ۵۱)

ترجمہ: اور احادیث صحیحہ متواترہ منکر ونکیر کے سوال کے وقت روح کے بدن میں لوٹائے جانے کی خبر دیتی ہیں، اور سوال بدن سے بلا روح ہو یہ کچھ لوگوں کا قول ہے اور جمہور اہل اسلام نے اس کا انکار کیا ہے اور کچھ لوگ ان پہلے لوگوں کے بالکل الٹ اٹھے ہیں وہ کہتے ہیں منکر ونکیر کا سوال صرف روح سے ہے بدن سے نہیں اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ احادیث صحیحہ ان کی تردید کرتی ہیں۔ اگر صورت یہی ہوتی کہ یہ سوال وجواب صرف روح سے ہو تو قبر کا روح سے کوئی اختصاص نہ ہوتا۔

''بل العذاب والنعیم علی النفس والبدن جمیعاً باتفاق اھل السنۃ والجماعۃ''

(شرح حدیث النزول ص ۵۱)

ترجمہ: یہ قبر کا نعیم وعذاب باتفاق اہل سنت روح وبدن دونوں کے لئے ہے۔

غور فرمائیں! اگر روح کا بدنِ مدفون سے کوئی تعلق نہ ہو تو قبر کے نعیم وعذاب پر کیسے ایمان لایا جا سکتا ہے؟

''فقد صرح الحدیث باعادۃ الروح الی الجسد وباختلاف اضلاعہ وھذا بین فی ان العذاب علی الروح والبدن مجتمعین'' (فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴، ص ۲۸۹)

ترجمہ: حدیث میں تصریح ہے کہ روح جسد میں لوٹائی جاتی ہے اسی طرح یہ بھی تصریح ہے کہ میت کی پسلیاں آپس میں ٹکراتی ہیں اور یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ قبر کا عذاب روح اور بدن دونوں پر اکٹھے ہوتا ہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ): ''ان مذهب سلف الامة وائمتها ان الميت اذا مات يكون في نعيم او عذاب وان ذلك يحصل لروحه وبدنه'' (کتاب الروح ص ۶۴)

ترجمہ: اسلاف امت اور ائمہ دین کا مذہب یہ ہے کہ انسان جب مر جائے تو وہ (قبر کے) نعیم یا عذاب میں رہتا ہے اور نعیم و عذاب اس کے روح و بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

علامہ سعد الدین تفتازانیؒ (۷۹۲ھ) معتزلہ کے مقابلے میں نکلے جو خبر واحد کو حجت نہیں مانتے تھے اور اعادہ روح کے منکر تھے۔ ان کے سامنے آپ نے یہ موقف اختیار کیا کہ اگر حیات کے لئے اعادہ روح لازم نہ کیا جائے تو بھی تو حیات کا تحقق ہو سکتا ہے۔ پھر عذاب قبر کا انکار کیوں؟ فرماتے ہیں: ''ويجوز ان يخلق الله في جميع الاجزاء او في بعضها نوعا من الحيوة قدر مايدرك ألم العذاب ولذة النعيم وهذا لا يستلزم اعادة الروح الى بدنه ولا ان يتحرك ويضطرب'' (شرح عقائد ص ۷۷)

ترجمہ: اور یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے بدن میں یا بعض اجزائے بدن میں ایک طرح کی حیات پیدا کر دے کہ میت اس سے عذاب کی تکلیف یا نعیم کی لذت پا سکے اور اس حیات کے لئے ضروری نہیں کہ روح بدن کی طرف لوٹے اور نہ یہ کہ وہ بدن متحرک ہو یا ہلے جلے۔

یہ عامہ اموات کے بارے میں ہے ان میں مطلق حیات کا قول اختیار کیا جائے جس سے میت عذاب قبر یا نعیم قبر کا ادراک کر سکے تو یہ کافی ہے۔

علامہ تفتازانیؒ یہاں اعادہ روح کا انکار نہیں کر رہے۔ معتزلہ کو سامنے رکھ کر میت کے بدن میں زندگی کا ایک باریک انداز ثابت کر رہے ہیں جس سے بدن میں عذاب قبر یا اس کی راحت کا تحقق ہو سکے۔ علامہ تفتازانیؒ کا اس سے مقصد احادیث کا انکار نہیں۔ علیٰ وجہ الالزام انہوں نے یہ بات کہی ہے۔ بدن میت میں زندگی کا آنا مسلمات میں سے ہے۔ یہ جس طرح سے بھی آئے ہو سکتا ہے۔ اعادہ روح سے ہو یا تعلق روح سے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ چاہیں اس میں اتنی زندگی پیدا کر دیں کہ وہ الم یا راحت کو پا سکے۔

ہدایہ میں ہے: ''ومن يعذب في القبر يوضع فيه الحيوة في قول العامة'' (ہدایہ ج ۲، ص ۴۸۴)

ترجمہ: اور جس میت کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے اس میں جمہور کے عقیدہ کے مطابق ایک طرح کی زندگی ٹھہرائی جاتی ہے۔

نویں صدی کی شہادت

اب ذرا نویں صدی میں چلیں۔ علامہ عضد الدین الایجیؒ (۷۵۶ھ) کی عبارت آپ شرح مواقف میں دیکھ آئے ہیں۔ اب شارح علامہ سید شریف الجرجانیؒ (۸۱۶ھ) کی عبارت بھی دیکھیں: ''واذا ثبت التعذيب ثبت الاحياء والمسئلة لان كل من قال بعذاب القبر قال بها'' (شرح مواقف ص ۷۱۶)

ترجمہ: اور جب عذاب کا ثبوت ہو گیا تو زندگی کا ثبوت بھی ہو گیا اور قبر کے سوال و جواب کا ثبوت بھی مل گیا۔ کیونکہ ہر وہ شخص جو عذاب کا اقرار کرے اسے قبر کی اس زندگی کا اقرار کرنا ہوگا۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) پہلے گرامیہ کارد کرتے ہیں جو واردات قبر صرف بدن پر لاتے ہیں اور پھر ان لوگوں کا رد کرتے ہیں جو انہیں صرف روح سے متعلق بتاتے ہیں بغیر اس کے کہ وہ بدن کی طرف عود کرے۔

اور پھر لکھتے ہیں: ''و خالفھم الجمھور فقالوا تعاد الروح الی الجسد او بعضہ کما ثبت فی الحدیث و لو کان علی الروح فقط لم یکن للبدن بذلک اختصاص و لا یمنع من ذلک کون المیت فقد تفرق اجزاءہ لان اللہ تعالیٰ قادر علی ان یعید الحیوۃ الی جزء من الجسد و یقع علیہ السؤال کما ھو قادر علی ان یجمع اجزائہ''

(فتح الباری ج ۳ ص ۲۷۷)

ترجمہ: اور جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ روح بدن کی طرف یا اس کے بعض حصوں کی طرف لوٹائی جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں ثابت ہے اور اگر عذاب صرف روح پر ہوتا تو بدن کو اس سے کوئی اختصاص نہ تھا اور اس کے لئے میت کا اس حال میں ہونا کہ اس کے اجزاء متفرق ہو چکے ہیں عذاب قبر میں مانع نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ جسم کے کسی حصے میں زندگی لوٹا دے اور فرشتوں کا سوال اس حصہ بدن پر وارد ہو۔ جیسے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ اس کے تمام اعضائے بدن کو پھر سے جمع کر دے۔

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں: ''قد ثبتت الاحادیث بما ذھب الیہ الجمھور کقولہ (علیہ السلام) انہ یسمع خفق نعالھم و قولہ (علیہ السلام) تختلف اضلاعہ لضمۃ القبر و قولہ (علیہ السلام) یسمع صوتہ اذا ضرب بالمطراق و قولہ (علیہ السلام) یضرب بین اذنیہ و قولہ (علیہ السلام) فیقعدانہ و کل ذلک من صفات الاجساد'' (فتح الباری ج ۳، ص ۲۷۷)

ترجمہ: بے شک احادیث جمہور کے حق میں ثابت ہیں جیسے حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ مردہ (جنازہ پڑھنے والوں کے) جوتوں کی آواز سنتا ہے اور حضور ﷺ کا یہ ارشاد کہ قبر کے ملنے سے اس کی پسلیاں ایک دوسرے سے ٹکرا جاتی ہیں اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ وہ ہتھوڑے چلنے کی آواز سنتا ہے اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ اس کے دونوں کانوں کے مابین ضرب لگتی ہے اور آپ ﷺ کا یہ ارشاد کہ فرشتے اسے بٹھاتے ہیں اور یہ سب ابدان کی صفات (اور حرکات) ہیں۔ روح کی کیفیات نہیں۔

علامہ بدر الدین العینیؒ (۸۵۵ھ): ''ان الأرواح تعاد الی الأجساد عند المسئلۃ و ھو قول الاکثر من اھل السنۃ'' (شرح صحیح بخاری ج ۱۷، ص ۹۳)

ترجمہ: بے شک ارواح سوال و جواب کے وقت اجساد کی طرف لوٹائی جاتی ہیں اور یہی فیصلہ جمہور اہل السنۃ کا ہے۔

''و لا بعد فی رد الحیوۃ الی بعض اجزاء البدن فیختص بالاحیاء و المسألۃ و العذاب و ان لم یکن مشاھدًا لنا'' (ایضاً ج ۸، ص ۱۴۷)

ترجمہ: اور بعض حصہ بدن کی طرف حیات کا لوٹنا اور اس کا زندوں سے اختصاص اور قبر کا سوال و جواب اور قبر کا نعیم و عذاب ان میں سے کوئی چیز مستبعد نہیں۔ گو ہم ان حالات کو دیکھ نہ سکیں۔

محقق علی الاطلاق حافظ ابن ہمامؒ (۸۶۱ھ): ''الحق ان المیت المعذب فی قبرہ توضع فیہ الحیوۃ بقدر ما یحس بالألم و البنیۃ لیست بشرط عند اھل السنۃ حتی لو کان متفرق الاجزاء بحیث لا تتمیز

الاجزاء بل هی مختلطة بالتراب فیعذب جعلت الحیوة فی تلک الاجزاء التی لایأخذها البصر و ان الله تعالیٰ علیٰ ذلک لقدیر" (فتح القدیر شرح ہدایہ ج ۴، ص ۹۹)

ترجمہ: حق یہ ہے کہ میت کو عذابِ قبر ہوتا ہے اور اس کے لئے اس میں اس قدر حیات رکھ دی جاتی ہے کہ عذاب قبر کو وہ محسوس کر سکے اور میت کے سب اجزاء کا یکجا ہونا اہل السنۃ کے ہاں عذاب قبر کے لئے شرط نہیں۔ میت اگر متفرق الاجزاء بھی ہو یہاں تک کہ اجزاء باہم پہچانے نہ جا سکیں بلکہ مٹی کے ساتھ مل چکے ہوں تو بھی اسے عذاب قبر ہوتا ہے۔ حیات اس کے ان اجزاء میں ڈالی جاتی ہے جنہیں نظر پا نہ سکے اور بے شک اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے۔

"توضیحه انا نمنع اقتضاء ذلک عود الحیوة الکاملة الی جمیع البدن و غایة مایقتضی اعادة الحیوة الی الجزء الذی به فهم الخطاب ورد الجواب والانسان قبل موته لم یکن یفهم بجمیع بدنه بل یجزؤ من باطن قلبه واحیاء جزء یفهم الخطاب و مجیب ممکن مقدور علیه وامور البرزخ لاتقاس بأمور الدنیا" (مسامرہ شرح مسایرہ ج ۲، ص ۱۱۶)

ترجمہ: اور اس کی توضیح یہ ہے کہ ہم عذابِ قبر کے لئے بدن میں پوری حیات کے لوٹ آنے کا تقاضا نہیں کرتے۔ زیادہ سے زیادہ اتنی بات ہے کہ حیات اس جز وبدن میں لوٹ آئے جس سے وہ سوال و جواب دینے کو سمجھ سکے۔ اس سے پہلے بھی تو انسان پورے بدن سے بات کو نہ سمجھتا تھا۔ صرف باطن قلب ایک حصے سے بات کو پالیتا تھا اور اب اس کے کسی ایک حصے کا زندگی پالینا اسے بات سمجھنے (سوال و جواب) کے لائق کر دیتا ہے اور جواب دینا اس کے لئے ممکن اور مقدور ہو جاتا ہے اور برزخ کے احوال کو دنیوی امور پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

دسویں صدی کی شہادت

امام سیوطیؒ (۹۱۱ھ) حافظ ابن تیمیہؒ سے موافقت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "وقال ابن تیمیة الاحادیث متواترة علی عود الروح الی البدن وقت السؤال و سؤال البدن بلا روح قول طائفة منهم ابن الزاغونی و حکی عن ابن جریر وانکره الجمهور وقابلهم اخرون فقالوا السؤال للروح بلابدن قاله ابن حزم و اخرون منهم ابن عقیل و ابن الجوزی وهو غلط والا لم یکن للقبر بذلک اختصاص" (شرح الصدور ص ۶۰)

ترجمہ: ابن تیمیہؒ نے کہا ہے کہ متواتر احادیث سوالِ قبر کے وقت روح کے بدن کی طرف لوٹنے کی خبر دے رہی ہیں اور بدن سے بغیر روح سوال کیا جانا ایک گروہ کا خیال ہے ابن الزاغونی انہی میں سے ہے اور ابن جریر سے بھی اسی قسم کی بات حکایت کی جاتی ہے اور جمہور اہل اسلام اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس گروہ کے مقابل ایک اور گروہ ہے جو روح سے بلا اتصال بدن سوال کا قائل ہے۔ یہ بات ابن حزم اور کچھ اور لوگوں نے بھی بتائی ہے۔ ابن عقیل اور ابن الجوزی اسی کے (عذابِ روح بلا بدن) قائل ہیں اور یہ بات بالکل غلط ہے بات اگر اس طرح ہوتی تو عذابِ قبر کے قبر سے خاص ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

دسویں صدی کی ایک اور شہادت لیجئے۔ علامہ جلال الدین الدوانیؒ (۹۲۸ھ) لکھتے ہیں عذابِ قبر کے وہی قائل ہیں جو بدنِ مدفون کے زندہ کئے جانے کے قائل ہوں۔ یہ زندہ کیا جانا اعادہ روح کے بغیر محض اتصال روح سے بھی ہو سکتا ہے۔ صورتِ احیاء جو بھی ہو اس کی تفصیل اپنی جگہ لیکن عذاب قبر کے لئے بدن یا ذرات بدن

میں زندگی کا لوٹایا جانا برحق ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں: "فمنهم من اثبت التعذيب وانكر الاحياء وهو خلاف العقل وبعضهم لم يثبت التعذيب . . . وهذا انكار لعذاب القبر ومنهم من قال باحيائه لكن من غير اعادة الروح ومنهم من قال بالاحياء باعادة الروح معا ولا يلزم ان يرى اثر الحيوة فيه حتى ان الماكول فى بطن الحيوانات يحيى ويسأل و ينعم و يعذب ولاينبغى ان ينكر لان من اخفى النار فى الشجر الاخضر قادر على اخفاء العذاب والنعيم" (حاشیہ عقائد عضدیہ ص ۹۳ طبع الہندی)

ترجمہ: ایسے لوگ بھی ہیں جو عذاب قبر مانتے ہیں مگر بغیر میت کے زندہ کئے جانے کے، اور یہ خلاف عقل ہے اور بعض ایسے ہیں جو سرے سے میت کے برزخ میں عذاب پانے کے قائل نہیں، یہ عذاب قبر کا کھلا انکار ہے۔ اور ایسے بھی ہیں جو میت کے زندہ کئے جانے کے قائل ہیں لیکن بغیر اعادہ روح کے اور ایسے لوگ بھی ہیں جو اعادہ روح سے میت کا زندہ کیا جانا مانتے ہیں اور عذابِ قبر کے لئے یہ لازم نہیں کہ اس میں (اس میت میں) آثار حیات دیکھے بھی جاسکیں۔ وہ شخص جسے کسی جانور نے کھالیا، وہ اس جانور کے پیٹ میں زندہ کیا جاتا ہے اور اس سے وہیں سوال ہوتا ہے۔ اس کی نعیم قبر یا عذاب قبر وہی ہے اس کا انکار نہ کرنا چاہئے۔ جو ذاتِ باری سبز اور تر و تازہ درخت میں آگ کو چھپا سکتا ہے وہ اس پر قادر ہے کہ عذابِ قبر اور نعیم قبر کو اس طرح چھپا رکھے کہ یہاں کے زندوں کے حواس نہ اسے پاسکیں اور نہ اسے سن سکیں۔

علامہ عبدالوہاب اشعرانیؒ (۹۷۳ھ) اس پر بحث کرتے ہوئے کہ پورے بدن میں روح لوٹائی جاتی ہے یا اس کے بعض ماندہ حصے کی طرف؟...... لکھتے ہیں: علامہ حلیمیؒ روح کے پورے بدن میں لوٹائے جانے کے قائل ہیں اور علامہ ابن جریر طبریؒ اور امام الحرمینؒ بدن کے ماندہ حصے میں اس کے لوٹنے کے قائل ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہل حق روح کے بدن میں لوٹائے جانے کے سب قائل تھے۔ وہ لوٹایا جانا پورے بدن میں ہو یا بعض اجزاء بدن میں: "ان الحليمى يقول ترد الروح الى جسده كله و ابن جرير الطبرى و امام الحرمين يقولون ترد الروح الى مابقى منه" (الیواقیت والجواہر ج دوم، ص ۱۲۹)

ترجمہ: علامہ حلیمی اس کے قائل ہیں کہ روح پورے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور ابن جریر الطبری اور امام الحرمینؒ اس کے بعض حصہ بدن میں روح کا لوٹایا جانا مانتے ہیں۔

فقہاء احنافؒ میں علامہ شمس الدین القہستانیؒ (۹۵۳ھ) سے کون واقف نہیں آپ لکھتے ہیں: "والمعذب فى القبر كحى بقدر مايتألم به وهو اقرب الى الحق" (جامع الرموز ج ۲، ص ۲۹۲)

ترجمہ: اور جسے قبر میں عذاب ہو رہا ہے وہ اس درجہ زندہ ہے جو الم عذاب پاسکے اور اقرب الی الحق یہی بات ہے۔

دسویں صدی کے نصف آخر کے محدث جلیل علامہ عبدالروف المناویؒ (۱۰۰۳ھ) حدیث براء بن عازبؓ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ظاہر حدیث چاہتا ہے کہ روح سارے بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔ فتعاد روحه فى جسده۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ اس کے صرف نصف اعلیٰ میں لوٹنے کے قائل ہیں۔ جمہور کا مذہب پہلا ہے۔

پھر قاضی ابوبکر باقلانیؒ سے تطبیق اس طرح نقل کرتے ہیں: "جمع بان مقرها فى النصف الاعلى ولها اتصال بباقيه وقيل جزم به القاضى"

ترجمہ: دونوں باتوں میں تطبیق یوں دی گئی ہے کہ روح کا قرار تو بدن کے اوپر کے نصف حصے میں ہوتا ہے اور باقی حصہ بدن سے روح کا صرف اتصال اور تعلق ہے اور کہا گیا ہے کہ قاضی عیاض بھی اسی پر یقین رکھتے تھے۔

دسویں صدی کے مجدد حضرت ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) فقہ وحدیث کے جامع امام تھے۔ آپ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی کتاب فقہ اکبر کی شرح لکھی ہے۔ آپ اس میں لکھتے ہیں: ''واعلم ان اهل الحق اتفقوا علی ان الله تعالیٰ یخلق فی المیت نوع حیاة فی القبر قدر مایتألم و یتلذذ ولکن اختلفوا هل یعاد الروح الیه ... والمنقول عن ابی حنیفة التوقف الا ان کلامه ههنا یدل علی اعادة الروح اذجواب الملکین فعل اختیاری فلایتصور بدون الروح'' (شرح فقہ اکبر)

ترجمہ: اور جان لو اہل حق سب اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں ایک ایسی حیات پیدا کردیتا ہے جس سے وہ عذاب قبر یا نعیم قبر کو پا سکے۔ ان کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ حیات اعادہ روح سے ہوتی ہے یا اس کے بغیر...... حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اس میں توقف منقول ہے مگر آپ کی عبارت یہاں اعادہ روح کی بات کہہ رہی ہے کیونکہ فرشتوں کو جواب دینا ایک اختیاری فعل ہے اور وہ بدوں اعادہ روح کے تصور میں نہیں آسکتا۔

ملا علی قاریؒ نے اسے اہل حق کا اجماع بتایا ہے کہ قبر میں ہر میت کو زندگی ملتی ہے اور اس سے سوال و جواب ہوتا ہے اس کا خلاف کرنے والے کیا اہل حق میں سے ہو سکتے ہیں؟ یہ آپ کے سوچنے کی بات ہے!

توقف امام اس میں نہیں کہ روح بدن میں آتی ہے یا نہیں۔ بلکہ اس میں ہے کہ روح پورے بدن میں آتی ہے یا بعض حصہ بدن میں۔ ملا علی قاریؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''ولعل توقف الامام فی ان الاعادة متعلق بجزء البدن او کله'' (مرقات ج۱، ص۱۹۸)

ترجمہ: اور حضرت امام ابوحنیفہؒ سے جو توقف منقول ہے (وہ اس میں نہیں کہ قبر میں میت کو زندگی ملتی ہے یا نہ) وہ اس میں ہے کہ حیات اس کے پورے بدن میں لوٹائی جاتی ہے یا اس کے بعض حصہ بدن میں۔

پھر ملا علی قاریؒ نے اس دوسرے احتمال کو حدیث کی روشنی میں کلیۃً رد کر دیا ہے: ''تعاد روحه فی جسده ظاهر الحدیث ان عود الروح الی جمیع اجزاء البدن فلا التفات الی قول البعض بان العود انما یکون الی البعض ... فانه لایصح ان یقال من قبل العقل بل یحتاج الی صحة النقل'' (ایضاً ج۴، ص۲۵)

ترجمہ: میت کی روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے۔ اس حدیث کا ظاہر یہی ہے کہ یہ عود روح جمیع اجزائے بدن کی طرف ہوتا ہے۔ سو ان چند لوگوں کی بات کی طرف دھیان نہ کیا جائے جو روح کا بعض حصہ بدن کی طرف لوٹنا مانتے ہیں...... کیونکہ ایسی بات محض عقل سے نہیں کہی جاسکتی۔ اس کے لئے صحت نقل درکار ہے۔

ملا علی قاریؒ کو اس سے انکار نہیں کہ روح و بدن کا کامل تعلق قیامت کو ہی ہوگا۔ اس دن کی بعثت بے شک برحق ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان احادیث صحیحہ کا یکسر انکار کر دیا جائے جن میں عالم برزخ میں روح کا بدن کی طرف عود کرنا صراحت سے مذکور ہے۔

آپؒ لکھتے ہیں: ''حتی یرجعه الله فی جسده ای یرده الیه کاملاً فی بدنه'' (ایضاً ص۳۱)

ترجمہ: حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح کو اس کے جسد میں پھر سے لے آئے اس سے مراد اس روح کا کامل طور پر بدن میں لوٹنا ہے۔

روح کا بدن سے ایسا کامل تعلق جیسا کہ اس دنیا میں ہے۔ یہ عامہ اموات کے لئے بیشک اسی دن ہوگا۔ وَاِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ کا کامل اظہار قیامت کے دن ہی ہے۔لیکن برزخی زندگی کو محض روحانی ماننا اور بدن مادی سے کلیۃً بے تعلق رکھنا یہ عقیدہ اہل حق کا نہیں ہے۔

ملا علی قاریؒ ان ناقصانِ دین کے ساتھ نہیں ہیں۔ آپ ایک مقام پر لکھتے ہیں: ''کما توهمه بعض ارباب النقصان حتى جعلوا عذاب القبر روحانياً لا جسمانياً والصواب ان عذاب الأخرة و نعيمها متعلقان بهما'' (مرقات ج ۱۰، ص ۸۷)

ترجمہ: جیسا کہ بعض ناقص علم کے لوگوں نے وہم کر رکھا ہے اور وہ عذاب قبر کو محض ایک روحانی چیز بتلاتے ہیں جسمانی نہیں مانتے...... صحیح بات یہ ہے کہ نعیم قبر اور عذاب قبر روح اور بدن دونوں سے تعلق رکھتے ہیں۔

نعیم والم تو ایک طرف رہے قبر میں تو اعمال کا ثبوت بھی ملتا ہے کیا اعمال بغیر جسد تقوم میں آتے ہیں؟ حضور ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے پایا تو کیا وہ صرف روح کا عمل تھا؟ سنن نسائی کے حاشیہ میں منقول ہے:

یہ حدیث حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات فی القبر کی صریح دلیل ہے۔ اس میں آپ کو وصفِ نماز سے موصوف بتلایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آپ کھڑے تھے۔ یہ وہ امور ہیں جن سے صرف روح موصوف نہیں ہو سکتی۔ یہ تو جسد کی شان ہے کہ وہ عملِ نماز میں ہو اور اس کے قبر سے خاص ہونے میں بھی اس کی دلیل ہے اگر نماز صرف روح کے اعمال میں سے ہوتی تو اسے قبر سے خاص کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ (زہر الربی علیٰ سنن النسائی ج ۱)

گیارھویں صدی کی شہادت

اب آیئے آپ کو گیارھویں صدی میں لے چلیں۔ اس دور کے علماء حق کا مسلک کیا تھا؟ اس دور کی مرکزی شخصیت حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) ہیں۔ آپ بدنِ مثالی کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ عقیدہ تو اعتقاد تناسخ سے بھی بُرا ہے۔ اس کے بعد آپؒ یوں رقمطراز ہیں: ''پس بدن اول را از حصولِ احکامِ برزخ چارہ نبود واز عذاب وثوابِ قبر گزر نہ...... وبدنِ ثانی را چوں حیات ثانی اثبات مے نمایند حشر در حق او در دنیا ثابت گشت۔ انگارم کہ معتقداں نقل روح معلوم نیست کہ بعذاب وثواب قبر قائل باشند وحشر ونشر معتقد بوند۔ افسوس ہزار افسوس ایں قسم بطالاں خود را بمسند شیخی گرفتہ اند و مقتدائے اہل اسلام گشتہ اند ضلوا فاضلوا''
(مکتوبات دفتر دوم مکتوب ۵۸، لکھنؤ)

ترجمہ: اس دنیا والے بدن کو احکام برزخ کا سامنا کرنے سے چارہ نہیں اور اس بدن کا عذاب وثواب قبر سے چھٹکارا نہیں اور اس مجوزہ بدن ثانی کے لئے جب یہ لوگ دوسری حیات ثابت کرتے ہیں تو اس کا حشر تو دنیا میں ہی واقع ہو گیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ روح کے منتقل کئے جانے کا عقیدہ رکھنے والے معلوم نہیں ہوتا کہ وہ عذاب و ثواب قبر کے قائل ہوں گے اور حشر ونشر کا عقیدہ رکھتے ہوں گے۔ افسوس ہزار افسوس اس قسم کے جھوٹے لوگوں پر کہ اپنے آپ کو پیر طریقت بنائے بیٹھے ہیں اور اہل اسلام کے مقتدا بنے ہوئے ہیں وہ خود گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ سرہندیؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''وآنچہ او علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰت والتسلیمات از احوال آخرت خبر دادہ است ہمہ حق است از عذاب گور وضغطہ آں وسوال منکر ونکیر دراں وفنائے عالم وانشقاق سمٰوات وانتشار کواکب وبرداشتن زمین کوہہا وپارہ پارہ شدن اینہا وحشر ونشر واعادہ روح بجسد وزلزلہ ساعت وہول قیامت ومحاسبہ اعمال وشہادت جوارح باعمال مکتسبہ'' (مکتوبات دفتر ۲، مکتوب ۶۷)

ترجمہ: اور جو کچھ آنحضرت ﷺ نے آخرت کے احوال کی خبر دی ہے برحق ہے جیسے عذاب قبر اور قبر کا دباؤ، اور منکر ونکیر کے قبر میں سوالات، اور پوری دنیا کا فنا ہونا، اور آسمان کا پھٹنا، اور ستاروں کا انتشار، اور زمین کا پہاڑوں کو اٹھانا اور ان کا ریزہ ریزہ ہو جانا، اور حشر ونشر اور روح کا جسد میں پھر سے لوٹ آنا، اور قیامت کا بڑا زلزلہ اور قیامت کی ہولناکی اور اعمال کا حساب، اور اعضاء جسمانی کی اپنے کئے گئے اعمال پر شہادت یہ سب امور برحق ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) بھی اسی دور کے بزرگ ہیں۔ حدیث میں آپ اپنے وقت کی سند تھے۔ آپؒ لکھتے ہیں: ''واختلاف کردہ اند کہ عذاب قبر بزندہ گردانیدن میت است یا در مقابلہ داشتن روح باوے یا بنوعی دیگر کہ پروردگار تعالیٰ خواہد وما را بدریافت کنہ حقیقت آں راہ نباشد وحق آنست کہ باحیاء است۔ چنانچہ ظاہر احادیث دال است براں۔'' (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۱، ص ۱۰۷)

ترجمہ: اور اختلاف کیا ہے کہ عذاب قبر میت کو پھر سے زندہ کرنے سے ہوتا ہے یا روح کو میت کے سامنے لانے سے۔ یا کسی اور طریق سے جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ اور ہمیں اس کی کنہہ معلوم کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ عذاب قبر میت کو پھر سے زندہ کرنے سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ ظاہر احادیث اس کی شہادت دیتی ہیں۔

''قطع مے کنم بعود حیات ہر میت را چنانکہ در احادیث ورود یافتہ۔'' (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱، مترجم ص ۵۵)

ترجمہ: مجھے یقین ہے کہ ہر میت کو پھر سے حیات ملتی ہے جیسا کہ احادیث میں اس کی خبر دی گئی ہے۔

بارھویں صدی کی شہادت

بارہویں صدی کے مجدد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) اپنے مسلک پر حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کو پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''امثال ھٰذہ الاخبار لھا ظواھر صحیحۃ واسرار خفیۃ ولٰکنھا عند ارباب البصائر واضحۃ فمن لم ینکشف لہ حقائقھا فلاینبغی ان ینکر ظواھرھا بل اقل درجات الایمان التسلیم والتصدیق فان قلت فنحن نشاھد الکافر فی قبرہ مدّۃ ونراقبہ ولانشاھد شیأمن ذٰلک فما وجہ التصدیق علیٰ خلاف المشاھدۃ فاعلم ان لک ثلٰث مقامات فی التصدیق بامثال ھٰذا احدھا وھو الاظھر والاصح والاسلم ان تصدق بانھا موجودۃ وھی تلدغ المیت لٰکنک لاتشاھد ذٰلک فان ھٰذہ العین لاتصلح لمشاھدۃ الامور الملکوتیۃ'' (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱، مترجم ص ۵۵)

ترجمہ: اس طرح کی احادیث اپنے ظاہر معانی پر وارد ہیں اور ان کے کچھ چھپے ہوئے حقائق بھی ہیں۔ گو وہ اہل بصیرت کے ہاں چھپے نہیں بالکل واضح ہیں۔ سو جس پر یہ حقیقتیں مخفی ہوں اسے نہ چاہئے کہ ان کے ظاہری معنی کا انکار کرے۔ کم از کم یہ تو کرے کہ ان پر ایمان لائے انہیں تسلیم کرے اور ان کی تصدیق کرے۔ اگر تجھے یہ خیال گزرے کہ ہم کافر مُردوں کو قبروں میں پڑے مدت سے دیکھ رہے ہیں۔ اور دھیان بھی رکھتے ہیں لیکن ان میں سے

(کہ جیسے انہیں سانپ کاٹ رہے ہوں) کسی بات کو ان میں دیکھ نہیں پاتے۔ تو اس کھلی کیفیت کے مقابلہ میں ہم ان احادیث کی تصدیق کیسے کریں؟ تو جان لے کہ تیرے ان روایات کی تصدیق میں تین مقام ہیں جن میں سے ایک یہ ہے اور وہی ظاہر معنی ہے اور وہی صحیح ہے اور وہی سلامتی والا ہے کہ تو تصدیق کرے کہ سانپ وغیرہ واقعی موجود ہیں اور وہ واقعی (اس گڑھے میں پڑی) میت کو ڈس رہے ہیں لیکن تو اسے دیکھ نہیں پاتا۔ کیوں اس دُنیا کی آنکھ امور ملکوتی (برزخ کے حالات) کو دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

حضرت شاہ صاحبؒ تاکید فرماتے ہیں کہ اگر ہم قبر میں ان حالات کا مشاہدہ نہ کر سکیں جن کی احادیث میں خبر دی گئی ہے تو انکار کے درپے ہرگز نہ ہوں بلکہ ان احادیث کے ظواہر پر ایمان لائیں اور یقین کریں کہ کافر میت کو واقعی سانپ کاٹ رہے ہیں۔ اگرچہ ہم اسے دیکھ نہیں پاتے۔ یہ کس میت کے بارے میں کہا جا رہا ہے؟ جو اس گڑھے میں پڑی ہے۔ آپ یہ ان لوگوں کے بارے میں جن کی قوت بہیمیہ قوی اور قوت ملکوتیہ کمزور ہوتی ہے فرما رہے ہیں اور زیادہ تر لوگ اسی قبیل کے ہیں: ''فلا يكون الموت انفكاكاً لنفوسهم عن الابدان بالكلية بل تنفك تدبيراً ولا ينفك وهمًا'' (حجۃ اللہ البالغہ)

ترجمہ: ان کی موت میں انفکاکِ روح عن البدن (روح کا بدن سے جُدا ہونا) کلی طور پر نہیں ہوتا۔ روح کا صرف تعلقِ تصرف (جس سے روح بدن میں تدبیر کرتی تھی) ختم ہوتا ہے تعلق توجہ ختم نہیں ہوتا (دھیان اس کا ادھر قائم رہتا ہے)

یہاں وہم سے مراد کوئی غیر موجود حقیقت نہیں۔ ورنہ شاہ صاحبؒ اس کا اعتبار کرتے ہوئے انفکاکِ روح عن البدن کی کلی نفی کا انکار نہ فرماتے۔ سو یہاں یہ لفظ تعلقِ توجہ کے معنی میں ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ بتلاتے ہیں کہ نسمہ جو روح اور بدن کے مابین ایک برزخی درجہ ہے اس کی ایک توجہ روح کی طرف ہوتی ہے اور دوسری بدن کی طرف اور وہ روح و بدن میں ایک رابطہ ہے۔ موت کے وقت نسمہ بدن سے جدا ہوتا ہے لیکن اس کا ایک رخ ادھر ضرور رہتا ہے۔ ہم اسے ایک برزخی تعلق کہہ سکتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: ''ولما كانت النسمة برزخاً متوسطاً بين الروح الالهي والبدن الارضي وجب ان يكون لها وجه الى هذا ووجه الى ذلك والوجه المائل الى القدس هو الملكية والوجه المائل الى الارض البهيمية'' (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱، ص ۶۷)

ترجمہ: اور جب نسمہ ایک برزخی چیز ہے جو روحِ الٰہی اور بدن ارضی کے مابین ہے تو ضروری ہے کہ اس کا ایک رخ ادھر روح کی طرف ہو اور ایک رخ ادھر بدن کی طرف ہو۔ اس کی جو جہت عالم قدس کی طرف جھکی ہو وہ ملکیت ہے اور جو جہت زمین کی طرف جھکی ہو وہ بہیمیت ہے۔

یہ ایک واقعی حقیقت ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاں عالم برزخ میں روح کا ایک تعلق (جس میں روح بدن میں نشو و نما کا کوئی تصرف نہ کرتی ہو) بدن ارضی سے ضرور قائم رہتا ہے۔ قاضی شمس الدین صاحب بھی اسے تسلیم کرتے ہیں: ''حضرت مرحوم نے عالم برزخ کا ایک سب سے کم درجے کا طبقہ ذکر فرمایا ہے جن کے ارواح کا تعلق ابدان کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں۔'' (مسالک العلماء ص ۵۸)

محترم قاضی صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ کم درجے کے لوگوں میں تو روح و بدن کا کچھ تعلق قائم ہے لیکن انبیاء علیہم السلام اور شہداءؒ کے دھڑ قبروں میں بالکل بے جان پڑے ہیں۔ اُن کی ارواح کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ روح و

بدن کا یہ علاقہ صرف چھوٹے لوگوں میں قائم ہوتا ہے ۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

قاضی صاحب کو یہ مغالطہ غالباً علامہ نسفیؒ کی عبارت سے لگا ہے جو علامہ سیوطیؒ نے اُن کی کتاب بحر الکلام سے نقل کی ہے۔ وہ واقعی نچلے طبقے کے بارے میں ہے: ''هي متصلة بأجسادها فتعذب الارواح وتتألم الاجساد'' (نقلا من شرح الصدور للسیوطی ص ۱۰۴)

ترجمہ: وہ ارواح ان کے اجساد سے متصل رہتی ہیں (اس اتصال سے عذاب جو ارواح کو ہو رہا ہے ابدان کی تکلیف بنتا ہے) ارواح عذاب پاتی ہیں اور ابدان تکلیف اٹھاتے ہیں۔

یہ تعلقِ اتصال ہے جو نہایت قریب کا تعلق ہے۔ کاملین کے لئے یہ تعلق اشراق کا ہے جس میں ارواح ملاِ اعلیٰ کی بلندیوں سے یا جہاں بھی وہ مصروف سیر ہوں ان کے ابدان پر تاثیر کرتی ہیں۔ نچلے طبقے کے لئے اتصال ہے اور کاملین کے لئے اشراق اور یہ اشراف ہے جس سے ابدان زندگی کا شرف پاتے ہیں۔ ہاں کوئی بزرگ اتصال کو اشراق کے معنی میں لیں تو یہ اس کی اپنی مراد ہوگی۔ اتصال اور اشراق دو مستقل حقیقتیں ہیں۔

یہاں ہم حیات شہداءؒ یا حیات انبیاء علیہم السلام سے بحث نہیں کر رہے۔ موضوع زیر بحث عذابِ قبر ہے۔ ہم صرف یہ کہہ رہے ہیں کہ ہمارے ان دوستوں کے بیان کے مطابق حضرت شاہ صاحبؒ نچلے طبقے کے لئے (اور اکثریت انہی کی ہوتی ہے) برزخ میں روح و بدن کے تعلق کے قائل ہیں۔ سو حضرت شاہ صاحبؒ بھی پچھلی گیارہ صدیوں میں آ ملے۔ جن کا متفقہ عقیدہ ہم آپ کے سامنے پیش کر آئے ہیں کہ قبر میں راحت والم صرف روح کے لئے نہیں بدن کے لئے بھی ہے۔ عذاب روح پر اترتا ہے اور بدن اس سے تکلیف پاتا ہے۔ جیسا کہ علامہ نسفیؒ نے بحر الکلام میں اس کی تصریح کی ہے۔

اب اگر ابدان کاملین کے لئے یہ تعلقِ اشراق آپ کو حضرت شاہ صاحبؒ کے کلام میں نہ ملے تو اسے دلیل انکار بنانا کسی طرح درست نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو آپ ۱۱۴۴ھ میں روضہ رسول پر مجاورت نہ کرتے اور آپ کو اس دوران وہاں جو مشاہدات ہوئے ان کا آپ کے ہاں کوئی ذکر نہ ہوتا۔ ان شاء اللہ العزیز ہم اس پر آگے چل کر بحث کریں گے۔ واللہ ولی التوفیق!

یہاں صرف یہ کہنا پیش نظر ہے کہ اگر ان حضرات کو عامہ اموات کے لئے تو یہ تعلق روح بالبدن (اتصال) حضرت شاہ صاحب کے کلام میں ملے اور کاملین کے لئے اشراق نہ ملے تو اسے دلیل انکار نہ بنائیں۔ جب ایک طبقے کے لئے ایک درجے کا یہ تعلق ان کے ہاں ثابت ہے تو دوسرے طبقے کے لئے ان کے حسب حال یہ تعلق کیوں نہ ہوگا۔ عدمِ ذکر کو یہاں ذکرِ عدم کے طور پر نہ لیا جائے اور اس بات کی گردان نہ کی جائے کہ حضرت شاہ صاحب کے کلام میں روح و بدن کے برزخی تعلق کا کہیں اشارہ تک نہیں ملتا۔

شہداء کی روحیں پرندوں کی صورت میں ہوں یا حواصلِ طیور میں ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب ان کا تعلق کسی اور بدن سے ہو ہی نہیں سکتا بدن کے عدم ذکر کو ذکرِ عدم کی دلیل نہ بنایا جائے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: ''لامانع من تعلقها ببدن برزخي مغائر لهذا البدن الكثيف'' (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۲۱)

ترجمہ: روح کا تعلق اس بدنِ کثیف (اس عنصری بدن) کے علاوہ اس کے مغایر کسی بدن برزخی سے بھی ہو تو اس میں کوئی امر شرعی مانع نہیں ہے۔

جب یہاں کوئی مانع شریعت میں موجود نہیں تو روح کا تعلق اگر بدن عنصری سے بھی کسی درجے میں مان لیا جائے تو اس کے لئے کون سی نص مانع ہے۔ پرندوں والی روایت سامنے رکھ کر اب بدن سے تعلق کی کلی نفی کرتے چلے جانا کوئی دانائی نہیں ہے۔

اب آیئے بارہویں صدی کے دائرہ علم و عرفان میں آئیں اور حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) کی طرف رجوع کریں۔ آپ اس مسئلہ میں کیا کہتے ہیں شرح عقائد نسفی کی شرح میزان العقائد میں لکھتے ہیں: ''فیعذب اللحم متصلا بالروح والروح متصلا بالجسد و کذا اذا صار ترابا یکون روحه بترابه والروح والتراب یتألمان'' (میزان العقائد ص ۹۸)

ترجمہ: سو اس گوشت پوست کو (اس عنصری بدن کو) روح کے اتصال سے عذاب ہوتا ہے اور روح کو بدن کے اتصال سے عذاب ملتا ہے اور اگر میت کا بدن ریزہ ریزہ ہو جائے تو اس کی روح مٹی کے ان ذروں سے متصل ہوگی اور روح اور یہ ذرات بدن دونوں عذاب قبر کی تکلیف اٹھائیں گے۔

عقائد سنت کا اثبات اور رافضیوں کا ابطال حضرت شاہ صاحبؒ کا خاص موضوع رہا ہے۔ روافض عذاب قبر کی بجائے عذاب رجعت کے قائل ہیں کہ ایک دفعہ پھر اسی دنیا میں آنا ہے۔ اور مجرموں نے اس کا عذاب یہاں پانا ہے سو جس طرح انہوں نے توحید کے ساتھ عدل، رسالت کے ساتھ امامت کی اختراع کی، آخرت کے ساتھ رجعت کا مقدمہ لگایا۔ روافض اہل سنت کے عقیدہ عذاب قبر پر اسی طرح برستے ہیں جس طرح دیگر اقوام ہند......

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ان کے اعتراض نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ہم ایک شخص کو زمین پر مرا پڑا دیکھتے ہیں یا کسی کو مدتوں صلیب پر لٹکا پاتے ہیں یہاں تک کہ اس کے اجزائے بدن سب منتشر ہو گئے اور اس میں زندگی قیام وقعود اور حرکت اور سوال و جواب کی کوئی بات نہ پائی گئی۔''

آپؒ اس کے جواب میں لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ روح آں میت را بقدر یکہ ادراک وتالم وتلذذ ازو حاصل شود بہ بدنے از ابدان عنصریہ یا مثالیہ مخترعہ متعلق مے سازد وایں کار سرانجام مے فرماید ومحسوس نبودن ایں حرکات دلالت بر عدم وقوع آنہا نمے کند زیرا کہ ذوات اشخاص ملائکہ وجن را بحواس ادراک نمے کنیم چہ جائے کہ حرکات معہذا واقع است بلاشبہ عند المسلمین۔'' (تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۸۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس میت کی روح کو اس درجے میں کہ وہ اس سے تکلیف وراحت پاسکے کسی عنصری بدن یا کسی مثالی بدن سے جو اسی کے لئے بنا ہو جوڑ دیتے ہیں اور اس کام کو (عذاب قبر کو) پورا فرماتے ہیں اور ان حرکات کا ہمیں دکھائی نہ دینا ان کے مواقع نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ ہم فرشتوں اور جنات کی شخصیات کا بھی تو اپنے حواس سے ادراک نہیں کر پاتے چہ جائیکہ ان کی حرکات کو، حالانکہ یہ سب حقائق تمام اہل مذاہب کے ہاں مسلمات میں سے ہیں۔

یہاں آپؒ نے ابدان عنصریہ اور ابدان مثالیہ دونوں کی گنجائش رکھی ہے جن کو آپ جواب دے رہے ہیں ان کی نظر میں بعض صوفیوں کے ہاں ابدان مثالیہ کے اقوال موجود ہوں گے۔ آپ نے ہر پہلو کو ملحوظ رکھتے ہوئے

رافضیوں کو کلامی انداز میں جواب دیا ہے لیکن آگے چل کر آپ اسی بات پر آجاتے ہیں جو اہل سنت کا مختار ہے۔ آپؒ مذکورہ عبارت کے چند سطر بعد لکھتے ہیں: ”خدا تعالیٰ قادر است برآنکہ...... روح آں میت را باوصف تعلقے کہ بہ بدن خود پیدا کردہ منعم ومعذب کردہ اند۔“ (ایضا)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اس میت کی روح کو اس تعلق سے جو اس کا اپنے (عنصری بدن سے) قائم ہے (قبر میں) نعیم وعذاب دے۔

پھر ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں ارواح انبیاء واولیاء کا مقر علیین ہے۔ لیکن ان ارواح کا اپنی قبروں سے بھی ایک تعلق ہوتا ہے جس سے وہ زائرین اور اپنے جاننے والوں کے آنے سے مستانس ہوتے ہیں (ان سے انس پاتے ہیں) آپؒ لکھتے ہیں: ”تعلقے بہ قبر نیز ایں ارواح را مے باشد کہ بہ حضور زیارت کنندگان واقارب ودیگر دوستاں بر قبر مطلع ومستانس مے گردند، زیرا کہ روح را قرب وبعد مکانی مانع ایں دریافت نمے شود۔“

(فتاوے عزیزی پ ۳۰ ص ۱۲۵)

ترجمہ: ان روحوں کا اپنی قبروں سے بھی ایک تعلق ہوتا ہے جس سے وہ زیارت کے لئے آنے والوں اور اپنے اقارب اور دوستوں کی حاضری کو پہچانتے ہیں اور مانوس ہوتے ہیں...... یہ اس لئے کہ روح کا مکانی قرب وبعد اس دریافت میں مانع نہیں ہوتا۔

پھر ایک جگہ ہندوؤں کو جواب دیتے ہوئے کہ مردوں کو جلانا صحیح طریقہ نہیں، دفن کرنا ہی درست ہے لکھتے ہیں: ”در دفن کردن چوں اجزائے بدن بتمامہ یکجا مے باشد علاقہ روح با بدن از راہ نظر وعنایت بحال مے ماند و توجہ روح بزائرین ومستانسین ومستفیدین بسہولت مے شود کہ بہ سبب تعیین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین است“ (ایضا ص ۶۱)

ترجمہ: میت کو دفن کرنے میں تمام اجزائے بدن یکجا رہتے ہیں روح کا تعلق بدن سے از راہِ نظر وعنایت بحال رہتا ہے اور روح کی توجہ زیارت کرنے والوں اور مستفیض ہونے والوں پر بڑے آرام سے ہوتی ہے۔ بدن کی جگہ کے معین ہونے کے باعث گویا روح کو بھی ایک مقام معین مل گیا ہے۔

روح کا یہ تعلق کس بدن سے ہوتا ہے بدن عنصری سے یا کسی بدن مثالی سے؟ اس کا جواب بھی حضرت شاہ صاحبؒ سے لیں: ”ارواح را تعلق بہ بدن خود کہ در قبر مدفون است البتہ مے باشد زیرا کہ مدت دراز دریں بدن بودہ اند۔“ (فتاوے عزیزی ج ۲، ص ۳۴)

ترجمہ: ارواح کا تعلق اپنے بدن سے جو قبر میں مدفون ہوتا ہے قائم رہتا ہے کیونکہ ارواح مدتوں (اس دنیا میں) ان بدنوں میں رہ چکی ہیں۔

اور پھر لکھتے ہیں: ”ثابت شد کہ روح باقی است واو را تعلقے خاص با جزاء بدن بعد مفارقت از وے وتغیر کیفیت وے نیز باقی است کہ بداں علم وشعور بزائران قبر واحوال ایشاں دارد۔“ (ایضا ج ۲ ص ۱۰۸)

ترجمہ: اور یہ بھی پتہ چلا کہ روح باقی ہے اور اس کا بدن سے مفارقت اور کیفیت کے تغیر کے باوجود اجزائے بدن سے ایک خاص تعلق قائم رہتا ہے اور تعلق سے قبر پر آنے والوں کو اور ان کے حالات کو جانتی اور پہچانتی ہے۔

شیعہ اہل سنت کے اس عقیدے کے مقابل عذاب رجعت کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ اونچے درجے

کے لوگ اور نہایت درجے کے مجرمین ایک دفعہ پھر اس دنیا میں لوٹیں گے اور ان کی یہ زندگی اس عالم دنیا میں ہوگی۔ یہ اس طرح کی دوبارہ زندگی ہوگی جو حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال کے بعد پھر جی اٹھنے پر ملی تھی اور یہ بالکل دنیوی زندگی تھی۔ رجعت میں عالم برزخ کا نہیں دنیا کا سامنا ہوگا اور اس میں روح اور بدن کا وہی حقیقی تعلق ہوگا جو ہم اب اس دنیا میں محسوس کرتے ہیں یا جسے حضرت عزیر علیہ السلام نے دوبارہ زندہ ہو کر محسوس کیا تھا۔

شیعہ علماء نے اپنی کتابوں میں اپنے اس عقیدہ رجعت پر بڑی بحثیں کی ہیں۔ شریف مرتضیٰ (۴۳۶ھ) نے مسائل ناصریہ میں لکھا ہے زمان مہدی میں ابوبکر و عمر کو پھر سے زندہ کیا جائے گا۔

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۴۲ فارسی، ص ۴۹۹ ص ۵۰۱ اردو)

اور ملا باقر مجلسی نے حق الیقین (طبع ایران) ص ۳۸۴ سے آگے کئی صفحات تک اس پر مفصل بحث کی ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ان کے خلاف عقابی نظر رکھتے تھے۔ آپ نے اہل سنت کے عقیدہ عذاب قبر کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ عالم برزخ میں روح کا اس عنصری بدن سے اس طرح کا تعلق نہیں ہوتا جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔ وہاں روح اور بدن کا ایسا تعلق ہے جو زیر پردہ ہے یہ کوئی کھلی زندگی نہیں جسے دوسرے بھی دیکھ سکیں۔ یہ ایک نہایت لطیف ربط ہے جو روح کو بدن سے ملاتا ہے۔

قبر میں اعادہ روح بھی اس طرح کا نہیں جس طرح حضرت عزیر علیہ السلام کو اس دنیا میں حاصل ہوا تھا۔ وہاں یہ صرف اس درجے میں ہے کہ میت کا علم و شعور لوٹ کر آئے اور وہ سوالوں کا جواب دے سکے یا پھر وہ وہاں کے الم وراحت کا ادراک کر سکے۔ یہ ادراک اسی بدن (یا اس کے ذرات) کے واسطہ سے ہوتا ہے۔ بدن روح کے لئے بمنزلہ آلہ ہے جس سے کسی تکلیف یا راحت کا ادراک ہو سکتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہاں کے حالات کو اس دنیا کے حالات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا...... آنحضرت ﷺ نے جو کچھ فرما دیا یا اس دین قیم کی جو وضاحتیں حضرات صحابہ کرامؓ اور ائمہ دین نے کیں اسے اسی طرح ماننا اور اسے اپنے عقیدے کا حصار جاننا ہمارے ذمہ ہے۔

دنیا اور برزخ میں ایک یہ فرق بھی ہے کہ یہاں کے امور اولاً بدن پر وارد ہوتے ہیں اور روح اس کے ذیل میں الم یا راحت پاتی ہے۔ اس کے لئے بدن کی بقا اور یکجا سلامتی ضروری ہے۔ عالم برزخ میں اصل واردات روح پر ہوتی ہیں بدن یا اجزائے بدن اس کے ذیل میں الم وراحت پاتے ہیں سو وہاں عذابِ قبر کے لئے بقائے بدن یا بدن کی سلامتی ضروری نہیں۔ شاہ صاحبؒ نے یہ بات اس عالم کے مناسب کہی ہے۔ یہ نہیں کہ روح کا اس بدن سے کوئی علاقہ ہی نہیں رہا۔ ہاں وہ علاقہ جو پہلے اس بدن سے تھا اس کا انقطاع ہو چکا ہے۔ آپؒ شیعہ کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''در قبر احیاء و اماتت حقیقیہ نیست بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلقے پیدا مے شود کہ تغذیہ و تنمیہ بدن ہمراہ آں نمے باشد تا معنی حیات متحقق باشد۔'' (تفسیر عزیزی پ ۲۹، ص ۱۳۳)

ترجمہ: قبر میں میت کو زندہ کرنا اور مارنا ایسی حقیقی صورت میں نہیں ہوتا کہ اس کے لئے غذا کا تقاضا اور بدن کا نشوونما ہو، یہ ہو تو حیات کے حقیقی معنی متحقق ہوتے ہیں یہاں صرف یہ ہے کہ روح کی شعاعوں کے انعکاس سے بدن سے ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔

یعنی اتنی حیات قبر کے سوال و جواب اور نعیم و عذاب کے لئے کافی ہے گو یہ حیات غذا اور نشوونما والی نہ ہو۔ پھر آپ کا یہ کہنا کہ معذب روح ہے نہ کہ بدن...... حضرت شاہ صاحبؒ کی دیگر تصریحات کی روشنی میں اس کا

مطلب بھی یہ سمجھا جائے گا کہ براہ راست عذاب روح پر ہے بدن پر نہیں ...... کہ اس کے لئے بدن کی سلامتی شرط ٹھہرے۔ اس کا یہ مطلب نہ سمجھا جائے گا کہ اب اس عذاب کا اس بدن یا اس کے ذرات منتشرہ سے کوئی برزخی علاقہ بھی نہیں ہے...... کسی مصنف کی عبارت کی تشریح اس کے اپنے عقائد اور بیانات کی روشنی میں ہی ہونی چاہئے۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے جو وجہ لکھی ہے اس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ بدن کی سلامتی عذاب قبر کے لئے لازمی نہیں۔

''معذب روح است نہ بدن تا بقائے بدن شرط تعذیب باشد''

ترجمہ: معذب (اصالۃ) روح ہے نہ کہ بقائے بدن اس عذاب کے لئے ضروری ہو۔

اب اگر کوئی مجاہد اس آخری عبارت کو اس کی تشریح کے بغیر حضرت شاہ صاحبؒ کا مؤقف قرار دے اور سمجھے کہ میں نے میدان مار لیا ہے اور ان صریح عبارتوں کو ایک نظر سے بھی نہ دیکھے جو ہم پہلے پیش کر آئے ہیں تو وہ خود سوچے کہ اللہ رب العالمین کے حضور اسے کیسے اپنے جہل کا عذر پیش کرنا ہوگا یا خیانت کا اقرار کرنا ہوگا؟ یہ تو کرامیہ کا عقیدہ ہے کہ وہ اپنے مسلک کی خاطر جھوٹ بولنا جائز سمجھتے ہیں آپ دیوبندی کہلاتے ہوئے ان کے جال میں کیسے پھنس گئے؟

ان کنت لا تدری فتلک مصیبة وان کنت تدری فالمصیبة اعظم

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ) کے جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) کا مؤقف آپ کے سامنے آچکا ہے۔ آپ نے شیعہ کے عقیدہ رجعت کی تردید کرتے ہوئے قبر کی زندگی کو اس دنیا کی سی نہیں بتلایا تاہم اہل سنت کے اس عقیدے کی بھی پوری حفاظت کی ہے جو اسلام کی بارہ صدیوں کے اہل حق کی متفقہ آواز تھی کہ عذاب قبر برحق ہے اور یہ روح اور بدن (یا ذرات بدن) دونوں کو شامل ہے اگر کہیں بدن مثالی کو بھی راہ دی جائے تو بھی بدن اصلی کو برزخ کی ان واردات سے کلی طور پر فارغ نہیں کیا جا سکتا۔

اب آیئے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے تلمیذ رشید حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) کے مسلک کو بھی دیکھتے جائیں۔ یہ آپ تیرہویں صدی سے گزر رہے ہیں اور یہ اس وقت کے اہل سنت کی متفقہ آواز ہے۔

آپ حضرت براء بن عازبؓ کی روایت کردہ حدیث کہ قبر میں روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے اور یہ کہ مومنوں کی روحوں کا مقر علیین ہے تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وجه التطبيق ان مقر ارواح المؤمنين فى علّيين او فى السماء السابعة ونحو ذلک کمامر و مقر ارواح الكفار فى سجين ومع ذلک لکل روح منها اتصال بجسد فى قبره لايدرک کنهه الا الله تعالىٰ وبذلک الاتصال يصح ان يعرض على الانسان المجموع المركب من الجسد والروح مقعده من الجنة او النار ويحس اللذة أو الألم ويسمع سلام الزائر ويجيب المنكر والنكير و نحو ذلک مما ثبت بالكتاب والسنة... قال النسفى فى بحر الكلام هى متصلة بأجسادها منها كالشمس فى السماء ونورها فى الارض'' (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۲۵)

ترجمہ: وجہ تطبیق یہ ہے کہ مومنین کی روحوں کا مقر علیین میں ہے یا ساتویں آسمان میں اور اسی طرح کہیں ہو جیسا کہ گزرا اور کافروں کی روحوں کا مقر مقام سجین ہے اس سب کے باوجود ہر روح کا اپنے قبر میں رکھے بدن سے بھی ایک تعلق ہے جس کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور اسی تعلق سے یہ درست ہے کہ انسان پر جو جسم اور روح سے مرکب ہے اس کا ٹھکانہ جنت یا دوزخ کا پیش ہوتا رہے اور اسی حیات سے وہ قبر کے نعیم اور عذاب کو محسوس کرتا

رہے۔ زائرین کے سلام کرنے اور منکر ونکیر کے سوالوں کا جواب دے اور اس طرح کی اور باتیں جو کتاب وسنت سے ثابت ہوئی ہیں۔

علامہ نسفیؒ بحر الکلام میں لکھتے ہیں ارواح اپنے اجساد سے اسی طرح متصل ہیں جیسے سورج باوجودیکہ آسمان میں ہوتا ہے مگر اس کی روشنی زمین میں وسیع پھیلی ہوتی ہے۔

یہ صرف قارہ ہند کی بات نہیں علامہ ابن عابدین شامی (۱۲۵۲ھ) بھی اسی صدی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپؒ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ولا یرد تعذیب المیت فی قبرہ لانہ توضع فیہ الحیوۃ عند العامۃ بقدر ما یحس بہ الألم والبنیۃ لیست بشرط عند اھل السنۃ بل تجعل الحیوۃ فی تلک الاجزاء المتفرقۃ لایدرکھا البصر'' (ردالمحتار ج ۳،ص ۲۰۱)

ترجمہ: اور میت کے عذاب قبر کا انکار نہ کیا جائے کیونکہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک اس میں اس قدر حیات رکھ دی جاتی ہے کہ وہ اس عذاب کو محسوس کر سکے اور عذاب کے لئے بدن کا یکجا ہونا اہل سنت کے نزدیک شرط نہیں ہے اس صورت میں (بدن کے ریزہ ریزہ ہونے کی صورت میں) زندگی اجزائے متفرقہ میں رکھ دی جاتی ہے اور یہاں کی آنکھ اس عذاب کو دیکھ نہیں پاتی۔

یہاں حیات کی نوع سے بحث نہیں۔ اتنا مان لیجئے کہ قبر میں میت کو اتنی حیات ضرور حاصل ہوتی ہے کہ وہ عذاب قبر کو پا سکے۔

''قال أھل السنۃ والجماعۃ عذاب القبر حق وسؤال المنکر والنکیر حق وضغطۃ القبر حق ... فیعذب اللحم متصلا بالروح متصلا بالجسم فیتألم الروح مع الجسد'' (شامی باب الجمعہ ج ۱ ص ۶۱۰)

ترجمہ: اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں کہ عذابِ قبر اور منکر ونکیر کا سوال برحق ہے اور قبر کا دباؤ بھی برحق ہے ...... جسد کو عذاب روح کے اتصال سے ہوتا ہے اور جسم بھی اس کے ساتھ شامل ہوتا ہے اور روح جسد کے اتصال سے تکلیف کا احساس کرتی ہے (اور یہی عذاب قبر ہے)

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) بھی اسی دور کے ہیں۔ آپ اس مسئلے کی روشنی میں کہ دفن کے بعد وہاں دعائے مغفرت کرنی چاہئے اور اللہ سے میت کی ثابت قدمی مانگنی چاہئے کہ وہ صحیح جوابات دے پائے، احادیث پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''فیہ مشروعیۃ الاستغفار للمیت عند الفراغ من دفنہ وسؤال التثبیت لہ لانہ یسئل فی تلک الحال وفیہ دلیل علیٰ ثبوت حیاۃ القبر وقد وردت بذلک احادیث کثیرۃ بلغت حد التواتر وفیہ ایضا دلیل علی ان المیت یسئل فی قبرہ وقد وردت بہ ایضا احادیث صحیحۃ فی الصحیحین وغیرھما وورد ایضا مایدل علی ان السوال فی القبر المختص بھذہ الامۃ کمافی حدیث زید بن ثابت عند مسلم ان ھذہ الامۃ تبتلی فی قبورھم وبذلک جزم الحکیم الترمذی'' (نیل الاوطار ج ۴، ص ۱۳۹)

ترجمہ: اس میں میت کے دفن سے فارغ ہونے کے بعد اس کے لئے دعائے مغفرت کی مشروعیت اور اس کے لئے ثابت قدمی کی استدعا ہے کیونکہ اس وقت اسے پوچھا جا رہا ہوتا ہے...... اور اس میں حیات قبر کا ثبوت ہے اور اس پر اس کثرت سے احادیث وارد ہیں کہ وہ تواتر تک پہنچتی ہیں ...... اور اس میں اس کی بھی دلیل ہے کہ میت سے قبر میں سوال ہوتے ہیں اور اس پر بھی صحیحین اور دوسری کتابوں میں صحیح احادیث موجود ہیں اور یہ بھی وارد

ہے کہ قبر میں سوال ہونا اس امت سے مختص ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت زید بن ثابتؓ سے مروی ہے کہ اس امت کے لئے قبر کی ایک آزمائش ہے۔ حکیم ترمذیؒ بڑے جزم سے اس کے قائل ہیں۔

یہاں یہ بات خاص طور پر سامنے رہے کہ قاضی صاحب کے ہاں حیات فی القبر کا ثبوت حد تواتر کو پہنچتا ہے اور یہ بات اہل علم سے مخفی نہیں کہ اسلام میں تواتر سے ہونے والے امور کا انکار قطعیات اسلام کا انکار ہے۔

قاضی شوکانیؒ نے دفن کے بعد قبر کے پاس ٹھہرنے اور میت کے لئے دعا کو صرف مشروعیت کی سند دی ہے۔ شافعیہ کے ہاں اسے سنت کا درجہ حاصل ہے۔ فقہ شافعی کی مشہور کتاب منہاج میں ہے: ''ویسن ان یقف جماعة بعد دفنه عند قبره ساعة یسئلون له التثبیت'' (منہاج ج۱، ص ۴۲۴)

ترجمہ: اور مسنون ہے کہ ایک جماعت میت کو دفن کرنے کے بعد اس کی قبر کے پاس ٹھہری رہے جو اس کے لئے (میت کے لئے) ثابت قدمی کی دعا مانگتے رہیں۔

منہاج کی شرح زاد المحتاج (ج ۴، ص ۴۲۴) میں اس پر صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت عمرو بن العاصؓ کی یہ وصیت نقل کی گئی ہے: ''اذا دفنتمونی فاقیموا بعد ذلک حول قبری ساعة قدر ما تنحر جزور ویفرق لحمها حتی أستأنس بکم'' (صحیح مسلم ج۱، ص ۱۱۲)

ترجمہ: جب تم مجھے دفن کر چکو تو اس کے بعد میری قبر کے گرد اتنا وقت ٹھہرو جتنے میں ایک اونٹ نحر کر کے اس کا گوشت بانٹا جا سکے (اتنا وقت اس لئے ٹھہریں) کہ میں تم سے مانوس ہوں۔

قاضی شوکانیؒ نے جو بات کہی ہے کہ سوال فی القبر اور وہاں کا عذاب گو وہ ادنی ہو اس امت کی خصوصیت ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی رائے بھی یہی ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: ''اخبر النبی ﷺ ان عذاب امته فی قبورهم'' (حجة اللہ البالغہ ج ص، مترجم ص ۱۰۷)

ترجمہ: نبی ﷺ نے خبر دی ہے کہ آپ کی امت کا عذاب ان کی قبروں میں ہے۔

اب آگے چلیں۔ عمدة المحققین حضرت علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) بھی اسی صدی کے ہیں۔ آپؒ لکھتے ہیں: ''واختلف فی هذه الحیوة فذهب کثیر من السلف الی انها حقیقیة بالروح والجسد ولکنا لا ندرکها فی هذه النشأة'' (روح المعانی ج ۲، ص ۱۷)

ترجمہ: اور اس قبر کی حیات میں اختلاف ہے سلف صالحین کی اکثریت اس طرف ہے کہ یہ روح وجسد کے ساتھ حیات حقیقی ہے لیکن ہم اسے اس دنیا میں دیکھ نہیں پاتے۔

حیات حقیقی ہو یا کسی اور نوع کی ہو حیات حیات ہے اور اسی سے میت کو عذاب قبر ہوتا ہے۔

''والجمهور علی عود الروح الی الجسد او بعضه وقت السؤال علی وجه لا یحس به اهل الدنیا الا من شاء اللہ تعالیٰ منهم۔'' (روح المعانی ج ۲۲، ص ۵۷)

ترجمہ: اور جمہور اہل اسلام اس کے قائل ہیں کہ روح سوال کے وقت بدن کی طرف یا اس کے بعض حصہ کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور یہ ایسے انداز پر ہوتا ہے کہ اہل دنیا اسے محسوس نہیں کر سکتے۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اہل دنیا میں سے کسی پر یہ باطن کھول دے۔

علامہ آلوسیؒ نے ان اجساد کی بحث میں جو یکجا نہ رہے ہوں اور متفرق جگہ پھیل چکے ہوں ایک یہ بات کہی ہے کہ اس کے جواب میں یہ موقف اختیار کرنا کہ اللہ تعالیٰ ان سب اجزاء کو پھر ایک جا کر دے گا اور اس پر برزخ کی واردات ہوں گی یہ کوئی مسئلے کا رخ نہیں ہے۔ جب ہم اسے (روح کو) کسی اور برزخی بدن سے متعلق کر سکتے ہیں تو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم اس کے نئے سرے یکجا ہونے کا قول کریں۔

علامہ آلوسیؒ نے یہ بات صرف ان ابدان کے بارے میں کہی ہے جو ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں اور وہ بھی صرف ایک سوال کا جواب دینے کے لئے اور آپ نے تعبیر بھی ایسی اختیار کی کہ بدن کے یکجا ہونے کا موقف اختیار کرنے کی کیا ضرورت پڑی ہے جب اس کا ایک اور حل ممکن ہے تو ہم اس پیچیدگی میں کیوں پڑیں۔ یہ ترتیب کلام بتاتی ہے کہ یہاں علامہ آلوسیؒ محض ایک کلامی انداز میں بات کر رہے ہیں ورنہ عقیدہ ان کا وہی ہے جسے آپ دوسرے مقامات پر زیادہ واضح انداز میں کہہ آئے ہیں۔ آپ نے مذکورہ بات اسی انداز میں کہی ہے کہ وہ منکرین پر حجت ہو سکے اور جس طرح بھی ہو وہ عذاب قبر اور سوال قبر کے عقیدہ پر آسکیں۔

”اما القول بحياة هذا الجسد الرميم مع عدم بنية و تفرق اجزائه و ذهاب هيئة و ان لم يكن ذلك بعيدا من قدرة من يبدء الخلق ثم يعيده لكن ليس اليه كثير حاجة و لا فيه مزيد فضل و لا عظيم منة“

(روح المعانی ج ۲، ص ۲۱)

ترجمہ: اور اس ریزہ ریزہ ہوئے جسم میں یکجا نہ ہونے کے باوجود حیات کا عود کر آنا اگرچہ اللہ رب العزت کی قدرت سے بعید نہیں جو پہلی تخلیق بخشتا ہے اور پھر اسے لوٹائے گا لیکن یہ موقف اختیار کرنے کی ہمیں کوئی زیادہ ضرورت نہیں نہ اس میں کوئی خاص فضیلت ہے نہ کوئی بڑا احسان (کیونکہ قبر کا سوال و جواب اور اس کا نعیم وعذاب ایک دوسری صورت میں بھی قائم ہو سکتا ہے)

یہ پیرایہ بیان کیا مسئلے کی صورت واضح کرتا ہے یا یہ محض ایک کلامی انداز جواب ہے یہ آپ فیصلہ کریں۔

عقیدہ کے بیان میں آپ نے جو پیرایہ اختیار فرمایا ہے وہ یہ ہے: ”اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا يختص بجزء دون جزء بل هى متصلة مشرقة على سائر اجزائه الاصلية لانها التى يقوم بها الانسان من قبره يوم القيمة على ما اختاره جمع و اعلم ايضا ان الروح على القول بتجردها لا مستقر لها بل لا يقال انها داخل العالم او خارجه كما سمعت و انما المستقر حينئذ البدن الذى تتعلق و قد نص بعض الصوفية على انه لا مانع من ان تتعلق نفس ببدنين فاكثر بل هو واقع عندهم و ذكر بعضهم ان احد البدنين هو البدن الاصلى و الآخر مثالى يظهر للعيان على وجه خرق العادة“ (ایضاً ج ۱۵ ص ۱۶۳)

ترجمہ: جان لو کہ روح کا بدن سے اتصال کسی ایک حصہ بدن سے مختص نہیں بلکہ یہ بدن کے سارے اجزائے اصلیہ سے متصل اور اس پر پرتو انداز ہے کیونکہ وہ اجزائے اصلیہ ہی ہیں جن کے ساتھ انسان قیامت کے دن اپنی قبر سے اٹھے گا بہت سے لوگوں کا یہی کہنا ہے اور یہ جانو کہ روح کا بصورت اس کے تجرد کے اعتقاد کے معین ٹھکانہ نہیں، یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس عالم میں ہے یا اس عالم سے خارج ہے جیسا کہ تم نے سنا، اس صورت میں اس کا مستقر وہ بدن ہوگا جس سے وہ متعلق ہے، اور بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اس میں کوئی عقلی رکاوٹ نہیں کہ ایک

روح دو بدنوں یا ان سے بھی زیادہ ابدان سے متعلق ہو بلکہ (ان کے ہاں) ایسا واقع بھی ہے، اور بعض صوفیہ نے کہا کہ دو بدنوں میں ایک بدن اصلی (دنیا والا) ہے اور دوسرا مثالی، جو کبھی خرق عادت کے طور پر لوگوں کو نظر آتا ہے۔

چودھویں صدی کی شہادت

اب آیئے ہم آپ کو چودھویں صدی میں لے چلیں۔ اس صدی کے اکابر علماء میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ (۱۳۳۹ھ)، حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ (۱۳۴۶ھ)، مفتی عزیز الرحمنؒ (۱۳۴۶ھ)، امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۲ھ)، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۲ھ) اور مفتی اقلیم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ (۱۳۷۲ھ) سرفہرست ہیں۔ ان بزرگوں کے وقت میں دیو بند کے مفتی عزیز الرحمنؒ (۱۳۴۶ھ) تھے۔

جماعت اہل حدیث میں نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) اور مولانا نذیر حسین دہلوی (۱۳۲۰ھ) اس دور کے اکابر علماء میں سے سمجھے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۲ھ): ''ثم السؤال عندی یکون بالجسد مع الروح''
(فیض الباری ج ۴ ص ۱۸۵)

ترجمہ: قبر کے یہ سوال میری تحقیق کے مطابق جسد سے ہوتے ہیں جس کے ساتھ روح شامل ہے۔

''فان البدن بدون الروح جماد لاحراک له والروح بدون البدن معطلة عن الافعال فاحتاج احدهما الی الآخر فلما اشترکا فی الکسب اشترکا فی الاجر اد الوزر'' (ایضاً ص ۱۱۵)

ترجمہ: بدن بغیر روح کے ایک جمادی چیز ہے جس میں حرکت نہیں ہوتی اور روح بغیر بدن کے عمل سے خالی ہے ان دونوں میں سے ایک دوسرے کا محتاج ہے پس جب یہ دونوں کسب عمل میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہیں تو یہ دونوں (نیک اعمال کے) اجر اور (برے اعمال کی) پکڑ میں بھی شریک ہونے چاہئیں۔

''ثم لاحاجة فی إثبات عذاب القبر الی ما قاله الصوفیة ان العذاب علی البدن المثالی دون المادی و حینئذ لابعد ان لم نشاهد احدا یعذب فی قبره فان الا سهل ان یقال انه من عالم الغیب واقامة الدلائل العقلیه علیه جهل و من یطیق ذلک'' (ایضاً ج ۲، ص ۴۷۶)

ترجمہ: عذاب قبر ثابت کرنے کے لئے اس طرف جانے کی حاجت نہیں جو صوفیہ کرام نے تجویز کی ہے کہ عذاب کسی بدن مثالی پر ہوتا ہے اس دنیا والے مادی بدن پر نہیں اور اس صورت میں (بدن مثالی کی تجویز پر) استبعاد نہیں رہتا۔ اگر ہم کسی کو قبر میں عذاب پاتے نہ دیکھ سکیں اس سے زیادہ سہل بات تو یہ ہے کہ اسے عالم غیب کا ایک عمل کہیں (جو ہماری نظر سے اوجھل ہے) اور عالم غیب کی حقیقتوں پر دلائل عقلیہ قائم کرنا یہ خود ایک جہالت ہے اور ایسا کر بھی کون سکتا ہے۔

فیصلہ مفتی اعظم دیو بند حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب عثمانیؒ (۱۳۴۶ھ): (۱) قبر میں بھی روح کا تعلق رہتا ہے اور مستقر اصلی اس کا علیین ہے یا سجین۔ (۲) عذاب روح پر مع الجسم ہوتا ہے۔

(فتاوی دار العلوم دیو بند ج ۵ ص ۴۲۷ مطبوعہ دیو بند)

حضرت مولانا حسین علی صاحب (۱۳۶۲ھ): اس بات پر کہ قبر کے سوال کے وقت روح بدن میں عود کرتی ہے اور تعلق ہمیشہ رہتا ہے گو بدن ریزہ ریزہ اور متفرق و منقسم ہو چکا ہو احادیث متواتر وارد ہیں۔

(تحریرات حدیث ص ۲۵۷)

یہ چودہ سو سال کی شہادت آپ کے سامنے ہے ہم نے ہر صدی کے علماء کے بیانات آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ سنت الٰہی یہ رہی ہے کہ سو سال سے زیادہ اس امت میں کسی غلطی کو قرار نہیں دیا جاتا، نہ امت کو اس پر رہنے دیا جاتا ہے۔ اس امت میں صدی وار مجدد ین آتے ہیں جو اس کے دین کو بیرونی آمیزشوں سے پاک کرتے رہتے ہیں سو جو شہادت چودہ سو سال سے ایک ہی نہج پر آرہی ہو اور جمہور علمائے اسلام اس بات پر متفق ہوں کہ عذاب قبر برحق ہے اور یہ بدن اور روح دونوں کو شامل ہے اور کہیں بدن مثالی ہو بھی تو اس عذاب یا راحت کو اس بدن عنصری سے بالکل لاتعلق نہیں رکھا جا سکتا اور ان واردات برزخی میں جملہ اموات ایک ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں: ''احادیث متواترہ اند برآنکہ عودے کند روح بسوئے بدن وقت سوال وایں تعلق ہمیشہ میماند اگرچہ جسد جان دریدہ متفرق و منقسم گردد'' (التنکیت ص ۳۳)

ترجمہ: روح بوقت سوال بدن میں آتی ہے اس پر احادیث متواترہ وارد ہیں اور یہ تعلق بعد میں بھی رہتا ہے۔

''و جملہ اموات از مومنین و کفار از حصول علم و شعور و ادراک وسماع وعرض اعمال ورد جواب بر زائر برابر اند تخصیص بانبیاء و صلحاء نیست۔''

ترجمہ: جملہ اموات خواہ مومن ہوں یا کافر برزخ کے علم و شعور اور ادراک وسماع اور عرض اعمال میں اور زائر کے سلام کا جواب دینے میں برابر ہیں۔ برزخ کی زندگی میں انبیاء و صلحاء کی تخصیص نہیں۔

برزخ کی یہ حیات سب کو حاصل ہے گو ہر ایک کی یہ حیات اس کے اپنے حالات اور مقامات کے مطابق ہو۔ امید ہے نواب صاحب کی اس تصریح کے بعد غیر مقلد حضرات مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) کے اس بیان کو کوئی اہمیت نہ دیں گے۔

ہم نے اب تک یہاں جو بحث کی ہے وہ عذاب قبر کے باب میں اس عقیدے کو شامل ہے کہ قبر کا یہ عذاب یا اس کی راحت روح اور اس کے جسد عنصری دونوں کو شامل ہے۔ اللہ رب العزت جسد میت میں ایک ایسی برزخی حیات پیدا کر دیتے ہیں جس سے وہ قبر کے الم ولذت کا ادراک کر سکے۔

یہ حیات روح کے تعلق سے قائم ہوتی ہے یا اعادہ روح سے یہاں دونوں صورتوں کی گنجائش ہے جو چیز مطلوب ہے وہ اس بدن عنصری کی اس درجہ کی حیات ہے کہ اس پر عذاب قبر یا اس کی راحت مرتب ہو سکے وہ جس راہ سے بھی ہو۔ اہل سنت کو کسی ایک پر اصرار نہیں۔

ہاں مطالعہ کتب سے ہمیں دونوں مسلک ملتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی اہل سنت سے باہر نہیں۔ ہاں جو نہ اعادہ روح کا قائل ہو نہ تعلق روح کا وہ بے شک معتزلہ یا کرامیہ کی گود میں جا چکا ہے ان دو مسلکوں میں پہلا مسلک محدثین کا ہے اور دوسرا متکلمین کا...... محدثین ان حدیثوں پر اعتماد کرتے ہیں جن میں قبر میں روح کے دوبارہ لوٹائے جانے کا ذکر ہے گو یہ لوٹایا جانا دنیا کی طرح کا نہ ہو۔ اور متکلمین ہر اس طریق کو تسلیم کرتے ہیں جس سے بدن مدفون میں اتنی حیات مانی جا سکے جو وہاں کی الم وراحت کا ادراک کر لے۔

مسلک محدثین ...... بحث اعادہ روح

محدثین علم نبوت کے امین ہیں اور متکلمین اس کے پہرہ دار...... اسلام پر جب کسی نے فکری حملہ کیا تو متکلمین نے انہیں انہی کے ہتھیاروں سے عقل، تجربات، مشاہدات اور ان کی روایات سے شکست دی لیکن دائرۂ امت کے اندر علم کے جو چراغ جلے وہ محدثین نے ہی جلائے ہیں فقہاء نے یہ کوشش کی کہ ان چراغوں کی روشنی جتنی دور تک لے جاسکیں لے جائیں اور کتاب وسنت کے منصوص مسائل کو غیر منصوص حدود تک پھیلا دیں۔

زندگی کے مسائل سمجھنے اور سمجھانے آسان ہیں۔ مابعد الموت حقیقتوں پر دبیز پردے پڑے ہیں۔ انہیں جب بھی کسی نے اٹھانے کی کوشش کی عقلِ انسانی ان کی اتھاہ گہرائیوں میں گم ہوکر رہ گئی۔ متکلمین نے اپنے انداز میں فکر اسلامی کا پہرہ دیا لیکن احاد امت نے ہمیشہ محدثین کے سایہ میں پناہ لی۔ یہ سارا کاروبار مجتہدین کے سایوں میں چلتا ہے اور یہی آج امت کے لئے صراط مستقیم ہے اور یہ وہی راہ ہے جس پر پہلے انعام یافتہ لوگ چلے وہ نہ مور دِ غضب ہوئے نہ راہ سے بہکے اور نہ بھٹکے۔

جب ہم میت کو دفن کرآتے ہیں تو اس پر کیا گزرتی ہے اس پر تباین عالم کے پردے پڑے ہیں۔ قبر کے اندر جھانکتے بھی رہیں تو اس عالم کی آنکھیں عالم برزخ کی واردات کو پا نہ سکیں گی اور ان پر یہ پردہ قیامت تک پڑا ہے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی صاحب مقام پر یہ پردہ کھول دیں۔ علمی زبان میں اسے کشف کہا جاتا ہے۔

پردے کے پیچھے کی حقیقتوں کو جاننے کا ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ ہم لسان نبوت پر اعتماد کریں اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اسے حضرت خضر کے سپرد کردیں۔ آخر ہر بات کا جاننا بھی تو ہمارے لئے ضروری نہیں۔ کوئی بیرونی فکری حملہ آور ہو تو متکلمین کے حصار میں رہ کر اس کا جواب دیا جاسکتا ہے۔

حقیقت تک پہنچنے کے دو علمی زینے

پیشتر اس کے کہ ہم اعادہ روح کی روایات کی تصحیح میں محدثین کے عمومی مؤقف پر بحث کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے روایت کے عمومی مزاج پر کچھ بات کرلی جائے اور پھر یہ بات سمجھی جائے کہ ہم لوگوں (متاخرین) کے لئے تصحیح روایت کے کیا کیا طریق ہیں۔

روایت کا مدار اس کے راویوں پر ہوتا ہے ان راویوں کے حالات اسماء الرجال سے ملتے ہیں دیانت اور یاداشت راویوں کی بنیادی صفات ہیں۔ یہ لائق اعتماد ہوں تو روایت قابل قبول ہوجاتی ہے۔ راوی فاسق بھی ہو تو اس کی روایت واجب الرد نہیں لائق تبیّن ہے ممکن ہے اور قرائن (دیگر قریب کے حالات) سے یہ پختہ ہوجائے۔

قرآن کریم نے ہمیں یہ اصولی تعلیم دی ہے: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا اَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِیْنَ" (پ ۲۶، الحجرات ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق شخص کوئی خبر لے آئے تو تم اس کا تبین کرو (اس کی دوسرے ذرائع سے پڑتال کرو) کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ناواقفی میں کسی قوم سے جا الجھو اور پھر اپنے کئے پر تمہیں ندامت اٹھانی پڑے۔

منکرین حدیث کا طریق واردات یہ ہے کہ جونہی کسی راوی پر کوئی کلمہ اختلاف نظر سے گزرا، اچک لیا کہ یہ روایت تو کسی درجے میں لائق اعتماد نہیں ہے۔ اہل علم کہیں گے اصل ہر شخص میں تعدیل ہے بشرطیکہ وہ خود مجہول نہ ہو جب تک اس کے خلاف واضح السبب جرح نہ آ جائے اسے مجروح نہ سمجھا جائے اور جب جرح کرنے والے اور تعدیل کرنے والے دونوں طرف ہوں تو اگر جرح مبین السبب نہیں تو دونوں طرف کے ائمہ جرح وتعدیل میں وزن اور غلبہ کو دیکھا جائے گا...... جرح کا لفظ دیکھتے ہی اچھل پڑنا اور قواعد علم سے اس کا جائزہ نہ لینا یہ منکرین حدیث کا طریق واردات ہے اہل تحقیق کا نہیں۔

اگر صرف الفاظ جرح کی ہی تلاش ہے تو کیا ایسے الفاظ امام الائمہ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام بخاریؒ کے خلاف موجود نہیں؟ کیا حضرت امام شافعیؒ پر یحییٰ بن معینؒ کی جرح نہیں؟ کیا امام ترمذیؒ کو مجہول کہنے والے اہل علم یہاں نہیں گزرے؟

''مامن الائمة الا و قد طعن فيه طاعنون و هلک فيه هالکون''

ترجمہ: ائمہ میں کوئی ایسا نہیں گزرا مگر یہ کہ طعنہ کرنے والے اس پر طعن کرتے رہے۔ اور ہلاک ہونے والے (ان کی مخالفت میں) ہلاک ہوتے رہے۔

سو ضروری ہے کہ رواۃ کا اصول حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا جائے اور جرح قوی نہ ہو تو جارحین اور معدلین میں قوت اور غلبہ دیکھا جائے۔ اندھے کی لاٹھی سے ہر ایک کو ہانکتے چلے جانا یہ پورے علم حدیث سے اعتماد اٹھانے کی خوفناک حرکت ہے۔

دوسری بات یہ پیش نظر رہے کہ تصحیح حدیث صرف تصدیق رواۃ سے نہیں ہوتی ائمہ فن کی تصحیح وتصدیق سے بھی ہوتی ہے۔ اور اس طرح سے بھی حدیث لائق قبول ہو جاتی ہے۔

حافظ شمس الدین الذہبیؒ (۷۴۸ھ) لکھتے ہیں: ''اذ العمدة فی زماننا ليس علی الرواة بل علی المحدثين و المفيدين و الذين عرفت عدالتهم و صدقهم فی ضبط اسماء السامعين'' (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴)

ترجمہ: ہمارے زمانے میں لائق اعتماد راہ راویوں کی تحقیق نہیں بلکہ محدثین اور اساتذہ فن پر اعتماد ہے اور ان لوگوں پر جن کی عدالت جانی جا چکی اور ان کا صدق راویوں کے ضبط اعتماد میں جانا جا چکا۔

فن کے عارفین اور علماء بارعین جو بات کہتے ہیں اس تک رسائی ہر اجنبی کی نہیں ہو سکتی۔ ان سے خود بھی پوچھا جائے تو وہ اپنی حذاقت کو دو سطروں میں اگل سکیں گے جرح وتعدیل کے مقتدر امام عبدالرحمن بن مہدیؒ (۱۹۸ھ) کہتے ہیں: ''و معرفة الحديث الهام فلو قلت للعالم بعلل الحديث من اين قلت هذا؟ لم يکن له حجة'' (معرفۃ علوم الحدیث ص ۱۱۳)

ترجمہ: اور حدیث کی معرفت ایک دل میں اتری صداقت ہے، آپ اگر کسی علل حدیث کے عالم سے پوچھیں کہ یہ بات تو نے کہاں سے کہی ہے تو شاید وہ بھی اپنی بات پر حجت قائم نہ کر پائے۔

حافظ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

''ان الجرح انما جوز فی الصدر الاول حيث کان الحديث يوخذ من صدور الاحبار لا من بطون الاسفار... اما الآن فالعمدة علی الکتب المدونة'' (الکاوی فی تاریخ السخاوی کمافی الرفع والتکمیل ص ۵۰)

ترجمہ: جرح پہلے دور میں اس لئے جائز رکھی گئی تھی کہ حدیث علماء کی یادداشتوں سے حاصل کی جاتی تھی کتابوں کے ذخیرہ سے نہیں...... لیکن ان دنوں (بعد کے ادوار میں) اعتماد ان کتابوں پر ہے جو (اس فن پر) مدون ہو چکی ہیں۔

سو ہم اپنے قارئین کو اس طرف بھی متوجہ کریں گے کہ وہ دیکھیں کہ اعادہ روح کی حدیث کو کن کن ماہرین فن نے قبول کیا۔ ہے۔

آیئے! اب ہم وہ روایت حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ)، جو حضرت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے استاذ ہیں کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں:

حدیث اعادۂ روح

حضرت امام احمدؒ نے یہ حدیث محمد بن خازم ابو معاویہ سے لی۔ وہ کہتے ہیں ہم نے یہ حدیث اعمش سے لی، وہ اسے منہال بن عمرو سے اور وہ اسے زاذان تابعی سے روایت کرتے ہیں زاذان اسے براء بن عازبؓ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی روح جب قبض ہونے کے بعد ساتویں آسمان پر پہنچائی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ میرے اس بندے کا نام علیین میں لکھو اور پھر اسے زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ:

''مِنهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِيهَا نُعِيدُكُمْ وَ مِنهَا نُخرِجُكُمْ تَارَةً اُخرٰى''

ترجمہ: میں نے انہیں اسی سے (مٹی سے) پیدا کیا اور اسی میں انہیں لوٹاؤں گا اور اسی سے انہیں پھر اٹھاؤں گا۔

اس کے بعد کیا ہوتا ہے اسے حدیث کے الفاظ میں پڑھیں: ''فتعاد روحه في جسده فيأتيه ملكان فيجلسانه فيقولان له من ربک''

(مسند امام احمد ج ۴، ص ۲۸۷، تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۳۱، ابن جریر ج ۱۳ ص ۲۱۴، مشکوۃ ص ۱۴۲)

ترجمہ: سو اس کی روح پھر اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اسے کہتے ہیں تیرا پالنے والا کون ہے؟

صحاح ستہ کی مرکزی کتاب سنن ابی داؤد میں بھی یہ حدیث موجود ہے[۱] اور اسے ابو داؤد الطیالسی نے بھی روایت کیا ہے سو قبر میں میت میں روح کا پھر سے آنا اس کے علیین یا سجین میں جانے کے منافی نہیں۔

محدث حاکمؒ نے بھی اسے مستدرک میں روایت کیا ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے اس کی تصحیح کا اقرار کیا ہے......

حاکم نے ساتھ ہی یہ الفاظ بھی لکھے ہیں: ''وفي هذا الحديث فوائد كثيرة لاهل السنة وقمع المبتدعة''

(مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۹)

ترجمہ: اور اس حدیث میں اہل السنۃ کی بہت تائید ہے اور بدعتیوں کی خوب اکھاڑ ہے۔

حاکم (۴۰۵ھ) نے پانچویں صدی دیکھی ہے۔ اس وقت معتزلہ اور کرامیہ پیدا ہو چکے تھے جو عذاب قبر

---

[۱] سنن ابی داؤد ج ۲ ص ۲۹۸۔ مسند ابی داؤد الطیالسی ص ۱۰۲ میں ہے: فيرد الى الارض وتعاد روحه في جسده

کے منکر تھے۔ ابن حزم (۴۵۷ھ) بھی اس کے قریب قریب ہوئے جو عذاب قبر کو صرف روح سے متعلق مانتے تھے۔ حاکم حدیث براءؓ روایت کر کے اہل سنت کے عقیدہ کی تائید کر رہے ہیں اور دوسروں کو بدعتی کہہ رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں تک عذاب قبر اور اس کے روح وجسد دونوں کو شامل ہونے کے خلاف بدعتیوں کے سواء اور کوئی نہ تھا کل بھی یہ بدعتی تھے اور آج بھی بدعتی ہیں۔

حدیث کے راویوں پر کلام

اس کا پہلا راوی ابو معاویہ ثقہ ہے (تقریب للحافظ ابن حجر) دوسرا راوی سلیمان بن مہران الاعمش بھی ثقہ ہے (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۴۵) تیسرا راوی منہال بن عمرو ہے یحیٰی بن معین کہتے ہیں یہ ثقہ ہے (تہذیب ج ۱۰ ص ۳۲۰) شعبہ اس کی روایت نہ لیتے تھے وہ یہ کہتے تھے کہ ان کے گھر سے ساز کی آواز سنی گئی تھی یہ پتہ نہیں چل سکا کہ کس نے سنی۔ یہ ہو سکتا ہے کسی نے بے پر کی اڑادی ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس الزام کے بارے میں لکھا ہے: ''لم یصح عنہ ذلک و جرحہ بھذا تعسف ظاھر وقد وثقہ ابن معین والعجلی وغیرھما''

(تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۲۰)

ترجمہ: گھر سے ساز کی آواز کا سنا جانا ان سے صحیح طریق سے ثابت نہیں اور انہیں اس وجہ سے مجروح ٹھہرانا ایک کھلی زیادتی ہے یحیٰی بن معین اور عجلی نے اس کی توثیق کی ہے۔

اگر کسی نے انہیں سیئ المذہب کہا ہے تو وہ اسی ذہن سے ہوگا کہ یہ ساز کو جائز سمجھتے ہیں جب یہ کہانی ہی غلط ہوگئی تو اس قبیل کی سب جرحیں جو ابن حزم نے پیش کی ہیں یکسر اڑ گئیں۔

اگلا راوی ابو عبد اللہ زاذان الکندی ہے یحیٰی بن معینؒ کہتے ہیں ثقہ لایسئل عن مثلہ۔ (تہذیب ج ۳ ص ۲۶۱) ایسا ثقہ ہے کہ ان جیسے راویوں کے بارے میں سوال ہی نہیں کیا جا سکتا۔ ابن حبان اسے کثیر الخطاء کہتے ہیں لیکن علماء سے پوشیدہ نہیں کہ ابن حبان ان علماء میں سے ہے جنہیں جرح میں متشدد کہا جاتا ہے سو ان کی جرح معتبر نہیں۔ اس کے بعد حضرت براء بن عازبؓ صحابی رسول (ﷺ) ہیں اور آپ اسے حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ منہال بن عمرو اور زاذان کے بارے میں لکھتے ہیں: ''اما المنھال فمن رجال البخاری وحدیث زاذان مما اتفق السلف والخلف علی روایتہ وتلقیھا بالقول''

ترجمہ: منہال بن عمرو صحیح بخاری کے رجال میں سے ہے اور حدیث زاذان کی روایت پر اور اس کی تلقی بالقبول پر سلف وخلف سب جمع ہیں۔ (شرح حدیث النزول ص ۵۱)

حافظ ابن قیمؒ کہتے ہیں: ''ولم یصنع من قدح فی صحۃ ھذا الحدیث شیأ کابن حزم للنصرۃ لمذھبہ الباطل'' (اغاثۃ اللھفان ج ۱ ص ۲۷۷)

ترجمہ: جس نے اس حدیث کی صحت میں کوئی عیب ڈھونڈا اس نے کوئی چیز ثابت نہیں کی جیسے ابن حزم اپنے باطل نظریے کی نصرت میں اس حدیث پر جرح کرتے ہیں۔

یہاں بدن میں روح کے نہ لوٹنے کے عقیدہ کو مذہب باطل کہا گیا ہے۔

حدیث کی تصحیح کرنے والے اور اسے قبول کرنے والے محدثینؒ

حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نامور شاگرد حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (۱۵۶ھ) اسے اپنی کتاب کتاب الزہد والرقاق کے ص ۴۳۱ پر لائے ہیں۔ یہ دوسری صدی ہجری کی بات ہے۔

تیسری صدی میں آپ اسے مسند امام احمد (۲۴۱ھ) اور سنن ابی داؤد (۲۷۵ھ) میں دیکھئے۔ علماء حدیث جانتے ہیں کہ امام ابوداؤد جس حدیث پر سکوت کریں وہ ان کے نزدیک معتبر اور لائق احتجاج ہوتی ہے۔

آیئے! اب چوتھی صدی میں دیکھیں امام ابن جریر الطبریؒ (۳۱۰ھ) نے اپنی تفسیر ج ۱۳ ص ۲۱۴ پر اس کی چار سندیں نقل کی ہیں۔ حافظ ابن ابی شیبہؒ (۲۳۵ھ) نے بھی اسے المصنف میں روایت کیا ہے۔

امام بیہقیؒ فرماتے ہیں: ''ھذا حدیث صحیح الإسناد'' (الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۲۵)

پانچویں صدی کے امام حاکم (۴۰۵ھ) اسے مستدرک میں لا کر اس کی تصحیح فرماتے ہیں اور کہتے ہیں اس کی سند امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرطوں کے مطابق صحیح ہے گو انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی...... ووافقه الذهبی فی تلخیصه علی المستدرک

علامہ ابوالمظفر الاسفرائنیؒ (۴۷۱ھ) بھی لکھتے ہیں: ''واخبر انهم یحیون فی القبور وقد ورد فی معنی احیاء الموتی فی القبور مالا یحصی من الای والاخبار والاثار'' (التبصیر ص ۱۵۸)

ترجمہ: اور آپ نے خبر دی ہے کہ اموات کو ان کی قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور اموات کے قبروں میں زندہ کئے جانے پر اس قدر آیات، احادیث اور آثار وارد ہیں کہ انہیں شمار نہیں کیا جا سکتا۔

ساتویں صدی کے علامہ قرطبیؒ (۶۷۱ھ) بھی اس کی تصحیح کرتے ہیں: ''وروی الامام احمد وابو داؤد باسناد صحیح عن البراء ﷛'' (مختصر تذکرہ قرطبی للشعرانی ص ۳۴)

ترجمہ: امام احمد بن حنبل اور امام ابوداؤد السجستانی نے سند صحیح سے اسے حضرت براء بن عازبؓ صحابی) سے نقل کیا ہے۔

آٹھویں صدی کے حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) لکھتے ہیں: ''ورواه الامام احمد وغیره وهو حدیث اجمع رواة الاثر علی شهرته واستفاضته وقال الحافظ ابو عبد الله بن منده هذا الحدیث اسناد متصل مشهور رواه جماعة عن البراء'' (شرح حدیث النزول ص ۴۷)

ترجمہ: اور اس حدیث کو امام احمد اور دوسرے ائمہ نے روایت کیا ہے اور یہ ایسی حدیث ہے کہ تمام محدثین اس کی شہرت اور اس کے استفاضہ عام پر جمع ہوئے ہیں اور حافظ ابوعبداللہ بن مندہ نے کہا ہے اس حدیث کے سب رواۃ آپس میں متصل ہیں اور یہ حدیث درجہ شہرت کو پہنچی ہے اسے حضرت براء بن عازبؓ سے ایک جماعت تابعین نے روایت کیا ہے۔

''الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن وقت السؤال'' (ایضاً ص ۵۱)

ترجمہ: صحیح اور متواتر احادیث منکر ونکیر کے سوال کے وقت روح کے بدن میں دوبارہ آنے پر دلالت کرتی ہیں۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں: "وھو حدیث صحیح صححہ جماعۃ من الحفاظ"

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے۔ حدیث میں جو علماء حافظ کے درجے میں ہیں ان کی ایک جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے۔ (اجتماع الجیوش الاسلامیہ ص ۳۵)

پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں: "ھذا حدیث مشھور مستفیض صححہ جماعۃ من الحفاظ ولا نعلم احدا من ائمۃ الحدیث طعن فیہ بل رووہ فی کتبھم وتلقوہ بالقبول وجعلوہ اصلا من اصول الدین فی عذاب القبر ونعیمہ ومسئلہ منکر ونکیر وقبض الارواح وصعودھا الی بین یدی اللہ ثم رجوعھا الی القبر"

(کتاب الروح ص ۵۹)

ترجمہ: یہ حدیث درجہ شہرت کو پہنچی ہوئی ہے اور خبر مستفیض ہے اسے حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے صحیح کہا ہے اور ہم نہیں جانتے کہ ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس پر کوئی طعن کیا ہو بلکہ انہوں نے اسے اپنی کتابوں میں روایت کیا ہے اور اسے قبول کیا ہے اور اسے اصول دین میں سے قبر کے عذاب وثواب اور سوال نکیرین اور قبض ارواح اور ان ارواح کے اللہ کے حضور حاضر ہونے اور پھر سے قبر میں چلے آنے کے باب میں ایک اصل ٹھہرایا ہے۔

"فالحدیث صحیح لا شک فیہ" (ایضاً ص ۵۶)

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے جس میں شک نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ سبکیؒ (۷۵۶ھ) لکھتے ہیں: "ورجال اسنادہ کلھم ثقات" (شفاء السقام ص ۱۵۰)

ترجمہ: اور اس کے رجال سارے کے سارے ثقہ ہیں۔

آٹھویں صدی کے آخر میں علامہ نور الدین الہیثمی (۸۰۷ھ) جو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے استاذ ہیں، نے بھی اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ آپؒ لکھتے ہیں: "رواہ احمد ورجالہ رجال الصحیح" (مجمع الزوائد ج ۳، ص ۵۰)

ترجمہ: اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے اور اس کے رجال سند سب صحیح کے رجال ہیں۔

نویں صدی کے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) بھی اسے ثابت حدیث قرار دیتے ہیں۔ (دیکھئے فتح الباری ج ۵ ص ۵۰۴) آپ دوسرے جگہ فرماتے ہیں: "تعاد الروح الی الجسد او بعضہ کما ثبت فی الحدیث" (فتح الباری ج ۳، ص ۴۷۷)

ترجمہ: روح جسد کی طرف یا اس کے ایک حصے کی طرف لوٹائی جاتی ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہو چکا۔

دسویں صدی کے امام سیوطیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں "وقال ابن تیمیۃ الاحادیث متواترۃ علی عود الروح بالبدن وقت السؤال" (شرح الصدور ص ۶۰ مصر)

ترجمہ: اور ابن تیمیہؒ کہتے ہیں متواتر درجے کی احادیث سوال قبر کے وقت روح کے بدن میں لوٹنے پر موجود ہیں۔

علامہ عبدالرؤف المناویؒ (۱۰۰۳ھ) لکھتے ہیں: "زاد فی حدیث البراء فتعاد روحہ فی جسدہ"

(فیض القدیر ج ۲ ص ۳۷۲)

ترجمہ: اور حدیث براء میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ اس کی روح جسد میں پھر سے لائی جاتی ہے۔

سیدنا ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں: ''فتعاد روحه فی جسده ظاهر الحديث ان عود الروح الی جميع اجزاء بدنه'' (مرقات ج ۴، ص ۲۵)

ترجمہ: یہ جو حدیث میں ہے کہ اس کی روح جسد کی طرف لوٹائی جاتی ہے اس کا ظاہر یہ ہے کہ روح کا یہ لوٹنا پورے جسد میں ہوتا ہے (بعض حصہ بدن میں نہیں)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) نے بھی اعادہ روح بجسد کی تصدیق فرمائی ہے۔ (مکتوبات دفتر ۲ مکتوب ۶۷)

''واختلف فی ان الميت يعذب باحياء فی القبر او يجعل الروح فی مقابلته او بنوع آخر ما يعلمه الله ولا نعلمه والاظهر الاصوب انه بالاحياء واعادة الروح وهو ظاهر الاحاديث'' (تنقیح اللمعات ج ۱ ص ۱۸۹)

ترجمہ: اس بات میں اختلاف کیا گیا ہے کہ میت کو عذاب قبر اسے زندہ کر کے ہوتا ہے یا روح اس کے جسد کے مقابل ٹھہرائی جاتی ہے (کہ وہ جسد اس کے تعلق سے عذاب پائے) یا کسی اور طریقے سے جسے خدا ہی جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے اس میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔ جو چیز زیادہ ظاہر اور زیادہ درست ہے وہ یہ ہے کہ میت کو عذاب زندہ کر کے اور اس میں روح پھر سے لوٹا کے دیا جاتا ہے اور ظاہر احادیث یہی ہے۔

تیرہویں صدی کے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) بھی لکھتے ہیں: ''فيعاد روحه فی جسده وكذا قال فی الكافر فيعاد روحه فی قبره قال ابن عبد البر هذا أصح ما قيل'' (تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۱۲۴)

ترجمہ: پس میت کی روح اس کے جسد میں پھر سے داخل کی جاتی ہے اور اسی طرح کافر کے بارے میں کہا گیا ہے اس کی روح اس کی قبر میں لوٹائی جاتی ہے۔ ابن عبد البر مالکیؒ کہتے ہیں کہ اس سلسلے میں جتنی باتیں بھی کہی گئی ہیں ان میں یہ سب سے زیادہ صحیح ہے۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۰ھ) نے تو اس کے تواتر کا دعوے کیا ہے کہ اب کسی کو اس مسئلہ میں قیل وقال کی حاجت نہیں۔

''وقد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر'' (نیل الاوطار ج ۴، ص ۹۷)

ترجمہ: اور اس پر احادیث کثیرہ وارد ہیں اور اس قدر ہیں کہ حدِ تواتر کو پہنچ رہی ہیں۔

مفتی بغداد حضرت علامہ آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) فرماتے ہیں: ''والجمهور علی عود الروح الی الجسد'' (روح المعانی ج ۲۲، ص ۵۷)

ترجمہ: اہل اسلام اسی کے قائل ہیں کہ قبر میں روح جسد میں لوٹائی جاتی ہے۔

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ (۱۳۰۷ھ) بھی رقمطراز ہیں: ''احادیث متواترہ اند بر آنکہ عود کند روح بسوئے بدن وقت سوال وایں تعلق ہمیشہ می ماند اگر جسد جاں دریدہ ومتفرق ومنقسم گردد۔'' (التکلیف ص ۲۳)

ترجمہ: روح سوال نکیرین کے وقت بدن کی طرف عود کرتی ہے اس پر متواتر احادیث وارد ہیں اور روح کا بدن سے یہ تعلق ہمیشہ رہتا ہے اگرچہ انسان کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ریزہ ریزہ اور مختلف حصوں میں بٹ چکا ہو۔

چودھویں صدی کے مولانا السید احمد حسن لکھتے ہیں: "وقال البیهقی هذا حدیث صحیح الاسناد"
(تنقیح الرواۃ ج ۱، ص ۳۱۴)

ترجمہ: امام بیہقی کہتے ہیں کہ یہ حدیث باعتبار سند بالکل صحیح ہے۔

"والحدیث صحیح" (ایضاً ص ۳۱۷)

ترجمہ: اور یہ حدیث صحیح ہے۔

یہ چودہ سو سال کا تاریخی سرمایہ ہم نے آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اس کی روشنی میں کوئی منصف مزاج اس حقیقت سے انکار نہ کر سکے گا کہ دنیا اور آخرت کے مابین ایک برزخی زندگی ہے جس میں روح کا ایک نہایت خاموش اور باریک تعلق بدن عنصری یا اس کے ذرات منتشرہ سے قائم رہتا ہے۔ یہ تعلق اعادہ روح سے ہوتا ہے مگر یہ اعادہ اس طرح کا نہیں جیسا کہ ہم اس دنیا میں محسوس کرتے ہیں یہاں زندگی دو طرف سے قائم ہے اندر روح سے اور باہر غذا اور نشو ونما سے...... وہاں زندگی اس تغذیہ و تنمیہ کے بغیر قائم ہوتی ہے اسے دنیوی حیات کہنا درست نہیں الا یہ کہ یہ مراد ہو کہ یہ برزخی زندگی دنیا والے اجساد میں ہے کسی اور مثالی بدن میں نہیں۔ قبر کا عذاب وہی بدن برداشت کرے جس نے گناہ کئے ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

علامہ ابن حجر مکیؒ (۹۷۳ھ) سے پوچھا گیا کہ میت کے بدن نے جب بوسیدہ ہی ہونا ہے تو اس پر کافور ملنے کا کیا فائدہ؟...... حضرت علامہ نے جواب دیا: "الحکمة ماهو مقرر عند اهل السنة والجماعة من ان البدن ینعم بانواع النعیم کالروح وحیثما بقی اتصل به النعیم الی ان قال... فان البدن بینه وبینها عنایة الارتباط والمناسبة" (فتاویٰ کبریٰ ج ۲، ص ۷)

ترجمہ: جو چیز اہل السنۃ والجماعۃ کے ہاں طے ہے حکمت اس میں یہ ہے کہ بدن بھی روح کی طرف مختلف طرح کی نعمتوں سے بہرہ ور ہے اور جب تک یہ باقی رہے نعمت برزخ اس کے شامل حال ہوگی یہاں تک کہ اس کا نشان نہ رہے کیونکہ بدن اور روح کے مابین ایک تعلق اور ربط کی عنایت قائم ہے۔

پھر ان سے پوچھا گیا کہ قبر میں میت کو بٹھا کر سوال کرتے ہیں یا لیٹے ہوئے پوچھ لیتے ہیں؟

"فأجاب بالذی فی البخاری انه یسئل قاعدا وکذا فی ابن ماجه" (ایضاً)

ترجمہ: آپ نے اس کا وہی جواب دیا جو صحیح بخاری میں ملتا ہے وہ یہی ہے کہ اسے بٹھا کر اس سے سوال کیا جاتا ہے اور سنن ابن ماجہ میں بھی یہی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ اگر شہید کا بدن کرامۃً بوسیدہ نہ ہو تو نعیم روح اس بدن سے بھی مرتبط رہے گی۔ برزخ کی واردات صرف روح سے متعلق کرنا یہ اہل حق کا موقف نہیں اہل بدعت کا موقف ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: "وچوں قوے از متبدعہ واہل ہوا کہ اکثر معتزلہ وبعضے روافض باشند انکار کردہ اند عذاب قبر را و احادیث مشہورہ کہ قدر مشترک از آں بحد تواتر رسیدہ دراں ورود یافتہ است وسلف صالح پیش از ظہور اہل بدعت

وانکار ایشاں ہمہ اتفاق داشتہ اند بہ ثبوت آں واعتقاد بداں...... واختلاف کردہ اند کہ عذاب در قبر بزندہ گردانیدن میت است یا در مقابلہ داشتن روح باوے یا بنوعی دیگر کہ پروردگار خواہد ما رابدر یافت کنہ حقیقت آں راہ نہ باشد و حق آں ست کہ باحیاء است چناں کہ ظاہر احادیث دال ست برآں۔" (اشعۃ اللمعات ج۱، ص ۱۱۴)

ترجمہ: اور چونکہ بدعتی لوگ اور خواہشات کی پیروی کرنے والے کہ بیشتر ان میں معتزلہ ہیں اور کچھ رافضی بھی ہیں عذاب قبر کا انکار کرتے ہیں اور شہرت کے درجہ میں پہنچی ہوئی احادیث کہ ان کی قدر مشترک تواتر کے درجہ کو پہنچتی ہے اس باب میں وارد ہیں اور سلف صالحین بدعتیوں کے ظاہر ہونے اور ان کے انکار عذاب قبر سے پہلے سب اسی اعتقاد پر تھے۔

ہاں ان میں یہ اختلاف ہے کہ عذاب قبر میت کو زندہ کرنے سے دیا جاتا ہے یا روح کو اس کے جسد کے سامنے کرنے سے یا کسی اور طریقے سے یا جو خدا چاہتے ہیں...... اس کی حقیقت معلوم نہیں اور حق یہ ہے کہ قبر میں سارا معاملہ میت کو دوبارہ زندہ کرنے سے ہوتا ہے ظاہر حدیث اسی پر دلالت کرتی ہیں۔

اگر اتنا بھی تسلیم کرلیں کہ اللہ تعالیٰ میت میں ایسی حالت پیدا کردیتے ہیں کہ وہ الم وراحت کا ادراک کر سکے تو اہل بدعت سے نکلنے کے لئے اتنی بات بھی کافی ہے۔ لیکن یہ حضرات اگر اسی پر مصر رہیں کہ قبر میں میت یا اس کے اجزاء بے حس محض ہیں اور اس میں الم وراحت کا ادنیٰ ادراک نہیں تو پھر کوئی عالم انہیں بدعتی ہونے کے زمرہ سے نہیں نکال سکے گا۔ انہیں چاہئے کم از کم اتنا تو مان لیں کہ عذاب قبر بایں قدر الم وراحت در میت برحق ہے۔ حضرت شیخ لکھتے ہیں: "اگر ہمیں قدر بدانند کہ پروردگار تعالیٰ در مردہ حالتی پیدا کند کہ بداں چیزے الم وراحت دریابد در اعتقاد صحیح کفایت است" (اشعۃ اللمعات ج۱، ص ۱۱۴)

ترجمہ: اگر اتنا ہی جان لیں کہ اللہ تعالیٰ مردے میں ایک ایسی حالت پیدا فرما دیتا ہے کہ وہ اس سے الم وراحت کا ادراک کر سکے تو عقیدہ صحیحہ کے لئے یہ بات بھی کافی ہوسکتی ہے۔

لیکن اگر بدن کو بالکل بے جان اور بالکل بے حس وشعور مانیں تو پھر اس کے بدعتی عقیدہ ہونے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا۔

ہم نے اپنے کرم فرماؤں سے اہل حق کے ساتھ ملنے کی یہ آخری تجویز عرض کردی ہے اور اگر آپ نے ارادہ ہی کر رکھا ہے کہ آپ کا انجام معتزلہ اور شیعہ کے ساتھ ہو تو ہم اس پر سوائے اظہار تاسف کے اور کیا کر سکتے ہیں۔

قال شیخ الاسلام ابن تیمیۃ فی بعض مناسکہ: ثم یاتی الروضۃ بین القبر والمنبر فیصلی بہا ویدعو بما شاء ثم یاتی قبر النبی ﷺ فیستقبل جدار القبر ویقف متباعدا کما یقف لو ظہر فی حیاتہ بخشوع وسکون منکس الرأس غاض الطرف مستحضرا بقلبہ جلالۃ موقفہ ثم یقول السلام علیک یا رسول اللہ وبرکاتہ! السلام علیک یا نبی اللہ وخیرتہ من خلقہ! السلام علیک سید المرسلین و خاتم النبیین وقائد غر المحجلین اشہد ان لا الہ الا اللہ واشہد انک رسول اللہ (الصارم المنکی ص ۹)

وفات کے بعد دنیوی زندگی کسی کی نہیں

موت کے بعد عالم برزخ شروع ہوتا ہے۔ برزخی زندگی دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہے۔ دنیوی زندگی کیا ہے؟ جو روح و بدن کے تعلق اور دنیوی آب و ہوا کے تصرف سے قائم ہوتی ہے۔ اندر روح کی بقا اور باہر مادی غذا ہو تو یہ سلسلہ قائم رہتا ہے اور نشوونما اس کے آثار میں سے ہے۔

اس جہاں سے جانے کے بعد اس قسم کی حیات باقی نہیں رہتی۔ برزخی حیات کتنی اعلیٰ و اولیٰ کیوں نہ ہو اسے علی الاطلاق دنیوی حیات کہنے سے بہت سی غلط فہمیاں جنم لے لیتی ہیں۔ ہمیں اس خطرے کا شروع سے ہی احساس تھا کہ حیات النبی ﷺ کی بحث میں عوام کے لئے اس تعبیر کا تحمل خاصا مشکل ہوگا۔ ہم نے اس کتاب کے ٹائٹل پر یہ الفاظ جلی خط میں لکھ دیئے۔ ''مکینِ گنبدِ خضراء کی حیاتِ برزخی کا بیان'' مبادا کوئی اس حیات طیبہ سے بالکل دنیا کی زندگی مراد نہ لے لے۔

وفات کے بعد پھر اس دنیوی زندگی میں آنا یہ شیعہ عقیدہ ہے جسے وہ عقیدہ رجعت کہتے ہیں۔ اہل السنۃ کے ہاں وعدہ موت پورا ہونے کے بعد کسی کو اس دنیا میں نہیں آنا...... حضور ﷺ کی حیات طیبہ کو دنیویہ صرف اس پہلو سے کہتے ہیں کہ یہ دنیا والے جسد اطہر سے ہے گو یہ اس عالم کے لئے کھلی زندگی نہیں آپ برزخ میں اسی جسد اطہر سے نمازیں پڑھتے ہیں اور آپ کی وہ حیات آپ کے لئے بے شک حسی ہے لیکن ہم اسے محسوس کر نہیں پاتے نہ ہمیں اس عالم کی نماز کے رکوع و سجود نظر آتے ہیں۔

ایک سویا ہوا آدمی خواب کی دنیا میں بیٹے کو ذبح کر رہا ہے مگر اس کے پاس بیٹھنے والے اس کے جسد میں کوئی آنا جانا اور نقل و حرکت نہیں دیکھتے۔ جو خدا اس پر قادر ہے کہ عالم خواب کا ایسا سلسلہ بنادے کہ ادھر پورا عمل ہو اور ادھر حرکت تک محسوس نہ ہو۔ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ حضور ﷺ کا جسد اطہر یہاں (اس دنیا) کے لوگوں کو بالکل سکون میں دکھائی دے اور آپ اس برزخی حیات میں نمازیں بھی پڑھیں اور آپ ﷺ کی وہ حیات آپ کے حق میں پوری حسی ہو۔ آپ اسے اسی طرح محسوس کریں جیسا کہ اس عالم میں آپ نمازیں پڑھتے تھے بغیر اس کے کہ وہ جہاں عالم تکلیف ہو۔ اللہ رب العزت بے شک اس پر قادر ہے کہ اس جسد اطہر کو عالم برزخ میں ان تمام واردات سے نوازے جن کا احادیث میں ذکر ملتا ہے اور اس دنیا والوں کو اس بدن اطہر میں کوئی حرکت محسوس نہ ہو۔

اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ جسد اطہر قبر مبارک میں صرف محفوظ ہوتا، اس طرح نرم و نازک اور تازہ نہ رہتا جیسا کہ وہ روضہ پاک میں دفن کرنے کے وقت تھا۔ ہدایہ میں ہے کہ وہ آج بھی اسی طرح ہے جیسا کہ رکھا گیا تھا: ''وھو الیوم کما وضع'' (ہدایہ باب الجنائز ج ۱، ص ۱۶)

ترجمہ: اور وہ آج بھی اسی طرح تروتازہ ہے جیسا کہ رکھا گیا تھا۔

حق یہ ہے کہ آج بھی وہ جسد اطہر اسی طرح نرم اور تازہ ہے جیسے آج سے چودہ سو سال پہلے قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔ اس جسد پاک کو وہاں برزخی حیات حاصل ہے جس سے آپ ﷺ نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور سلام پیش کرنے والوں کا سلام بھی سنتے ہیں۔ آپ ﷺ عالم برزخ میں اپنے جسد اطہر میں حیات کے تمام آثار محسوس کرتے ہیں۔ آپ ﷺ اپنی قبر مبارک میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور آپ ﷺ کے لئے قبر مبارک کی وہی وسعتیں ہیں جو

ہمیں روضہ مبارکہ کی دکھائی دیتی ہے اس کی مسافتوں اور لطافتوں کو یا عالم برزخ میں رہنے والے جانیں یا اللہ رب العزت جو ان عجائب اور کوائف کو پیدا کرنے والا ہے۔

اس وقت ہمارا موضوع حیات انبیاء علیہم نہیں یہ بحث ضمناً آ گئی ہے۔ حیات انبیاء علیہم پر ہم انشاء اللہ العزیز حیات شہداءؓ کے بعد بحث کریں گے۔ یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت کے مابین جو برزخی زندگی ہے وہ دنیوی زندگی نہیں، نہ اس میں تصرف آب وہوا ہے نہ مادی نشوونما ہے۔ برزخی زندگی اس دنیوی زندگی سے بہت مختلف ہے۔

بدن عنصری سے ایک لطیف تعلق کے باوجود اسے دنیوی زندگی کہنا خطرات سے خالی نہیں۔ اسے علی الاطلاق دنیوی حیات کہنا بقول حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ خلاف اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) صراحت سے کہتے ہیں کہ عالم برزخ میں روح کا عود کر آنا اس طرح نہیں جس طرح روح یہاں بدن میں داخل ہے، روح وبدن کے تعلق کی یہ ایک جدی نوع ہے۔ یہ تعلق ایسا نہیں جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔

''ان الروح تعاد بین الجسد و اکفان و ھذا عود غیر التعلق الذی کان لھا فی الدنیا بالبدن و ھو نوع آخر و غیر تعلقھا بہ حال النوم و غیر تعلقھا بہ و ھی فی مقر ھا بل ھو عود خاص للمسئلۃ''

ترجمہ: بے شک روح جسد اور کفن میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کا پھر سے لوٹ آنا اس تعلق سے مختلف ہے جو اسے اس دنیا میں بدن میں حاصل تھا یہ تعلق کی اور قسم ہے اور یہ اس تعلق سے بھی مختلف ہے جو اس کے بدن کو روح سے نیند میں حاصل تھا، یہ اس تعلق سے بھی مختلف ہے جو روح کو جسد سے اپنے مقر میں موجود ہوتے ہوئے بدن سے حاصل تھا۔ یہ سوال نکیرین کی خاطر روح کا بدن کی طرف پھر سے پلٹنا ہے اور یہ ایک خاص قسم کی پلٹ ہے (جو ان تمام تعلقات سے مختلف ہے اور اس کے مطابق روح قبر میں بدن میں لوٹتی ہے) (کتاب الروح ص ۶۱ ص ۲۲۸)

شرح عقائد میں ہے: ''و یجوز ان یخلق اللہ تعالیٰ فی جمیع الأجزاء او فی بعضھا نوعا من الحیوۃ قدر ما یدرک ألم العذاب و لذۃ النعیم و ھذا لا یستلزم اعادۃ الروح الی بدنہ و لا یتحرک و یضطرب''

(شرح عقائد للتفتازانی ص ۹۲ ۷)

ترجمہ: اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے پورے بدن میں یا اس کے کسی حصے میں ایک طرح کی حیات پیدا کر دے جس سے وہ قبر کے عذاب کی تکلیف یا وہاں کی راحت کی لذت پا سکے اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح بدن کی طرف (کاملۃ) لوٹے اور نہ ضروری ہے کہ وہ حرکت کرے اور ہلے جلے۔

یعنی عذاب قبر کے لئے مطلق حیات چاہئے اعادہ روح سے ہو یا بغیر اس کے، یہاں صرف حیات کا اقرار ہے اعادہ روح کا نہیں مگر علامہ عبد العزیز پر ہارویؒ لکھتے ہیں: ''ان الحیوۃ للمیت لیست کحیوۃ غیرہ باعادۃ الروح فی الجسد اعادۃ کاملۃ'' (نبراس ص ۳۲۳)

ترجمہ: میت کی یہ حیات دوسروں کی حیات کی طرح نہیں جس میں روح جسد میں کامل طور پر عود کرتی ہے۔

یہاں اعادۂ کاملہ کا انکار ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں حیات کا حصول روح کے تعلق سے ہے گو یہ روح کا پوری طرح عود کرنا نہ ہو۔ روح وبدن کے تعلق کی ایک جدی نوع ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) صریح لفظوں میں کہتے ہیں: ''هذه الحيوة ليست دنيوية انما هي أخروية'' (فتح الباری ج ۲ ص ۲۱۳)

ترجمہ: قبر کی یہ زندگی عالم دنیا کی نہیں عالم آخرت کی ہے۔

''لاتشبه حيوة الدنيا'' وہ حیات دنیوی زندگی کی سی نہیں۔ (ایضاج ۴ ص ۳۶)

''الحيوة في القبر للمسئلة ليست الحياة المستقرة المعهودة في الدنيا التي تقوم فيها الاروح بالبدن وتدبره وتصرفه وتحتاج الى مايحتاج اليه الاحياء بل هي مجرد إعادة لفائدة الامتحان الذى وردت به الأحاديث الصحيحة'' (فتح الباری ج ۳، ص ۴۸۴)

ترجمہ: قبر میں سوال و جواب کے لئے زندگی اس دائمی حیات کی طرح نہیں جس کا وہ دنیا میں عادی تھا جس میں روح بدن کے ساتھ قائم ہوتی ہے اور روح ہی بدن میں تدبیر کرتی ہے اور وہ ہر اس چیز کی محتاج ہوتی ہے جس کے زندہ محتاج ہوتے ہیں (جیسے غذا اور نشوونما) بلکہ یہ قبر کی زندگی محض ایک اعادہ روح ہے جس سے سوال وجواب کا وہ فائدہ پورا ہوتا ہے جو احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔

حافظ ابن ہمامؒ کے مشہور شاگرد امام قاسم بن قطلو بغا (۸۷۹ھ) امام قونوی سے نقل کرتے ہیں: ''قال الإمام القونوى اختلفوا فى انه يخلق فيه حيوة مطلقة كحيوة قبل الموت اوحيوة بقدر ما يحس الألم والصحيح هذا'' (مسامرہ شرح مسایرہ ج ۲، ص ۱۱۶)

ترجمہ: علامہ قونویؒ فرماتے ہیں اس میں اختلاف ہے کہ میت میں مطلق حیات پیدا کر دی جاتی ہے جیسا کہ موت سے پہلے اسے حاصل تھی یا اسے حیات صرف اسی قدر ملتی ہے جس سے وہ عذاب قبر کو محسوس کر سکے اور یہ دوسری بات صحیح ہے۔

سیدنا ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) بھی کہتے ہیں: ''ولكل روح لجسدها اتصال معنوى لايشبه الاتصال فى الحيوة الدنيا بل اشبه شئى به حال النائم وان كان هو اشد من حال النائم اتصالا وبهذا يجمع بين ماورد ان مقرها فى عليين او سجين و بين مانقله ابن عبدالبر عن الجمهور انها عند افنية القبور'' (مرقات ج ۴، ص ۲۵)

ترجمہ: اور ہر روح کا اپنے جسد کے ساتھ ایک اتصال ہوتا ہے جو اس اتصال سے جو اسے پہلے دنیا میں تھا مشابہ نہیں بلکہ جو بات اس کے سب سے زیادہ قریب ہے وہ سونے والے کا حال ہے۔ اگرچہ یہ قبر کی زندگی روح کے اتصال میں سونے والے کے حال سے زیادہ مضبوط ہے اور اس تشریح سے تطبیق ہو جاتی ہے اس میں کہ روحوں کا مقر علیین میں یا سجین میں ہے اور اس میں جو ابن عبدالبر نے جمہور سے نقل کی ہے کہ ارواح افنیہ قبور میں ہوتی ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۲۹ھ) اس سے بھی زیادہ وضاحت سے کہتے ہیں: ''در قبر احیاء اماتت حقیقیہ نیست...... کہ تغذیہ وتنمیہ بدن ہمراہ آں نمے باشد۔'' (تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۸۲)

ترجمہ: قبر میں میت کو زندہ کرنا اور مارنا حقیقی نہیں، اس قبر کی زندگی میں نہ بدن کو (یہاں کی) غذا کی حاجت ہے نہ بدن کی اس میں نشوونما ہوتی ہے۔

اہل علم کی تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ قبر کی زندگی دنیوی زندگی نہیں، وہ جہان دوسرا ہے۔ قبر میں بدن عنصری سے بے شک روح کا ایک لطیف تعلق ہوتا ہے لیکن صرف بایں قدر کہ اس سے کسی قدر الم یا راحت کا ادراک

ہو۔ یہ برزخی زندگی ہے جس میں روح نہایت لطیف پیرایہ میں بدن عنصری پر سایہ فگن ہوتی ہے اس عالم میں رد الروح الی الجسد اسی درجہ میں ہے نہ کہ کاملاً جیسا کہ اس دنیا میں تھا۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات جسمانی عام اموات سے قوی ہے۔ یہ ابدان شروع سے محفوظ ہوتے ہیں اس لئے ان کی برزخی حیات نہایت قوی درجے کی ہے اور چونکہ یہ اسی بدن سے متعلق ہے جو اس دنیا میں تھا اس لئے اس کو بعض علماء نے حیات برزخی دنیوی سے بھی تعبیر کیا ہے۔ تاہم ان کی یہ حیات باعتبار ظرفیت حیات دنیوی نہیں برزخی ہے، یہاں نہیں عالم برزخ میں ہے یہاں ان کا دفن بھی صحیح ہے کفن بھی صحیح ہے اور ان کی خلافت اور جانشینی بھی صحیح ہے۔

نہایت تعجب سے دیکھا اور سنا گیا کہ بعض علماء ان دنوں ایسا پیرایہ بیان اختیار کئے ہوئے ہیں گویا علماء دیوبند انبیاء کرام علیہم السلام کو اس جہان میں زندہ مانتے ہیں اور وہ ان کی وفات اور اس عالم سے مفارقت کے قائل نہیں (معاذ اللہ) ان میں سے ایک صاحب کا ایک خطاب ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

۱...... آنحضرت ﷺ اگر زندہ ہیں تو بتائیں صحابہ کرام ؓ نے کیوں انہیں زندہ قبر میں اتار دیا کیا یہ حضور ﷺ کی گستاخی نہیں کہ انہیں زندہ درگور کر دیا جائے اگر آپ ﷺ زندہ ہوتے تو صحابہ ؓ آپ کو دفن کیوں کرتے؟

تبصرہ: جب یہ کسی کا عقیدہ ہی نہیں تو یہ پیر طریقت کن لوگوں کی تردید کر رہے ہیں اور کن کو یہ وعظ کر رہے ہیں یہ شاید انہیں خود بھی پتہ نہ ہو۔ قاضی صاحب آپ ہی انہیں کچھ سمجھائیں۔

۲...... اگر صحابہ ؓ حضور ﷺ کو زندہ سمجھتے تھے تو جب خلافت پر انصار اور مہاجرین میں سقیفہ بنی ساعدہ میں اختلاف ہوا تو کسی صحابی ؓ نے یہ کیوں نہ کہا، چلو حضور ﷺ سے یہ مسئلہ پوچھ لیں معلوم ہوا وہ آپ ﷺ کو زندہ نہیں سمجھتے تھے۔

تبصرہ: یہ مشورہ لینا اور دینا اس دنیا کے احکام ہیں اگلے جہان کے نہیں حیات النبی ﷺ کے قائلین آپ کو عالم برزخ میں زندہ مانتے ہیں نہ کہ عالم دنیا میں ...... اگر کسی عالم نے آپ کی اس حیات کو دنیوی کہا ہے تو یہ باعتبار ظرف دنیوی نہیں ہے اسے جسمانی ہونے کے پہلو سے دنیوی کی سی کہا ہے کہ آپ اسے اپنے حق میں اس طرح محسوس کرتے ہیں۔ گو ہم یہاں اسے اس طرح نہ دیکھ سکیں۔

۳...... حضرات آپ بتائیں کہ اگر آنحضرت ﷺ کی قبر کھلی ہو اور میں آپ کے بدن کو ہاتھ لگاؤں تو آپ ﷺ کیا اس پر کسی تکلیف کا اظہار فرمائیں گے؟ اگر آپ ﷺ کی آواز سنائی دے تو تم بے شک سچے ہو۔ ورنہ مان لو کہ آپ قبر میں زندہ نہیں ہیں۔ (استغفر اللہ)

تبصرہ: یہاں کے لوگ صرف وہی آواز سن سکتے ہیں جو اس عالم کی ہو۔ اگلے جہاں کی آواز یہاں سنی جائے یہ بدوں اسماع باری ممکن نہیں۔ تمہارا یہ سوال ان لوگوں سے تو ہو سکتا ہے جو آپ کو اس جہان میں زندہ مانتے ہوں اور انتقال دارین (من الدنیا الی البرزخ) کے قائل نہ ہوں۔

۴...... یہ میں کار میں بیٹھا ہوں شیشے بند ہیں میں باہر کے منظر کو دیکھ تو رہا ہوں سن نہیں رہا۔ جب میں اتنے قریب کے فاصلے سے باہر کی آواز سن نہیں پاتا۔ تو سوچو! آنحضرت ﷺ اتنی مٹی کے فاصلے سے اپنی قبر میں کسی کا سلام کیسے سنتے ہوں گے۔

تبصرہ: شیشے یا مٹی کے یہ فاصلے اس جہان داخلی کے فاصلے ہیں۔ اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خیال میں علمائے دیوبند حضور ﷺ کو اس دنیا میں رہنے والا مانتے ہیں ...... نہیں علمائے دیوبند آپ کے انتقال

دارین کے قائل ہیں۔ حضور ﷺ کے سننے کی قوت اس جہان کے مادی فاصلوں سے بالا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں: ''آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی ......اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر۔''

(مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۱۳۰)

یہاں دنیوی سے مراد علاقہ ظرفیت نہیں آپ ﷺ یقیناً عالم برزخ میں ہیں اس جہان میں نہیں۔ لیکن آپ ﷺ کے اپنے حق میں وہ حیات حسی جسمانی ہے اور اسی جسد اطہر میں ہے جو اس دنیا کا تھا البتہ وہ حیات یہاں کے لوگوں کے لئے مدرک اور مشاہد نہیں الا یہ کہ خدا تعالیٰ کسی کو کشف کے ذریعہ اگلے جہان کا نقشہ دکھادے۔

پیر طریقت کی یہ چار طریقوں کی رپورٹ ہمیں ملی ہے ان پر مجموعی غور سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے مخالفین ابھی تک یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم آں سرور ﷺ کو اسی دنیا میں زندہ مانتے ہیں اور اسی پہلو سے آپ ﷺ کی دنیوی زندگی کا عقیدہ رکھتے ہیں..... حاشا وکلا ایسا ہرگز نہیں اس پہلو سے آپ کی حیات دنیوی کا اعتقاد ہرگز اہلسنت کا مذہب نہیں ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے اس بیان کو اگر پورے علمائے دیوبند کا عقیدہ سمجھ لیا جائے تو کیا ہم بہت سے لفظی اختلاف سے بچ نہیں جاتے؟

حیات دنیوی ظاہری کا تو دنیا میں کوئی بھی قائل نہیں، قرآن پاک کی اتنی صریح مخالفت کون مسلمان کرسکتا ہے؟ جو بھی قائل ہیں حیات برزخی ہی کے قائل ہیں۔ (منقول از رسالہ تعلیم القرآن راولپنڈی ص ۳۲، ماہ جنوری ۱۹۶۰ء)

موجودہ حالات میں احتیاط اسی میں ہے کہ عام عرفی معنی میں اسے حیات دنیوی نہ کہا جائے لیکن اگر کوئی اس حیات کو دنیوی کے نام سے تعبیر کرے اور آپ کی حیات برزخیہ سے بھی انکار نہ کرے تو اسے اس کا ملزم نہیں سمجھنا چاہئے کہ وہ حضور ﷺ کو اس دنیا میں زندہ مانتا ہے اور انتقال دارین کا قائل نہیں (استغفر اللہ)، ایسا شخص اہل السنۃ والجماعۃ میں سے ہے وہ ہرگز اہل حق سے باہر نہیں، قبر کی زندگی کو بھی کسی دوسرے اعتبار سے دنیوی زندگی کہا جاسکتا ہے۔

یہ کچھ تفصیل محض اس لئے گزارش کی گئی ہے کہ مسئلہ حیات النبی ﷺ میں اصل اختلاف کو زیادہ نہ کیا جائے ایک دوسرے کو قریب سے سمجھا جائے۔ المہند میں حیات برزخیہ دنیویہ کے الفاظ کو انہی معنی میں سمجھا جائے جو علماء دیو بندؒ اس سے مراد لیتے ہیں ہمارے ذمہ یہ بات نہ لگائی جائے کہ ہم آنحضرت ﷺ کو اس دنیا میں زندہ مانتے ہیں اور انتقال دارین کے قائل نہیں ہیں۔

اگر یہ صحیح ہے اور یہ یقیناً ہمارے دل کی آواز ہے تو پیر طریقت کو بھی وہ تقریریں نہ کرنی چاہیں جنہیں ہم ابھی مختصر تبصروں کے ساتھ ہدیہ قارئین کر آئے ہیں۔ اس قسم کی بے محل تقریریں تشغیب عوام کا سبب تو ہوسکتی ہیں لیکن ان میں دین کی ہرگز کوئی خدمت نہیں ہے اور یہ نفرت کو بڑھانے والی ہیں ایک دوسرے کو قریب کرنے والی نہیں ہیں۔ وکفی باللہ شھیدا!

۱؎ امام فخر الدین رازی المطالب العالیہ کے تیسرے مقالہ کی فصل ۵ میں لکھتے ہیں: فوجب القطع بان النفس بعد مفارقۃ البدن مدرکۃ للجزئیات سو یہ ادراک اگر عالم برزخ میں بڑھ جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

قبر کی زندگی کو کیا کسی پہلو سے دنیوی زندگی کہا جا سکتا ہے؟

اس بات کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ قبر کی یہ زندگی ایک پہلو سے دنیوی زندگی بھی ہے اور خود قرآن کریم نے ایک تفسیر کے اعتبار سے اسے دنیوی زندگی کہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "یُثَبِّتُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ" (پ ۱۳، ابراہیم ع ۴، آیت ۲۷)

ترجمہ: مضبوط رکھتا ہے اللہ ایمان والوں کو مضبوط بات سے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں۔

حضرت براء بن عازب ؓ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب مومن کو قبر میں سوال کے لئے بٹھایا جاتا ہے اور وہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کی شہادت دے لیتا ہے تو یہ وہ ثابت قدمی ہے جو اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو عطاء فرماتا ہے۔ (دیکھئے صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۳، ج ۲ ص ۶۸۲)

یہ قبر کے سوال اور ایمان پر ثابت قدمی پہلی منزل ہے اور دوسری منزل قیامت کے دن کا سوال و جواب ہے قرآن کریم نے پہلی منزل کو حیات دنیوی کی ثابت قدمی کہا ہے اور دوسری منزل کو آخرت کی ثابت قدمی کہا ہے سو اس اعتبار سے قبر کی زندگی کو دنیوی زندگی میں بھی شمار کیا جا سکتا ہے یہ ایک کمل دنیوی زندگی ہے جو یہاں ہے اور ایک پردے کی دنیوی زندگی ہے اسے برزخی زندگی بھی کہتے ہیں۔ حافظ ابن جوزیؒ (۵۱۷ھ) قرآن کریم کی اس آیت میں دنیوی زندگی کا یہی معنیٰ کرتے ہیں: "الحیوۃ الدنیا زمن السوال فی القبر و الآخرۃ السوال فی القیامۃ"
(تفسیر زاد المسیر ج ۴ ص ۳۶۱)

ترجمہ: یہ دنیا کی زندگی اس وقت کو کہا ہے جب قبر میں سوال کی گھڑی ہو اور آخرت اس وقت کو جب قیامت کے دن سوال و جواب ہوں گے۔

تفسیر خازن میں ہے: "الحیوۃ الدنیا بمعنی حیاۃ فی القبر عند السوال"
(تفسیر خازن ج ۳، ص ۸۷، قرطبی ج ۹، ص ۳۶۳)

ترجمہ: یہاں حیات دنیا حیات فی القبر کے معنی میں ہے جو قبر کے سوال کے وقت ہوگی۔

بعض مفسرین نے قبر اور قیامت دونوں منزلوں کے سوال و جواب کو وفی الآخرۃ سے متعلق کہا ہے لیکن ہم یہاں صرف اس بات پر متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ حیات فی القبر کو دنیوی حیات کی ایک قسم کہنا کوئی ایسا گناہ نہیں جو علمائے دیوبندؒ نے ہی کیا ہو بلکہ پہلے مفسرین بھی اسے دنیوی حیات میں داخل کرتے آئے ہیں۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: "قبر کی منزل جو دنیا اور آخرت کے درمیان برزخ ہے اس کو ادھر (حیات دنیا میں) یا ادھر (حیوۃ آخرت میں) جس طرف چاہیں شمار کر سکتے ہیں چنانچہ سلف سے دونوں قسم کے اقوال منقول ہیں۔" (تفسیر عثمانی ص ۳۳۵)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ بھی فرماتے ہیں کہ برزخ ایک اعتبار سے مواطن دنیوی میں سے ہے اور اس میں اعمال کے بڑھنے کی بھی بہت گنجائش ہے: "برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد و احوال ایں وطن نظر با شخاص متفاوت تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون فی القبور شنیدہ باشند و حضرت پیغمبر ما علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج چوں بر قبر حضرت کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند کہ در قبر نماز مے گزارد۔" (مکتوبات دفتر ۲ مکتوب نمبر ۱۶، ص ۲۹)

ترجمہ: برزخ صغریٰ ایک پہلو سے مواطن دنیوی میں سے ہے یہ اس طرح کہ اس میں اعمال میں ترقی کی گنجائش ہے اور برزخ کے حالات مختلف درجوں کے لوگوں میں بہت تفاوت رکھتے ہیں آپ نے حدیث الانبیاء یصلون فی القبور سنی ہوگی اور ہمارے نبی ﷺ معراج کی رات جب موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرے تو انہیں اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

برسر مطلب آمدیم

• اصل بحث عامہ اموات کی برزخی زندگی کی ہو رہی تھی اور ہم عذاب قبر پر بحث کر رہے تھے حیات النبی ﷺ کا مسئلہ ضمناً آ گیا کیونکہ یہ حیات طیبہ بھی قبر ہی کی بہار ہے۔ اب ہم پھر اصل بات کی طرف لوٹتے ہیں۔ جمہور اہل السنۃ والجماعۃ عذاب قبر اور نعیم قبر کو روح اور بدن دونوں سے متعلق مانتے ہیں اور روح کا یہ تعلق بدن عنصری سے ہے محض بدن مثالی سے نہیں، وہ جتنے بھی ہوں مقدور باری ہیں۔ لیکن حکمت الٰہی اسی میں ہے کہ عذاب قبر اسی بدن سے متعلق ہو جس نے دنیا میں گناہ کئے اور یہ وہی جسد ہو (یا اس کے ذرات منتشرہ ہوں) جو کامل صورت میں آخرت میں معذب ہوگا...... دنیا میں بھی گناہ اسی بدن نے کئے، عذاب برزخ بھی اسی بدن یا اس کے ذرات سے متعلق ہونا چاہئے اور ضرور ہے آخرت کا عذاب بھی اسی بدن پر ہو۔ عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت تینوں روح اور بدن کے تعلق سے چلیں...... جمہور اہل السنۃ کا مختار یہی ہے کہ عذابِ قبر روح اور بدن کو شامل ہے یہ حقیقت اعادہ روح سے قائم ہو یا تعلق روح سے اس میں دونوں طرف اہل حق کی تصریحات ہیں۔ محدثینؒ اعادہ روح کے قائل ہیں اور متکلمین معتزلہ، کرامیہ اور شیعہ کو جواب دینے کے لئے وسعت تعبیر کے قائل ہیں اور ہمیں اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ اس حیات برزخی میں دنیوی زندگی کا کوئی پہلو راہ نہیں پا سکتا برزخی میں کئی ایسے پہلو ملیں گے جن کی سرحدیں دنیوی زندگی کو چھوتی ہیں۔ بایں ہمہ ان سے دنیوی زندگی مراد نہیں۔ جو اس جہاں سے چل بسا وہ برزخی زندگی میں ہے دنیوی میں نہیں گو یہ برزخی زندگی بھی بعض پہلوؤں سے موطن دنیوی میں سے ہو۔

حیات برزخی کا دنیوی پہلو

یہ دنیا دار العمل ہے موت پر زنجیرِ عمل کٹ جاتی ہے انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کا سلسلہ عمل کٹتا نہیں۔ برزخ میں بھی ان کا سلسلہ عمل جاری رہتا ہے اور وہ اللہ کی عبادت میں لذت پاتے ہیں۔ وہ بایں معنی بھی زندہ ہیں کہ ان کے اعمال ابھی قائم ہیں۔ یہ انبیاء کی حیات برزخی کا دنیوی حصہ ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

"فنبی اللہ حی یرزق واحیاء فی قبورھم یصلون تسرد فی ذکر الحیوۃ افعالھا لا اصلھا او راد مع الاجساد فان اجسادھم حرمت علی الارض" (تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

ترجمہ: سو اللہ کا نبی زندہ ہے اسے رزق دیا جاتا ہے اور حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون اصل حیات کے بیان میں نہیں افعال حیات کے بیان میں نقل کی جاتی ہے یا مراد یہ ہے کہ وہ اپنے اجساد سے زندہ ہیں کیونکہ ان کے جسموں کو مٹی نہیں کھاتی۔

اعمال حیات مراد ہوں یا اجساد حیات یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ عالم برزخ عالم تکلیف نہیں، یہاں انسان اسی وقت تک مکلف ہے جب تک موت نہ آجائے۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (پ ۱۴ حجر آیت ۹۹) حکم الٰہی ہے اور اسی وقت تک کے لئے ہے جب تک موت نہ آجائے۔

سو عالم برزخ میں عبادت مکلف ہونے کی صورت میں نہیں قرب الٰہی میں اور بڑھنے کے لئے ہے۔ یہ ذوق عبادت کی مزید لذت پانے کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس روحانی لذت سے محروم نہیں کرنا چاہتے جسد کی سلامتی اس عمل کا ایک آلہ ہے۔

اعمال طاعت اس دنیا کا حصہ ہیں اور ان پر عمل پیرائی یہاں کی زندگی ہے۔ انبیاء علیہم کی حیات برزخی اس پہلو سے دنیوی زندگی ہے کہ اس کا سلسلہ عمل باقی ہے اور جسد کی سلامتی انہیں اسی لئے ملی ہے کہ عمل اس کے بغیر قیام نہیں پکڑتا۔ انبیاء علیہم وہاں اپنی نقل وحرکت اسی طرح محسوس کرتے ہیں جیسے کہ وہ اس دنیا میں محسوس کرتے تھے۔ یہاں کی آنکھیں نہ اس برزخی زندگی کو دیکھ سکتی ہیں نہ یہاں کے کان اسے سن سکتے ہیں الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کو دکھا دیں یا سنا دیں۔

اس دنیوی زندگی کا امتداد محالات میں سے نہیں اللہ تعالیٰ چاہتے تو آپ کو برزخ میں جانے نہ دیتے۔ آپ یہیں تا قیامت رہتے اور پھر قیامت کو آپ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ پورا ہوتا اور آپ پھر براہ راست آخرت میں چلے جاتے یہ بدوں برزخ آخرت میں جانا کوئی ناممکن بات نہ تھی۔

برزخ کی کلی نفی اور حیات دنیوی کا امتداد

آنحضرت ﷺ کو امتداد حیات کا موقع دیا گیا تھا اور آپ نے اسے پسند نہ فرمایا۔ آپ ﷺ نے اللہ رب العزت سے ملنے کو حیات دنیوی پر ترجیح دی۔ حضرت ابو مویہبہؓ کہتے ہیں حضور ﷺ نے مجھے فرمایا: "ولاحمد ایضا من حدیث ابی مویهبة قال قال رسول اللہ ﷺ انی اوتیت مفاتیح خزائن الارض والخلد ثم الجنة فخیرت بین ذلک وبین لقاء ربی والجنة فاخترت لقاء ربی والجنة۔" (صحیح بخاری ج ۲ ص ۶۴۱)

ترجمہ: مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئیں اور یہ کہ میں قیامت تک رہوں پھر آگے جنت ہے، مجھے اختیار دیا گیا کہ قیامت تک یہاں رہوں یا اللہ کی ملاقات اور جنت میں جانے کی ہاں کروں، میں نے لقاء رب اور جنت کو اختیار کیا ہے۔ (فتح الباری ج ۸ ص ۱۱۲ عن احمد)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں: "انه لم يقبض نبی حتی یری مقعده من الجنة ثم یخیر فلما نزل به ورأسه علی فخذی غشی علیه ثم افاق فأشخص بصره الی سقف البیت ثم قال اللّٰهم الرفیق الاعلی فقلت اذا لا یختارنا وعرفت انه الحدیث الذی کان یحدثنا وهو صحیح۔" (صحیح بخاری ج ۲، ص ۶۴۱)

ترجمہ: کوئی نبی وفات نہیں پاتا مگر یہ کہ وہ اپنا مقام جنت میں دکھا دیا جاتا ہے پھر اسے اختیار دیا جاتا ہے (کہ دنیا میں رہے یا آخرت کو اختیار کرے)...... آنحضرت ﷺ نے جب اللّٰهم الرفیق الأعلیٰ فرمایا تو میں نے سمجھ لیا کہ اب آپ ہمارے پاس نہ رہیں گے میں نے جان لیا کہ حضور ﷺ جو فرمایا کرتے تھے کہ نبی کو (دنیا میں رہنے کا) اختیار دیا جاتا ہے وہ سچ ہے اور یہ کہ آپ کو اختیار دیا گیا ہے۔

سو اگر آپ قیامت تک کی دنیوی زندگی پا لیتے اور برزخی زندگی سے بالکل نہ گزرتے تو بھی ایسا ممکن تھا اور قواعد شرع اس کا کہیں انکار نہیں کرتے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ آپ ﷺ کی دنیوی زندگی کا امتداد تھا۔

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے پاس حاضری کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ایک پہلو سے آپ ﷺ کی دنیوی زندگی باقی رکھی کہ آپ کے اعمال کا سلسلہ باقی رہے اور آپ قرب الٰہی میں اور آگے بڑھتے رہیں اور اب تک اور پھر قیامت تک آپ کے سلسلہ طاعات میں تسلسل رہے اور یہ برزخ کے پردے میں دنیوی زندگی کا امتداد ہے گو یہاں کی آنکھوں سے استتار ہے۔

سو اگر آپ قیامت تک کی دنیوی زندگی پائے ہوتے اور برزخی زندگی سے بالکل نہ گزرتے تو یہ عین ممکن تھا اس صورت میں آپ صعقہ اولیٰ میں اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ کا وعدہ پورا کرتے اور صعقہ ثانیہ پر پھر اٹھ کھڑے ہوتے اور جنت میں داخل ہو جاتے۔ اس صورت میں آپ ﷺ کی قیامت سے پہلے جو زندگی ہوتی وہ دنیوی زندگی ہی تو ہوتی اور اس میں کوئی شرک کا پہلو نہ تھا۔ معلوم نہیں آپ ﷺ پر وفات ہو چکنے کا اقرار عقیدہ توحید کا جزو کیسے بن گیا۔ آپ ﷺ کی وفات ایک تاریخی حقیقت ہے لیکن یہ توحید کا جزو نہیں۔ وعدہ وفات کبھی بھی پورا ہو سکتا تھا۔

دنیوی زندگی اور برزخی زندگی میں فرق

دنیوی زندگی ایک پہلو سے برزخی زندگی سے اعلیٰ و اولیٰ ہے ورنہ دوسرے اعتبارات سے برزخی زندگی افضل ہے۔ دنیوی زندگی میں قرب الٰہی میں بڑھنے والے اعمال میسر ہیں۔ یہ اعمال کی وہ قوت ہے جو برزخی زندگی میں نہیں وہاں اعمال صرف روحانی لذت اور ذوق حیات کے لئے ہیں۔

شہید برزخ میں اور پھر آخرت میں جسمانی حیات پانے کے باوجود اس دنیا میں پھر آنے کی تمنا کرے گا تا کہ ایک دفعہ پھر وہ خدا کی راہ میں مارا جائے اور وہ یہ لذت ایک دفعہ پھر پائے جو اس نے پہلی دفعہ قتل ہونے پر محسوس کی تھی۔

برزخی زندگی کی شان یہ ہے کہ وہاں ایک دفعہ کا کیا وضوء (جو انبیاء کو بعد الوفات غسل کی صورت میں کرایا جاتا ہے) قیامت تک کی نمازوں کے لئے کافی ہے۔

جس اعتبار سے دنیوی زندگی بہتر و برتر تھی اس اعتبار سے آنحضرت ﷺ اسی زندگی میں ہیں اور جس اعتبار سے برزخی زندگی اعلیٰ و الطف ہے اس اعتبار سے آپ ﷺ برزخی زندگی میں ہیں۔ تاہم آپ کی اس زندگی کو ہم دنیوی بالمعنی المتبادر نہیں کہتے۔ اگر دنیوی کہتے بھی ہیں تو بالعمل المتواتر کے اعتبار سے کہتے ہیں جو آپ ﷺ کو عالم برزخ میں بے شک حاصل ہے۔

برزخی زندگی کی یہ آہٹ کہاں تک رہتی ہے

شہداء اللہ کی راہ میں کٹ کر ہمیشہ کی زندگی پا چکے ہیں۔ انہیں اموات کہنا اب منع ہے۔ وہ احیاء (زندہ) ہیں۔ عالم برزخ میں وہ زندوں والے اعمال کا تسلسل دیئے گئے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام بھی عالم برزخ میں جسمانی حیات رکھتے ہیں اور ان کے اعمال بھی باقی ہیں اور ان کی حیات کا بھی کسی تاویل سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ شہداء کی روحوں کو سبز پرندوں کا سا جسد ملتا ہے اور وہ آسمانوں میں سیر کرتی ہیں، ملاء اعلیٰ میں گھومتی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ برزخی پردے میں کبھی زمین تک آسکتی ہیں یا نہیں؟ اس کے انکار پر کوئی دلیل ہماری نظر سے نہیں گزری ہاں کسی جانے والے کا اس عالم (دنیا) میں آنا ممکن نہیں۔ عالم ان کا دوسرا ہے تو پھر کسی کا یہاں آنا منع نہیں جسے اللہ تعالیٰ چاہے یہاں تک کی سیر کرا دے۔

پھر انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ تو ان سے بھی اونچا اور اعلیٰ ہے۔ کیا برزخی سیر کے لئے ان کی روحوں پر آسمان و زمین کے دروازے بند ہیں؟ اور کیا حضور ﷺ نے اس دنیوی زندگی میں دو قبروں کے پاس سے گزرتے ہوئے ان کی برزخی آوازیں نہ سنی تھیں؟ کیا اعمال برزخ کا ظہور کبھی اس زمین پر نہیں ہوسکتا؟ کیوں نہیں!

سو اگر روایات میں انبیاء علیہم السلام کا برزخی پردے میں یہاں آنا اور آنحضرت ﷺ کا انہیں دیکھ پانا مل جائے تو ہمارے پاس کوئی ایسی شرعی دلیل نہیں جو اس کے تسلیم کرنے میں ہمیں مانع ہو۔ یہ ان کا اس عالم میں آنا شمار نہیں ہوگا۔ یہ اس زمین کی ایک برزخی سیر ہے جو عالم برزخ میں وقوع میں آرہی ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کا سلسلۂ عمل رکا نہیں

احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء ﷺ کا سلسلۂ عمل رکا نہیں ان کی طاعات برابر جاری ہیں۔ صرف یہ ہوا کہ وہ موت کا پل عبور کرنے سے ہماری آنکھوں سے اوجھل کر دیئے گئے ہیں اور اب ان کے چلنے پھرنے کا جہان یہ دنیا نہیں عالم برزخ ہے۔ وہ ایک انداز سے ان قبروں میں ہیں اور ایک جہت ان کی برزخی وسعت ہمارے ادراک سے بالا ہے۔ وہ کبھی اس زمین پر دکھائی بھی دیں تو یاد رکھئے اللہ رب العزت نے ان پر برزخی سیر کے دروازے کھول رکھے ہے۔ شہداء کے لئے اگر سیر گاہیں کھلی ہیں تو انبیاء ﷺ کے لئے اس وسعت میں کونسا شرعی قاعدہ مانع ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا برزخی پردے میں یہاں آنا

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں: "سرنا مع رسول اللہ ﷺ بین مکۃ والمدینۃ فمررنا بواد فقال أیّ واد هذا فقالوا وادی الازرق فقال کانی انظر الی موسیٰ فذکر من لونه وشعره شیئاً۔" (صحیح مسلم ج۱، ص۹۵)

ترجمہ: ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکہ اور مدینہ کے درمیان گزر رہے تھے ہم ایک وادی کے پاس سے گزرے تو آپ نے پوچھا یہ کون سی وادی ہے؟ صحابہؓ نے عرض کی وادی ازرق، آپ نے فرمایا میں گویا یہاں موسیٰ کو دیکھ رہا ہوں آپ نے پھر ان کے رنگ اور ان کے بال بھی بتائے کہ وہ کیسے ہیں۔

حضور ﷺ کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رنگ اور بالوں کا ذکر کرنا اس تاکید میں تھا کہ آپ ﷺ نے واقعی انہیں ہی دیکھا ہے عارضی اور مثالی ابدان کے حلئے اور نقشے اس طرح بیان نہیں کئے جاتے اور انبیاء سابقین کا اپنے اصلی اجساد سے یہاں آنا محدثین کے ہاں کوئی امر ممنوع نہیں ہے وہ برابر اس احتمال کو جگہ دیتے ہیں۔

(دیکھئے فتح الباری ج۷، ص۱۴۷)

صحیح بخاری میں ہے: "أما موسی کأنی أنظر الیه اذا انحدر فی الوادی یلبی" (صحیح بخاری ج۱ ص۲۱۰)

ترجمہ: موسیٰ علیہ السلام کو تو گویا میں دیکھ رہا ہوں آپ وادی میں اترتے لبیک کہہ رہے ہیں۔

یہ لبیک کہنا اعمال عمرہ وحج میں سے ہے۔ ظاہر ہے کہ ان اعمال کی زمین یہ دنیوی زمین ہی ہے۔ حمد وثنا کے نغمے تو جنت میں بھی ہوں گے۔ لیکن طواف عمرہ کعبہ کے سوا کہیں نہیں اور حج عرفات کے سوا کہیں نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لبیک کہتے ہوئے دکھائی دینا بتلاتا ہے کہ اس برزخی زندگی میں ان کے یہاں کے بعض اعمال برابر جاری ہیں اور ان کی ہمیں مخبر صادق ﷺ نے خبر دی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اپنے ان اعمال کو پورے حسی طور پر عمل میں لاتے ہیں اور گو وہ اپنی قبر کی زندگی میں ہیں لیکن اس کی وسعت انہیں ان اعمال سے مانع نہیں ہے۔

دسویں صدی کے مجدد سیدنا ملا علی القاری ؒ دوسری حدیث ''فاذا موسیٰ قائم یصلی فی قبرہ'' کی شرح میں لکھتے ہیں: ''فان حقیقة الصلوٰة وھی الإتیان بالأفعال المختلفة انما تکون بالأشباح لا بالأرواح فقط'' (مرقات ج۱۱ ص۱۵۷)

ترجمہ: نماز کی شرعی حقیقت مختلف کاموں کو عمل میں لانا ہے اور اعمال بجالانا ابدان سے ہوتا ہے صرف ارواح سے نہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کے بعد الموت حج کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''الانبیاء أحیاء عند ربھم یرزقون فلا مانع ان یحجون قال القرطبی حببت الیھم العبادة فھم یتعبدون بما یجدون من دواعی أنفسھم'' (فتح الملہم ج۱ ص۳۳۰)

ترجمہ: انبیاء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے تو یہ بات ناممکن نہیں کہ وہ حج بھی کرتے ہوں علامہ قرطبی کہتے ہیں عبادت کی محبت ان کے دلوں میں ڈال دی گئی ہے اور اب وہ اپنے داعیہ نفس سے اپنے خدا کی عبادت میں لگے رہتے ہیں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ حج کے موقعہ پر وادی عسفان کے پاس سے گزرے تو آپ نے وہاں سے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہ السلام کے گزرنے کی خبر دی۔ آپ ﷺ نے کہا: ''مر به ھود و صالح علیھما السلام علی بکرات خطمھا اللیف ازرھم العباء وارديتھم النمار یلبون یحجون البیت العتیق'' (رواہ ابو یعلی والطبرانی ایضاً)

ترجمہ: حضرت ہود اور حضرت صالح علیہ السلام اونٹوں پر سوار آپ کے پاس سے گزرے ہیں ان اونٹوں کی مہاریں کھجور کی چھال کی...... ان کی لنگیاں عباء...... اور چادریں اون کی تھیں۔ تلبیہ کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے بیت قدیم کا طواف کرنے جا رہے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں: اسنادہ حسن۔ (البدایہ والنہایہ ج۱ ص۱۳۸)

محدث شہیر حافظ ابو یعلیٰؒ (۳۰۷ھ) حضرت نوح علیہ السلام کا نام بھی ذکر کرتے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام بھی لیتے ہیں۔ (البدایہ ج۱ ص۱۱۹)

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اعمال طاعت جاری ہیں اور وہ کبھی اپنی برزخی سیر میں اس زمین پر بھی آنکلتے ہیں۔ تاہم ان کا جہان عالم برزخ ہے نہ کہ یہ جہان۔ معراج کی رات جب آنحضرت ﷺ نے ایک سرخ ٹیلے کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا تو آپ خود حیرت میں تھے، آپ انہیں اس عالم (برزخ) میں...... نگاہوں کو تردد ہو رہا تھا کہ وہ واقعی وہی ہیں یا اور...... کبھی فرماتے کأنی أنظر الیه گویا میں انہی کو دیکھ رہا ہوں۔

اللہ رب العزت نے فرمایا: "وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَلَا تَکُنْ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْ لِّقَآئِہٖ" (پ ۲۱: السجدہ آیت ۲۳)

ترجمہ: اور ہم نے دی موسیٰ کو کتاب سو آپ اس کی ملاقات میں کسی شک میں نہ پڑیں۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں: "تم جو موسیٰ سے شب معراج میں ملے تھے وہ سچی حقیقت ہے وہ دھوکہ یا نظر بندی نہیں۔"

یہ اس صورت میں ہے کہ یہ آیت واقعہ اسراء کے بعد نازل ہوئی ہو۔ اگر پہلے نازل ہوئی تو یہ ایک وعدہ ہے جو آپ ﷺ کو دیا گیا اور لیلۃ الاسراء میں اسے پورا کیا گیا۔

جب آپ ﷺ کی ملاقات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی تو اس کے بعد آپ کی ملاقات پوری جماعت انبیاء علیہم السلام سے بھی ہوئی مگر قبر میں نماز پڑھتے آپ ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہی پایا تھا۔

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: "ان کثیرا من الاعمال قد ثبتت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی وقراءۃ القران عند الترمذی" (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳)

ترجمہ: بہت سے اعمال قبروں میں بھی ثابت ہیں سنن دارمی کی روایت میں اذان اور اقامت کا قبر میں ہونا مذکور ہے اور ترمذی کی روایت میں قبر میں سے قرآن کی آواز سنائی دے رہی ہے۔

حیات انبیاء علیہم السلام کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اراد بالحیوۃ فعل الاعمال واکثر من فی القبور فی العطلۃ بخلاف المقربین" (تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

ترجمہ: حدیث میں حیات سے مراد فعل اعمال ہے (زندوں کے سے اعمال کا باقی رہنا) اور اکثر لوگ جو قبروں میں ہیں ان کے اعمال تعطل میں ہیں بخلاف مقربین۔

اعمال کے بارے میں ملا علی قاریؒ تصریح فرما چکے ہیں کہ وہ ابدان سے وقوع میں آتے ہیں صرف ارواح سے نہیں۔ مردے ان اعمال حیات سے خالی ہیں لیکن مقربین کی یہ بات نہیں۔

"الاتیان بالافعال المختلفۃ انما تکون بالاشباح لا بالارواح" (مرقات ج ۱۱ ص ۱۵۷)

ترجمہ: یہ مختلف قسم کے افعال بجالانا ابدان سے ہی ہو سکتا ہے...... صرف ارواح سے نہیں۔

حیات شہداء کی بحث میں حیات انبیاء علیہم السلام کی یہ بحث ضمناً آگئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حیات انبیاء علیہم السلام ایک برزخی حقیقت ہے جس کا انکشاف بارہا یہاں کی تیز آنکھوں کو ہوا اور انہوں نے جو کچھ دیکھا بتا دیا اور پھر قرآن کریم نے بھی ان کی تصدیق کر دی۔ اس کے بعد ہمارے یہ کرم فرما معلوم نہیں اور کس دلیل پر ایمان لائیں گے فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَہٗ یُؤْمِنُوْنَ!

حضور ﷺ کی پہلے انبیاء علیہم السلام سے ملاقات

ہم حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم علیہم السلام کا برزخی پردے میں زمین پر آنا اور حضور ﷺ کا انہیں دیکھ پانا پہلے ذکر آئے ہیں۔ ان میں موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات بہت اہم ہے کیونکہ اس کے بارے میں قرآن پاک میں صراحت سے کہا گیا ہے: "فَلَا تَکُنْ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْ لِّقَآئِہٖ" (پ ۲۱ السجدہ آیت ۲۳)

ترجمہ: آپ ان سے ملاقات کے بارے میں کسی شک وتردد میں نہ پڑیں۔

بیت المقدس میں معراج کی رات انبیاء کرام ﷦ اسی طرح آئے تھے جس طرح ارواح شہداء سبز پرندوں کے قالب میں آسمانوں پر سیر کرتی ہیں۔ برزخی سیر میں کبھی زمین پر آجاتے ہیں۔ پھر جب ان انبیاء ﷦ نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز بھی پڑھی اور نماز زندہ جسد کو چاہتی ہے اور بدن کے بغیر یہ عمل ترتیب نہیں پا سکتا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے اجساد کون سے تھے؟

جس طرح شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں متجسد ہوتی ہیں انبیاء ﷦ کی ارواح ان نبیوں کی اصلی صورت میں متجسد ہوئیں یا انبیاء کرام کی اس رات تشریف آوری اپنے ارواح واجساد کے ساتھ تھی۔

محدثینؒ نے یہاں دونوں احتمال ذکر کئے ہیں ہوسکتا ہے صرف ارواح کی آمد ہو اور ہوسکتا ہے انبیاء کرام ﷦ اپنے اجساد اصلیہ کے ساتھ برزخ کے پردے میں یہاں پہنچے ہوں اور ان کی تشریف آوری ارواح واجسام دونوں سے ہو۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: ''واما الذین صلوا معه فی البیت المقدس فیحتمل الأرواح خاصة ویحتمل الاجساد بارواحها'' (فتح الباری ج ۷ ص ۱۴۷)

ترجمہ: وہ انبیاء ﷦ جنہوں نے اس رات حضور ﷺ کے ساتھ بیت المقدس میں نماز پڑھی ہوسکتا ہے کہ وہاں صرف روحیں متجسد ہوئی ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ارواح مع الاجساد یہاں آئی ہوں۔

''إن أرواحهم تشكلت بصورة أجسادهم او أحضرت أجسادهم لملاقاة النبی ﷺ تلك الليلة تشريفا وتكريما ويؤيده حديث عبد الرحمن بن هاشم عن انس ففيه وبعث له ادم ومن دونه من الانبياء''

(فتح الباری ج ۷، ص ۱۴۷)

ترجمہ: ان کی روحیں ان کی صورتوں میں متشکل ہوئی ہوں یا اس رات ان کے اصل اجساد ہی نبی کریم ﷺ کی ملاقات کے لئے حاضر کر دیئے گئے ہوں دونوں باتیں ہوسکتی ہیں ایسا حضور ﷺ کی تشریف وتکریم کے لئے ہوا اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے لئے حضرت آدم ﷤ اور دوسرے سب انبیاء ﷦ اٹھائے گئے۔ (حاضر کئے گئے)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ دوسرے احتمال کے مؤید ہیں کہ اس رات انبیاء کرام ﷦ حضور ﷺ کے اعزاز واکرام میں اپنے اصل اجساد کے ساتھ یہاں آئے۔ عالم برزخ میں ان اجساد کو اتنی لطافت ملی ہوئی ہے کہ وہ لمحوں میں یہ فاصلے طے کر پاتے ہیں۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں جو لوگ تخت بلقیس کا آنکھ جھپکنے میں آپہنچنا مان سکتے ہیں وہ قدرت ایزدی سے ان انبیاء ﷦ کے یہاں آنے اور جانے میں کبھی کوئی شک نہیں کر سکتے۔ تخت تو لکڑی کا تھا جس میں نہ کبھی کوئی روح رہی نہ اس نے کوئی لطافت پائی اور وہ آنا بھی عالم دنیا میں تھا لیکن انبیاء کرام ﷦ کی یہ آمد تو برزخی پردے میں ہے کیا برزخ میں بھی ان کے اجساد ایسی لطافت نہیں پا سکتے کہ آنکھ جھپکنے میں وہ اپنی قبور سے آئیں بھی اور باذن الٰہی پھر وہاں جا بھی پہنچیں......اور یہ فاصلہ اور آنا جانا یہاں کے کسی دوسرے شخص کو محسوس ومشاہد نہ ہو۔ جن کی برزخ کے عجائب پر نظر ہے وہ کبھی ان امور کا انکار نہیں کر سکتے۔

انبیاء علیہم السلام کا اصلی اجساد کے ساتھ یہاں آنا کوئی ایسی بات نہیں کہ محدثین نے اسے اپنے ہاں کوئی جگہ نہ دی ہو۔ جو لوگ ان حقائق کو استہزاء سے ٹھکراتے ہیں وہ آخرت کی جوابدہی کے لئے تیار رہیں یاد رہے کہ بیت المقدس میں ان کی ملاقات کے لمحے اور تھے......اور آسمانوں پر ان کی ملاقات کے لمحے اور تھے......تو ان میں سے کوئی بات خلاف عقل نہیں اور احادیث میں یہ ملاقاتیں ثابت ہیں تو ان واردات کا کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔

"صلوتھم فی اوقات مختلفة وفی اماکن مختلفة لایردہ العقل وثبت بہ النقل فدل ذلک علیٰ حیاتھم" (فتح الباری کتاب الانبیاء پ ۱۳، ص ۲۷۸ دہلی)

ترجمہ: ان کی (بیت المقدس میں) نماز اور وقتوں میں تھی اور (یہ امور) مختلف مقامات سے تعلق رکھتے ہیں عقل ان کا انکار نہیں کرتی اور نقل سے یہ بات ثابت ہے تو یہ اس پر دلالت ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں۔

ملاقات انبیاء علیہم السلام پر قرآن کی شہادت

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسا حکم دیا جس پر بدوں اس کے عمل نہیں ہو سکتا کہ آپ کی ان اپنے سے پہلے کے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ملاقات ہو اور آپ ان سے اپنے عقیدہ کی تائید حاصل کریں ارشاد ہوتا ہے:

"وَسْــئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَ" (پ ۲۵ زخرف ع ۴، آیت ۴۵)

ترجمہ: اور پوچھ دیکھ ان سے جن کو ہم نے تجھ سے پہلے رسول بنا کر بھیجا۔ کیا ہم نے بنائے ہیں رحمٰن کے سوا اور معبود جو پوجے جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان سے پوچھنے کا مکلف فرمایا تو لازم ہوا کہ آپ کی کبھی نہ کبھی ان سے ملاقات ہوئی ہو۔ یہ اس آیت کا ظاہر ہے۔

کچھ دوسرے علماء ہیں جنہوں نے آیت کو مجازی معنی پر لا کر یہ تفسیر کی کہ اس میں خود ان انبیاء علیہم السلام سے پوچھنا مطلوب نہیں ان کی کتابوں اور امتوں سے دریافت کرنا مراد ہے کہ کبھی کیا کسی پیغمبر نے بھلا شرک کی اجازت دی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کے حقیقی اور مجازی دونوں معنی بیان کئے ہیں: "یہ ارشاد کہ پوچھ دیکھو یعنی جس وقت ان سے ملاقات ہو جیسے شب معراج میں ملاقات ہوئی یا ان کے احوال کتابوں سے تحقیق کرو جو ذرائع تحقیق و تفتیش کے ہوں ان کو استعمال میں لانے سے صاف ثابت ہو جائے گا کہ کسی دین سماوی میں کبھی شرک کی اجازت نہیں ہوئی۔" (تفسیر عثمانی ص ۶۳۹)

اول معنی حقیقی اور ظاہر معنی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے بھی انہی کی تائید ہوتی ہے دوسرے معنی مجازی ہیں جن میں صرف عن الظاہر کرنا پڑتا ہے۔ علامہ قرطبیؒ (۶۷۱ھ) نے بعض روایات نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انبیاء علیہم السلام کی امامت کرنے کے بعد ان سے یہی بات پوچھی (دیکھئے تفسیر قرطبی ج ۱۶، ص ۹۴) ان روایات کی سند ہمیں معلوم نہیں ہو سکی۔

جلالین میں بھی پہلے معنی کو ہی ظاہر معنی کہا گیا ہے: "قیل ھو علیٰ ظاھرہ بان جمع لہ الرسل لیلة الاسراء وقیل المراد امم من ای اھل الکتابین" (تفسیر جلالین ص ۶۵۱ مصر)

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ آیت اپنے ظاہر پر ہے وہ یہ کہ تمام پیغمبر آپ کے لئے معراج کی رات جمع کئے گئے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد اہل کتاب کی امتیں ہیں یعنی یہ کہ آپ ان کی امتوں سے پوچھ دیکھیں۔

جلالین میں دوسرے مقام پر صریح لفظوں میں ا ہے لیلۃ الاسراء کی ملاقات قرار دیا ہے: ''فلاتکن فی مریة (شک) من لقانه وقد التقیا لیلة الاسراء'' (تفسیر جلالین ص ۵۵۰)

ترجمہ: سو آپ موسیٰ کی ملاقات میں شک نہ کریں اور یہ دونوں (حضور ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام لیلۃ الاسراء میں ملے تھے۔

حافظ ابن کثیرؒ بھی اسی کی تائید کرتے ہیں: ''وفی الجلالین قیل هو علی ظاهره بان جمع له الرسل لیلة الاسراء'' (ج ۴، ص ۱۲۹)

ترجمہ: اور جلالین میں ہے کہ اسے اپنے ظاہر پر بتلایا گیا ہے یہ کہ معراج کی رات آپ کے لئے تمام پیغمبر اکٹھے کئے گئے تھے۔

پرانے ادیان میں غور کرنے کا حکم یہ پہلی آیت کے مجازی معنی ہیں۔ حقیقی معنی مراد لیا جا سکے تو مجازی معنی اختیار نہ کرنے چاہئیں۔ شیخ محمد علی الصابونی اس دوسرے معنی کو مجازی قرار دیتے ہیں یہ ظاہری معنی نہیں ہیں۔

''والسؤال ههنا مجاز عن النظر فی ادیان الانبیاء'' (تفسیر صفوۃ التفاسیر ج ۳ ص ۱۵۹)

ترجمہ: انبیاء سے سوال کرنا ان کے ادیان میں غور کرنے کی ایک مجازی تعبیر ہے۔

تفسیر قرآن کا ایک اصول یاد رکھئے۔ امام فخر الدین رازیؒ (۶۰۶ھ) لکھتے ہیں: ''القانون انه یجب حمل کل لفظ ورد فی القران علی حقیقته الا اذا قامت دلالة عقلیة قطعیة توجب الانصراف عنه ومن لم یعرف شیأ لم یخض فیه'' (تفسیر کبیر ج ۶، ص ۵)

ترجمہ: اصول یہی ہے کہ قرآن کریم میں جو لفظ وارد ہوا اسے اس کے حقیقی معنوں پر محمول کیا ہے جب تک کہ ایسی قطعی دلالت قائم نہ ہو جو اسے کے اصلی معنوں سے ہٹانا ضروری قرار دے اور جو کسی چیز کو سمجھا ہی نہیں وہ اس کی گہرائی میں کیسے اترے گا۔

علامہ بغویؒ (۵۱۶ھ) لکھتے ہیں: ''فلما فرغ من الصلوٰة قال له جبریل سئل یا محمد من ارسلنا من قبلک من رسلنا الآیة فقال رسول الله ﷺ لا اسئل فقد اکتفیت وهذا قول الزهری وسعید بن جبیر وابن زید قالوا جمع له الرسل لیلة الاسراء وامر ان یسأل'' (معالم التنزیل ج ۴، ص ۱۴۱)

ترجمہ: جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو جبریل نے آپ سے (خدائی حکم پہنچاتے ہوئے) کہا اے میرے رسول! جو رسول میں نے پہلے بھیجے ہیں آپ ان سے پوچھ دیکھیں۔ زہری، سعید بن جبیر، ابن زیدؒ کی یہی رائے ہے یہ کہتے ہیں آپ کے لئے تمام رسول معراج کی رات جمع کئے گئے اور آپ کو کہا گیا کہ آپ ان سے پوچھ دیکھیں۔

''عن سعید بن جبیر قال لیلة اسری به لقی الرسل وفیه... واسئل من ارسلنا'' (درمنثور ص ۱۹)

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر سے روایت ہے وہ کہتے ہیں جس رات حضور ﷺ کو معراج کی سیر کرائی گئی آپ سب رسولوں سے ملے اور اس آیت میں ہے آپ ان سے جو ہم نے آپ سے پہلے بھیجے، پوچھ دیکھیں۔

قاضی ثناء اللہ صاحبؒ (۱۲۲۵ھ) بھی یہی معنی کرتے ہیں: ''عن ابن عباس قال لما اسری بالنبی ﷺ

بعث اللہ له ادم و اولاده من المرسلين الى ان قال جبريل تقدم يا محمد فصل بهم فلما فرغ من الصلوٰة قال جبريل سل يا محمد من ارسلنا'' (تفسیر مظہری ج، ص ۳۵)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کو معراج کی سیر کرائی گئی تو حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے تمام انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے یہاں تک کہ جبرئیل علیہ السلام نے کہا حضور ﷺ آگے بڑھیں پس آپ نے انہیں نماز پڑھائی جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو جبرئیل نے حضور ﷺ سے کہا آپ ان سے پوچھ دیکھیں۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) کی تصریح بھی سن لیجئے: ''واسئل من ارسلنا... الاية قال الزهرى وسعيد بن جبير وابن زيد ان جبريل قال ذلك للنبى ﷺ لما اسرى به فالمراد سواله الانبياء فى ذلك الوقت عند ملاقاته بهم وبه قال جماعة من السلف'' (فتح القدیر ج، ص ۵۵۷)

ترجمہ: اور آپ پوچھ دیکھیں ان سے جنہیں ہم نے رسول بنا کر بھیجا زہری، سعید بن جبیر اور ابن زیدؒ کہتے ہیں جب حضور ﷺ کو معراج کی سیر کرائی گئی تو جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے یہ بات کہی سو اس سے مراد ان پیغمبروں سے ملاقات کے وقت آپ کا ان سے سوال کرنا ہے اور یہی تفسیر سلف کی ایک جماعت نے کی ہے۔

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) کی تفسیر روح المعانی میں ہے: ''اخرج الطبرانى وابن مردويه وايضاً فى المختارة بسند صحيح عن ابن عباس انه قال فى الاية اى من لقاء موسىٰ واخرج ابن ابى حاتم عن ابى العاليه انه قال كذلك فقيل له اولقى عليه الصلوٰة والسلام موسىٰ؟ قال نعم! الاترى الىٰ قوله تعالىٰ واسئل من ارسلنا... اراد بذلك لقاءه اياه ليلة الاسراء كما ذكر فى الصحيحين وغيرهما وروى نحو ذلك عن قتادة وجماعة من السلف وقاله المبرد حين امتحن الزجاج بهذه الاية وكان المراد من قوله فلاتكن فى مرية من لقائه علىٰ وعده تعالىٰ بنبيه عليه الصلوٰة والسلام بلقاء موسىٰ وتكون الاية نازلة قبل الاسراء''

(روح المعانی ج ۲۱ ص ۱۳۷)

ترجمہ: طبرانی اور ابن مردویہ حضرت ابن عباس ؓ سے سند صحیح سے نقل کرتے ہیں آپ نے اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات تسلیم کی ہے اور ابن ابی حاتم ابوالعالیہ (۹۰ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا کیا واقعی حضور اکرم ﷺ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی؟ آپ نے کہا ہاں کیا تم قرآن کریم میں اس آیت کو نہیں دیکھتے واسئل من ارسلنا اس سے حضور ﷺ کا ان سے معراج کی رات ملاقات کرنا مراد ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور دوسری کئی کتابوں میں مذکور ہے حضرت قتادہ (۱۱۸ھ) اور سلف صالحین کی ایک جماعت یہی کہتی ہے۔ علامہ مبرد کی رائے بھی یہی ظاہر ہوئی جب آپ نے زجاج کا اس آیت میں امتحان لیا اور یہی مراد الٰہی ہے اور اس آیت میں فلاتكن فى مرية من لقائه (آپ ان کی ملاقات میں شک نہ کریں یہ ہو کر رہے گی) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو موسیٰ سے ملاقات کرانے کا وعدہ دیا تھا۔ یہ آیت واقعہ معراج سے پہلے نازل ہوئی تھی (سو یہ ایک وعدہ تھا جو معراج کی رات پورا ہوا)

''عن قتادة قال سئلهم ليلة اسرى به لقى الانبياء و لقى ادم ومالک خازن النار قلت هذا هو الصحيح فى تفسير هذه الآية'' (تفسیر کبیر امام رازی ج ۷، ص ۴۳۰، مدارک ص، قرطبی ج ۱۶، ص ۹۴)

ترجمہ: حضرت قتادہ﷜ سے مروی ہے آپ ﷺ کا ان انبیاء ﷩ سے سوال کرنا معراج کی رات وقوع میں آیا تھا آپ آدم ﷤ سے ملے۔ میں (فخر الدین الرازی) کہتا ہوں اس آیت کی تفسیر میں صحیح بات یہی ہے۔

ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس﷜ کی تفسیر اس ملاقات کا پتہ دیتی ہے اور آیت بھی اپنے ظاہری اور حقیقی معنی پر رہتی ہے۔

قتادہ (۱۱۸ھ)، سعید بن جبیر (۹۵ھ)، زہری (۱۲۴ھ)، ابوالعالیہؒ (۹۰ھ) جیسے اکابر جو تفسیر میں صحابہ کرام﷢ کے براہ راست شاگرد ہیں وہ اسی تفسیر کو ترجیح دیتے ہیں۔

تیسری صدی کے محدثین امام احمد (۲۱۴ھ)، امام بخاری (۲۵۶ھ)، امام مسلم (۲۶۱ھ) وغیرہم حضور ﷺ کی ان انبیاء سے ملاقات سند صحیح سے روایت کرتے ہیں۔

چوتھی صدی کے امام طحاویؒ (۳۲۱ھ)

پھر امام بیہقی (۴۵۸ھ)، بغوی (۵۱۶ھ)، امام نسفی (۵۳۷ھ)، امام رازی (۶۰۶ھ)

پھر ساتویں صدی کے امام نووی (۶۷۶ھ)، قرطبی (۶۷۱ھ)

پھر آٹھویں صدی کے علامہ خازن (۷۴۱ھ) اور حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ)

نویں صدی کے حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ)،

دسویں صدی کے امام سیوطی (۹۱۱ھ) اور ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)

گیارہویں صدی کے شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)

بارہویں صدی کے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)

تیرہویں صدی کے قاضی ثناء اللہ (۱۲۲۵ھ)، شوکانی (۱۲۵۵ھ) اور علامہ آلوسی (۱۲۷۰ھ) اور چودہویں صدی کے جلیل القدر مفسر شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی[1] ﷫!

یہ مفسرین حضرات قرآن کی آیت واسئل من ارسلنا کے اس ظاہر معنی کو مسلسل اور متواتر نقل کرتے چلے آرہے ہیں اور بیشتر حضرات اس کی بھی صراحت کرتے جاتے ہیں کہ انبیاء کرام ﷩ کی یہ اقتداء اور حضور ﷺ سے ملاقات صرف ان کی ارواح سے نہیں ارواح واجساد سے تھی اور برزخ میں ان کے اجساد کریمہ پیرایہ اطاعت میں وہاں پہنچے ہوئے تھے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ متاخرین میں کچھ ایسے مفسر بھی ہوئے جو اس آیت کو اس کے ظاہر معنی سے پھیر کر اسے مجازی معنوں پر محمول کرتے ہیں لیکن اس سے آپ کو اتنی بات تو تسلیم کر لینی چاہئے کہ اگر انبیاء کرام ﷩ اپنے ارواح واجساد کے ساتھ اس رات حضور ﷺ سے ملے ہوں اور یہ سب اللہ رب العزت کی قدرت سے ظہور میں آیا ہو تو یہ کوئی شرک کی بات نہیں ہے کہ اس کی تردید اور اس مؤقف سے استہزاء کئے بغیر ان معتزلہ کا عقیدہ توحید ہی قائم نہ ہوتا ہو۔ اسلاف کے کسی موقف سے گو اس میں آپ کو ان سے اختلاف ہی کیوں نہ ہو اس قدر وحشت کا اظہار صحیح نہیں کہ آپ کو ان کا عقیدہ توحید ہی متزلزل دکھائی دے۔

الحذر الحذر اے چیرہ دستاں الحذر

---

[1] شیخ الاسلام فتح الملہم میں فرماتے ہیں: "ولقد اتینا موسی الکتاب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ قال قد کان قتادۃ یفسرھا ان النبی ﷺ قال قد لقی موسی لیلۃ الاسراء... ووافقہ علیہ جماعۃ منھم المجاھد والکلبی والسدی" (فتح الملہم ج۱ ص۳۲۹)

جو علماء انبیاء علیہم السلام کی اس رات ابدان سے حاضری کے قائل ہیں جب وہ بھی دوسرا قول کہ ان کی ارواح متشکل ہوئی ہوں اسے ساتھ نقل کرتے ہیں تو تعجب ہے کہ آج دوسرے موقف کا عقیدہ رکھنے والے اس ظاہر معنی قرآن کے نقل تک کی جرأت و ہمت نہیں کرتے؟ محض اس لئے کہ کہیں ان کے معتقدان سے بگڑ نہ جائیں۔

دسویں صدی کے علامہ سیوطیؒ (۹۱۱ھ) اور ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) کا پیرایہ بیان ملاحظہ فرمائیں۔ کیا انہوں نے دونوں قول ذکر نہیں کئے۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: ''قال الحافظ السیوطی استشکل رؤیۃ الانبیاء فی السموات مع ان اجسادھم مستقرۃ فی قبورھم واجیب بان ارواحھم تشکلت بصور اجساد ھم اذا حضرت اجسادھم لملاقاۃ النبی ﷺ تلک اللیلۃ تشریفا وتکریمالہ'' (مرقات ج۱۱ص۴۵)

ترجمہ: حافظ جلال الدین سیوطیؒ کہتے ہیں (حضور ﷺ کی) ان انبیاء کرام علیہم السلام سے آسمانوں پہ ملاقات پر ایک اشکال وارد ہے ان کے اجساد عنصری تو ان کی قبور میں ہیں (پھر ان سے آسمانوں پر ملاقات کیسے) اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہوسکتا ہے ان کی ارواح خود ان کے اجسام کی صورت میں متشکل ہوگئی ہوں یا ان کے اجساد حضور ﷺ کی ملاقات کے لئے اور آپ کی تشریف وتکریم کے لئے (ان کی قبروں سے) یہاں لا حاضر کئے گئے ہوں۔

کیا یہ اللہ رب العزت کی قدرت سے بعید ہے کہ انہیں ان کی قبروں سے یہاں لا حاضر کرے؟

پھر ذرا آگے جا کر لکھتے ہیں: ''الذین صلوا معہ فی بیت المقدس... ثم اجسادھم کارواحھم لطیفۃ غیر کثیفۃ فلا مانع لظھورھم فی عالم الملک والملکوت علی وجہ الکمال بقدرۃ ذی الجلال... فان حقیقۃ الصلوۃ وھی الاتیان بالافعال المختلفۃ انما تکون بالاشباح لا بالارواح'' (ص۱۵۷)

ترجمہ: جن حضرات نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ اس رات نماز پڑھی ...... پھر ان کے اجسام بھی تو ان کے ارواح کی طرح لطیف ہیں کچھ کثیف نہیں سو یہ ناممکن نہیں کہ وہ اس عالم ملکوت میں اللہ ذوالجلال کی قدرت سے اس کامل پیرایہ میں (روح وبدن کے ساتھ) وہاں پہنچیں...... نماز کی حقیقت اس کے مختلف افعال کو وجود میں لانا ہے اور یہ اجساد سے ہی ہوسکتا ہے نہ کہ صرف ارواح سے۔

یہ حضور ﷺ کی پہلے انبیاء علیہم السلام سے شفاهاً ملاقات تھی یہ کوئی خواب کی بات نہیں، حضور ﷺ کی دنیوی زندگی تھی اور ان کی برزخی (ماسوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے) اور یہ قدرت خداوندی کے عجائب ہیں جنہیں حق سبحانہ وتعالیٰ جب چاہتے ہیں اپنے کسی بندہ پر ظاہر فرما دیتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پہلے انبیاء سے ملاقات

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معراج کی رات جو دوسرے انبیاء علیہم السلام سے ملاقات ہوئی اس میں آپ اپنی دنیوی زندگی میں تھے اور وہ حضرات اپنی برزخی زندگی میں، پھر آپ جب نزول فرمائیں گے تو کیا ان کی پہلے انبیاء کرام علیہم السلام سے کوئی اور ملاقات بھی ہوگی؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں دوبارہ آئیں گے تو ان کی بھی پہلے انبیاء علیہم السلام سے اس طرح کی ملاقات ہوگی جیسے حضور ﷺ نے یہاں حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت ابراہیم اور حضرت یونس علیہم السلام سے ملاقات فرمائی اور ممکن ہے ان کی ملاقاتیں ان کی قبور پر ہوں۔ جس طرح حضور ﷺ کی کثیب احمر کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات

ہوئی تھی۔ حافظ سیوطیؒ (۹۱۱ھ) اپنے فتاوی میں لکھتے ہیں: ''فکذلک عیسی اذا نزل الی الارض یری الانبیاء ویجمع بهم ومن جملتهم النبی ﷺ فیاخذ عنه ما احتاج الیه من احکام الشریعة'' (الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۹۱)

ترجمہ: اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام جب زمین پر اتریں گے آپ بھی انبیاء علیہم السلام کو دیکھ پایا کریں گے ان کے ساتھ ملیں گے اور انہی میں نبی ﷺ بھی ہیں۔ سو آپ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضور ﷺ سے حسب ضرورت آپ کی شریعت کے احکام بھی لیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روضہ اطہر پر حضور ﷺ سے ملاقات: حافظ ابو یعلیٰ (۳۰۷ھ) حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''والذی نفسی بیده لینزلن عیسی بن مریم ثم لئن قام علی قبری فقال یا محمد لأجیبنه'' (مسند ابی یعلیٰ ج ۶ ص ۱۰۱، الحاوی ج ۲ ص ۲۹)

ترجمہ: قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے پھر اگر وہ میری قبر پر آئیں اور مجھے مخاطب کریں تو میں انہیں جواب بھی دوں گا۔

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) بھی اسے حافظ ابو یعلیٰ سے انہی الفاظ میں نقل کرتے ہیں: ''انه علیه السلام یاخذ الاحکام من نبینا ﷺ شفاهاً بعد نزوله وهو ﷺ فی قبره الشریف واید بحدیث ابی یعلی والذی نفسی بیده لینزلن عیسی بن مریم ثم لئن قام علی قبری وقال یا محمد لاجیبنه'' (روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول ہمارے نبی کریم ﷺ کے سامنے ہو کر ان سے مواخذ احکام کریں گے اور آپ ﷺ اپنی قبر شریف میں ہیں اور اس کی تائید محدث ابی یعلیٰ کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے عیسیٰ بن مریم ضرور نازل ہوں گے پھر آپ اگر میری قبر پر آئیں اور سلام کہیں یا محمد کہیں تو میں ان کو جواب بھی دوں گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روحانیت اتنی اونچی ہوگی کہ آپ جب چاہیں حضور ﷺ سے مسئلہ پوچھ لیا کریں گے۔

امام سیوطیؒ نے حافظ ابن عساکرؒ کی یہ روایت بھی نقل کی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''فلیسلکن فج الروحاء حاجّا او معتمراً فلیقفنّ علی قبری فلیسلمنّ علیّ ولأردنّ علیه'' (الحاوی ج ۲، ص ۲۹)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ روحاء کے رستے حج یا عمرے پر چلیں گے اور میری قبر پر بھی ضرور ٹھہریں گے اور مجھ پر سلام کریں گے اور میں آپ پر سلام لوٹاؤں گا۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ رحمۃ روحاء سے حج یا عمرے کا احرام باندھیں گے: ''لیهلن ابن مریم بفج الروحاء حاجا او معتمرا او لیثنینها'' (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۰۸)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ رحمۃ روحاء کے مقام سے حج یا عمرے کا (احرام باندھیں گے) تلبیہ پکاریں گے یا دونوں کا قران کریں گے۔

اس ملاقات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی دنیوی زندگی میں ہوں گے اور حضور اکرم ﷺ اپنی برزخی زندگی میں...... البتہ لیلۃ الاسراء کی ملاقات میں یہ دونوں حضرات اپنی دنیوی زندگی میں تھے...... اور بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس رات شرف صحابیت بھی پا گئے کیونکہ صحابی وہ ہے جس نے اپنی دنیوی زندگی میں حضور اکرم ﷺ کو (جب کہ آپ بھی اپنی یہاں کی زندگی میں تھے) ایمان کی حالت میں بیداری میں دیکھا ہو اور ظاہر

ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لیلۃ الاسراء میں حضور ﷺ کو دیکھا تھا...... مگر آپ چونکہ پھر اپنے آسمانی سفر پر چلے گئے اس لئے زمین پر افضل الصحابہ کا درجہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا ہی رہا۔

نوٹ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب نازل ہوں گے تو اس وقت بھی وہ اللہ کے رسول ہوں گے اللہ تعالیٰ کسی کو اعزاز دے کر اس سے اسے چھینتے نہیں ہاں اس وقت ان کی رسالت یہاں نافذ نہ ہوگی کیونکہ یہ دور دورِ محمدی ﷺ ہے اور قانون شریعت محمدی...... حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود اسی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے۔

آپ پر انتظامی امور میں تو کبھی وحی آئے گی لیکن وحی شریعت (جس کو دینی طور پر قانونی حیثیت حاصل ہو کہ اس کا ماننا فرض ہو اور اس کا انکار کفر ہو گو اس میں کوئی نیا دینی حکم نہ ہو) نہ آئے گی یہ سلسلہ وحی منقطع ہو چکا اور دین کامل ہو چکا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ ملاقاتیں جو پہلے انبیاء علیہم السلام اور حضور خاتم الانبیاء ﷺ سے ہوں گی اور حضور ﷺ ان کے سلام کا جواب دیں گے۔ اس سے اس بات کا پتہ ملتا ہے کہ ان حضرات قدسیہ کی برزخی زندگی کی کچھ جھلکیاں قیامت تک اس دنیا میں ظاہر ہوتی رہیں گی...... لیکن کب؟ جب اللہ چاہے ان کی دینوی زندگی بالمعنی المتبادر یہاں نہیں ہے۔

یہ صرف حنفیہ کا ہی موقف نہیں، فقہ شافعی کے جلیل القدر امام علامہ یوسف الاردبیلیؒ فقہ شافعی کی مشہور کتاب، کتاب الانوار لاعمال الابرار میں لکھتے ہیں: "وکان ﷺ یوخذ عن الدنیا عند تلقی الوحی ولا تسقط عنه الصلوٰۃ وغیرھا ومن یراہ فی المنام فقد راہ حقا ولکن لا یجب العمل بما یسمعه الرای منه لعدم ضبطه ویخاطب بعد الموت بقول السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاته لان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ویحجون کما ورد" (کتاب الانوار ج ۲ ص ۱۴ مطبوعہ مصر ۱۳۶۲ھ)

جب برزخ مواطن دنیوی میں سے ہے تو عالم برزخ میں انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ عمل باقی ہے اور جس طرح شہداء کی ارواح سبز پرندوں کے قالب میں آسمانوں کی پرواز کرتی ہیں انبیاء کرام علیہم السلام کا آسمانوں پر جانا جیسا کہ وہ وہاں معراج کی رات حضور ﷺ سے ملے کوئی امر بعید نہیں ہے۔ اجسام لطافت میں ارواح کے درجے میں آجائیں تو یہ بھی کوئی امر مستبعد نہیں اکابر علماء نے دین کو جس پیرائے میں ہم تک نقل کیا ہے اگر کرامیہ ان سے پورا اتفاق نہیں کر سکتے تو کم از کم اس عظیم سلسلہ اسلاف سے استہزاء کا پیرایہ بھی تو اختیار نہ کریں۔ کاش! ہماری یہ صدا ان کے کانوں کے پردوں سے نیچے اتر کر ان کی دل کی کھڑکی پر دستک دے سکے۔ لیکن ضروری ہے کہ دل زندہ ہو یا وہ کان اس طرف لگا دیں۔ لمن کان له قلب او القی السمع وھو شھید!

ان اعمال کو (جو ان حضرات کے عالم برزخ میں جاری ہیں) ہم دنیوی حیات کا باقی حصہ کیوں کہہ رہے ہیں؟ یہ اس لئے کہ ان اعمال سے ان کا ارتقاء رکا نہیں۔ اس جہت سے قبر کی برزخی منزل مواطن دنیوی میں سے ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں: "برزخ صغرے چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد واحوال ایں وطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد الانبیاء یصلون فی القبور رشنیدہ باشند و حضرت پیغمبر ما علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج چوں بر قبر حضرت کلیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند کہ در قبر نماز مے گزارد۔" (مکتوبات ج ۲ ص ۳۰ ص ۲۹ نمبر ۱۶)

ترجمہ: برزخ صغریٰ ایک پہلو سے مواطن دنیوی میں سے ہے یہ اس طرح کہ اس میں اعمال میں ترقی

کی گنجائش ہے اور برزخ کے حالات مختلف درجوں کے لوگوں میں بہت تفاوت رکھتے ہیں آپ نے حدیث الانبیاء یصلون فی قبورھم سنی ہوگی اور ہمارے نبی ﷺ معراج کی رات جب موسیٰ ؑ کی قبر کے پاس سے گزرے تو انہیں اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

ہائے! ہم کس کے سامنے یہ داغ دل لے جائیں کہ ہم جب کوئی مضمون کسی حدیث سے بیان کریں تو کرامی حضرات منکرین حدیث کے انداز گفتگو پر آجاتے ہیں کہنے لگتے ہیں قرآن کریم عبادت کی آخری حد موت قرار دیتا ہے۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ (پ ۱۴، حجر آیت ۹۹) تو تم قرآن کے مقابلے میں احادیث پیش کرتے ہو؟

قرآن کریم نے مکلف کی حیثیت میں عبادت کی آخری حد موت بتائی ہے اور عالم برزخ کی یہ عبادات تکلیفی نہیں، یہ حضرات انبیاء ؑ تلذذاً مصروف عبادت رہتے ہیں اور ان کی اس عبادت میں بھی ایک شان ارتقائی ہے۔ یہ قرب عالم خلق کے قبیل سے ہے، قرب عالم امر محض اس کا ایک سایہ ہے۔ ہم ان شاء اللہ العزیز اس پر کچھ آگے چل کر بحث کریں گے۔ اگر عبادت صرف موت تک کے لئے ہے تو پھر یہ جنت میں یاد الٰہی کی صدائیں کیوں اٹھ رہی ہیں؟

قرآن پاک سے جنت میں یاد الٰہی کا ثبوت

"وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا" (پ ۸ الاعراف ع ۵ آیت ۴۳)

ترجمہ: اور وہ کہیں گے سب تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے ہمیں ادھر ہدایت بخشی۔

"وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ" (پ ۲۴، زمر آیت ۷۴)

ترجمہ: سب تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے اپنا وعدہ ہم پر پورا کیا اور ہمیں اس زمین کا وارث کیا۔

"وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ" (پ ۲۲، السبا: ۱)

ترجمہ: اور اسی ذات کے لئے آخرت میں حمد ہے۔

"دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ" (پ ۱۱، یونس آیت ۱۰)

ترجمہ: ان کی پکار جنت میں ہوگی۔ سبحانک اللّٰھم وبحمدک!

"وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (پ ۲۴، زمر آیت ۷۵)

ترجمہ: اور وہاں آواز سنی جائے گی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ!

یہ آیات پتہ دے رہی ہیں کہ وہ حمد باری کی صدائیں ہوں گی، یادِ الٰہی کے نغمے ہوں گے وہ جہاں عالم تکلیف نہیں لیکن عالم لذت ضرورت ہے اور مقربین ایزدی وہاں بھی قرب الٰہی کی لذت پاتے ہیں۔

اگر وہاں سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ بھی پڑھیں، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ بھی پڑھیں، تحیات سلام بھی ہوں تو کیا نمازیں وہاں ذوق عبادت کے لئے نہیں پڑھی جاسکتیں۔

حضرت جابر ﷜ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ وہاں اہل جنت کو الہاماً تسبیح وتحمید پر لگایا جائے گا:

"یلھمون التسبیح والتحمید" (رواہ مسلم ج ۲، ص ۳۷۹)

ترجمہ: ان کے دل میں یہ بات ڈال دی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کریں!

عالم برزخ کے اعمال تکلیفی نہیں یہ قرب الٰہی میں مزید سبقت کے لئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا وہاں

امت کے لئے استغفار بھی جاری ہے: "حیاتی خیر لکم و مماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئ استغفرت اللہ لکم" (رواہ البزار باسناد جید فتح الملہم ج ۱، ص ۴۱۳)

ترجمہ: میری زندگی بھی تمہارے لئے بہتر ہے اور میری موت بھی تمہارے لئے بہتر ہے مجھ پر تمہارے اعمال پیش کئے جاتے ہیں جو اچھے ہوں ان پر میں حمد باری بجالاتا ہوں جو برے ہوں ان پر میں اللہ کے حضور استغفار کرتا ہوں۔

معلوم ہوا آپ ﷺ کی وفات ایک امر آنی نہیں بلکہ ایک پورا موطن ہے جس میں آپ کے اعمال جاری ہیں۔ یہاں سلام کہنا سنت ہے جواب دینا واجب ہے۔ حضور ﷺ زائرین کے سلام کا جواب دیتے ہیں تو یہ وجوباً نہیں۔ امت پر شفقت اور رحمت کے لئے ہے۔ یہ بھی پتہ چلا کہ آپ بعد وفات میت نہیں برابر امت کے لئے دعائیں فرماتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے اعمال باقی ہیں اور املاک بھی باقی

انسان کے تصرف میں یا اس کا بدن ہے یا مال۔ اس پر بدنی اور مالی دونوں قسم کی عبادت فرض کی گئی ہے۔ موت پر انبیاء علیہم السلام کے بدن محفوظ رکھے گئے تو موت پر ان کے اموال بھی آگے تقسیم نہ ہوئے محفوظ رہے اور ان کا تصرف وہی رہا جو ان کی زندگی میں ان اموال کا ہوتا تھا جس طرح کوئی انسان اپنی زندگی میں مال صدقہ کرے تو وہ اس کے اپنے نامہ اعمال میں سے ہے۔ پیغمبروں کا مال ان کے اس دنیا سے جانے کے بعد صدقہ کیا جائے تو وہ ان کا اپنا صدقہ شمار ہوگا کیونکہ ان کا سلسلہ عمل اس جہان سے کٹا نہیں۔ پس اس درجے تک ان کے اموال ان کی اپنی ملک پر ہی باقی رہیں گے۔

جب ان کے اموال باوجود وفات کے ان کی ملک پر باقی رہیں گے تو اگر ان کا ملک یمین (باندیاں) باقی ہو تو ظاہر ہے کہ اس کی بھی نہ توریث ہوگی نہ تملیک۔

ان کی ازواج ہوں تو ان کی زوجیت قائم رہے گی۔ عدت وفات سے ان کے نکاح کا خاتمہ نہ ہوگا[1]۔ اس پر حنفیہ شافعیہ مالکیہ اور حنابلہ کا اتفاق ہے۔

آنحضرت ﷺ کے مقام حیات کو حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی ؒ کے الفاظ میں پڑھیے: "آپ زندہ ہیں اور آپ کی حیات بہت قوی ہے جو کہ دوسروں کو حاصل نہیں، ان کی حیات ایسی قوی ہے کہ ان کی بیبیوں سے نکاح کرنا بعد ان کی وفات کے بھی جائز نہیں جیسے کسی زندہ خاوند کی بیوی سے نکاح جائز نہیں اور سب کی بیبیوں سے بعد خاوند کی وفات کے شادی کرنا جائز ہے حتیٰ کہ شہداء جن کی حیات بعد شہید ہونے کے اموات مومنین سے قوی ہوتی ہے کہ ان کے بدن کو زمین نہیں کھا سکتی مگر ان کی بھی بیبیوں سے بعد مر جانے کے نکاح جائز ہے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات شہداء کی حیات سے قوی تر ہے۔ حدیث ابن ماجہ میں ہے۔ ان نبی اللہ حی یرزق" (تعلیم العقائد ص ۱۸)

یہ نکاح اس لئے ناجائز نہیں کہ وہ امت کی مائیں ہیں۔ مائیں ہونا حقیقی نہیں یہ ان کا اعزاز اور احترام ہے

---

[1] لاعدۃ علی ازواجہ لانہ حی فتزوجھن باقیۃ (زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۳۳۲)

لاعدۃ علیھن لانہ ﷺ حی فی قبرہ و کذلک سائر الانبیاء (مرقات ج ۱۱ ص ۲۵۶)

ورنہ ازواج مطہرات پر اپنے روحانی فرزندوں سے پردہ کرنا واجب نہ ہوتا...... حالانکہ انہوں نے تاحیات احادِ امت سے پردہ کیا ہے۔ سو اس بات کو عدم نکاح کی علت نہیں بنایا سکتا۔ صحیح بات یہ ہے کہ وہ حضور ﷺ کے نکاح سے نہیں نکلیں۔ آپ کی وفات اوروں کی وفات جیسی نہیں...... آپ شہداء سے نہایت اعلیٰ درجہ کی حیات سے زندہ ہیں۔ اس کی تفصیلی بحث انشاء اللہ ہم آگے جا کر حیاۃ انبیاء علیہم میں کریں گے۔

انبیاء علیہم کے برزخی اعمال اور ان کی برزخی سیر کی ایک جھلک آپ کے سامنے آچکی ہے اب ایک سوال یہ ابھرتا ہے کہ سیر کا درجہ جو ارواح شہداء اور کئی دوسرے مومنین کو آسمان پر حاصل ہے کیا اس کی آہٹ بھی زمین پر سنی جاتی ہے؟

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں: ''جمعہ کے دن مومنین کی روحیں ان کی قبروں کے قریب آتی ہیں۔''

(زاد المعاد ج ۱ ص ۱۴۴)

حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) بھی اقتضاء الصراط المستقیم میں لکھتے ہیں۔ جب کوئی مسلمان کسی شہید یا کسی دوسرے مومن کی زیارت کرتا ہے تو اسے وہ روحیں پہچان لیتی ہیں۔ اس پر علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں:

''جب احادِ مومنین کا یہ حال ہے تو سید المرسلین ﷺ کا کیا حال ہوگا۔'' (وفاء الوفاء ص ۱۳۵)

حیات شہداء کی بھی برحق ہے اور انبیاء کی بھی...... برزخ میں دونوں کے اعمال طاعت جاری ہیں۔ وہاں کے مناسب حال رزق بھی دونوں کو ملتا ہے اور سیر کے مواقع بھی دونوں کو دیئے جاتے ہیں۔ ہاں شہداء کے املاک ان کی ملک میں نہیں رہتے اور انبیاء علیہم کی حیات ان سے بھی قوی ہے، ان کے املاک ان کی ملکیت سے نہیں نکلتے۔

اتصالِ روح سے جسد مدفون میں حیات کیسے مانی جاسکتی ہے؟ حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں:

''لیس المراد بالحیی ھھنا مایعاد فیہ الروح ویصدر عنہ الافعال الاختیاریۃ بل ما یدرک الالم واللذۃ فاذا خلق اللہ فیہ ادراکا... یکون حیا لا جمادا'' (عبدالحکیم علی الخیالی ص ۱۱۸)

ترجمہ: یہاں زندہ سے ایسا زندہ مراد نہیں جس میں روح (کاملۃ) لوٹائی گئی ہو اور اس سے افعال اختیاریہ صادر ہوتے ہیں بلکہ ایسی زندگی مراد ہے جس میں وہ قبر کی تکلیف یا راحتِ قبر پاسکے۔ سو جب خدا تعالیٰ نے اس میں اتنا ادراک پیدا کر دیا تو اب یہ جسد محض جماد نہیں ہوگا زندہ ہوگا۔ (گو کسی درجے میں زندہ ہو)

بات صرف بطور جواب کہی گئی ہے۔ معتزلہ خبر واحد کی حجیت کے قائل نہ تھے اور حدیث براء بن عازبؓ گو علماء اہل سنتؒ کے ہاں تواتر کو پہنچ چکی تھی۔ تاہم اس کے تواتر پر بحث مسئلے کو اور طوالت میں ڈالتی۔ متکلمین نے اعادہ روح کی بجائے اتصال روح کا موقف اختیار کرلیا اور معتزلہ پر حجت تمام کردی۔ حضرت مولانا عبدالعزیز پرہارویؒ لکھتے ہیں یہ موقف صرف معتزلہ کے جواب میں اختیار کیا گیا ہے آپ فرماتے ہیں: ''ھذا جواب اشکال اوردہ المعتزلۃ'' (نبراس علی شرح العقائد ص ۳۲۲)

ترجمہ: یہ ایک اشکال کا جواب ہے، جو معتزلہ پیش کرتے ہیں۔ (یہ صورت جواب الزامی ہے)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں: ''بسیارے از اشاعرہ وحنفیہ در اعادہ روح تردد کردہ اند وتلازم روح وحیات را منع نمودہ۔'' (جذب القلوب ص ۱۸۶، نقلا عن المسامرہ)

ترجمہ: بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ بھی روح کے میت میں لوٹنے میں تردد کرتے ہیں اور اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ زندہ ہونے کے لئے روح کا عود کر آنا ضروری ہے۔

اعادہ روح کی بحث اور یہ تفصیل کہ یہ اعادہ کاملہ نہیں، یہ مباحث آپ کے سامنے آچکے۔ یہ اعادہ مستمرہ نہیں اتنا ہے کہ الم ولذت کا ادرک ہوتا رہے اس پر بھی تصریحات موجود ہیں۔ اب ہم صرف اس تعارض کو اٹھانا چاہتے ہیں جو بعض ذہنوں میں حدیث اعادہ روح کے خلاف پایا جاتا ہے۔

قرآن کریم پ ۲۴، الزمر آیت ۴۲ میں ہے: "اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی"

ترجمہ: اللہ کھینچ لیتا ہے جانوں کو جب وقت ہوان کے مرنے کا اور جو نہ مریں ان کی (جان) کھینچتا ہے ان کی نیند میں پھر روک لیتا ہے ان کو جن کا مرنا ٹھہرایا اور دوسروں کی بھیج دیتا ہے ایک وقت مقرر تک۔

اس سے پتہ چلا اللہ تعالیٰ موت اور نیند دونوں میں روح قبض کرتا ہے موت والے کی روکے رکھتا ہے اور نیند والے کی واپس بھیج دیتا ہے۔ موت والے کا تعلق بدن سے کٹ جاتا ہے مگر نیند والے کی روح بدن پر برابر اثر ڈالتی ہے جس سے اس کی سانس چلتی ہے اور نبضیں اچھلتی ہیں۔

پس موت کے لئے دو چیزیں لازم ہوئیں: (۱) روح کا بدن سے نکلنا اور (۲) آثار حیات کا باقی نہ رہنا ...... نیند والے سے آثار حیات منتفی نہیں ہوتے اور روح کے واپس آنے پر وہ پھر زندہ ہو جاتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: "حضرت علیؓ سے بغوی نے نقل کیا ہے کہ نیند میں روح نکل جاتی ہے مگر اس کا مخصوص تعلق بدن سے بذریعہ شعاع کے قائم رہتا ہے جس سے حیات باطل ہونے نہیں پاتی جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔"　　(تفسیر عثمانی ص ۶۰۰)

اگر کسی کی روح بدن سے اس طرح نکلے کہ پھر وہ اس دنیا میں اس بدن میں نہ لوٹے مگر اس کے آثار اس بدن سے گھنٹوں کے طویل فاصلوں کے باوجود منتفی نہ ہوں تو یہ ایک جدی قسم کی موت ہوگی کہ موت آئی، روح بدن سے جدا ہوئی مگر آثار حیات کچھ باقی رہے تو اس کے بارے میں کہا جا سکے گا میت ہونے کا وعدہ بھی پورا ہو گیا اور حیات کلیۃً زائل بھی نہ ہوئی۔ اس پر ہم انشاء اللہ آگے بحث کریں گے۔

یہاں صرف یہ بتلانا ہے کہ روح نیند کے وقت بھی نکلتی ہے اور موت کے وقت بھی نیند والی واپس بھیج دی جاتی ہے اور موت والی کو اللہ تعالیٰ روکے رکھتے ہیں۔ یہ امساک کب تک رہتا ہے؟ یہ بات غور طلب ہے۔

استدلال معتزلہ

معتزلہ کہتے ہیں یہ امساک (روح کا بدن سے روکے رکھنا) قیامت تک کے لئے ہے۔ سو قبر میں تعادالی جسدہ (اعادہ روح) کی روایت اس آیت کے خلاف ہے۔ اس تعارض میں قرآن پاک کو ترجیح حاصل ہوگی۔ کرامیہ اور ظاہریہ بھی اس میں معتزلہ کے ساتھ ہیں۔

جواب اہل سنت

(۱) قرآن کریم میں قبض روح کا جو بیان اس آیت میں دیا گیا ہے وہ اس عالم (دنیا) کے اعتبار سے ہے۔ امساک (موت والے کی روح روکے رکھنا) اور ارسال (نیند والے کی کچھ دیر بعد چھوڑ دینا) دونوں اسی

جہان کے عمل ہیں جہاں ارسال کا تحقق ہوتا ہے وہیں تک امساک کی مدت ہے۔ یہ حالتیں اسی دنیا کی ہیں قبر میں روح کا لوٹنا یہ عالم برزخ کے حالات میں سے ہے دنیا کے حالات میں سے نہیں۔ عالم آخرت میں روح کا بدن میں لوٹنا تو کرامیہ کے ہاں بھی مسلم ہے۔ سوامساک ان کے ہاں بھی ہمیشہ کے لئے نہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ امساک قیامت پر ختم کرتے ہیں اور اہل سنت اسے دفن پر ختم سمجھتے ہیں ...... پھر قبر میں روح و بدن کا یہ تعلق صرف سوال وجواب تک رہے گا یا مستمر (دائمی طور پر) اس میں بھی تفصیل ہے۔

(۲) موت والے کی روح کو بدن سے صرف اس انداز میں روکا جاتا ہے کہ وہ بدن میں کوئی تصرف کرے، موت سے روح کا بدن سے تعلق تصرف کٹتا ہے اور اسے وہ زندگی نہیں ملتی جو اسے پہلے اس دنیا میں حاصل تھی قبر میں اگر روح کا اس انداز میں اعادہ مان لیا جائے جس سے روح کو بدن میں تصرف اور اختیار حاصل نہ ہو تو اس سے آیت مذکورہ سے ٹکراؤ لازم نہیں آتا۔ یہاں امساک صرف تعلق تصرف کا ہے اور یہ اہل سنت کے عقیدہ حیات قبر کے خلاف نہیں۔ حضرت علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں: ''ای یقبضها عن الابدان بان یقطع تعلقها تعلق التصرف فیها عنها'' (روح المعانی ج ۲۴، ص ۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ روح کو بدنوں سے قبض کرتا ہے بایں طور کہ ارواح کا ابدان سے تعلق تصرف قطع کر دیتا ہے کہ اس حیات میں غذا اور تغذیہ وتنمیہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حضرت مولانا تھانویؒ (۱۳۶۲ھ) بھی لکھتے ہیں: ''ان جانوں کو تو تصرف فی الابدان کی طرف عود کرنے سے روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم فرما چکا ہے اور باقی جانوں کو جو کہ نوم میں معطل ہو گئیں تھیں اور ابھی ان کی موت کا وقت نہیں آیا ایک میعاد معین تک کے لئے رہا کر دیتا ہے کہ جاگ کر پھر بدستور ابدان میں تصرف کرنے لگتی ہیں۔'' (بیان القرآن ج ۳، ص ۳۰۰)

اس تشریح سے اس آیت میں اور حدیث اعادہ روح بہ بدن میں کوئی تعارض نہیں رہتا۔ اس حدیث کو جمہور علماء اسلام نے پورے یقین سے قبول کیا ہے اور حق یہ ہے کہ یہ تواتر کے درجے کو پہنچتی ہے۔ حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں: ''فامساکه سبحانه التی قضی علیه الموت لاینافی ردها الی جسدها المیت فی وقت ما رداً عارضاً لایوجب له الحیوة المعهودة فی الدنیا واذا کان النائم روحه فی جسده وهو حی وحیاته غیر حیاة المتیقظ فان النوم شقیق الموت فهکذا المیت اذا أعیدت روحه الی بدنه کحال النائم المتوسطة بین الحی والمیت فتامل هذا یزیح عنک اشکالات کثیرة'' (کتاب الروح ص ۵۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا اس روح کو روکے رکھنا جس کے بارے میں موت کا فیصلہ تھا۔ اس کے کسی وقت اس جسد میت کی طرف لوٹانے کے منافی نہیں۔ بشرطیکہ یہ لوٹنا اس کی اس دنیا میں وہ زندگی لازم نہ کرے جو اسے یہاں پہلے حاصل تھی ...... اور جب سوئے ہوئے کی روح باوجودیکہ اس کے جسد میں ہوتی ہے مگر اس کی زندگی جاگنے والے کی زندگی جیسی نہیں۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ نیند موت کی بہن ہے سو میت کی طرف جب روح اس کے بدن میں لوٹائی جائے تو اس کا حال سونے والے کی طرح ہو جاتا ہے جو زندہ اور مردہ کے ایک درمیان کی منزل ہے...... اس پر غور کرو یہ (انشاء اللہ العزیز) تمہارے بہت سے اشکالات زائل کر دے گا۔

روح و بدن کے ہر تعلق کو ان کے دنیا کے سے تعلق کی طرح لازم سمجھنا ہرگز صحیح نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ ہمارے کرامی دوستوں کی اصل مخالفت ان عام گڑھوں سے نہیں جن میں یہ عامہ اموات دفن ہوتے ہیں۔ان کی اصل ضد انبیاء علیہم کی قبور سے ہے۔ان کے مزارات کو جہاں زائرین حاضری دیتے ہیں یہ کسی درجے میں روضہ جنت ماننے کے لئے تیار نہیں۔

حدیث میں جس طرح مومن کی قبر کے لئے روضۃ من ریاض الجنۃ کے الفاظ وارد ہیں حدیث میں حضورﷺ کے منبر (جو روضہ منورہ کے حرم نبوی میں ہے) اور آپ کی قبر تک کے فاصلے کو بھی ریاض الجنۃ کہا گیا ہے۔ حاجی صاحبان سے پوچھئے وہ کس قدر جدو جہد اور جوش وولولہ سے مسجد نبوی میں ریاض الجنۃ کی جگہ تلاش کرتے ہیں ......اگر یہ حضورﷺ کی قبر نہیں اور وہ عالم بالا میں کسی اور مقام پر ہے تو یہ ریاض الجنۃ یہاں کیسے آ گیا؟...... جب یہ بقعہ مبارکہ واقعی ریاض الجنۃ ہے تو یہ جو حضورﷺ کی ظاہری قبر ہے یہی حضور کی حقیقی قبر ہے......اگر یہ حضور کی حقیقی قبر نہ ہوتی تو حضرت عمرؓ کبھی گنبد خضریٰ میں دفن ہونے کی خواہش نہ کرتے...... یہی وہ قبر ہے جس کی مٹی روئے زمین کے تمام بقاع سے برتر وافضل ہے اور یہی وہ جگہ ہے کہ پوری کائنات میں کوئی جگہ اس کی برابری نہیں کرسکتی۔

قبر کی وسعت وفسحت کو اس ظاہری قبر سے کلیۃً جدا رکھنا اور من وجہ بھی اس ظاہری قبر سے متصل نہ ہونے دینا یہ ایک اصولی غلطی ہے اور مفہوم قبر نہ جاننے کی وجہ سے ہے۔دعا کیجئے اللہ تعالیٰ حق سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اب ہم کچھ قبر کی حقیقت عرض کرتے ہیں لیکن پہلے معتزلہ کے انکار پر ایک نوٹ ملاحظہ فرمالیں۔

معتزلہ کی ظاہری قبر سے گریز پائی

جب ہمارے دوستوں کو ان حقائق سے بھاگنے کی کوئی راہ نہیں ملتی تو اقرار کر لیتے ہیں کہ میت کی قبر میں برزخی زندگی برحق ہے اور اس پر الم وراحت کی کیفیتیں بھی حق ہیں لیکن قبر سے مراد یہ گڑھا نہیں جو دفن میت کے لئے یہاں کھودا جاتا ہے یہ کوئی عالم برزخ کا مقر ہے سو یہاں کوئی نہیں جانتا کہ کس کی قبر کہاں ہے......سو ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حیات فی القبر کی بحث میں مفہوم قبر پر بھی کچھ عرض کر دیا جائے۔

فقہاء اور محدثین علم دین کے امین ہیں اور متکلمین اسلام اس کے پہرہ دار............ متکلمین جب کوئی بات کہتے ہیں تو کسی اعتراض کا جواب دینے کے لئے یا مخالف کا منہ بند کرنے کے لئے......اثبات شریعت کے لئے فقہا ومحدثین ہی امت کے امناء ہیں...... ہم نے کوشش کی ہے کہ اولاً قبر کا مفہوم قرآن وحدیث کے اطلاقات سے پیش کریں اور اس بات کو سامنے رکھیں کہ اس باب میں نعیم قبر پر یا عذاب قبر پر مسلکِ محدثین کیا ہے اور وہی برحق ہے۔

اس ظاہری معنی پر عقلاً ایک اعتراض واقع ہوتا تھا وہ یہ کہ جن اموات کو یہ گڑھے کی صورت میں قبر نہیں ملتی یا یہ کہ وہ ہوا میں بکھر جائیں ان کے ساتھ وہ معاملات جو شریعت نے اموات کے ساتھ ہونے والے بتائے ہیں کیسے پورے ہوں گے؟ اس کا جواب دینے کے لئے متکلمین اٹھے اور انہوں نے اس گڑھے کی صورت کے علاوہ قبر کی ایک اور صورت بھی تجویز کر دی قبر کی یہ دوسری صورت پہلی صورت سے کوئی ٹکراؤ نہ تھا۔اس کے ایک پردے کے پہلو کی خبر مزید تھی۔افسوس کہ نادان دوستوں نے اسے ایک ٹکراؤ سمجھ لیا اور محدثین کے مقابلہ میں متکلمین کو ایک نئے مسلک کی صورت میں سامنے لے آئے اور ایک مسلک نہیں مسالک العلماء کے مدعی ہوئے حالانکہ ان میں کوئی ٹکراؤ نہ تھا۔قبر کا ایک باطنی پھیلاؤ تھا جسے معتزلہ اور کرامیہ کو لاجواب کرنے کے لئے پیش کیا گیا افسوس کہ ہمارے یہ دوست اسے سمجھ نہ سکے۔

قرآن کریم میں مسئلہ حیات انبیاء علیہم کے کئی اقتضاء موجود ہیں:

۱...... وَسْـــٔلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَآ (پ ۲۵، الزخرف ۴۵)

۲...... وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ (پ ۲۱، السجدہ ۲۳)

۳...... وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ (پ ۲، البقرہ ۱۵۴)

۴...... وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ (پ ۴، آل عمران ۱۶۹)

یہ آیات گو اس موضوع پر عبارۃ النص نہیں لیکن ان میں اس پر دلالۃ النص موجود ہے۔

اس سے پانچ باتیں معلوم ہوئیں: (۱) قرآن کریم کی رو سے انبیاء کرام علیہم حالاً زندہ ہیں یہ مسئلہ دلالۃ النص سے ثابت ہے (۲) انبیاء کرام علیہم کو حالاً زندہ ماننا ایمانیات میں سے ہے اتنا ایمان رکھنا کہ وہ زندہ ہیں اہل سنت ہونے کے لئے کافی ہے۔ گو ہم اس کو سمجھ نہ سکیں۔ (۳) انبیاء علیہم کی یہ حیات بعد الوفات ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں وفات آنے کے سب علماء حق قائل گزرے ہیں۔ (۴) جن علماء نے قرآن سے حیاۃ الانبیاء علیہم ثابت کی ان کے لئے دعا ہے زادھم اللہ شرفا ان علماء حق کا یہ شرف علمی ہے۔ (۵) ہمیں اس زندگی کا شعور نہیں لَا تَشْعُرُوْنَ، نہ کہ ان کے لئے پرندوں کی سی زندگی ثابت کریں اور کہیں کہ وہ سبز پرندوں کے پوٹوں میں زندگی پائے ہوئے ہیں۔

قبر کی حقیقت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، اَمَّا بَعْدُ!

قبر کا شریعت نے اس کی دلالت لغوی کے وراء کوئی علیحدہ مفہوم مقرر نہیں کیا یہ تو بتایا کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے (رواہ ابن ماجہ ۳۱۵) لیکن یہ اسی گڑھے کو کہا گیا ہے جس میں میت اتاری جاتی ہے۔

ہاں شریعت نے اس کی ایک وسعت وفسحت بھی بتائی جو اس دنیا سے پردہ غیب میں ہے اور اس سے اس ظاہری گڑھے کا قبر نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ قبر کا ایک کنارہ تو ہمارے سامنے ہے اور دوسرا خدا ہی جانے غیب کے پردوں میں کہاں تک وسیع یا تنگ ہے۔ اگر میت کی پسلیاں اس میں آپس میں ٹکرائیں[۱] تو یہی قبر اس میت پر تنگ ہو چکی ہے ورنہ یہی گڑھا عالم غیب میں ایک پورا باغ[۲] ہے۔ تاہم یہ کسی طرح صحیح نہیں کہ اس قبر کو قبر نہ کہا جائے اور کہا جائے کہ شرعاً یہ قبر نہیں ہے، شریعت کی اصطلاح میں قبر کچھ اور ہے۔ صحیح یہ ہے کہ قبر کا دونوں سے تعلق ہے اس دنیا سے بھی اور برزخ[۳] سے بھی۔

---

[۱] فیقال للارض التئمی علیہ فتلتئم علیہ فتختلف اضلاعہ فلا یزال فیہا معذبا حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ ذلک (رواہ الترمذی ج ۱ ص ۱۲۷)

[۲] القبر روضۃ من ریاض الجنۃ او حفرۃ من حفر النیران

[۳] حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں: والمراد بالقبر عالم البرزخ وھو عالم بین الدنیا والآخرۃ لہ تعلق بکل منہما (تنقیح اللمعات ج ۱ ص ۱۸۹)

ومراد بہ قبر عالم برزخ است کہ واسطہ است میان دنیا و آخرت وتعلق دارد بہر دو مقام نہ آں گورے کہ مردہ را در و گور کنند۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱، ص ۱۱۴) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سرگودھا کے مولانا نیلوی یہ درست نہیں کہہ رہے کہ شرعی قبر کے لئے کسی اور قول کی تلاش کی جائے اس کے لئے وہ ایک رسالہ "القول المرعی فی القبر الشرعی" لکھنے کا اعلان کرر ہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ یہاں کی ظاہری قبر کو بالکل قبر نہیں مان رہے۔

مولانا نیلوی دہلی کے جامعہ امینیہ میں مفتی کے عہدہ پر نہیں تھے اس مدرسہ کے اصل مفتی، مفتی اقلیم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تھے نیلوی صاحب کو چاہئے تھا کہ وہ اپنا یہ مؤقف حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کے سامنے تصدیق کے لئے پیش کرتے انہیں پورا پتہ چل جاتا کہ ان کا رسالہ "القول المرعی فی القبر الشرعی" بالکل غلط ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ کے المھند علی المفند پر بھی دستخط ہیں اور انہوں نے عقیدہ حیات النبی کا کہیں انکار نہیں کیا۔ اس مدرسہ کے مدرس ہونے کی حیثیت سے ان کا ظاہری قبر کے قبر نہ ہونے کا فتویٰ کسی طرح بھی لائق پذیرائی نہیں سو اس مدرسے کی نسبت سے اپنے اس فتوے میں غلط رعب قائم کرنا صحیح نہیں۔

لغوی معنی اور شرعی معنی میں ایک اصولی فرق ہے

صلوۃ (نماز) کے ایک لغوی معنی ہیں اور ایک اس کی شرعی حقیقت ہے، زکوۃ کے ایک لفظی معنی ہیں اور اس کی ایک شرعی حقیقت ہے، حج کے ایک لفظی معنی ہیں اور اس کی ایک شرعی حقیقت ہے۔ پھر شرعی تخاطب میں بھی اسی طرح حقیقت و مجاز کے دائرے ہیں جس طرح لغوی تخاطب میں حقیقت لغوی اور مجاز لغوی کی معرکہ آرائی ہے۔ لیکن قبر کی کوئی علیحدہ شرعی اصطلاح نہیں قبر وہی ہے جسے سب قبر کہتے ہیں ہاں اس کی وسعت و فسحت اور اس کے عجائب و کوائف کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں میت کی روح جہاں بھی ہو اس کا اس گڑھے کے مدفون (یا اس کے ذرات منتشرہ) سے اشراف و اشراق کا کوئی لطیف رابطہ ضرور قائم ہوتا ہے۔

قرآن و حدیث میں قبر کسے کہا گیا ہے؟ یہی جو گڑھا ہر ایک کو سامنے نظر آتا ہے ملنگوں کی طرح دور کے چکر دینا۔ دور دور۔ کہ معلوم نہیں قبر کہاں کی کہاں ہے۔ یہ بات باطنی فرقے کے لوگوں کو تو جچتی ہے، اہل علم کے لئے یہ زیبا نہیں کہ قرآن و حدیث کے عام اطلاقات کو چھوڑ کر خود غیب کے پردوں میں کھو جائیں جب شریعت نے قبر کی وسعت و فسحت کے بارے میں برزخی حقیقت کو پورا تحفظ دیا ہے تو اس بحث میں علماء صادقین کو ملنگ بننے کی کیا ضرورت ہے۔

آیئے اب قرآن و حدیث کی روشنی میں مفہوم قبر متعین کریں اور تلاش کریں کہ یہ لفظ کسی اور غیب کی وادی پر بھی بولا گیا ہے؟

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) قبر ایک درمیانی جہان ہے جو دنیا اور آخرت کے مابین ہے اور اس کا دنیا سے بھی تعلق ہے اس گڑھے سے جس میں میت کو دفن کرتے ہیں اور اس جہان سے بھی جہاں تک قبر کا پھیلاؤ ہے۔ یہی نہ سمجھو کہ یہ صرف اسی گڑھے کا نام ہے جس میں میت کو دفن کرتے ہیں کئی میتیں تو ذرات میں بکھری ہیں ان کی قبر وہی ہے جہاں ان کے بدن کے اجزائے اصلیہ آپس میں مربوط ہوتے ہوں اس کا برزخی کنارا دوسرا ہے سو عالم برزخ دنیا اور آخرت دونوں سے مربوط ہے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں تو یہ تعبیر صرف ان مردوں کے لیے اختیار کی جاتی ہے جنہیں کسی جگہ دفن نہیں کیا جاسکا۔ اس میں اس پر متنبہ کرنا ہوتا ہے کہ اس کی بھی قبر ہے اور اس سے سوال و جواب اور نعیم و عذاب اسی غیر مرئی اور غیر محسوس قبر میں ہوگا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی یہ بھی لکھتے ہیں: لیس المراد به الحفرة التی یدفن فیه المیت فرب میت لا یدفن کالغریق والمحروق والماکول فی بطن الحیوانات یعذب و ینعم (تنقیح اللمعات ج ۱ ص ۱۸۹)

قرآن کریم میں ایک آنے والے وقت کی خبر دی گئی ہے۔ فرمایا: "وَإِذَا الْقُبُورُ بُعْثِرَتْ"
(پ ۳۰ الانفطار آیت ۴)

جب قبریں کریدی جائیں گی اور اندر سے باہر آنے والی ہر جان جان لے گی اس نے کیا آگے بھیجا اور کیا پیچھے چھوڑا۔ کیا یہ وہی قبریں نہیں جو اس جہان میں قبریں نظر آتی ہیں۔

مردے قبریں کھلنے سے پہلے زندہ ہوں گے یا کھلنے کے بعد یہ بات بحث طلب ہے لیکن یہ بات یقینی ہے کہ قبروں سے مراد یہی گڑھے ہیں اور انہی گڑھوں سے مردے زندہ کر کے نکالے جائیں گے اور جو چیز زمین کی تہہ میں ہے اوپر آجائے۔ یہ سب قبریں زیروزبر کردی جائیں گی۔

یہ قبریں کیا عالم غیب کی کسی وادی کا نام ہے یا انہیں گڑھوں کا جنہیں آنکھیں دیکھتی ہیں اور انسان کھودتے ہیں۔ اور پھر کبھی کبھی ان پر حاضری بھی دیتے ہیں۔

ایک دوسرے مقام پر بھی یہ بات کہی: "إِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُورِ"　(پ ۳۰، العادیات آیت ۹)

ترجمہ: جب اٹھائے جائیں گے جو قبروں میں ہیں۔

اب تو نہ کہیں یہ قبر کے حقیقی معنی نہیں۔ موت کے بعد مردے کو کہاں پردہ ملتا ہے؟ قرآن پاک میں ہی دیکھئے: "أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ"　(پ ۳۰، عبس آیت ۲۱)

ترجمہ: پھر اسے موت دی اور قبر میں رکھوا دیا۔

قرآن میں یہاں قبر اسی گڑھے کو کہا گیا ہے جہاں مردے کو پردے میں کیا جاتا ہے یہ پردہ اس جہان سے ہے اور اگلے جہان کے کنارے اللہ رب العزت کو ہی معلوم ہیں۔

یہ بھی فرمایا کہ کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھیں نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ وہ اس لائق ہی نہیں کہ ان کے لئے کوئی دعا کی جائے۔

"وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُم مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ"　(پ ۱۰، التوبہ ۸۴)

اور یہ اسی وقت کہا گیا تھا جب آپ اس ظاہری قبر پر کھڑے تھے: "وقام علی قبرہ" (سنن ابن ماجہ ص ۱۰۹)

ترجمہ: اور آپ اس کی قبر کے پاس ٹھہرے۔

یہ جو حکم ہوا کہ کسی منافق کی قبر پر کبھی کھڑے نہ ہوں کہ اس کے لئے دعا کریں۔ یہ قبر اسی گڑھے کا نام ہے یا یہ کوئی عالم غیب کی جگہ ہے جسے ہم نہ یہاں محسوس کرسکیں نہ جان سکیں نہ وہاں جاسکیں۔

قرآن کریم میں جہاں بھی یہ لفظ آیا ہے اسی گڑھے پر آیا ہے۔ یہ گڑھا عالم غیب میں جہنم کا ایک دائرہ بنے یا جنت کا کوئی باغیچہ اس کی وسعت و فسحت اللہ ہی کو معلوم ہے قبر اسی کا نام ہے قرآن کریم میں قبر اس گڑھے کے سواء اور کسی چیز کو نہیں کہا گیا آگے اس کی ایک برزخی وسعت ہے۔

مخالفین کی یہ رٹ کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں کیا قرآن کریم کی کھلی مخالفت نہیں ہے؟ بعض صوفیوں نے اگر مجازی رنگ میں قبر کے کسی اور عالم کی خبر دی تو اس سے قبر کے قرآنی معنوں کا انکار کیسے جائز ہوگیا۔ قرآن کے مقابلے میں صوفیوں کی بات کو اصل ٹھہرانا یہ راہ بدعت نہیں تو کون سی سنت ہے۔

جب اس قبر کا برزخی کنارہ اللہ ہی کے علم میں ہے تو اگر کسی صوفی کی کشفی نظر اس کے (قبر کے) کسی

دوسرے حصے پر پڑ گئی اور اس نے قبر کے وہاں کے حالات ذکر کر دیئے تو اس سے اس ظاہری قبر کا انکار کیسے نکل آیا؟ برزخی وسعت ماننے کا مطلب اس قبر کا انکار تو نہیں ہے۔ پھر صوفیہ کرام کے مشاہدات پر عقائد کی بنیاد رکھنا کیا اس کی کوئی اصل شرعی ہے؟

قبر احادیث کی روشنی میں

۱...... آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا''

(سنن ابن ماجہ ص ۱۱۴ کمافی المشکوۃ ص ۱۵۴)

ترجمہ: میں تمہیں پہلے قبروں پر جانے سے روکا کرتا تھا۔ اب کے بعد اجازت ہے تم انہیں دیکھنے جایا کرو یہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

۲...... آنحضرت ﷺ نے جب فرمایا: ''ان المیت اذا وضع فی قبرہ'' (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶)

کہ میت جب قبر میں اتاری جائے۔ الحدیث۔

تو قبر سے یہاں کون سی جگہ مراد ہے؟ یہی جو نظر آتی ہے یا یہ کوئی اعلیٰ علیین کی جگہ کے لئے ہے۔

۳...... آنحضرت ﷺ نے ایک اور موقعہ پر فرمایا: ''یہود تعذب فی قبورھا'' (ایضاً ج ۲ ص ۳۸۶)

یہاں قبور کیا انہی گڑھوں کو نہیں کہا گیا؟ کیا یہ کوئی عالم غیب کی جگہ تھی؟

۴...... آپ ﷺ نے جب ارشاد فرمایا تو آپ نے قبر سے کون جگہ مراد لی تھی؟

''ان اولئک اذ کان فیھم الرجل الصالح فمات بنوا علی قبرہ مسجدا''

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۱ صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۱)

ترجمہ: ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مرتا تو وہ اس کی قبر پر (کے پاس) جائے عبادت بنا دیتے۔

۵...... جب آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ دیکھئے (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۴۶) کا باب مابین قبرہ ﷺ ومنبرہ کے الفاظ۔ حدیث جامع صغیر کے ایک نسخہ میں اس طرح ہیں: ''مابین قبری ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ''

(السراج المنیر ج ۴ ص ۱۹۶) متفق علیہ

ترجمہ: جو جگہ میری قبر اور میرے منبر کے مابین ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

تو اس میں قبر کس جگہ کو کہا گیا ہے۔ کیا یہ جگہ اعلیٰ علیین میں ہے یا یہیں مدینہ منورہ میں؟

۶...... پھر آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ملاحظہ فرمایئے: ''قاتل اللہ الیہود اتخذوا قبور انبیائھم مساجد''

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۲ صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۰۱)

ترجمہ: اللہ یہود کو برباد کرے انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہیں بنالیا۔

۷...... ایک اور جگہ ارشاد ہے: ''(عن ابن عمر مرفوعا) من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی'' (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کذافی المشکوۃ ص ۲۴۰)

ترجمہ: جس نے حج کیا اور میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی ایسا ہی ہے جیسے اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ہو۔

یہ تشبیہ کے طور پر فرمایا گیا ہے جس پر ہر بات میں مشابہت ضروری نہیں۔

۸...... آپ ﷺ نے اذخر گھاس کو کاٹنے کی اجازت دی تو فرمایا۔ اس کی ضرورت ہے مگر کس لئے: "لقبورنا و بیوتنا" ہماری قبروں کے لئے اور گھروں کے لئے۔ (صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۸۰)

یہاں قبور انہی جگہوں کو کہا گیا جن میں میت اتاری جاتی ہے اور اسے اس میں دفن کیا جاتا ہے، نہ کہ کسی پردے کے جہان کو۔

۹...... پھر آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی پیش نظر رہے: "یا أهل القبور یغفر الله لنا و لكم وانتم سلفنا و نحن بالأثر" (رواہ الترمذی کذا فی المشکوۃ ص ۱۵۴)

آپ نے قبرستان جا کر یہ کہنے کی تعلیم دی ہے۔ کیا وہاں قبریں نہ تھیں؟ سوانہی قبروں کے پاس جا کر ہمیں یہ کہنے کا حکم دیا گیا۔

۱۰...... ایک شخص کو آپ ﷺ نے قبر پر بیٹھے دیکھا تو ارشاد فرمایا: "لاتؤذ صاحب القبر و لا یؤذیک" (رواہ الطحاوی ج ۱ ص ۲۹۶)

ترجمہ: تم اس قبر والے کو اذیت نہ دو نہ وہ تجھے نقصان دے۔

اب آپ ہی کہیں یہاں قبر سے مراد اگر یہ ظاہری قبر نہیں جسے مخالفین بار بار گڑھا کہہ رہے ہیں تو اس سے اور کیا مراد ہے۔ کیا کوئی شخص اعلیٰ علیین میں کسی قبر کی بے ادبی یا ایذاءرسانی کے لئے جا سکتا ہے؟ یہ کہنا کہ گجرات کے شاہ صاحب شاید وہاں گئے ہوں یہ بھی غلط ہے۔

۱۱...... آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ان هذه الامة تبتلى فى قبورها فلولا ان لاتدافنوا الدعوت الله ان یسمعکم من عذاب القبر" (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۸۶)

ترجمہ: یہ امت اپنی قبروں میں آزمائش سے گزرتی ہے۔ مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ تم اپنی میتوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں خدا سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں بھی عذاب قبر کی یہ آوازیں سنا دے۔

۱۲...... آپ کا یہ بھی ارشاد ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ لسان شریعت میں قبریں کن جگہوں کو کہا جاتا تھا؟ انہی قبروں کو جو سامنے نظر آتی ہیں یہی گڑھے ہیں۔

"لاتجلسوا علی القبور و لاتصلوا الیها" (جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۲۵)

ترجمہ: تم نہ قبروں پر بیٹھا کرو اور نہ ان کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھا کرو۔

۱۳...... آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: "اذا وضعتم موتاکم فی قبورهم فقولوا بسم الله وعلی ملة رسول الله" (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۶۶)

ترجمہ: جب تم اپنی میتوں کو قبروں میں رکھو تو یہ کہہ کر رکھو: "بسم الله وعلی ملة رسول الله"

بھلا کیا اس کا مطلب یہ لیا جا سکتا کہ تم اپنی میتوں کو لے کر اعلیٰ علیین پہنچا کرو کیونکہ قبر تو اس جگہ میں ہے۔ یہاں کے ان گڑھوں کو تو قبر نہیں کہا جاتا۔ استغفر اللہ!

۱۴...... آپ ﷺ کا ایک اور جگہ پر ارشاد ہے: "لعن رسول الله ﷺ زائرات القبور والمتخذین علیها المساجد والسرج" (رواہ ابوداؤد ج ۲ ص ۱۰۵، سنن نسائی ج ۱ ص ۲۲۲، طیالسی ص ۳۵۷، ہوا فی المشکوۃ ص ۱۵۴ ہو تامسنی ۱۷)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر گھومنے والی عورتوں اور وہاں جائے عبادت بنانے والے مردوں اوران دیئے جلانے والوں پر لعنت فرمائی ہے۔

کیا یہاں ان زائرات قبور پر لعنت کی گئی ہے جو عالم غیب کی کسی بستی میں زیارت قبر کرنے جایا کرتی تھیں یا وہ انہی ظاہری قبروں پر ہی جاتی تھیں۔ جنہیں قبریں کہنے سے مخالفین نے انکار کیا ہے۔

۱۵...... جب آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام بعد نزول وفات پا کر میرے مقبرے میں دفن ہوں گے۔ تو آپ نے لفظ قبر سے کون سی جگہ مراد لی تھی۔ یہی مدینہ منورہ کا روضہ اطہر یا اعلیٰ علیین کی کوئی وادی اس پر بھی فرصت میں غور فرمالیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ینزل عیسیٰ ابن مریم الی الارض فیتزوج ویولد لہ ویمکث خمسا واربعین سنۃ ثم یموت فیدفن معی فی قبری فاقوم انا وعیسی ابن مریم فی قبر واحد بین ابی بکر ﷛ وعمر ﷛" (مشکوٰۃ ص ۴۸۰)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن مریم نیچے اتریں گے آپ نکاح کریں گے آپ کے اولاد بھی ہوگی پینتالیس سال یہاں ٹھہریں گے پھر آپ کی وفات ہوگی اور میری قبر کے پاس میرے ساتھ دفن ہوں گے میں اور عیسیٰ بن مریم ایک قبر (مقبرے) سے اٹھیں گے اور ہم دونوں ابوبکرؓ اور عمرؓ کے مابین ہوں گے۔

۱۶...... ایک اور جگہ ارشاد نبوی ﷺ ہے: "لینزلن عیسیٰ ابن مریم ثم لئن قام علی قبری لاُجیبنّہ"

(روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵ الحاوی للسیوطی ج ۲ ص ۲۹)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن مریم ضرور اتریں گے پھر اگر وہ میری قبر پر (سلام کے لئے) ٹھہرے اور سلام کہا تو میں ضرور اس کا جواب دوں گا۔

۱۷...... حضور ﷺ جب یہ حدیث فرما رہے تھے تو آپ کس قبر کے بارے میں کہہ رہے تھے؟

"اللّٰھم لاتجعل قبری وثنا یصلی الیہ فانہ اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذ واقبور انبیاءھم مساجد" (المصنف لعبد الرزاق ج ۱ ص ۴۰۶ مجموعہ فتاویٰ ج ۸ ص ۲۶۴)

ترجمہ: اے اللہ میری قبر کو معبود نہ بننے دینا جس کی طرف لوگ سجدے کریں۔ اس قوم پر اللہ کا غضب بھڑکا جس نے اپنے نبیوں کی قبروں کو جائے عبادت بنالیا۔

"من زار قبری وجبت لہ شفاعتی"

(رواہ البزار والدار قطنی عن ابن عمر مرفوعا قال القاری فی شرح الشفاء صححہ جماعۃ من ائمۃ الحدیث ج ۸ ص ۲۶۴)

ترجمہ: جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت لازم ہوگئی۔

اس میں کس قبر کی زیارت کے لئے کہا جا رہا ہے؟ یہی نا کہ جسے ہم روضہ رسول ﷺ کہتے ہیں۔

۱۸...... آنحضرت ﷺ نے جب یہ فرمایا تو آپ کے ذہن میں قبر کے کیا معنی تھے؟

"الأرض کلھا مسجد الا القبر والحمام" (المصنف ج ۱ ص ۴۰۵)

ترجمہ: کل سطح زمین (میرے دین میں) مسجد ہے سوائے قبر اور حمام (جائے غسل) کے۔

۱۹...... پھر آپ جب حضرت موسیٰ ﷺ کی قبر کے پاس سے گزرے تو وہ قبر کیا آپ نے اعلیٰ علیین میں پائی تھی یا اسی زمین کے ایک سرخ ٹیلے کے پاس آپ نے اس کا مشاہدہ کیا تھا؟

"مررت علی موسیٰ لیلۃ اسری بی عند الکثیب الاحمر وھو قائم یصلی فی قبرہ"
(سنن کبریٰ ج ۳ ص ۳۴۸، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۸)
ترجمہ: جس رات مجھے معراج کی سیر کرائی گئی میرا قبر موسیٰ پر گزر ہوا وہ سرخ ٹیلے کے پاس تھی میں نے آپ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

ہم یہ کیسے مان لیں کہ حضرت موسیٰ ﷤ کا جسد اصلی تو قبر میں صرف محفوظ پڑا تھا اور اس پر ایک مثالی جسد کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ ہمیں ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو اس قسم کا عقیدہ رکھ کر خود بھی بھٹکے اور اوروں کو بھی بھٹکار ہے ہیں۔ اللہ ان پر رحم کرے۔

۲۰...... حضور ﷺ کے نماز جنازہ پڑھانے سے اللہ تعالیٰ قبروں کو اموات پر منور اور روشن فرما دیتے ہیں۔
(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۰، سنن کبریٰ ج ۴ ص ۴۶)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ میت کو قبر میں اس قدر ادراک اور احساس ضرور ملتا ہے کہ وہ اس کی روشنی اور اندھیرے میں فرق کر سکے اور میت پر اس کا اثر پڑے ورنہ مردہ لاش اور جماد محض کو روشنی اور اندھیرا دونوں برابر ہیں۔ پھر حضور ﷺ نے وہاں کی روشنی کو کیوں اہمیت دی کچھ سوچیں۔

قبر کا اطلاق صحابہ کرام ؓ کے بیانات میں

۱...... آنحضرت ﷺ جب صحابہ ؓ کے ساتھ دو قبروں کے پاس سے گزرے تھے جن میں مُردوں کو عذاب ہو رہا تھا تو وہاں قبر سے یہ گڑھے ہی نہیں تو اور کیا مراد تھی؟ اور کھجور کی ٹہنی اس گڑھے پر رکھی تھی یا عالم غیب کی کسی اور وادی کے مقام پر؟ اس پر غور فرماویں اور کبھی یہ نہ کہیں کہ شریعت میں قبر اس گڑھے کا نام نہیں ہے۔ حدیث میں صاف طور پر اسی کو قبر کہا گیا ہے سیدنا حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں: "مر النبی ﷺ بقبرین فقال انھما لیعذبان"
(مشکوٰۃ ص ۴۲، صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۵، صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۴۱)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ نے فرمایا۔ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے۔
(یہ قبریں کہاں تھیں؟ اسی زمین پر تو تھیں)

۲...... رسول اللہ ﷺ غزوہ احد کے بعد جب شہداء کو دفن کرنے لگے تو حضرت انس ؓ فرماتے ہیں: "کان یجمع الثلاثۃ والاثنین فی قبر واحد" (مستدرک حاکم ج ۱ ص ۳۶۵)

ترجمہ: حضور ﷺ تین تین اور دو دو شہیدوں کو ایک قبر میں دفن کرتے رہے۔

۳...... حضرت عمر ؓ نے ایک شخص کو ایک قبر کے پاس نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:
"القبر القبر" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۱)

ترجمہ: یہ سامنے قبر ہے قبر ہے۔
یعنی قبر سامنے ہو تو نماز نہ پڑھنی چاہئے۔

۴...... حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کہتے ہیں کہ: "ان رسول اللہ ﷺ ادخل رجلا قبرہ لیلا واسرج فی قبرہ"
(سنن ابن ماجہ ص ۱۰۹، جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۲۵)

ترجمہ: رسول پاک ﷺ نے ایک شخص کو رات کے وقت قبر میں اتارا اور اس کی قبر میں روشنی کی۔

۵...... حضرت بریدہؓ نے وصیت کی کہ میری قبر پر کھجور کی دو ٹہنیاں گاڑ دینا۔ حضرت امام بخاریؒ نقل فرماتے ہیں کہ: "واوصی بریدة الاسلمی ان یجعل فی قبره جریدا" (صحیح بخاری ج ۱، ص ۱۸۱)

ترجمہ: حضرت بریدۃ الاسلمیؓ نے وصیت کی کہ ان کی قبر میں کھجور کی ٹہنی رکھ دینا۔

یہاں قبر سے ان کی کیا مراد تھی؟ یہی گڑھا یا کچھ اور؟

۶...... حضرت عمرو بن عاصؓ (۶۷ھ) نے بھی اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ مجھے دفن کرنے اور میری قبر پر مٹی ڈالنے کے بعد وہاں اتنا ٹھہرا رہنا جتنے میں اونٹ ذبح کر کے بانٹا جا سکتا ہے تا کہ میں تم سے مانوس رہ کر خدا کے بھیجے ہوؤں (منکر نکیر) کا جواب دے سکوں آپ نے فرمایا: "ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر الجزور ویقسم لحمها حتی استانس بکم واعلم ماذا اراجع به رسل ربی" (صحیح مسلم ج ۱ ص ۷۶)

ترجمہ: پھر تم میری قبر کے گرد ٹھہرنا اتنا وقت کہ اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم ہو جائے میں تم سے (اس دوران) مانوس رہوں گا اور جان لوں گا کہ اپنے رب کے بھیجے ہوؤں کو کیا جواب دوں۔

۷...... حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں: "من السنة ان تاتی قبر النبی ﷺ من قبل القبلة وتجعل ظهرک الی القبلة وتستقبل القبر بوجهک" (مسند امام اعظم ص ۱۲۶)

ترجمہ: سنت یہ ہے کہ تم حضور ﷺ کی قبر پر قبلہ کی طرف سے آؤ پھر تمہاری پشت قبلہ کی طرف رہے اور تمہارے چہرے کا رخ قبر کی طرف رہے۔

۸...... حضرت جابرؓ فرماتے ہیں: "ان النبی ﷺ صلّی علی قبر امرأة بعد ما دفنت" (رواہ الترمذی ج ۱ ص ۱۲۷)

ترجمہ: نبی اکرم ﷺ نے ایک عورت کی قبر پر اس کی نماز (جنازہ) پڑھی یہ اس کے دفن کے بعد ہوا۔

قرآن کریم، احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور آثار صحابہؓ کی شہادتیں آپ نے سن لیں کہ وہ کن جگہوں کو قبر کہتے تھے اور ان میں سے بیشتر حوالے اسی زندگی کے ہیں جو اس عالم دنیا اور عالم آخرت کے درمیان کی زندگی ہے اور دونوں کے مابین برزخ ہے۔ اس بحث میں قبر اسی جگہ کو کہا گیا ہے جو یہاں زمین پر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اسی زمین کو حکم دیتے ہیں کہ فلاں میت پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا اور پھر اس کی پسلیاں آر پار ہو جاتی ہیں۔ یہ واقعہ عالم غیب کی کسی علیحدہ وادی میں پیش نہیں آتا حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: "فیقال للارض التئمی علیه فالتئمت علیه فتختلف اضلاعه" (رواہ الترمذی ج ۱ ص ۱۲۷)

ترجمہ: پھر اس زمین کو حکم ہوتا ہے اس میت پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا سو زمین اس پر سمٹتی ہے اور اس کی پسلیاں آر پار ہو کر دب جاتی ہیں۔

یہ عذاب یہاں دیکھنے والوں کو نظر آ رہا۔ اس اعتبار سے یہ بے شک عالم غیب ہے لیکن یہ کہنا کہ یہ قبر حقیقت میں قبر ہی نہیں، لسان شریعت کے ان عام اطلاقات کا کھلا انکار اور تواتر امت سے ایک کھلا ٹکراؤ ہے۔ مخالفین جس دیدہ دلیری سے ظاہر شریعت کا انکار کر رہے ہیں اس میں وہ قبروں کے پاس پڑے ملنگوں کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔

معنی قبر پر حضرت امام ابو حنیفہؒ کی شہادت

اب آیئے یہی اطلاق حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) سے بھی سن لیں۔ صحابہؓ کے بعد انہی کا درجہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں حافظ ابن الہمام الاسکندریؒ (۸۸۶ھ) سے منقول ہے: "عن ابی حنیفة ان الزائر یستقبل القبر ویستدبر القبلة" (العرف الشذی ص ۲۰۲)

ترجمہ: امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ (روضہ پر) حاضری دینے والا زائر قبر کے سامنے سے آئے اور قبلہ کو پس پشت رکھے۔

فقہ کی کتابوں سے ہمیں مزید شواہد پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ حدیث اور فقہ میں قبر سے مراد یہی گڑھے ہیں۔ حدیث وفقہ سے دین کی اصل مراد معلوم ہوتی ہے دینی کلام میں متوازی نظریات کا رد اور استدلال میں عقل وامکان کا دخل ساتھ ساتھ رہتا ہے۔ قبر کے جو معنی میں نے بیان کئے ہیں وہ حدیث وفقہ کی اصطلاح میں ہیں اور متکلمین جب معتزلہ کے امکانی سوالات کو اپنے جواب میں لپیٹتے ہیں تو قبر کے معنی وسیع کرتے ہیں۔ اسے اس گڑھے تک نہیں رہنے دیتے جو زمین میں دکھائی دیتا ہے۔ ان مردوں کے لئے جو ڈوب جائیں یا جل جائیں یا جانوروں کے پیٹ میں چلے جائیں انہیں ایک قبر کا پیدا ہوتا ہے اس موقعہ پر وہ کہتے ہیں کہ قبر صرف اس گڑھے کو ہی نہیں کہتے یہ عالم برزخ کی ایک منزل ہے۔ محدثین جب ان کی بات نقل کرتے ہیں تو وہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے، نہ یہ کہ یہ حدیث وفقہ کی اصطلاح ہے۔

"ولیس المراد به الحفرة التی یدفن فیه المیت فرب میت لایدفن کالغریق والمحروق والما کول فی بطن الحیوانات یعذب وینعم ویسأل" (تنقیح اللمعات ج ۱ ص ۱۸۹)

ترجمہ: قبر سے مراد یہی جگہ نہیں جس میں میت دفن کی جاتی ہے کئی اموات کو تو دفن ہونے تک کی نوبت نہیں آتی جیسے کوئی ڈوب جائے یا جل جائے یا جسے جنگل کے حیوانات کھالیں اور وہ ان کے پیٹ میں ہو اسے بھی تو عذاب قبر ہوتا ہے اور سوال وجواب کی نوبت آتی ہے۔

قاضی شمس الدین صاحبؒ بھی اقرار کرتے ہیں: "اس میں شک نہیں کہ اس محسوس محفور فی الارض کو ہی عرف عام اور فقہ کی اصطلاح میں قبر کہتے ہیں اور کتب فقہ کے باب الجنائز میں جس قبر کے احکام مذکور ہیں وہ یہی محسوس محفور فی الارض ہے۔ مگر علم کلام میں جہاں قبر کے ثواب حساب اور عذاب کا ذکر ہے اس سے مراد عالم برزخ ہے۔" (مسالک العلماء ص ۶۶، ۶۷)

ہمیں متکلمین کی اس اصطلاح سے انکار نہیں لیکن ہم اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کر سکتے کہ مراد حدیث کو فقہاء ہی زیادہ جانتے ہیں اور اس کا خود محدثین کو اعتراف ہے۔ امام ترمذی باب غسل میت میں اس کی تصریح کر چکے ہیں۔

قارئین یہاں دیکھ لیں حدیث وفقہ کے سہارے کون لوگ چل رہے ہیں اور کون لوگ متکلمین کی اصطلاحات سے احادیث کی تشریح کے درپے ہیں۔ حدیث وفقہ کو علم کلام کے تابع کرنا ہمیں سمجھ میں نہیں آتا۔ علم کلام تو مرتب ہی حضور ﷺ کے بہت بعد ہوا ہے۔

"الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون" الفاظ حدیث کے ہیں۔ ان میں قبر کا معنی علم کلام سے لینا اور فقہ کی اصطلاح سے کھیلنا یہ کون سا انصاف ہے اور کون سی شان علم ہے۔

شہداء احد کی قبریں اسی زمین پر ہیں ان پر سے حضور ﷺ گزرے اور فرمایا: ''اللھم ان عبدک و نبیک یشھد ان ھؤلاء شھداء و انھم من زارھم او سلم علیھم الی یوم القیمۃ ردوا علیہ'' (وفاء الوفا ص ۹۳۳)

ترجمہ: اے اللہ! تیرا نبی اور تیرا بندہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں (اشارہ انہی زمین کی قبروں کی طرف ہے اور) جو ان کی زیارت کرتا ہے یا ان پر سلام بھیجتا ہے قیامت تک یہ ان کو جواب دیتے رہیں گے۔

پھر آپ حضرت مصعب بن زبیرؓ کی قبر پر ٹھہرے اور فرمایا: ''اللّھم ان عبدک و نبیک یشھد ان ھؤلاء شھداء فأتوھم و سلموا علیھم فلن یسلم علیھم احد ما قامت السموات و الارض الا ردوا علیہ''

(وفاء الوفاء ص ۹۳۱)

ترجمہ: اے اللہ! تیرا نبی اور تیرا بندہ گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں لوگو! ان کے پاس آؤ (انہی قبروں کے پاس نہ کہ علیین میں) اور ان پر سلام پڑھو جب تک زمین و آسمان قائم ہیں تو یہ سلام پڑھنے والوں کا جواب دیتے ہیں۔

آپ کا یہ فرمانا کہ لوگو! ان کے پاس آؤ عالم برزخ کی کسی نادیدہ بستی میں آنے کی تلقین نہ تھی اعلیٰ علیین یا سجین نیکوں اور بروں کے قبرستان نہیں ہیں۔ یہ تو ملاء اعلیٰ کے دفتر کا نام علیین ہے جہاں مقربین نام لکھانے کے لئے حاضری دیتے ہیں یہ قبریں نہیں ہیں۔

قبر اعلیٰ علیین یا سجین کا کوئی مقام نہیں۔ یہ اسی زمین کی جگہ مٹی کا گھر ہے۔ جسے متعارف زبان میں قبر کہتے ہیں۔ احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام، اطلاقات صحابہؓ اور امام ابوحنیفہؒ کی شہادت آپ کے سامنے ہے اگر اس پر بھی تسلی نہیں تو خود قبر سے ہی سن لیں۔ وہ کیا کہتی ہے حضرت ابوسعید الخدریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ قبر کا ذکر فرماتے ہوئے کہ وہ تمام لذتوں کو مٹا دیتی ہے قبر کی اپنی فریاد ان لفظوں میں نقل فرمائی: ''انا بیت الغربۃ و انا بیت الوحدۃ و انا بیت التراب و انا بیت الدود، رواہ الترمذی'' (مشکوٰۃ ص ۲۵۷)

ترجمہ: میں غربت کا گھر ہوں، تنہائی کا گوشہ ہوں، میں مٹی کا ٹھکانہ اور کیڑوں کی زد میں ہوں۔

کیا مٹی کا ٹھکانا علیین میں ہو سکتا ہے اور کیا علیین تنہائی کا گوشہ ہے یا وہاں ارواح کے مسکن ہیں؟ یاد رکھئے قبر آخر قبر ہے اور وہ یہی ہے۔

معنی قبر پر فریقین کا اتفاق

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ۲۲ جون ۱۹۶۲ء کو جامعہ عثمانیہ حنفیہ راولپنڈی میں شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں صاحب اور قاضی شمس الدین صاحب اور حضرت مولانا قاضی نور محمد صاحبؒ کے سامنے یہ تحریر لکھی اور حضور ﷺ کی مدینہ منورہ کی قبر مبارک کو ہی آپ کی برزخی زندگی کا محل قرار دیا۔ حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم نے یہ تحریر لکھی اور اس پر ان تینوں حضرات نے دستخط کئے:

وفات کے بعد نبی کریم کے جسد اطہر کو برزخ قبر شریف میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اطہر پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں۔ محمد طیب

حال وارد راولپنڈی ۲۲ جون ۱۹۶۲ء

(دیکھئے ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ص ۵۳، ماہ اگست ۱۹۶۲ء)

اس سے یہ نزاع ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی کہ یہ ظاہری قبریں برزخی منازل نہیں ہیں اب اس پر سب کا اتفاق ہوگیا ہے کہ یہاں کی قبر ہی آخرت کی پہلی منزل ہے جس میں میت کو اتارا جاتا ہے۔ رہیں برزخ کی وار دات، تو یہ یہاں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہیں۔

قبر اگر صرف گڑھا ہے تو اس پر دعا کیوں؟

اگر یہ گڑھا جس میں میت رکھی گئی، قبر نہیں وہاں صرف ایک محض بے جان لاش دھری ہے جس سے قیامت تک روح کا تعلق نہیں تو اس پر میت کے لئے دعا کرنا کس لئے ہے؟ وہاں مرنے والا تو نہیں ہے۔

ہمارے یہ کرم فرما کہتے ہیں زیارت قبور صرف اس لئے ہے کہ یہ تمہیں آخرت یاد کرائیں۔ ہم عرض کرتے ہیں یہ صرف کی قید آپ نے کہاں سے نکالی ہے تذکیر آخرت سے ہمیں انکار نہیں۔ یہ تو اپنے فائدے کے لئے ہے لیکن کیا مرحوم کے فائدے کے لئے وہاں جانا اور اس کے لئے دعا کرنا کیا یہ شریعت میں ثابت نہیں؟

اگر وہاں ایک محض بے جان دھڑ پڑا ہے اور یہ قبر نہیں جس پر ایلام و تنعیم کی کیفیات گزرتی ہوں تو پھر وہاں حاضری اور اس کے لئے دعا کرنا، اس کا کیا معنی رہ جاتا ہے؟ کچھ نہیں!

قبر پر دعا کے لئے حاضری کا ذکر تو قرآن کریم میں بھی ملتا ہے: ”وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓي اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰي قَبْرِهٖ“ (پ۱۰، التوبہ ۸۴)

ترجمہ: اور آپ ان میں کسی کی جو مر جائے کبھی نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کبھی دعا کے لئے کھڑے ہوں۔

یہ قبر پر کھڑا ہونا نماز جنازہ کے علاوہ ہے ...... کس لئے؟ دعا کے لئے!

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہ پڑھی، نہ کبھی اس کی قبر پر دعا کی یہاں قبر سے کون سی قبر مراد ہے؟

”فما صلّى رسول الله ﷺ بعده على منافق ولا قام على قبره حتى قبضه الله“ (تفسیر ابن کثیر ج۲ ص۳۸۶)

سیدنا حضرت عثمانؓ آپ کے بارے میں روایت کرتے ہیں: ”کان رسول الله ﷺ اذا فرغ من دفن المیت وقف علیه فقال استغفروا لاخیکم ثم سلوا له التثبیت فانه الآن یسئل“ (سنن ابی داؤد مشکوۃ ص۲۶)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ جب دفن میت سے فارغ ہوتے تو اس کی قبر پر کھڑے ہوتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے مغفرت کی دعا مانگو اور اس کے لئے اللہ سے ثابت قدمی مانگو اسے اب پوچھا جا رہا ہے۔

اگر یہ سوال وجواب اسی قبر میں نہیں ہو رہے تو اس قبر پر کھڑے ہو کر اس کے لئے دعا کیوں؟

آنحضرت ﷺ سے بقیع کے قبرستان میں جانا اور وہاں ان لوگوں کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا کیا حدیث سے ثابت نہیں؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ کے جنازہ میں موجود تھے۔ آپ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ جب ان کے دفن سے فارغ ہوئے تو وہیں قبلہ رخ ہوئے اور مرحوم کے لئے دعا فرمائی: ”فلما فرغ من دفنه استقبل القبلة رافعا یدیه“ (رواہ ابو عوانہ فتح الباری ج۱۱ ص۱۲۲)

ترجمہ: جب آپ اس کے دفن سے فارغ ہوئے تو قبلہ رخ ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

اگر قبر میں محض ایک بے جان لاشہ پڑا ہے تو فاتح مصر سیدنا حضرت عمرو بن عاصؓ اپنے بیٹے جلیل القدر محدث حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) کو یہ کیوں کہہ رہے ہیں کہ جب تم میرے دفن سے فارغ ہو جاؤ تم سب میری قبر کے ارد گرد کچھ عرصہ ٹھہرے رہنا۔ تاکہ میں تمہاری حاضری سے انس پکڑوں اور اپنے رب کے بھیجے ہوؤں (منکر نکیر) کو بات لوٹا سکوں، جواب دے سکوں: "ثم اقيموا حول قبري قدر ما ينحر جزور ويقسم لحمها حتى أستأنس بكم وأعلم ماذا أراجع به رسل ربي" (صحیح مسلم ج۱ ص۷۶، مسند احمد ج۴ ص۱۹۹)

یہاں حضرت عمرو بن العاصؓ اپنی کس قبر کے گرد ٹھہرنے کی نصیحت فرما رہے ہیں؟ اسی قبر پر جس میں لوگوں نے اس وقت آپ کو اتارا تھا یہ سوال و جواب جس پر پورا اترنے کی آپ کی تمنا ہے کہاں ہوں گے؟ اعلیٰ علیین میں یا اس قبر میں اگر اس قبر میں نہیں یہ محض ایک گڑھا ہے تو خدارا انصاف کیجئے حضرت عمرو بن العاصؓ انہیں اس قبر کے گرد کھڑا کرا کر کس طرح ان سے مانوس ہونے کے طلب گار ہیں۔

سوال و جواب اسی قبر میں

قبر کا سوال و جواب عالم برزخ میں ہے یا اسی قبر میں؟ پھر بعض اوقات یہ صورت بھی ہوتی ہے کہ مرنے والے کی ظاہری قبر بنی ہی نہیں۔ سو اس سے سوال کہاں ہوگا؟ حضرت ملا علی قاریؒ اس حدیث کی بحث میں کہ میت سے سوال قبر میں ہوتا ہے لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے لفظ قبر کی تخصیص (اذا سئل فی القبر) اس لئے کی کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے قبریں بنتی ہیں اور میتیں ان میں اتاری جاتی ہیں۔ سو لفظ قبر کی تخصیص اس عام عادت کی بناء پر ہے ورنہ جس جگہ میت یا اس کے بدن کے اجزاء ہوں (جیسے مچھلیوں کے پیٹ یا درندوں کے پیٹ) وہی اس کی قبر ہوگی اور وہیں اس سے سوال ہوگا۔ ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں: "اذا سئل في القبر التخصيص للعادة أو كل موضع فيه مقره فهو قبره" (مرقات ج۱، ص۱۹۷)

ترجمہ: "جب قبر میں سوال ہو" قبر کی تخصیص اس لئے ہے کہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے یا ہر وہ جگہ جہاں اس میت کا مقر ہے وہی اس کی قبر ہے (وہاں یہ سوال و جواب ہوتے ہیں)

یہاں لفظ أو (حرف تردید) عام قبروں کے مقابلے میں ہے کہ کبھی قبر کی صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ عادت عام میں قبر دکھائی نہ دے۔

افسوس کہ بعض نادان اس کو سمجھ نہیں پائے اور انہوں نے اس سے علیین اور سجین کے مقامات مراد لے لئے۔ کاش! کہ یہ لوگ اسی صفحہ پر ملا علی قاریؒ کے یہ الفاظ بھی پڑھ لیتے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو آخرت میں سوال و جواب کے وقت ثابت قدم رکھتا ہے۔ آپؒ اس بحث میں لکھتے ہیں: "(وفي الآخرة) اي البرزخ وغيره وقيل في القبر عند السوال وهو الصحيح كما وقع به التصريح" (ایضاً)

ترجمہ: آخرت سے مراد عالم برزخ یا کوئی اور جگہ ہے جہاں سوال ہوتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسکا برزخ یہ قبر ہے اور یہ دوسری بات صحیح ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ قیل ہمیشہ ضعف مقولہ کے لئے نہیں آتا کبھی صورت برعکس بھی ہوتی ہے جیسا کہ یہاں ہے۔ قبر کا سوال و جواب برحق ہے اور میت کے لئے ثابت قدمی کی دعا بھی بلاشبہ درست ہے۔

قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ) بھی ایک مقام پر لکھتے ہیں: ''فیه مشروعية الإستغفار للميت عند الفراغ من دفنه وسوال التثبيت له لانه يسئل في تلك الحال وفيه دليل على ثبوت حياة القبر وقد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر وفيه ايضاً دليل على ان الميت يسئل في القبر وقد وردت به ايضا احاديث صحيحة في الصحيحين وغيرهما وورد ايضا مايدل على ان السؤال في القبر مختص بهذه الامة كما في حديث زيد بن ثابت عند مسلم ان هذه الامة تبتلى في قبورها وبذلك جزم الحكيم الترمذي''

(نیل الاوطار ج ۴ ص ۱۳۹)

ترجمہ: اس میں میت کے لئے دفن سے فراغت کے بعد مغفرت طلب کرنے کی مشروعیت اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا ہے کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جارہا ہوتا ہے اور یہ حیات فی القبر کے ثبوت کی بھی دلیل ہے اور اس موضوع (حیات فی القبر) پر اس قدر احادیث وارد ہیں کہ وہ تواتر کی حد کو پہنچتی ہیں اور اس میں اس پر بھی دلیل ہے کہ میت سے سوال وجواب قبر میں ہوتے ہیں اور اس پر بھی صحیح احادیث صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دوسری کتابوں میں وارد ہیں اور ایسی روایات بھی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قبر میں سوال اسی امت سے خاص ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں زید بن ثابتؓ کی روایت میں ہے کہ اس امت کو ان کی قبروں میں ایک ابتلاء کا سامنا ہے اور حکیم ترمذی (صاحب نوادرالاصول) اسی کے قائل تھے۔

مقر اموات یہی زمین ہے

جس طرح زندوں کی بہاریں اس زمین پر آتی ہیں اموات کے جملہ حالات بھی اسی زمین پر واقع ہوتے ہیں۔ یہ زمین زندوں اور مردوں دونوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ''اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا، اَحْيَاءً وَّ اَمْوَاتًا'' (پ۲۹، المرسلات)

ترجمہ: کیا ہم نے زمین کو سمیٹ کر رکھنے والی نہیں بنایا؟ (کن کو سمیٹ کر رکھنے والی) زندوں اور مردوں کو۔

یہ آیت بتلاتی ہے کہ جس طرح زندوں پر راحت وتکلیف اسی زمین پر آتی ہے، اموات پر تکلیف و راحت بھی اسی زمین پر اترتی ہے۔ عذاب قبر اسی زمین میں ہوتا ہے قیامت تک کے جملہ حالات اس پر یہیں گزریں گے اور پھر یہیں سے حشر کے لئے اٹھنا ہوگا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں: ''زندہ مخلوق اسی زمین میں بسر کرتی ہے اور مردے بھی اسی مٹی میں پہنچ جاتے ہیں۔ انسان کو زندگی بھی اسی خاک سے ملی اور موت کے بعد بھی یہی اس کا ٹھکانہ ہوا تو دوبارہ اسی خاک سے اٹھا دینا کیوں مشکل ہوا؟ جو خدا اس حقیر زمین میں اپنی قدرت کے متضاد نمونے دکھلاتا ہے اور موت وحیات اور سختی ونرمی کے مناظر پیش کرتا ہے۔ کیا وہ میدان حشر میں سختی ونرمی اور نجات وہلاکت کے مختلف مناظر نہیں دکھلا سکتا؟'' (تفسیر عثمانی ص ۷۵۵)

جب انسانوں کی تکلیف وراحت اسی زمین پر ہے اور آخرت کی نجات وہلاکت بھی اسی زمین پر واقع ہو گی تو انسان کی درمیانی منزل (موت کے بعد اور قیامت سے پہلے کی) کیا اس زمین سے جدا کسی اور زمین پر واقع ہے؟ کیا خدا اس منزل کے مختلف مناظر راحت قبر ہو یا عذاب قبر اس زمین میں واقع نہیں کر سکتا؟ جسے اس دنیا والوں کی آنکھیں نہ دیکھ سکیں اور نہ یہاں کے کان سن سکیں۔

آپ ارواح کے مقر علیین یا سجین کو ٹھہرالیں آپ کو کون روکتا ہے۔ لیکن ابدان یا ابدان کے منتشر ذرات پر جو کچھ گزرتی ہے اسے زمین سے جوڑے رکھیں تو اس کے لئے آپ اپنے آپ کو اتنی بات نہیں سمجھا سکتے کہ ارواح جہاں بھی ہوں ان کے زیر اثر یہ زیر زمین ابدان ان برزخی حالات سے یقیناً گزر رہے ہیں جن کی قرآن وحدیث میں خبریں دی گئی ہیں۔ کیا مرنے کے بعد بھی زمین ہمارا ٹھکانہ نہیں؟ اور کیا یہیں سے ہمیں حشر کے لئے نہیں اٹھنا؟ کیا قرآن نے نہیں کہا؟

"مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى" (پ۱۶، طٰہٰ ۵۵)

ترجمہ: ہم نے تمہیں اسی مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے۔ اور پھر اسی سے دوبارہ نکالیں گے۔

جو انسان ہوائی جہاز کے حادثے میں جلے وہ بھی اسی زمین سے اٹھیں گے اور جو دریاؤں میں ڈوبے وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے، جنہیں جانور کھا گئے وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے، جنہیں باقاعدہ قبریں نصیب ہوئیں وہ بھی اسی زمین سے نکلیں گے۔ قرآن پاک کی یہ آیات بتلاتی ہیں کہ مرنے کے بعد انسان کا ٹھکانہ اسی زمین میں ہے اور اسی زمین پر انسان پر راحت والم کے جملہ حالات گزرتے ہیں۔

گو ہمارے اور ان حالات کے مابین ایک پردہ ہے جو نہ ہٹتا ہے، نہ پھٹتا ہے مگر بعض خاصان خدا کے لئے وہ بھی کرامۃً اٹھتا بھی ہے یہ یہاں رہتے ہوئے بھی وہاں کی کوئی جھلک دیکھ پاتے ہیں۔

عالم برزخ کے لئے کسی اور زمین کی تلاش نہ کرو

احباب گرامی قدر! تم اس برزخی زندگی کے لئے کسی اور زمین کی تلاش میں کیوں کھو گئے؟ خدا نے جب ہمیں اسی زمین سے اٹھانا ہے تو اس سے پہلے کی پردے کی زندگی کیا اسی زمین میں نہیں ہوسکتی؟ کیا تم اسی لئے کسی اور زمین کی تلاش میں نکلے ہو کہ یہ زندگی تمہیں نظر نہیں آسکتی پردے میں ہے اس لئے اس کا ماننا مشکل ہے؟ کیا یومنون بالغیب (وہ بن دیکھے ایمان لاتے ہیں) اس امت کی شان نہیں؟ قرآن وحدیث کو چھوڑ کر تم کس فلسفی یا صوفی کے دامن میں پناہ لوگے کہ قبر اس زمین پر نہیں کسی اور جگہ کا نام ہے؟

اگر کسی صوفی نے یہ کہہ دیا کہ قبر اس گڑھے کا نام نہیں تو تم نے اس سے یہ کیسے سمجھ لیا کہ قبر اس پوری زمین میں ہی کہیں نہیں؟ اگر کسی جلنے والے یا ڈوبنے والے کی قبر کہیں گڑھے کی صورت میں نہیں تو اس سے یہ کیسے نکل آیا کہ وہ پوری زمین میں کسی غیر مرئی صورت میں بھی کہیں نہیں ہے؟ کیا تم کسی حدیث سے دکھلا سکتے ہو کہ حشر کے دن کچھ مردے جانوروں کے پیٹوں سے نکلیں گے یا دریاؤں اور سمندروں سے اٹھیں گے یا بجلی کے کھمبوں سے اتریں گے جہاں وہ جل کر بالکل بے نشان ہو گئے تھے؟ اگر آپ کو یہ بات کسی حدیث میں نہیں ملتی تو محض اس لئے کہ ان قبروں کے قبر ہونے کا انکار نہ کریں کہ بعض اموات کو ظاہرا کسی گڑھے میں جگہ نہیں ملی تھی۔

قرآن وحدیث میں قبر کے معنی وہی ہیں جو عام عرب اپنی زبان کے معروف محاورے میں سمجھ سکتے تھے۔ کسی فوق الادراک منزل میں قبر کی نشاندہی کرنا اس کتاب کی شان نہیں جس کا اپنا دعوے یہ ہو: "وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ" (پ۲۷، القمر آیت ۱۷)

ترجمہ: قرآن کو نصیحت پکڑنے کے لئے ہم نے آسان کر دیا ہے۔ سو کیا ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا؟

قرآن کے اسرار و دقائق اپنی جگہ، کوئی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس کے اصول ہدایت بہت آسان ہیں۔ دین فطرت عام انسانی سمجھ سے کلیۃً بالا نہیں کہ کسی طرح سمجھ میں ہی نہ آسکے اللہ تعالیٰ نے اسے نصیحت حاصل کرنے کے لئے بہت آسان کر دیا ہے۔ سو اس کے الفاظ انہیں معنوں پر محمول ہوں گے جو عرب اس سے اپنے محاورے کے مطابق سمجھ سکتے تھے۔ اگر کچھ باتیں اس سے وراء ہیں تو اللہ تعالیٰ نے خود متشابہات کی نشان دہی کر دی ہے اور بتا دیا ہے کہ کہاں الفاظ اپنی ظاہری معنی میں نہ ہوں گے۔

قبر کے بارے میں قرآن و حدیث میں کہیں نہیں کہ اس سے اس کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے اور یہ کہ قبر کسی اور جگہ ہے اس گڑھے میں نہیں۔

"بلغنا انه من وقف عند قبر النبی ﷺ فتلا هذه الاية اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا"[1]　　(شرح الشفاء ج ۲ ص ۸۵)

ترجمہ: ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص آنحضرت ﷺ کی قبر پر آئے اور یہ آیت پڑھے اے ایمان والو! اس نبی پر درود و سلام بھیجو۔　　(پ ۲۲، الاحزاب آیت ۵۶)

یہاں ایک عرب قبر کا کیا معنی سمجھ سکتا ہے؟ مسلمانوں کے ذہن میں لفظ قبر سے مدینہ منورہ کا روضہ اطہر ہی آئے گا یا مومن اپنے خیال کی دنیا میں مقام علیین تک اڑے گا آخر کچھ تو سوچئے کہاں تک بہکے چلے جاؤ گے۔

معنی قبر پر سعودی پیشواء امام عبدالعزیز اوّل کی شہادت

قبر کے جو معنی ہم قرآن و حدیث اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بیانات سے نقل کر آئے ہیں اس دور متاخر میں بھی علماء اسلامؒ نے قبر سے یہ ظاہر قبر ہی مراد لی ہے۔ نجد کے شیخ محمد بن سعود کے بیٹے امام عبدالعزیز اوّل لکھتے ہیں: "صحابہ کرامؓ ایک دفعہ قحط سالی کے موقع پر دعاء استسقاء کے لئے نبی ﷺ کے چچا عباسؓ کو ساتھ لے کر گئے تھے کہ وہ بارش کے لئے دعا مانگیں۔ جیسا کہ بخاری شریف میں انس بن مالکؓ سے روایت موجود ہے صحابہ کرامؓ نہ تو آپ کی قبر کے پاس آئے نہ وہاں انہوں نے کھڑے ہو کر دعا مانگی حالانکہ نبی ﷺ کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے۔"　　(رسالہ مذکور ص ۳۱ مترجم مولانا اسماعیل غزنوی ۱۹۲۷ء مطبوعہ امرتسر)

یہاں اس بات میں کہ صحابہؓ آپ کی قبر کے پاس نہ آئے کون سی قبر مراد ہے؟ یہی نا کہ جو مدینہ منورہ میں گنبد خضرا میں ہے اور پھر اس کے ساتھ موصوف کا یہ کہنا کہ "نبی ﷺ کو قبر میں حیات برزخی حاصل ہے" کیا یہی قبر مراد نہیں؟ علماء نجد کے عقیدہ میں آنحضرت ﷺ اپنی اسی قبر میں جو زیارت گاہ عوام و خواص ہے برزخی حیات سے زندہ ہیں اور برزخی حیات سے مراد یہ ہے کہ حیات آپ کے جسد اطہر میں پردے میں ہے ہر کوئی اسے نہیں دیکھ پاتا۔ علماء اسلامؒ میں سے آپ کی اس قبر کی حیات کا کسی نے انکار نہیں کیا اور آپ ﷺ اسی حیات سے (اسے دنیا والے بدن کے اعتبار سے دنیوی کہیں یا پردے کے باعث برزخی کہیں) قبر پر آنے والوں کا صلوۃ و سلام سنتے ہیں۔

ہمیں افسوس اس پر ہے کہ ہمارے مخالفین حضور ﷺ کو اس قبر مبارک میں نہ حیات دنیوی سے زندہ

[1] قال القاری فی شرحه رواه البیهقی و ابن ابی حدیک و قد جماعة و احتج به اصحاب الکتب المعتمد معنی قوله بلغنا

مانتے ہیں نہ حیات برزخی سے۔ اس قبر کو وہ محض ایک گڑھا سمجھتے ہیں جس میں آپ کا بدن مبارک (معاذ اللہ) بالکل پتھر کی طرح بے جان اور بے شعور پڑا ہے۔ استغفر اللہ العظیم! جب یہ کہتے ہیں کہ ہم حیات برزخی کے قائل ہیں تو ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ آپ آسمانوں میں کسی دور کی جگہ میں برزخی حیات سے زندہ ہیں اس قبر میں آپ ﷺ کو برزخی حیات بھی ہرگز حاصل نہیں۔ ولم یقل بہ احد من السلف والخلف من علماء اہل السنۃ والجماعۃ!

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بیٹے امام عبداللہ کی شہادت

اور حضور ﷺ کی زندگی قبر میں برزخی زندگی ہے جو شہداء کی زندگی سے بہت اعلیٰ ہے قرآن شریف کی آیات اس پر منصوص ہیں کیونکہ حضور ﷺ شہداء سے بلاشک وریب افضل ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت ﷺ پر (قبر پر) سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں۔ (دوسرا رسالہ مذکورہ بالا ص ۶۵ مرقومہ ۱۲۸۱ھ)

اب آپ ہی کچھ غور کریں کہ یہاں قبر سے کون سی قبر مراد ہے اور آپ کا قبر مبارک کے پاس سماع کہاں مانا گیا ہے کہ آپ زائرین کے صلوۃ وسلام کو کہاں سن رہے ہیں؟

سرخیل علماء مجدد شیخ محمد بن عبداللطیف کی شہادت

علماء آل شیخ میں جو مقام شیخ محمد بن عبداللطیف کا تھا اس سے اہل علم ناآشنا نہیں۔ آپ نے مسئلہ عذاب قبر اور مقام قبر بڑی وضاحت سے لکھا ہے۔

۱...... شہادت درباره عذاب قبر

ہم قبور کے فتنہ (آزمائش) اور اس کے عذاب اور اس میں راحت اور یہ کہ جسموں میں روحوں کو ڈالا جائے گا ایمان لاتے ہیں۔ (چوتھا رسالہ از رسائل مذکورہ ص ۱۱۹)

۲...... شہادت دربارۂ مقام قبر اور حیات قبر

آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں لیکن برزخی حیات کے ساتھ، اور آپ کی زندگی شہداء کی زندگی سے کہیں بہتر ہے۔ اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔ (چوتھا رسالہ از رسائل مذکورہ ص ۱۱۹)

برزخ کے حالات یہاں مشاہدہ میں نہیں آتے

قرآن کریم ہمیں بعض ایسے برزخی حالات کی خبر دیتا ہے جو ہمارے سامنے واقع ہوتے ہیں مگر ہمیں نظر نہیں آ رہے ہوتے۔ ارشاد ہوتا ہے: "وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَیْدِیْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ" (پ ۷، الانعام آیت ۹۳)

ترجمہ: اور اگر آپ دیکھیں جب ظالم لوگ موت کی سختیوں میں گھرتے ہیں اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلاتے ہیں نکالو اپنی جانیں آج تمہیں خواری کا عذاب دیا جائے گا۔

فرشتوں کی ایک یہ بات بھی قرآن کریم نے نقل کی ہے: "یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ" (پ ۱۰، الانفال آیت ۵۰)

ترجمہ: فرشتے بیٹھے ہیں ان کے چہروں پر اور ان کی پیٹھ پر۔

فرشتوں کا جو معاملہ اس مرنے والے سے ہو رہا ہے اس سے اس کے برزخ کا آغاز ہو چکا اسے اب وہ دیکھ بھی رہا ہے اور چھو بھی رہا ہے مگر پاس بیٹھنے والوں کو وہ فرشتے نظر نہیں آرہے۔ مرنے والا اس وقت دنیا اور آخرت کے درمیان ہے۔ اس وقت ہر نیک و بد فرشتوں کو دیکھتا ہے مگر دوسروں سے وہ پردے میں ہوتے ہیں۔

ہاں! اللہ کے کچھ نیک بندے ایسے بھی ہیں جو اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی ملاء اعلیٰ اور عالم بالا سے آشنا ہوتے ہیں۔ فرشتوں کا ان کے ہاں آنا جانا ہوتا ہے۔ عالم ناسوت (انسانوں کی دنیا) اور عالم ملکوت (فرشتوں کا جہاں) کے درمیان گو برزخ کا پردہ نہیں لیکن ایک حجاب ضرور ہے جو کبھی اٹھ بھی جاتا ہے آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ گلیں مدینہ میں بیٹھے ملاء اعلیٰ میں فرشتوں کا اختصام سنا۔ آپ کے سامنے اس وقت تمام جہان روشن ہو گیا تھا۔

عالم بالا اور کرۂ ارضی کے حجابات اور ارتباطات

ہم اہل زمین ملاء اعلیٰ سے پردے میں ہیں۔ فرشتوں کی آمد یہاں زمین پر ہوتی ہے مگر ہمارا وہاں آنا جانا نہیں ہوتا۔ ہم جب تک اس دنیوی زندگی میں ہیں ہم سے فرشتے حجاب میں رہتے ہیں۔ وہ یہاں بھی آجائیں تو جب تک اذنِ الٰہی نہ ہو ہم انہیں دیکھ نہیں سکتے۔

سوال یہ ہے کہ انبیاء کرام ﷩ اور اونچے درجے کے اولیاء﷭ کیا وہ بھی ملاء اعلیٰ سے اسی پردے میں ہیں؟ نہیں! ان سے اللہ تعالیٰ نے بارہا یہ پردے ہٹائے بھی ہیں۔ انہیں اس ملاء اعلیٰ سے ایک خاص انس اور ارتباط ہو جاتا ہے۔ ملائکہ یہاں اتر کر بھی ان سے مل جاتے ہیں جب اللہ تعالیٰ چاہیں زمین پر بھی کبھی ملاء اعلیٰ کی سیر و سیاحت ہوتی رہتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس﷠ کہتے ہیں کہ حضور اکرام ﷺ نے فرمایا: ”لاتدخل الملئکة بیتا فیه کلب ولا صورة یرید صورة التماثیل التی فیها الأرواح“ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۷۰)

ترجمہ: فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا ہو یا کوئی تصویر ہو۔ تصویر سے آپ کی مراد ذوی الارواح کی تصاویر ہیں جن میں روح ہو۔

حضرت عائشہ صدیقہ﷞ کہتی ہیں ایک دفعہ حضرت جبریل ؑ دروازے پر کھڑے رہے اور اندر نہ آئے۔ آپ نے آہٹ سنی تو باہر نکلے: ”فخرج النبی ﷺ فاذا هو بجبریل قائم علی الباب فقال ما منعک ان تدخل قال ان فی البیت کلبا وانا لاندخل بیتا فیه کلب ولا صورة“ (سنن ابن ماجہ ص ۲۶۰)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کیا دیکھتے ہیں کہ جبریل ؑ دروازے پر کھڑے ہیں آپ نے کہا آپ کو گھر آنے سے کس چیز نے روکا ہے انہوں نے کہا گھر میں ایک کتا ہے اور ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

ام المومنین حضرت عائشہ﷞ کہتی ہیں کہ جب حضور ﷺ محاذ خندق سے واپس آئے، ہتھیار اتارے اور غسل فرمایا تو آپ ﷺ کے پاس جبریل آئے اور کہا۔

”اتاه جبریل فقال قد وضعت السلاح واللّٰه ما وضعناه اخرج الیهم قال فالی این قال ههنا واشار الی بنی قریظة فخرج النبی ﷺ الیهم“ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۵۹۰)

ترجمہ: آپ کے پاس جبریل آئے اور کہا آپ نے ہتھیار اتار دیئے ہیں بخدا ہم نے تو نہیں اتارے آپ ان کی طرف چلیں۔ آپ ﷺ نے کہا کدھر؟ حضرت جبریل ؑ نے کہا ادھر اور بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر نبی کریم ﷺ ادھر ہوئے۔

انبیاء کے سوا دوسرے کاملین کے لئے بھی فرشتوں کی یہ رویت ممکن ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کہتے ہیں کہ میں نے جنگ احد کے دن حضور ﷺ کے دائیں بائیں دو شخص دیکھے جن کے کپڑے سفید تھے: "رایت یوم احد عن یمین رسول اللہ ﷺ و عن یسارہ رجلین علیهما ثیاب بیض یقاتلان عنه کاشد القتال ما رأیتهما قبل ولا بعد" (ایضاً ج ۲ ص ۵۸۰، صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۵۲)

ترجمہ: میں نے جنگ احد کے دن آنحضرت ﷺ کے دائیں اور بائیں دو شخصوں کو دیکھا جن کے کپڑے سفید تھے اور وہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے سخت جنگ لڑ رہے تھے میں نے نہ انہیں کبھی ان سے پہلے دیکھا نہ بعد میں۔

حضرت مولانا مفتی شفیع فرماتے ہیں: "فرشتہ اپنی اصل ہیئت وصورت میں سامنے آ جائے تو اس کی ہیبت کو کوئی انسان برداشت نہیں کر سکتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ انسان کی شکل میں آئے جیسے جبریل امین نبی کریم ﷺ کے پاس بہت مرتبہ بشکل انسانی آئے۔" (معارف ج ۳ ص ۲۸۷)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: "وانهم قد یظهرون لافاضل الادمیین فیبشرونهم وینذرونهم" (حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۳۰۹)

ترجمہ: اور فرشتے اس زمین پر اونچے درجے کے لوگوں کے لئے کبھی ظاہر بھی ہو جاتے ہیں اور انہیں بشارات اور نذرات بھی دیتے ہیں۔

ایک اور جگہ پھر لکھتے ہیں: "وأن لهم اجتماعات کیف شاء اللہ وحیث شاء اللہ" (ایضاً ص ۵۹)

ترجمہ: اور ان کے لوگوں سے کبھی اجتماعات بھی ہو جاتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ چاہے اور جہاں چاہے۔

یہ سب آمد اور ظہور کسی دوسری شکل میں ہوتا ہے اصل شکل میں وہ دکھائی دیں تو پھر حجت تمام ہو جاتی ہے اور انکار پر فوراً عذاب اترتا ہے۔ اس لئے الٰہی حکمت مقتضی ہوئی کہ خدا کا پیغام انسانوں پر اترے اور فرشتے بھی نازل ہوں تو انسانی اداء میں: "وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ. وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ" (پ ۷، الانعام آیت ۹)

ترجمہ: اور کہا انہوں نے کیوں نہیں اترا اس پر کوئی فرشتہ اور اگر ہم فرشتہ اتارتے تو اسی وقت قصہ طے ہو جاتا۔ پھر وہ مہلت نہ پا سکتے اور اگر ہم فرشتے کو بھی بھیجتے تو بھی انسانی شکل میں بھیجتے۔ تو ہم ان کو شبہ میں ہی رکھتے جس شبہ میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: "اگر فرشتہ اپنی اصلی صورت میں آئے تو یہ لوگ ایک منٹ کے لئے بھی اس کا تحمل نہ کر سکیں۔ اس کے رعب وہیبت سے دم نکل جائے۔ یہ صرف انبیاء علیہم السلام کا ہی ظرف ہوتا ہے جو اصلی صورت میں فرشتہ کی رویت کا تحمل کر سکیں۔ نبی کریم ﷺ نے عمر بھر میں دو مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کو اپنی اصلی صورت میں دیکھا ہے اور کسی نبی کی نسبت ایک مرتبہ بھی ثابت نہیں۔" (تفسیر عثمانی ص ۱۲۶)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ظرف طبعی دوسرے عام انسانوں کا سا نہ تھا۔ آپ میں اتنی روحانی قوت تھی کہ فرشتوں کو ان کی اصلی ہیئت میں دیکھنے کے متحمل تھے۔ یہاں رہتے ہوئے ملاء اعلیٰ سے یہ مناسبت ہو جائے تو پھر یہ تسلیم کرنے میں کیا رکاوٹ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دنیوی حیات میں آپ ﷺ پر ملاء اعلیٰ کے کچھ جلوے بھی اتارے تھے۔ سو اگر کوئی یہ سمجھ جائے کہ جب آپ خود عالم برزخ میں پہنچے تو وہاں بھی یہ دو جہانوں کا ارتباط قائم رہا اور وہاں آپ کا یہی دنیوی بدن جسد اطہر ایک برزخی پیرائے میں قائم حیات ہوا تو اس میں کیا شرعی استحالہ لازم آتا ہے۔

آپ ﷺ کے برزخ کو دوسرے عام انسانوں کے برزخ کے درجہ میں لانا یہ کونسا علم و دانش کا تقاضا ہے؟ یہ کہتے ہیں یہ مثلیت فی البشریت کا تقاضا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں یوحی الی کے بھی تو آخر کچھ مقتضیات ہیں یا نہیں؟ وکفی باللہ شھیدا برزخ کے بعد عالم آخرت ہے اور یہ بھی نبی پاک ﷺ کا ان کی اپنی شان کے مطابق ہے۔

ان چار جہانوں کے سوا کیا کوئی اور جہان بھی ہے

یہ چار جہانوں کا بیان تھا۔ ان کے سوا ایک اور جہان ہے جو رہنے کی جگہ نہیں صرف دیکھنے کی چیز ہے۔ اس میں حقائق و معانی حسب حال مختلف صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں اور نادیدہ حقیقتیں دیدہ بن جاتی ہیں اسے عالم مثال کہتے ہیں۔

عالم مثال

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بہت سی احادیث سے استنباط کر کے ایک ایسے عالم کا پتہ دیا ہے، جو عالم ارواح کے سوا حیات انسانی کے باقی ادوار میں انسان کے ساتھ متوازی چلتا ہے، یہ عالم عنصری نہیں اسے عالم مثال[1] کہتے ہیں۔

"دلت احادیث کثیرۃ علی ان فی الوجود عالما غیر عنصری یتمثل فیہ المعانی باجسام مناسبۃ لھا فی الصفۃ" (حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۳ مصر)

ترجمہ: بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں کہ ایک اور جہان موجود ہے جو عنصری نہیں۔ اس میں معانی صفات اور اعراض اس اس صورت اجسام میں متمثل ہوتے ہیں جو صفات میں ان کے مناسب ہو۔

یہ گویا ایک صاف پانی کی غیر محدود نہر یا شیشہ ہے جس میں عالم شہادت کی وہ چیزیں جو جاندار یا مجسم body materia l نہیں ہیں۔ اپنی مناسب اور موزوں شکلوں modes میں جاندار اور مجسم ہو کر نظر آتی ہیں مثلاً نیکی virtue جو ایک مرئی visible چیز نہیں، ایک حسین جمیل شخص کی شکل میں بدی، evil ایک کریہہ المنظر صورت میں، ایمان آفتاب بن کر، علم دریا کے طور پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ یہ حقائق و معانی ہیں جو مختلف صورتوں کا لباس پہن رہے ہیں۔ یہ عالم مثال کی شکلیں اور تصویریں ہیں۔

---

[1] سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران کا قیامت کے دن آنا، اعمال کا جو اعراض ہیں مجسد ہونا، دنیا کا بوڑھی عورت کی شکل میں آنا، موت کا مینڈھے کی شکل میں ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ اسی کی مثالیں ہیں۔

یہ معانی کی تصویریں ہیں۔ اس جہان میں بھی اگلے جہان کے حقائق کی تصویریں بھی ملتی ہیں۔ حضور ﷺ کا یہ کہنا کہ "صورت لی الجنة والنار" (صحیح بخاری ج ۲ ص ۱۴۱) اسی قبیل سے ہے۔ جنت وجہنم اپنی جگہ محسوس حقیقتیں ہیں۔ یہ کوئی معانی کا اجتماع نہیں ہے۔

عالم مثال کا لفظ معانی کی تصویروں کے لئے بھی آتا ہے اور حقائق کی تصویروں کے لئے بھی لیکن صرف ان حقیقتوں کے لئے جو اس جہان سے اس جہان میں جلوہ ریز ہوں۔ جیسے کہ جنت ودوزخ جو حضور ﷺ کو یہاں دکھائی گئی یا حضرت جبرئیل علیہ السلام جو ملاءِ اعلیٰ سے اس جہان میں دحیہ کلبی کی صورت میں ظاہر ہوتے رہے۔

ہاں اس جہان میں چیزوں کی شکلیں بدلیں جیسے لاٹھی کا سانپ بن جانا، آگ کا باغ بن جانا تو یہ عالم مثال کی باتیں نہیں۔ معجزات میں حقیقت بدلتی ہے اور یہ فعل خداوندی سے وجود میں آتے ہیں۔

حضرت علامہ سید سلیمان ندوی خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی عالم مثال کو عالم غیب اور عالم شہادت کی ایک برزخی منزل بتاتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ عالم ملکوت اور عالم جسمانیات کے درمیان ایک تیسری منزل کا نام ہے۔ یہ برزخ اس برزخ سے جدا ہے جو عالم دنیا اور آخرت کے مابین ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے اپنے حالات ہیں اور ہر ایک کا اپنا مقام ہے حضرت سید صاحب اس بحث کو سمیٹتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس عالم کا مستقل وجود ہو یا نہ، مگر اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں ایسے واقعات، حالات، مشاہدات اور کیفیات مذکور ہیں جن کی تشریح اس عالم میں بخوبی کی جاسکتی ہے۔" (سیرت النبی ج ۳ ص ۷۰۲)

معراج کی رات حضور ﷺ نے عالم برزخ کے مسافروں کو عالم مثال میں دیکھا جیسا کہ بیضاوی کی رائے ہے یا ہوسکتا ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعی اصل اجسام تھے جو بقدرت الٰہیہ وہاں لا جمع کئے گئے تھے۔ ان میں کوئی بات ہو اس میں شرک کی کوئی آلائش نہیں ہے جہاں علماء کا اختلاف ہے وہاں ہر پہلو کا ایک احترام ہے۔ جو علماء وہاں اسے اصل اجساد کی حاضری اور قدرت خداوندی کا جلوہ نہیں ایک لائق استہزاء منظر سمجھتے ہیں وہ اللہ رب العزت کی پکڑ سے ڈریں[2]۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنہ پاکاں برد

ہاں آپ ﷺ نے اس رات جو غیبت کرنے والوں کو انسانی گوشت کھاتے دیکھا یا دیکھا کہ لوگ سامنے رکھا اچھا صاف ستھرا گوشت نہیں کھا رہے اور گندہ اور بدبودار گوشت کھا رہے ہیں یا کچھ ایسے لوگ دیکھے جن کے ہونٹ اونٹ کے سے تھے اور ان میں آگ ڈالی جارہی تھی۔ یا زانیہ عورتیں دیکھیں جو چھاتیوں کے بل لٹکی تھیں۔ یہ سب واقعات[1] بے شک ان اشخاص واعمال کی مثالی صورتیں تھیں لیکن اس میں شک نہیں کہ دیکھنے والے کی نظر عالم مثال کی نہیں اس دنیا کی تھی جس نے ابھی موت کو نہ دیکھا تھا اور یہ خدا کا نشان اور اس کا جلوہ تھا کہ عالم دنیا اور عالم برزخ اس رات مل رہے تھے۔ لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ کی شان ظاہر ہو رہی تھی۔

---

۱ وتمثل الانبياء عليهم الصلوة والسلام له (تفسیر بیضاوی ص ۲۸۳ مصر)

مثل النبيون لصليت بهم (تفسیر مظہری)

۲ ان کی تفصیل تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۲ میں دیکھئے۔

باقی انبیاء کو درمیانی حیثیت میں رکھئے ہوسکتا ہے اجساد اصلیہ ہوں اور ہوسکتا ہے مثالی صورتیں ہوں اور ان میں سے ہر ایک طرف علماء کی ایک جماعت موجود ہے لیکن یہ قول کسی کا نہیں کہ حضور ﷺ اس سیر برزخی میں اپنے اصل جسد کے ساتھ نہ تھے۔ یہ جسد اس برزخی سیر میں روح کی لطافت میں تھا تو اب وہ جسد عالم برزخ میں کیوں روح کے حکم میں نہیں، معاذ اللہ بے جان و بے حس پڑا ہے؟ استغفر اللہ!

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا مسلک

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ہاں یہ ایک عالم برزخ کی سیر تھی۔ جہاں آپ ﷺ کے جسد اطہر پر روح کے خواص طاری کئے گئے اور معانی و واقعات آپ کو مختلف اشکال وصور میں مشاہدہ کرائے گئے آپ نے متعدد حقائق ومعانی اور مجرمین و منعمین کو مختلف اشکال وصور میں دیکھا۔ لیکن یہ سو فی صد حقیقت ہے کہ آپ خود اس سیر برزخی میں اپنے اصلی جسد اطہر کے ساتھ تھے اور وہ جسد اطہر اس برزخی سیر میں روح کے حکم میں تھا اور جس طرح روح پرواز کرتی ہے آپ آن کی آن میں پہلے آسمان پر تھے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں: ''کل ذلک لجسدہ ﷺ فی الیقظة ولکن ذلک فی مواطن ھو برزخ بین المثال والشھادۃ جامع لاحکامھما فظھر علی الجسد احکام الروح''

(حجۃ اللہ البالغہ ج ۲، ص ۲۰۶)

ترجمہ: آپ کا یہ سارا سفر معراج جاگتے ہوئے آپ کے جسد اطہر کے ساتھ تھا لیکن یہ ان مقامات میں تھا جو عالم شہادت (اس کھلی دنیا) اور عالم مثال کے مابین ایک برزخی درجہ کے ہیں۔ اس میں عالم شہادت اور عالم مثال دونوں جمع تھے اور جسد اطہر پر روح کے احکام ظاہر ہوئے تھے۔

آپ کی یہ سیر معراج بتلاتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں یہ جسد اطہر کس درجہ لطافت پا چکا تھا اور کہاں کہاں جا چکا تھا۔ جہاں جاتے جبریل کے نوری پر جلتے تھے۔ یہ خاکی جسد اطہر اس سرحد کو ایک آن میں پار کر گیا۔ اب وہ جسد اطہر جب مدینہ میں مختفی ہوا، یہاں کی آنکھوں سے پردے میں ہوا تو اب اس میں کوئی لطافت اور جلاء نہیں کہ روح اقدس کے تعلق سے فائز حیات ہو وہ تاقیامت قبر میں بے جان وحس پڑا رہے گا اللہ تعالیٰ نے کیا اس کے لئے وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى کی بشارت نہ دی تھی کہ ہر بعد کی منزل آپ کے لئے پہلے سے بہتر ہوگی۔

ہم نے اس تمہید میں عالم ارواح، عالم دنیا، عالم برزخ اور عالم آخرت کا کچھ مختصر تعارف عرض کیا ہے۔ عالم مثال کی کچھ تفصیل بھی عرض کر دی ہے۔ عالم مثال کے دو پہلوؤں میں سے دوسرا پہلو بے شک علماء کے ہاں ملتا ہے۔ لیکن پہلا پہلو ان کے ہاں عالم ارواح کا ایک جلوہ ہے وہ اسے عالم ارواح کے کھاتے میں اور دوسرے پہلو کو برزخ کے کھاتے میں ڈالتے ہیں۔ گویا ان کے ہاں یہ کوئی مقام نہیں لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ انہیں ان حقیقتوں سے انکار ہے جو ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''اما عند علماء الشرع فلیس ھنالک الا العالمان عالم الارواح وعالم الاجساد وقد یخطر بالبال ان ما سماہ الصوفیة عالم المثال ھو الذی سماہ اھل الشرع عالم البرزخ ولم یبق فرق الا فی التسمیة واما ما سماہ الصوفیة الارواح المجردۃ فلم یبحث عنہ العلماء''

(فیض الباری)

ترجمہ: لیکن علماء شرع کے ہاں یہاں دو ہی جہان ہیں۔ عالم ارواح اور عالم اجساد ہاں کبھی دل میں یہ بات گزرتی ہے کہ صوفیہ جس کا نام عالم مثال رکھتے ہیں یہ وہی نہ ہو جس کا نام علماء شرع عالم برزخ رکھتے ہیں اس صورت میں فرق صرف نام کا رہ جائے گا۔ اور صوفیہ جس کا نام ارواح مجردہ رکھتے ہیں علماء شرع نے اس سے بحث نہیں کی۔

اسلام میں ابدان مثالیہ کا تصور

جو مہربان کوائف برزخیہ کو اس قبر کے احوال نہیں مانتے اور قبر کی نشاندہی عالم غیب کی کسی چھپی وادی سے کرتے ہیں انہیں مشکل یہ پیش آتی ہے کہ وہاں میت کو لے جائیں کیسے؟ میت تو اس قبر میں دفن ہے جسے یہ لوگ قبر ہی نہیں جانتے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۱۲۳۹ھ) لکھتے ہیں: "دفن کرنے میں اجزاء بدن کے اپنے مقام پر سب کے سب اپنے حال پر برقرار رہتے ہیں تو روح کا علاقہ بدن سے از راہ نظر وعنایت بحال رہتا ہے۔ بدن کا مقام معین ہونے سے گویا روح کا مقام بھی معین ہے۔" (تفسیر عزیزی پ ۳۰، ص ۷۹)

اس قبر کو قبر نہ ماننے والے عذاب قبر کے لئے اب کسی اور بدن کی تلاش میں نکلے جو اس دور کی قبر میں پہنچ کر عذاب وصول کر سکے۔ اب انہیں اس بدن مثالی سے یہ عقیدہ اختیار کرنا پڑا کہ یہ دور کا بدن اس دور کی جگہ میں عذاب پا رہا ہے اور جس جسم نے گناہ اور جرم کیے تھے وہ قیامت تک قبر میں بے حس و حرکت عذاب سے محفوظ پڑا ہے۔ یہ عجیب عقیدہ ہے جو قبروں پر ہونے والے شرک کو روکنے کے لئے ان لوگوں نے بنا رکھا ہے اس کے بغیر اشاعت توحید و سنت ہو ہی نہیں سکتی۔

یہ عقیدہ انہوں نے قرآن و حدیث سے لیا ہے یا صوفیوں سے، آپ ان سے تحقیق کریں ہم صرف یہ کہیں گے کہ قرآن و حدیث میں ہمیں یہ مثالی دنیا کہیں نہیں ملی۔ شریعت میں عالم ارواح اور عالم اجساد کے وراء ہمیں کسی مثالی دنیا کا پتہ نہیں ملا۔ مثالی صورتیں تو ملیں، لیکن مثالی ابدان ہم کہیں دیکھ نہ پائے معراج کی رات آپ نے جو کچھ ابدان کو ہوتے دیکھا وہ ابدان معذبہ کی مثالی صورتیں تھیں۔ اصل عذاب قبر اصلی (وہ ایک جگہ ہو یا متعدد ذرات میں منقسم) کو ہو رہا تھا۔

علمائے شریعت کے ہاں جیسا کہ حضرت شاہ صاحبؒ کی رائے آپ مطالعہ کر چکے ایسے بدن مثالی کا کوئی تصور نہیں جو عذاب پانے کے لئے بنایا گیا ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے جو عالم مثال کا پتہ دیا ہے۔ وہ اپنے کشف سے دیا ہے حضرات صوفیہ کرامؒ کے ان نظریات کی بنیاد ان کے مشاہدات ہیں۔ انہیں اپنی جگہ رکھتے ہوئے ہمیں اپنے عقائد کتاب و سنت سے لینے چاہئیں کرامیہ اور اہل سنت میں یہ بحث تو چلی کہ عذاب برزخ صرف روح پر ہے یا روح اور بدن دونوں پر لیکن یہ بحث خیر القرون میں کہیں نہیں ملتی کہ کسی نے عذاب قبر کے لئے کوئی مثالی بدن تلاش کیا ہو اور اس جسد عنصری کو نہایت احتیاط سے بچا لیا ہو۔

سنا ہے ہمارے یہ کرم فرما حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثال پیش کرتے ہیں کہ وہاں عدالت کی سزا ایک مثالی بدن پر وارد کی گئی اور اصل بدن عنصری کو اللہ تعالیٰ نے نہایت احتیاط سے محفوظ کر لیا۔ یہ جواب "عذر گناہ بدتر از گناہ" ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

جن لوگوں نے یہ سمجھا کہ عذاب قبر کی طرح نعیم قبر بھی مثالی جسموں سے متعلق ہے۔ وہ شہداء کرام کی حیات برزخی کو پرندوں کو صورت میں لے آئے اور انہوں نے اتنا بھی نہ سوچا کہ مثالی بدن کسے کہتے ہیں اور یہ کہ پرندے کن کی مثالی صورت ہیں؟ انسانوں کی؟ مثالی بدن تو وہ ہے جو اصل بدن جیسا ہو اور اس کی مثال ہو روح متجسد ہو تو یہ وہی شکل اختیار کرے گی جو اصل جسم کی ہو پرندوں کو اجساد مثالی کہنا یہ کون سا علم کلام ہے۔

روح اس شکل میں متجسد ہو تو یہ عالم ارواح کی ایک صورت ہوگی کوئی علیحدہ عالم مثال نہ ہوگا اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ روح ایک ہی صورت میں متجسد ہو، اس کی متعدد صورتیں بھی ہوسکتی ہیں۔ یہ متعدد صورتیں صور مثالی ہوں گی، اجسام مثالی نہ ہوں گے جیسا کہ وہم کر لیا گیا ہے۔ بعض اولیاءؒ جو کبھی کئی صورتوں میں دیکھے گئے وہ محض ان کی مثالی صورتیں تھیں۔ یہ کوئی مثالی اجسام نہ تھے۔

یہ مشاہدات اور عجائب و کوائف اپنی جگہ، لیکن ظاہر ہے کہ عقائد کی اساس صوفیہ کے یہ مشاہدات نہیں ہو سکتے۔ صوفیہ کو محققین ہی ہوں عقائد کی اساس نہیں بن سکتے۔ عقائد کی بناء دلائل قطعیہ پر ہونی چاہئے۔ صوفیوں کے مشاہدات پر نہیں۔ اور مسائل کی بناء بھی مجتہدین کے فیصلوں پر ہونی چاہئے نہ کہ صوفیوں کے اقوال پر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ (۱۰۳۴ھ) لکھتے ہیں: ''صوفیہ کا عمل حلت و حرمت میں سند نہیں ہے ہمیں اتنا کافی ہے کہ ہم ان کو معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اس میں امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، اور امام محمدؒ، کے قول کا اعتبار ہے نہ کہ ابو بکر شبلیؒ اور ابو الحسن نوریؒ کے عمل کا۔ اس زمانہ کے کچھ صوفیوں نے اپنے پیروں کے عمل کو بہانہ بنا کر رقص و سرود دین و ملت میں داخل کر لیا ہے اور اس کو نیکی اور عبادت سمجھتے ہیں۔'' (مکتوبات حضرت امام ربانی دفتر اول ص ۲۰۲)

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ قبر، میت، روح، جسد، الم، راحت اور ادراک کے وہ اطلاقات جو کتاب وسنت میں ملتے ہیں، انہیں چھوڑ کر اور ان کے ظاہری معنوں سے منہ موڑ کر عقائد کی بناء صوفیہ کے مشاہدات اور ابدان مثالیہ پر رکھنا اور اشاعت توحید وسنت اسے ہی سمجھنا کہ عالم برزخ کا عذاب و ثواب کسی مثالی جسد کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے کوئی صحیح علمی موقف نہیں۔ کرے کوئی اور بھرے کوئی یہ بات کہیں قرین عقل نہیں۔

صوفیہ نے جو دیکھا ضروری نہیں کہ اسے صحیح سمجھا ہو

صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جن کا خواب بھی وحی ہے۔ ان کے فہم پر خدا کی حفاظت کا سایہ ہوتا ہے جو ان کی خطا اور بقاء علی الخطاء سے حفاظت کرتا ہے مجتہد کی یہ شان نہیں کہ اس کی خطاء سے حفاظت موعود ہو۔ جب وہ گہرائی میں اترتا ہے تو بات کبھی درست بیٹھتی ہے اور کبھی خطا۔ عارف کشف سے دیکھتا ہے یا غیب کے پردے میں جھانکتا ہے تو ضروری نہیں کہ وہ بات کو صحیح پالے۔ کیا مشاہدے اور ادراک میں کبھی غلطی نہیں ہوسکتی؟

عارف جامیؒ لکھتے ہیں انسان جو روح اور بدن کا مجموعہ ہے۔ اس کے دنیا اور برزخ کے حالات مختلف ہیں۔ یہاں بدن کے احکام غالب ہیں روح اس کے ضمن میں متاثر ہوتی ہے۔ وہاں روح احکام غالب ہیں اور بدن اس کے ضمن میں متاثر ہوتا ہے۔ اس مشاہدے میں عذاب روح پر اترتا ہے اور بدن اس سے متاثر ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ وہاں عذاب کے جھونکے یا راحت کی لہریں پہلے روح پر ہی اتریں اور چونکہ جسم اس کے لئے بمنزلہ آلہ ہے اس لئے وہ بدن پر آ کر رہیں گی اور یہ قول صحیح قرار پائے گا کہ قبر کی واردات روح اور بدن دونوں پر ہوتی ہیں سو

کسی عارف نے پہلی منزل مشاہدہ کی اور بتایا کہ عذاب روح کو ہو رہا ہے، تو ہمارے یہ کرم فرما چڑھ دوڑے کہ دیکھو کرامیہ کی بات درست نکلی۔ عزیزان گرامی اس صورت حال میں بدن کے ادراک کی نفی نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ عذاب روح پر اتر رہا ہے اور اس کے تعلق سے بدن متالم ہو رہا ہے یہی روح و بدن کا عذاب قبر ہے۔

اگر روح خود مثالی صورت میں یا کسی پرندے کی صورت میں متجسد ہو اور اس پر عذاب یا راحت اترے (گو اس کے ضمن میں بدن اصلی بھی عذاب و راحت کا ادراک کرے) اور وہ عارف کہہ دے کہ عذاب اس جسد برزخی کو ہو رہا ہے تو اس میں شریعت کی کسی بات سے ٹکراؤ نہیں ہے۔

ہمیں اپنے کرم فرماؤں سے یہ گلہ نہیں کہ وہ صوفیہ کرام کے ان مشاہدات کی خبر کیوں دیتے ہیں۔ ہمارا شکوہ صرف یہ ہے کہ بزرگوں کے ان مشاہدات کو قرآن و حدیث کے کھلے اطلاقات کے انکار کا زینہ نہ بنائیں۔

مسئلہ عذاب قبر کی اساسی حیثیت

عذاب قبر کا مسئلہ اہل السنۃ کے اساسی عقائد میں سے ہے کتب حدیث اور عقائد کی کتابوں میں اس کے باب بندھے ہیں جمہور اہل سنت اس میں روح و بدن دونوں کے الم و راحت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کوئی عود روح نہ بھی مانے، تعلق روح مان لے عذاب و راحت دونوں پر جانے تو وہ ہمارے ہاں منکرین عذاب قبر میں سے نہیں ہے بدن یکجانہ ہو ذرات منتشرہ میں منقسم ہو اور ان پر ایک باریک رابطے سے عذاب اترنا مانے تو اسے بھی منکرین عذاب قبر میں سے نہ جانا جائے۔ بدن کا یکجا ہونا ہمارے ہاں اس کے لئے شرط نہیں ہے۔

لیکن اگر وہ ان تمام کیفیات کو اصل بدن سے بالکل لاتعلق کر دیں اور سارا عذاب کسی اور بدن پر ڈال دیں تو پھر آپ ہی فیصلہ کریں کہ انہیں اہل سنت میں شمار ہونے کا کیا حق باقی رہ گیا ہے۔ ہم کہیں گے تو شکایت ہوگی۔ محض ضد و عناد سے معتزلہ، کرامیہ، شیعہ اور ظاہریہ کے دامنوں میں پناہ لینا اور قرآن و حدیث کے مقابلے میں صوفیوں کے مشاہدات سے تمسک کرنا سخت ناعاقبت اندیشی ہے۔

انکار عذاب قبر کی ضرورت کیوں پڑی؟

کرامیہ کا اصل اختلاف حیات النبی کے موضوع پر تھا۔ وہ حضور ﷺ کو بعد وفات حقیقی نبی نہ مانتے تھے۔ آپ ﷺ کی حکمی رسالت کے قائل تھے۔ اس مہم کو سر کرنے کے لئے انہیں ابتداء سے روح و بدن کی لاتعلقی کی ضرورت تھی، عذاب قبر میں وہ صرف روح کے عذاب کے قائل ہوئے شہداء کی حیات مانی تو صرف پرندوں کے قالب میں الغرض اس موضوع کا جہاں تک پھیلاؤ تھا یہ لوگ عقیدہ اہل سنت کی تمام کڑیوں کو ایک ایک کرکے توڑتے گئے۔

ہمارے عہد میں بھی اختلاف عقیدہ حیات النبی ﷺ سے شروع ہوا۔ یہ حضرات ابتداء میں عذاب قبر کے منکر نہ تھے۔ لیکن مسئلہ جب اطراف و جوانب میں پھیلا تو انہیں بھی عذاب قبر میں معتزلہ کے ساتھ جانا پڑا۔

آپس میں یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم عامہ اموات میں کسی درجے کی حیات کا اقرار کرلیں تو پھر ہمیں شہداء کی بھی حیات جسمانی کا اقرار کرنا پڑے گا۔ اس لئے ہم ابتداء سے ہی انکار ضروری سمجھتے ہیں کہ عامہ اموات کے لئے عذاب قبر روح و بدن کے تعلق سے نہیں ہے۔ یہ اس لئے کہ ہمیں انتہا میں حضور ﷺ کی حیات فی القبر کا کسی درجے میں اقرار نہ کرنا پڑے۔

جب کسی نے گڑھے میں گرنے کی ہی نیت کر رکھی ہو تو اسے کون روک سکتا ہے اختلاف ہو تو حل ہو سکتا ہے ضد اور عناد کا کوئی علاج نہیں۔ یہ گراہی جس ترتیب سے اٹھی ہے ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی اسی ترتیب سے چلیں۔ پہلے اسلام کے عقیدہ برزخ پر کچھ بحث ہو جائے اس کے ضمن میں مسئلہ عذاب قبر پر کچھ بحث ہو جائے۔ پھر حیات الشہداء پر کچھ بحث ہو جائے۔ اور آخر میں مسئلہ حیات انبیاء ﷺ پر عقائد اہل السنۃ والجماعۃ کی روشنی میں حق بات کہہ دی جائے۔

ہم نے حق بات کہنی تھی کہہ دی۔ اب اسے دلوں میں اتارنا یہ ہمارے بس کی بات نہیں، دل اللہ رب العزت کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ جس طرح وہ چاہتا ہے وہ انہیں پھیرتا ہے۔

احباب سے گزارش ہے کہ وہ ہماری معروضات کو ضد و عناد اور تعصب کی عینک اتار کر پڑھیں۔ ان شاء اللہ بہت سے بیمار دلوں کو شفا ہوگی۔ وھو المستعان وعلیہ التکلان۔ یاقوم ألیس منکم رجل رشید!

عالم ارواح، عالم دنیا، عالم برزخ، عالم آخرت اور عالم امثال کے حالات اور ان کی صفات آپ کے سامنے ہیں ان میں عالم برزخ میں قبر کے الم ولذت کی کیفیت اور اس کا ادراک اس چھپے جہان (برزخ) کا سب سے بڑا نازک مسئلہ ہے۔ اس کھلے جہان میں ہم اس پر ایمان لانے کے تو مکلف ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک اور احادیث میں اسے ان مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کی قدر مشترک اسے تواتر کا درجہ دیتی ہے۔ لیکن اسے یہاں پوری طرح جان لینا ہمارے بس میں نہیں۔ تاہم اپنے قارئین کی سہولت کے لئے ہم اسے کچھ سہل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

عذاب القبر

۱...... "ثم السوال عندی یکون بالجسد مع الروح کما اشار الیہ صاحب الھدایۃ"

(فیض الباری مولانا السید انور شاہ صاحبؒ ج ۲ ص ۱۸۲)

ترجمہ: میرے نزدیک قبر کا سوال وجواب روح وجسد کے مجموعہ سے ہوگا اور صاحب ہدایہ نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

۲...... "یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعدہ من الجنۃ او النار ویحس اللذۃ والالم" (مظہری ج ۱۰ ص ۲۲۵)

ترجمہ: یہ صحیح ہے کہ قبر میں جنت اور دوزخ کے ٹھکانے روح وجسد کے مجموعہ پر پیش ہوتے ہیں اور روح وجسد سے مرکب انسان ہی قبر کے لذت والم کا ادراک کرتا ہے۔

۳...... "ولا یرد تعذیب المیت فی قبرہ لانہ توضع فیہ الحیات عند العامۃ بقدر ما یحس بالالم والبنیۃ لیست بشرط عند اھل السنۃ بل تجعل الحیاۃ فی تلک الاجزاء المتفرقۃ لایدرکھا البصر"

(ردالمحتار شامی باب الیمین فی الضرب والقتل ج ۳، ص ۲۰۱)

ترجمہ: عذاب قبر کا انکار نہ کیا جائے، کیونکہ جمہور اہل سنت کے نزدیک میت میں اس قدر حیات رکھی جاتی ہے کہ وہ لذت والم کا ادراک کر سکے، اور جسم کا یکجا ہونا اس ادراک الم کے لئے اہل سنت کے ہاں کوئی شرط نہیں بلکہ وہ حیات اجزائے منتشرہ میں بھی اس طرح رکھی جاسکتی ہے کہ یہ ظاہری آنکھیں اسے نہ پا سکیں۔

۴...... ''واعلم ان اهل الحق اتفقوا علی ان الله تعالیٰ یخلق فی المیت نوع حیاة فی القبر قدر ما یتألم أو یتلذذ'' (شرح فقہ اکبر ص ۱۲۱)

ترجمہ: یہ جان لیجئے کہ اہل حق (اہل سنت) کا اس پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ میت میں بحالت قبر ایک اس طرح کی حیات ضرور پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ (معاملات قبر میں) الم یا لذت کا ادراک کر سکے۔

۵...... ''ان مذهب سلف الأمة وائمتها ان المیت اذا مات یکون فی نعیم أو عذاب و ان ذلک یحصل لروحه وبدنه'' (کتاب الروح ص ۶۳)

ترجمہ: سلف امت اور ائمہ اہل سنت کا فیصلہ یہی ہے کہ مرنے کے بعد میت کے لئے نعیم وعذاب کے معاملات برحق ہیں اور (قبر میں لذت والم کا) یہ ادراک روح وبدن کے مجموعہ کے ساتھ ہوتا ہے۔

۶...... ''ان النعیم والعذاب لا یکون الا علی الروح و ان البدن لا ینعم ولا یعذب وهذا تقوله الفلاسفة المنكرون لمعاد الابدان وهؤلاء كفار باجماع المسلمین ویقوله كثیر من اهل الكلام من المعتزلة وغیرهم الذین یقرون بمعاد الابدان لكن یقولون لا یكون ذلك فی البرزخ وانما یكون عند القیام من القبور لكن هؤلاء ینكرون عذاب البدن فی البرزخ فقط'' (ایضاً ص ۶۲)

ترجمہ: قبر کا ثواب وعذاب صرف روح کو ہوتا ہے اور بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں، یہ ان فلاسفہ کا قول ہے، جو ''معاد ابدان'' کے بھی منکر ہیں اور یہ لوگ بالا جماع مسلمان نہیں۔ معتزلہ کے متکلمین کا جو ''معاد ابدان'' کا اقرار کرتے ہیں، ان کا بھی قبر کے ثواب وعذاب کے متعلق یہی عقیدہ ہے۔ وہ معاملہ ابدان کو صرف حشر میں تسلیم کرتے ہیں، برزخ میں اس کے قائل نہیں۔ ان معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ عذاب قبر صرف روح سے متعلق ہے۔ بدن کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

۷...... ''بدن اول را از حصول احکام برزخ چارہ نبود از عذاب وثواب قبر گزر نہ...... افسوس، ہزار افسوس، ایں قسم بطالاں خود را سند شیخی گرفتہ اند ومقتدائے اہل اسلام گشتہ ضلوا واضلوا'' (مکتوبات امام ربانی دفتر دوم ص ۱۱۶)

ترجمہ: اس سے پہلے بدن (عنصری) پر احکام برزخ ضرور وارد ہوتے ہیں اور اس بدن اول کو عذاب قبر اور ثواب قبر کے معاملات سے ہرگز چھٹکارا نہیں۔ افسوس ہزار افسوس، ان فریب کاروں پر جو شیخ ہونے کی مسند بچھائے ہوئے ہیں مسلمانوں کے مقتداء بنتے ہیں (اور پھر ان امور کا انکار کرتے ہیں) یہ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کر رہے ہیں۔

تنقیح المبحث

مختلف ادوار حیات کی تفصیل اس لئے کی گئی ہے کہ اصل موضوع جس پر پورے سواد اعظم کا اجماع ہے، مشتبہ ہو کر نہ رہ جائے۔ برزخی کیفیات کی تفصیل اس لئے ہے کہ اس دنیا والے بدن یا اس کے اجزا کو عالم برزخ میں روح سے کلی طور پر جدا نہ سمجھا جائے۔ بلکہ ہر کسی کے لئے اس کے مقام کے مطابق روح وبدن کا تعلق قائم تسلیم کیا جائے۔

جملہ اہل اسلام کا اتفاق اور اجماع ہے کہ آنحضرت ﷺ پر وفات شریفہ وارد ہوئی اور طریان موت سے کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ کا وعدہ پورا ہوا۔ آپ ﷺ کے لئے جس قسم کی وفات مقدر تھی اس کا ورود ہوا، اور آپ ﷺ

نے یقیناً اس عالم دنیا سے عالم برزخ میں انتقال فرمایا۔ روضہ منورہ برزخ کا محل اور آخرت کی پہلی منزل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ارشاد فرماتے ہیں: ''حسب ہدایت كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ تمام انبیائے کرام علیہم السلام خاص کر حضرت سرور انام ﷺ کی نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے۔ (لطائف قاسمی ص ۴ مطبع مجتبائی)

''بالجملہ موت انبیاء اور موت عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔'' (آب حیات ص۲۱۹)

اس پر بھی پورے سواد اعظم کا اجماع ہے کہ حضور ﷺ کے پردہ قبر میں جانے کے بعد پھر آپ کے جسد اطہر میں حیات لوٹا دی گئی۔ دخول روح سے اس دنیا والے جسم عنصری میں اعادہ حیات ہوا یا تاثیر روح سے آپ ﷺ کے جسد عنصری میں حیات لوٹ آئی؟ اس میں کچھ خفیف سا اختلاف ہوا لیکن انجام کار سب کا اتفاق ہے کہ آپ ﷺ کا جسد اطہر روضہ منورہ میں محض بے حس و بے شعور نہیں بلکہ قائز الحیات ہے۔ آپ ﷺ کی یہ حیات قدسیہ باعتبار تعلق بالبدن جسمانی، باعتبار تعلق بالرزق روحانی اور باعتبار تعلق بالعالم برزخی ہے۔

ان سطور سے یہ حقیقت بے غبار ہو گئی کہ اصل بحث مطلق حیات نہیں بلکہ ''حیات بعد الوفات'' ہے۔ پس وہ آیات یا روایات جن سے ثبوت وفات سید الکائنات کا استدلال ہوتا ہو، ہمارے مدعا کے قطعاً خلاف نہیں۔ مسئلہ زیر بحث میں انہیں بار بار دہرانا محل نزاع بنانا یقیناً خروج عن البحث ہے۔ اہل سنت کا عقیدہ حیات النبی ﷺ کے مسئلہ میں یقیناً ''حیات بعد الوفات'' کا ہے۔ پہلے وفات کا دور بعد کے زندہ ہونے کے ہرگز منافی نہیں۔ خطبہ صدیقی صرف ان لوگوں کے خلاف ہی پیش ہو سکتا ہے جو آنحضرت ﷺ پر کسی قسم کے طریان موت کے قائل نہ ہوں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ طریان موت کی کیفیت میں تو اختلاف کر سکتے ہیں، لیکن ورود موت سے انہیں بھی اختلاف نہیں۔ یہ حقیقت ان کو بھی تسلیم ہے کہ جس قسم کی وفات آپ ﷺ کے لئے مقدر تھی وہ آپ ﷺ پر وارد ہوئی۔ اور وعدہ الٰہیہ حضور ﷺ پر بھی پورا ہوا۔

طریان موت اور اعادۂ حیات کے احتمالات ثلثہ

صورت واقعہ کچھ بھی ہو، روضۂ منورہ کی حیات جسمانی پھر بھی قدر مشترک ہے

احتمال اوّل: آپ ﷺ کی وفات شریفہ بمعنی ابانۃ الروح عن الجسد ہے۔ لیکن روح مبارک جسد اطہر سے جدا ہونے اور رفیق اعلیٰ اور علیین کی سیر کرنے کے بعد پھر قبر شریف میں رکھے ہوئے جسد اطہر میں لوٹا دی گئی[1]

---

[1] اعلیٰ علیین میں اس وقت داخلے اور تعلق قائم کر کے پھر روح واپس ہو جانے پر تعجب نہ ہو۔ اس لیے کہ جب حضرت جبریلؑ اور میکائیلؑ نے ایک خواب میں حضور ﷺ کو اس عالم کی سیر کرائی تھی اور حضور اکرم ﷺ نے وہاں اپنی منزل دیکھی تھی، تو آپ اس میں داخل ہونے لگے تھے ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کا داخل ہونے کا ارادہ وہاں رہنے کے لیے نہ تھا۔ بلکہ آپ محض سیر کے طور پر وہاں داخل ہونا چاہتے تھے۔ اس پر حضرت جبریلؑ اور حضرت میکائیلؑ نے کہا تھا: ''انه بقی لک عمر لم تستکمله فلو استکملت اتیت منزلک'' آپ کی عمر شریف میں سے کچھ حصہ باقی ہے جب آپ اس کی تکمیل فرمالیں گے تو پھر آپ اپنی اس منزل میں آئیں گے۔

(بخاری کتاب الجنائز ج ۱ ص ۱۸۵) (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

روح اقدس کا اعلیٰ علیین سے تعلق بھی رہا اور روضہ منور میں رکھے جسد اطہر میں بھی حیات لوٹ آئی اور اس طرح روح و بدن میں ویسا ہی قوی تعلق قائم ہو گیا جو اس دنیا میں تھا بلکہ اس سے بھی قوی تر، کیونکہ یہ حیات دنیوی رزق مادی کی محتاج ہے۔ لیکن اس عالم برزخ کی حیات عنصری جسمانی اس دنیا کے رزق مادی پر مبنی نہیں۔ اس کا تقوم رزق روحانی پر ہے اور یہ ہمارے شعور سے بالاتر ہے۔

احتمال دوم: آپ ﷺ کی وفات شریفہ بمعنی لا بانۃ الروح عن الجسد ہی ہے۔ لیکن بعد کا اعادۂ حیات دخول روح سے نہیں اتصال روح سے ہو، روح مبارک جسد اطہر سے جدا ہو کر رفیق اعلیٰ اور حظیرہ قدسیہ میں پہنچی پھر اسی مستقر سے اس کا پرتو قبر شریف میں رکھے ہوئے جسد اطہر پر پڑنے لگا اس سے جسد عنصری کا شعور بیدار ہوا اور روح و بدن میں نہایت قوی علاقہ قائم ہو گیا۔ روح و بدن کے اس تعلق سے حیات جسمانی قائم ہوئی اور روضہ منورہ پر عرض کئے گئے صلوٰۃ و سلام کو آپ ﷺ خود سنتے ہیں۔

احتمال سوم: آپ ﷺ کی وفات شریفہ بمعنی لا بانۃ الروح عن الجسد نہیں، بلکہ بمعنی قبض روح ہے انقباض الروح فی القلب سے روح اقدس سارے جسد سے یہ موجودہ تعلق منقطع کر کے قلب مبارک میں مستور ہو گئی پھر وہاں روح اور حیات میں تلازم ہٹ گیا۔ آثار حیات قلب منور سے پھر پھیل گئے اور روح مبارک اس تعلق کے باوجود علیین سے بھی متعلق ہو گئی۔

خلاصہ یہ کہ حیات ایک لحہ کے لئے بھی مرتفع نہ ہوئی اور ''روح بمعنی حیات'' کا کلی انقطاع نہ ہوا۔ گو انقباض الروح فی القلب سے موت کا وعدہ بھی پورا ہو گیا۔ اس عالم میں روح وحیات میں تلازم نہیں۔ آثار حیات سلب ہو کر قلب میں اس لئے منتقل ہوئے کہ اختلاف دارین کا تحقق ہو سکے، کیونکہ موت ذریعہ ہے اس عالم میں منتقل ہونے کا اور قاعدہ ہے حریم اسرار میں بغیر آئین دربار کے کوئی شخص داخل نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کے ورود وفات پر صحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کو دفن کر دیا اور روضۂ منورہ میں پھر آپ ﷺ کے جسد اطہر میں حیات پھیلا دی گئی اور روح و بدن کا ویسا ہی تعلق قائم ہو گیا جیسا کہ اس دنیا میں تھا ماسوا اس کے کہ لوازم حیات وہاں صرف وہی ہیں جن کا پتہ ہمیں شریعت کی طرف سے ملتا ہے، اس دنیا کی زندگی کے جمیع لوازمات کا تحقق وہاں ضروری نہیں۔

تبصرہ: طریان موت اور اعادۂ حیات کی ان تین صورتوں میں سے کوئی ایک محل نزاع نہیں اور نہ ان میں سے ایک کے امر واقع ہونے پر ہمیں اصرار ہے بحث وتمحیص وہیں ہونی چاہئے جہاں ترتب احکام مختلف کروٹیں لے رہا ہو اور جہاں بہرصورت قدر مشترک ایک ہی ہو اور ترتب آثار واحکام میں، خواہ کوئی بھی احتمال اختیار کرلیں، نتیجہ ایک ہی ہو، وہاں ان مباحث میں الجھ کر رہ جانا خود ایک انداز جنون ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے طریان موت اور اعادہ حیات کے لئے جس صورت کو امر واقع قرار دیا ہے۔ اس کے متعلق لکھتے ہیں: ''ہم بھی رسول اللہ ﷺ کی حیات کے لئے ایسے یقین کے خواستگار نہیں کہ وہ ہم سنگ یقین توحید و رسالت ہو، فقط اس قدر کافی ہے کہ منشاء ترتب آثار واحکام ہو سکے۔'' (آب حیات ص ۲۸)

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ) جب یہ کلام اس وقتی داخلے کے جواب میں تھا تو متبادر ہوتا ہے کہ استکمال عمر کے بعد وہاں جو داخلہ میسر ہو گا وہ بھی بطور سیر اور کچھ وقت کے لیے ہی ہو گا۔ بعد میں کیا ہو گا، یہاں اس کی تفصیل نہیں اور نہ یہ اس کا مقام تھا۔ ہاں اس روایت کے کسی طریق میں ہمیں یہ الفاظ نہیں ملے کہ آپ استکمال عمر کے بعد اس منزل ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔ من ادعی فعلیہ البیان بہرحال یہ ایک خواب تھا جس کی تحقیق اس وقت موضوع کلام نہیں ممکن ہے اس کی تعبیر کچھ اور ہو۔

''گو عقیدہ تو یہی ہے اور میں تو جانتا ہوں، انشاء اللہ العزیز ایسا ہی رہے گا مگر اس عقیدہ کو عقائد ضروریہ سے نہیں سمجھتا۔'' (لطائف قاسمیہ ص ۵ مطبع مجتبائی)

پس جب حضرت حجۃ الاسلام ؒ نے اپنی اختیار کردہ صورت سے اختلاف کرنے کا خود دوسروں کو حق دیا ہے تو اب اس خاص جزئیہ میں حضرت ؒ سے اختلاف، خود ان کے مسلک سے خروج نہیں۔ ہاں اگر قدر مشترک ہی کا، کہ روضۂ منورہ میں جسدِ اطہر محض بے حس وشعور نہیں، بلکہ اس میں حیات عنصری بہرصورت کیفیت موت موجود ہے، انکار کردیا جائے تو پھر اس اصل کے انکار کو ایک خاص صورت موت کے انکار پر قیاس نہیں کرسکتے۔ یہ یقیناً اکابر اہل سنت ؒ کے مسلک سے گریز پائی ہوگی۔

روح مبارک نے علیین سے پرتو ڈال کر جسد اطہر میں حیات لوٹائی ہو یا قدرت ایزدی سے خود روح ہی بدن میں داخل ہوچکی ہو یا قلب منور میں مستور حیات پھر سارے بدن میں پھیلا دی گئی ہو۔ صورت واقعہ خواہ کچھ ہو، مآل کار سب کا ایک ہے اور وہ یہ کہ روضۂ منورہ کی حیات جسمانی تمام احتمالات اور مسالک فکر کی قدر مشترک ہے۔

تفصیلِ مذکور سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہے کہ مسئلہ زیر بحث فقط یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنے روضہ شریفہ میں حیات عنصری سے زندہ ہیں یا جسد اطہر محض بے جان پڑا ہے۔ یہ بحث ہرگز نہیں کہ:

۱...... حضور ﷺ پر وفات شریفہ کا ورود ہوا تھا یا نہیں ...... یا

۲...... یہ طریانِ موت انقطاع الروح عن الجسد کے معنی میں تھا یا قبض روح کے معنی میں ...... یا

۳...... روح مبارک کا مستقر مقام علیین ہے اور وہ وہاں سے روضہ منورہ میں رکھے گئے جسد اطہر پر پرتو حیات ڈال رہی ہے یا خود روح ہی دوبارہ جسد اطہر میں داخل ہے اور رفیق اعلیٰ سے فقط ایک تعلق باقی ہے، وغیر ذٰلک من المدارک!

ان کیفیات کو موضوع بنالینا یقیناً خروج عن المبحث ہوگا اور یہ امور قطعاً نقطۂ اشتراک ''قبر شریف کی حیات عنصری'' کے عوارض ذاتیہ میں سے نہیں، ان احتمالاتِ ثلٰثہ میں سے کسی ایک یا دو کے بالکل خلاف واقعہ ثابت ہو جانے سے بھی اصل مسئلے کا انکار یا ابطال لازم نہیں آتا۔

اصل مبحث حیات النبی ﷺ

باعتبار تعلق بالبدن ...... حیات جسمانی
باعتبار تعلق بالعالم ...... حیات برزخی — مشترک مفاد حیات جسمانی برزخی ہے۔
باعتبار تعلق بالرزق ...... حیات روحانی — (ولولا الاعتبارات لبطل الحکمۃ)

حیات جسمانی

زندہ اسے ہی کہتے ہیں جس کے بدن میں حیات ہو، خواہ دخول روح سے، خواہ اتصال روح سے فقط روح کے زندہ ہونے سے کسی کو زندہ نہیں کہا جاتا۔ اس لئے کہ روح تو ہوتی ہی زندہ ہے، خواہ مسلمان کی ہو یا کافر کی، روح جہاں بھی ہوگی زندہ ہی ہوگی پس کسی بھی شخصیت کے زندہ ہونے یا نہ ہونے کا معیار جسم ہے اور یہی زندگی کا محل ہے جس کے بدن میں حیات ہو وہ زندہ ہے اور جس کی روح یا حیات اس کے بدن سے منقطع ہے وہ زندہ نہیں

اور نہ اسے کوئی شخص زندہ سمجھتا ہے۔

قرآن عزیز میں جہاں بھی انسانی حیات کا تذکرہ ہے۔ اس کا محل جسم ہی ہے شہداء کے متعلق ارشاد فرمایا:

۱...... "وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ" (پ:۲، البقرہ آیت ۱۵۴)

ترجمہ: اور تم انہیں، جو اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں مردے نہ کہو، بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں پتہ نہیں چلتا۔

یہاں احیاء انہی کو فرمایا، جو من یقتل کے ماتحت آتے ہیں اور ظاہر ہے قتل کا محل جسم ہے نہ کہ روح...... پس حیات کا محل بھی جسم ہی ہے نہ کہ روح...... اگر جسم میں زندگی ہو تو وہ زندہ ہے۔ اگر جسم زندہ نہیں تو کوئی زندگی نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ شہداء کے اجسام سامنے بالکل مردہ نظر آتے ہیں، بلکہ بعض اوقات لاش بھی ایک جگہ نہیں ہوتی تو کس طرح تسلیم کرلیا جائے کہ وہ جسدی طور پر زندہ ہیں؟

جواباً عرض ہے کہ اسی لئے تو اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا تھا...... وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ "لیکن تمہیں پتہ نہیں چلتا" ...... اگر ہمیں اس حیات کا پتہ نہیں چلتا تو یہ ایک پردہ ہے، حق یہی ہے کہ حیات ثابت ہے اور وہ جسدی حیات ہے۔

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۰ھ) لکھتے ہیں: "ورد النص في كتاب الله في حق الشهداء انهم احياء يرزقون و ان الحياة فيهم متعلقة بالجسد فكيف بالأنبياء المرسلين" (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۱ مصر)

ترجمہ: نص قرآن وارد ہے کہ شہداء زندہ ہوتے ہیں، انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے اور یہ کہ ان کی حیات جسمانی ہوتی ہے (خواہ ہمیں اس کا ادراک نہ ہوتا ہو) پس انبیائے مرسلین کی حیات اطہر کس طرح جسمانی نہ ہوگی؟

۲...... "وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى" (پ:۳، البقرہ آیت ۲۶۰)

ترجمہ: اور جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ اے پروردگار! مجھے دکھائیے کہ آپ کس طرح مردوں کو زندہ فرماتے ہیں۔

یہاں حیات کا محل اسے ہی بتایا ہے جسے کہ "موتی" کہا گیا ہے اور ظاہر ہے روح ہمیشہ زندہ ہوتی ہے اسے میت کبھی بھی نہیں کہا جاتا۔ موت کا محل جسم ہی ہے اور "موتی" اجسام ہی کو کہا گیا ہے پس حیات کا محل بھی جسم ہی ہے نہ کہ روح۔

۳...... "فَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ" (پ:۳، البقرہ آیت ۲۵۹)

ترجمہ: حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال تک موت سے رکھا۔[1]

اس میں بھی اماتت کا محل جسم ہی ہے نہ کہ روح۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی روح پر تو موت قطعاً نہ آئی تھی۔ پس جس طرح موت کا محل جسم ہے نہ کہ روح، اسی طرح حیات کا محل بھی جسم ہی ہے۔ جب حیات جسم میں ہو تو زندہ ہے جب نہ ہو تو زندہ نہیں۔

[1] پیش نظر رہے کہ جس طرح جملہ بنی آدم پر فعل اماتت محض ایک آنی اور صرف چند لمحات کے لیے وارد ہوتا ہے۔ بعد از اں برزخی معاملات شروع ہو جاتے ہیں۔ حضرت عزیرؑ پر ایسا نہ ہوا، بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سو سال تک موت کی حالت میں رکھا، آگے کے برزخی معاملات ان پر وارد نہ فرمائے کیونکہ آگے جا کر انہیں اسی دنیا میں زندہ کیا جانا تھا۔ پس جب موت سابقہ سے انتقال دارین کا تحقق نہ تھا تو برزخی معاملات کو روک لیا گیا۔ یہاں مائۃ عام کی قید اسی لیے ہے کہ جب دوسرے بنی آدم پر فعل اماتت کے بعد معاملات برزخ جاری کر دیے جاتے ہیں۔ یہاں معاملہ عجیب ہو رہا ہے پس اسے ایک ضابطہ بنانا اور موت انبیاء کے لیے بطور ایک کلیہ کے پیش کرنا ایک کھلی خطا ہے۔

۴...... "أنی یحیی ھٰذہ" ...... میں بھی محل حیات جسم ہی ہے نہ کہ روح۔

ان حقائق سے واضح ہے حیات ہوتی ہی جسمانی ہے۔ اگر روح کا تعلق بدن کے ساتھ نہ ہو تو اسے کوئی حیات نہیں کہتا اور نہ ہی یہ حیات کی کوئی قسم ہے۔ خواہ مخواہ اسے حیات روحانی کہتے چلے جانا ایک مغالطہ اور فریب ہے۔ اسی طرح موت کا محل بھی جسم ہی ہے۔ مالک بن ریب اپنے مرثیے میں کہتا ہے:

ولما تراءت عند مرو منیتی و حل بها جسمی و حانت و فاتیا

ترجمہ: اور جب مرو کے پاس میری موت سامنے آئی اور اس کا محل میرا جسم بنا اور میری وفات کی گھڑی آ پہنچی۔

حیات برزخیہ

نہایت افسوس ہے کہ انبیاء کرام ﷺ کی حیات عنصری جسمانی کے انکار کو حیات برزخی کے مبہم اقرار میں لپیٹنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ حالانکہ حیات کی کوئی قسم برزخی نہیں۔ حیات برزخیہ میں علاقہ نوعیت کا نہیں، ظرفیت کا ہے۔ اور حیات برزخی سے مراد حیات فی البرزخ ہے، نہ یہ کہ حیات کی اپنی کوئی قسم برزخی ہے۔ نہ یہ مطلب ہے کہ آپ کو عالم برزخ میں حیات جسمانی حاصل نہیں۔

پس جن بزرگوں نے حیات برزخی کی تصریح کی ہے، اُن کی مراد روضۂ منورہ کی حیات عنصری جسمانی کا انکار ہرگز نہیں۔ اسی طرح جنہوں نے حیات روحانی کے الفاظ استعمال کئے۔ ان کا منشاء یہی تھا کہ باعتبار تعلق بالرزق وہ روحانی حیات ہے، نہ یہ کہ حیات کی کوئی اپنی قسم روحانی بھی ہے۔ اندریں صورت حیات روحانی یا حیات برزخی کے قول سے قبر شریف کی حیات جسمانی کا انکار ہرگز لازم نہیں آتا۔

خلاصۃ المرام یہ کہ آنحضرت ﷺ کی حیات ثانیہ کی ان جہات (برزخی، روحانی، معنوی) میں کوئی اختلاف نہیں، انہیں خواہ مخواہ محل بحث بنانا اصل موضوع الجھانے کے سوا اور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اصل موضوع تحقیق صرف حیات جسمانی ہے اور وہی محل نزاع بنی ہوئی ہے۔ پس اصل بحث یہ ہے کہ: "سید الکائنات ﷺ کو اپنے روضۂ شریفہ میں حیات عنصری جسمانی حاصل ہے یا جسد اطہر محض بے حس و شعور پڑا ہے۔" (معاذ اللہ)

روح کی حقیقت

بقیۃ السلف بحر العلوم حضرت علامہ سید انور شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ بالفاظ عارف جامیؒ یہاں تین چیزیں ہیں: (۱) وہ جواہر جن میں مادہ اور کمیت دونوں ہوں، جیسے ہمارے ابدان مادیہ۔ (۲) وہ جواہر جن میں مادہ نہیں صرف کمیت ہے جنہیں صوفیہ "اجسام مثالیہ" کہتے ہیں۔ (۳) وہ جواہر جو مادہ اور کمیت دونوں سے خالی ہوں، جن کو صوفیاء "ارواح" اور حکماء "جواہر مجردہ" کے نام سے پکارتے ہیں۔

جمہور اہل شرع جس کو روح کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک "بدن مثالی" سے موسوم ہے جو بدن مادی میں حلول کرتا ہے اور بدن مادی کی طرح آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔ یہ روح بدن مادی سے کبھی جدا ہو جاتی ہے اور اس جدائی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکیفیت علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھ سکتی ہے جس سے بدن پر ہر حالت میں موت طاری ہونے نہیں پاتی۔ گویا حضرت علی مرتضیٰؓ کے قول ﷺ کے مطابق، جو بغویؒ نے اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِهَا کی تفسیر میں نقل کیا ہے، اس وقت روح خود علیحدہ رہتی ہے مگر اس کی شعاع جسد

میں پہنچ کر بقائے حیات کا سبب بنتی ہے، جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے۔
(فوائد القرآن للعلامۃ العثمانی ص ۷۷ ۳)

حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: ''الحیوۃ فی اللغۃ شیء مغائر للروح لا عینہ بل ثمرۃ تعلقہ وقد زعم بعض الناس انہ نفس الحیوۃ ولیس کذلک'' (تحسیۃ الاسلام ص ۳۶)

ترجمہ: حیات اور روح لغت کی رو سے دو مختلف حقیقتیں ہیں حیات روح کا عین نہیں، بلکہ اس کے تعلق کا ایک ثمرہ ہے، بعض عام لوگوں کا گمان ہے، کہ روح ہی نفس حیات ہے، حالانکہ معاملہ ایسا نہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''بسیارے از اشاعرہ حنفیہ در اعادۂ روح تردد کردہ اند وتلازم روح وحیات را منع نمودہ۔'' (جذب القلوب ص ۱۸۶ از مسائرہ)

ترجمہ: بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ (حیات فی القبر کے لئے) اعادہ روح کے باب میں متردد رہے ہیں (یعنی اسے قطعی نہیں جانتے رہے) اور حیات اور روح کے تلازم کے قائل نہیں ہیں۔

یعنی قبر میں حیات جسمانی کے لئے اعادہ روح ضروری نہیں، محض تعلق روح سے بھی وہاں حیات کا تحقق ہو جاتا ہے۔

مفارقت بدن کے بعد روح کا شعور

امام رازیؒ اس پر دلائل پیش کرتے ہوئے کہ ''روح مفارقت بدن کے بعد بھی جزئیات کا ادراک کر سکتی ہے، فرماتے ہیں: ''فوجب القطع بان النفس بعد مفارقۃ البدن مدرکۃ للجزئیات''
(المطالب العالیہ مقالہ ۱۳ فصل ۵ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: یہ بات قطعی طور پر تسلیم کرنی چاہئے کہ نفس انسانی بدن سے جدا ہونے کے باوجود ان جزئیات کا ادراک کر سکتی ہے جو اس بدن پر وارد ہوں۔

ان تفصیلات سے واضح ہو گیا کہ اصل موضوع ''اعادہ روح'' بھی نہیں، بلکہ ''ثبوت حیات بعد الوفات لسید الکائنات'' ہے اور اسی موضوع پر ہم کچھ گزارشات کرنا چاہتے ہیں۔ عود روح کی بحث اگر کہیں آئی ہے تو ضمناً آئی ہے۔ حیات شہداء کا بیان بھی صرف اس لئے ہے کہ ان کی حیات جسمانی کا ثبوت انبیاء کرام کی حیات ثابت کرنے کے لئے ایک زینہ کے درجہ میں ہے اور ان کی حیات سے انبیاء کی حیات بدلالت التزامی ثابت ہوتی ہے۔ اب ہم اس باب کو شروع کرتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق وبہ ازمۃ التحقیق!

حیاتِ شہداء

عامہ اموات کی برزخی زندگی اور اس کا اصلی بدن یا اس کے ذرات منتشرہ سے تعلق بایں قدر کہ عذاب قبر یا اس کی نعیم کا ادراک ہو سکے تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے آچکا ہے یہ ایک روحانی زندگی ہے۔ جس کا قرآن پاک کی مختلف آیات میں اشارۃ ذکر ہے بقول حضرت مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحبؒ: ''مرنے اور دفن ہونے کے بعد قبر میں انسان کا دوبارہ زندہ ہو کر فرشتوں کے سوالات کا جواب دینا، پھر اس امتحان میں کامیابی اور ناکامی پر ثواب یا عذاب کا ہونا قرآن مجید کی تقریباً دس آیات میں اشارۃ اور رسول کریم ﷺ کی احادیث متواترہ میں بڑی صراحت و

وضاحت کے ساتھ مذکور ہے جس میں مسلمانوں کو شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔" (معارف القرآن ج ۵،ص ۲۳۶)

لیکن حیات شہداء عامہ اموات کی طرح صرف روحانی نہیں جسمانی ہے اور وہ اپنے حق میں اسے جسمانی ہی محسوس کرتے ہیں۔ عامہ اموات کی برزخی زندگی قرآن کریم میں اشارۃً اور شہداء کرام کی جسمانی برزخی زندگی قرآن پاک میں عبارۃً مذکور ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی اس سے بھی زیادہ کامل جسمانی برزخی زندگی قرآن کریم سے دلالۃً ثابت ہو رہی ہے حیات انبیاء کی بحث ہم انشاء اللہ آگے جا کر کریں گے۔

یہاں موضوع سخن حیات شہداء ہے جو قرآن کریم میں عبارۃ النص سے مذکور ہے جس کا انکار کفر ہے۔ اس کا سمجھ میں نہ آنا اس کے انکار کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ نہ اس کا کسی مثال میں آنا اس کے شعور میں آنے پر نتیجہ خیز ہو سکتا ہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر ہم حیات شہداء پر قرآنی شہادت پیش کرنے سے پہلے نفس حیات پر کچھ گزارش کر دیں۔ اس کے ضمن میں موت پر بھی کچھ بحث ہو جائے گی۔

ابن عبد الہادیؒ (۷۴۴ھ) لکھتے ہیں: "والحیاۃ جنس تحتھا انواع و کذلک الموت فاثبات بعض انواع الحیاۃ لا یزیل اسم الموت کالحیاۃ البرزخیۃ و اثبات بعض انواع الموت لا ینافی الحیاۃ کما فی الحدیث الصحیح عن النبی ﷺ انہ کان اذا استیقظ من النوم قال الحمد للہ الذی أحیانا بعد ما اماتنا و الیہ النشور" (الصارم المنکی ص ۱۸۵)

ترجمہ: حیات ایک جنس جس کے تحت کئی انواع ہیں اسی طرح موت ایک جنس ہے جس کے تحت کئی انواع ہیں سو کسی ایک قسم کی حیات کا ورود موت کے منافی نہیں جیسا کہ حیات برزخی میں ہوتا ہے اور کسی ایک نوع کی موت کا اثبات حیات کے منافی نہیں جیسا کہ صحیح حدیث میں آنحضرت ﷺ سے منقول ہے آپ جب نیند سے اٹھتے تو کہتے کہ سب حمد وثنا اسی ذات کے لئے ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی دی اور اسی کی طرف اٹھ جانا ہے۔

سو حیات کی اگر مختلف انواع مان لی جائیں تو یہ کوئی ایسی گھاٹی نہیں جس پر پہلے کوئی نہ آیا ہو۔ ہمارے دوست ہمیں بے جا طعنہ دے رہے ہیں اسی طرح موت کی بھی انواع ہیں۔

۱...... ایک حیات وہ ہے جس میں روح اور بدن کا تعلق صرف اس درجہ میں ہے کہ عذاب قبر اور اس کی نعیم کا ادراک ہو سکے یہ ایک روحانی حیات ہے اور اس میں جسم سے بھی قدرے تعلق ہے۔

۲...... ایک وہ حیات ہے جو روح کے بدن میں ہونے سے قائم ہوتی ہے لیکن روح کا بدن سے تعلق تصرف نہیں ہوتا نہ اس سے بدن کا تغذیہ وتنمیہ ہے، نہ اس کے لئے پانی اور ہوا لازمی ہیں۔ یہ اعادہ برزخ کے ساتھ برزخی زندگی ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ زندگی پانے والے اسے حسی طور پر جسمانی زندگی محسوس کریں۔

۳...... ایک حیات وہ ہے جو روح کے بدن میں داخلے اور تصرف تعلق سے قائم ہوتی ہے اس میں آب وہوا کے خارجی اثرات نشوونما اور مادی خوراک درکار ہوتی ہیں جیسی کہ ہماری اس دنیا کی زندگی ہے۔

۴...... ایک زندگی روح اور بدن عنصری کے اتصال سے قائم ہے اس میں روح کا تعلق تصرف اتنا ہے کہ پورا بدن نرم و نازک اور محفوظ رہے۔ انہیں اس عالم کے مناسب رزق ملتا ہے اور ان سے عالم غیب کے افعال و آثار کا ظہور ہوتا ہے اور وہ اپنے حق میں اسے جسمانی حیات محسوس کرتے ہیں اور مختلف اعمال بھی (جیسے نماز پڑھنا) کرتے ہیں۔ پر دیکھنے والوں کو ان میں سے کوئی حرکت دکھائی نہیں دیتی۔ ہاں انہیں اللہ تعالیٰ اس جہان کے زائرین کا سلام

سنا دیتے ہیں یہ انبیاء کرام کی حیات برزخی ہے۔

۵...... چوتھے درجے میں جس حیات کا ذکر ہے اگر وہ کھلے بندوں ہو اور ایک دوسرے کو نظر آئے اور یہ ہو بھی وفات کے بعد تو یہ صرف عالم آخرت کی زندگی ہے۔ اہل جنت جنت میں اسی زندگی سے رہیں اور پھریں گے اور اہل جہنم بھی آخرت میں اسی جسم اور زندگی سے معذب ہوں گے اہل جنت اور اہل جہنم کے لئے اپنی اپنی برات کا رزق ہوگا۔

زندگی کے یہ مختلف محال ہم نے اس لئے ذکر کر دیئے ہیں کہ متعدد انواع حیات کو سمجھنے میں مدد ملے اور زندگی کی مختلف حیثیتوں کا ادراک ہو سکے۔

سوال: قبر کی برزخی زندگی ایک علیحدہ نوع ہے کیا یہ تعبیر کہیں سلف نے بھی اختیار کی ہے کہ وہاں مختلف انواع حیات کے الفاظ ملیں یا زندگی کی حقیقت ایک ہی ہے؟

جواب: ہاں آپ شرح العقائد اٹھا کر دیکھیں علامہ تفتازانیؒ (۷۹۲ھ) لکھتے ہیں: ''ویجوز ان یخلق اللہ تعالیٰ فی جمیع اجزاء البدن او فی بعضھا نوعا من الحیوۃ قدر مایدرک الم العذاب و لذۃ النعیم''

(شرح عقائد ص ۷۷)

ترجمہ: اور یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پورے بدن میں یا اس کے کسی حصے میں زندگی کی کوئی ایسی نوع قائم کر دے جس سے اسے عذاب کی تکلیف یا آرام کی لذت کا ادراک ہوتا رہے۔

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) برزخ میں روح لوٹنے کے ذیل میں لکھتے ہیں: ''لان ذلک الرد نوع آخر غیر المعھود'' (کتاب الروح ص ۸۹)

ترجمہ: یہ روح کا بدن کی طرف لوٹنا روح و بدن کے تعلق کی اور نوع ہے جو اس دنیا والے تعلق سے مختلف ہے۔

اور ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں: ''ان اھل الحق اتفقوا علی ان اللہ یخلق فی المیت نوع حیوۃ فی القبر'' (شرح فقہ اکبر ص ۱۲۰)

ترجمہ: سب اہل حق اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت میں ایک خاص طرح کی زندگی پیدا کر دیتا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) اس نوع حیات کو ادراک سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں اس کی اپنی تخلیق ہے۔

''ان اللہ تعالیٰ یخلق فیہ ادراکا بحیث یسمع ویعلم ویلذ ویألم'' (فتح الباری ج ۳ ص ۴۷۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس میت میں ایسا ادراک پیدا کر دیتے ہیں کہ وہ سنتا بھی ہے سمجھ بھی لیتا ہے آرام اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔

اور یہی بات علامہ آلوسیؒ نے روح المعانی میں کہی ہے۔ (روح المعانی ج ۲۲ ص ۵۷)

یہی بات علامہ ابن عبدالہادیؒ (۷۴۴ھ) کہتے ہیں: ''نوع حیاۃ برزخیۃ'' (الصارم المنکی ص ۱۹۸)

ترجمہ: حیات برزخی زندگی کی ایک دوسری نوع ہے۔

اس زندگی سے اسم موت کلیۃً اٹھنا ضروری نہیں دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔

موت کی بھی اسی طرح انواع ہیں یہ محض عدم حیات کا نام نہیں اس کی اپنی تخلیق ہے خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ (پ ۲۹، الملک) یہ قرآن کریم کی نص صریح ہے۔ سو جب یہ ایک مستقل وجودی شئے ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی

بھی کئی انواع ہو سکتی ہیں۔ الحیوۃ جنس تحتہ انواع و کذالک الموت!

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ حضور اکرم ﷺ کی موت کو عالم اموات کی سی موت نہیں سمجھتے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ موت کی مختلف انواع کا عقیدہ رکھتے تھے۔

قرآن کریم میں حضور ﷺ کے میت ہونے کو اوروں کے میت ہونے سے جدا بیان کیا گیا ہے حضور ﷺ کو بحیثیت میت ہونے کے ان عام میتوں میں شامل نہیں کیا گیا۔ فرمایا: "اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ" (الزمر) یہ نہیں کہا "انک وانهم میتون" اس سے پتہ چلا آپ کی موت ایسی نہیں جو جمیع وجوہ سے اوروں کی موت جیسی ہو۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: "حضور ﷺ کی موت جمیع وجوہ و معانی میں لازم نہیں کہ ایسی موت ہو جیسے کہ عام اموات کی ہوتی ہے بلکہ حضور ﷺ کی موت حس اور شعور کے ذہاب اور تعطل کی حد تک ہے۔"

(مدارج النبوت ج ۲، ص ۵۷۶)

امام الحرمینؒ (۴۷۸ھ) لکھتے ہیں حضرت صدیق اکبرؓ بھی حضور ﷺ کی موت کو عام اموات سے ایک جدی موت سمجھتے تھے۔ ہمارے نزدیک شہداء کی موت بھی عام اموات سے جدی موت ہے کہ باوجود موت کے حیات ان سے منفی نہیں ہوتی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: "حضور ﷺ کے املاک حضور ﷺ کی ملک میں باقی تھے۔ صدیق اکبرؓ حضور کی نیابت میں ان میں تصرف کرتے تھے۔ صدیق اکبرؓ جانتے تھے کہ حضور ﷺ کا ملک حضور ﷺ کے املاک پر باقی ہے جیسا کہ امام الحرمین نے کہا ہے۔" (مدارج النبوت ج ۱ ص ۱۷۰)

یہ صرف متاخرین کا ہی موقف نہیں امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے بھی سنن کبری ج ۷، ص ۶۴ پر یہ باب باندھا ہے: "باب ما كان ماله بعد موته قائما على نفقه وملكه"

اس سے پتہ چلتا ہے کہ بعض دنیوی احکام میں ابھی حضور ﷺ کی حیات مستمر تھی اس کا حاصل اس کے سوا کیا سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ کی موت روح مبارک کی مفارقت کے باوجود محض ساتر حیات ہو مزیل حیات نہ ہو۔

یہ حضرت صدیق اکبرؓ، امام بیہقی، امام الحرمین اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا تفرد نہیں، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بھی اسی موقف پر ہیں۔ علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ) شیخ ابو منصور البغدادیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

"قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتكلمون المحققون من أصحابنا ان نبينا ﷺ حي بعد وفاته" (وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۵۴، اعلاء السنن طبع قدیم ج ۱۰ ص ۳۳۰)

ترجمہ: ہمارے محققین علماء کلام نے لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اپنی مناسب وفات کے بعد زندہ ہیں اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں۔

حضور ﷺ کی وفات جو آپ کے مناسب حال تھی کیسی تھی۔ ضروری نہیں کہ ہم اس کی کنہ پا لیں۔ ہاں اتنا مان لیں کہ وہ عام اموات سے کچھ مختلف تھی تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جس میں کوئی تفرد ہو۔ پہلے بھی کئی حضرات کہہ چکے ہیں کہ آپ کو وہ وفات آئی جو آپ کے حسب حال تھی ہم انشاء اللہ آگے چل کر اس پر بحث کریں گے۔

یہاں ہمارا موضوع حیات شہداء ہے اس کے بعد حیات انبیاء علیہم السلام کی بحث آئے گی جس کے ضمن میں بطور مقدمہ ہم انشاء اللہ العزیز کچھ موت پر بحث کریں گے۔ واللہ ولی التوفیق و بیدہ ازمۃ التحقیق یہ اثبات حیات

شہداء وحیات انبیاء علیہم السلام کے لئے بمنزلہ تمہید سمجھئے۔

حیات شہداء قرآن کریم کی روشنی میں

"وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ" (البقرہ آیت ۱۵۴)

ترجمہ: اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں کہ وہ مردے ہیں نہیں وہ تو زندے ہیں لیکن تمہیں سمجھ نہیں۔

حضرت شیخ الہندؒ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "یعنی جس نے اللہ کے لئے جان دی وہ اس جہان میں جیتے ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کی خبر اور اس کی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب صبر کا نتیجہ ہے۔[1]

"وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةٍ مِنَ اللهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ" (پ ۴ آل عمران آیت ۱۶۹)

ترجمہ: اور تم ہرگز نہ سمجھو ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں "مردے" بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے خوشی کرتے ہیں اس پر جو اللہ نے ان کو دیا اپنے فضل سے اور خوشی لیتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک ان کے پاس نہیں پہنچے ان کے پیچھے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے ان پر اور نہ ان کو غم۔ وہ خوش ہوتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مزدوری ضائع نہیں کرتا۔

صحابہؓ کے سامنے بدر اور احد کے نقشے تھے شہیدوں کی یادیں تھیں۔ اللہ رب العزت نے فرمایا اپنی زبان پر بھی یہ لفظ نہ لاؤ کہ وہ مردے ہیں بلکہ تمہارے گمان میں بھی یہ بات نہ ہو کہ وہ مردے ہیں ایسا خیال رکھنے کی بھی تمہیں اجازت نہیں۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

سوال: جب وہ سامنے مرے اور قتل ہوئے اور پھر صحابہؓ نے انہیں دفن بھی کیا تو اب کیسے کہا مَا مَاتُوْا وہ مرے نہیں یا قتل نہیں ہوئے۔ کیا كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ سے وہ مستثنیٰ ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ تم یہ نہ کہنا مَا مَاتُوْا (وہ مرگ آشنا نہیں ہوئے) یا مَا قُتِلُوا (وہ قتل نہیں ہوئے) بلکہ فرمایا تم یہ نہ کہو کہ وہ مردے ہیں یعنی اب وہ مردے ہیں ایسا نہ کہنا نہ سمجھنا بے شک وہ مرگ آشنا ہوئے انہوں نے موت کا پیالہ پیا۔ ان کا کفن ودفن برحق لیکن اب وہ مردہ نہیں اس جہان میں زندہ ہیں اور ان کی وہ زندگی حقیقی ہے اور زندگی کا پورا لطف انہیں حاصل ہے۔

مَا مَاتُوْا جملہ فعلیہ ہے تمہیں یہ کہنے کا حکم نہیں دیا تم بے شک کہو قُتِلُوا (وہ مارے گئے) تم کیا یہ تو اللہ تعالیٰ نے بھی کہہ دیا ہے ہاں ھُم اموات یہ جملہ اسمیہ ہے یہ کہنے سے تمہیں روکا گیا۔ اب تم یہ نہ کہو وہ مردے ہیں۔ وہ مردے نہیں زندہ ہیں۔

---

[1] پچھلی آیت اس پر ختم ہوئی اِنَّ اللهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ یہ جملہ اس سے ربط کے لیے بیان فرمایا۔

ان آیات میں "بل" اضرابیہ ہے جو پہلی بات کا ابطال کرتا ہے یہاں "بل"...... قتلوا کا ابطال نہیں کر رہا۔ قتلوا ایک حقیقت ہے بل کا اضراب ھم اموات کہنے اور سمجھنے کے متعلق ہے۔ سو ان کے زندہ ہونے کے عقیدہ میں ان واقعات سے ہرگز کوئی تعارض اور ٹکراؤ نہیں۔ ان پر موت کا آنا بھی برحق اور اگلے جہان میں حیات جسمانی پانا بھی برحق اور ان آیات میں انہی اجسام کو زندہ کہا گیا ہے جو قتلوا کا مورد بنے تھے، اختلاف زمان سے دوسری بات کا ماننا پہلی سے ٹکراؤ اور تعارض نہیں بل کا اضراب ھم اموات پر ہے اور امر واقع اور عقیدہ صادقہ یہ ہے کہ ھم احیاء (وہ زندے ہیں)۔

بل کے بعد جو جملہ ہو وہ پہلے جملے کا ابطال کرتا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی میں جس فلاح کی خبر دی گئی ہے تم اسے پا نہ سکو گے کیونکہ تم دنیا کی زندگی کو آخرت کی زندگی پر ترجیح دے رہے ہو۔ یہاں "بل" اضرابیہ کے ساتھ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فرمایا اس نے تمہارے فائز فلاح ہونے کا ابطال کر دیا۔

مشرکین سمجھتے تھے کہ بدر اور احد کے شہید عدم میں چلے گئے اللہ تعالیٰ نے ان کی زندگی کی خبر دی یہ قصر قلب ہے مشرکین انہیں موت پر ختم سمجھتے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں حیات پر بند کر دیا۔ وہ حقیقی طور پر زندہ ہیں مردہ کہنا تو درکنار تمہارے گمان میں بھی یہ بات نہ آئے کہ وہ مردے ہیں۔

یہاں زندہ کن کو کہا گیا

یہاں زندہ اجسام انہی کو کہا گیا ہے جن پر مشرکین کا فعل قتل وارد ہوا تھا۔ یہاں اجسام ہی قتل کا مورد ہوئے تھے اور انہیں اجسام کو وہاں زندہ کہا گیا یہ سمجھنے میں اگر دقت ہو تو لاتشعرون (کہ تم شعور نہیں رکھتے) کہہ کہ اس تذبذب کو رفع کر دیا گیا۔

جس طرح قرآن کریم میں حضرت مسیح علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ انہوں نے مسیح کو پورے وثوق سے قتل نہیں کیا بلکہ جس بدن کے وہ مورد قتل ہونے کے مدعی ہوئے ہیں اس بدن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھا لیا ہے رفع اسی جسم کا ہوا جس پر وہ فعل قتل وارد کرنے کی مدعی تھے۔

اسی طرح جن شہدائے بدر و اُحد پر وہ عمل قتل سے ان کے اموات ہونے کے مدعی تھے انہی شہداء کے بارے میں اس کا ابطال کیا گیا کہ وہ مردے نہیں زندے ہیں اور ان کی حیات کا اثبات کیا گیا اور شک تک کرنے سے منع کر دیا گیا۔

قتل کون ہوا؟ جسم! زخمی کون ہوا؟ جسم! تلواریں اور نیزے کن پر چلے؟ جسموں پر!

نہ روح زخمی ہوئی نہ کسی جسد مثالی پر تلوار چلی۔ سو یہ بات کہ وہ زندہ ہیں یہ انہی اجسام کی خبر ہے جو میدان جہاد میں تڑپے اور پھڑکے اور جنہیں صحابہؓ نے دفن کیا شہیدوں کی روح زندہ ہے۔ یہ بالکل بے محل بات ہے وہ تو مری ہی نہ تھی نہ جسد مثالی مرا تھا۔ سو فعل قتل جس سے متعلق ہوا حالت حیات بھی اسی کی ہوئی۔ ان اجسام پر بے شک وعدہ موت پورا ہوا۔ لیکن اب یہ زندہ ہیں اور زندگی کے تمام لوازم انہیں اس جہان میں میسر ہیں۔ بل اُحیاء نے ھم اُموات کا کلی طور پر ابطال کر دیا ہے۔

اگر صرف روح کی زندگی مراد ہوتی تو لاتشعرون کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ روح زندہ ہے اجسام مردے ہیں یہ بات تو ہر کسی کو سمجھ آرہی تھی۔ اس بات میں کس کو استبعاد تھا جو لاتشعرون کہہ کر ختم کیا گیا۔ یہ شہداء کی جسمانی حیات ہے جو ہمارے حواس سے بالا تھی۔ اس نارسائی سے جو بے چینی تھی اسے لاتشعرون سے دور کیا گیا۔

اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کی حیات کے کچھ لوازم بھی ذکر فرمائے۔ فرمایا یرزقون انہیں رزق بھی دیا جاتا ہے صرف روح کو کھانے پینے کی کیا ضرورت ہے؟ نہ جسد مثالی رزق کا محتاج ہے۔ کھانا پینا تو اسی جسم کی صفات میں سے ہے۔ جب یہ صفت ذکر کی گئی تو تاکید ہوگئی کہ شہداء کی حیات جسمانی ہے صرف روحانی نہیں اور عنصری بدن سے ہے کسی اور جسد سے نہیں۔ جسد مثالی کھانے پینے سے بے نیاز ہوتا ہے اس کی کچھ بحث آگے آئے گی۔

"فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِه" خوشی اور غم کی لہریں بدن میں اٹھتی ہیں۔ یہ احساسات روحوں میں نہیں جاگتے۔ فرح زندوں کی صفات میں سے ہے مردوں کے حالات میں سے نہیں۔

"وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِم" اس بات کی خوشی کہ ان کے بھائی بھی انہیں آملیں گے ان کے چہروں میں محسوس ہورہی ہے۔ وہ یہ خوشی اپنے بشرہ میں (چہرے میں) محسوس کررہے ہیں ظاہر ہے کہ کھال اور چہرے انہی ابدان کے ہیں، ابدان مثالیہ کے نہیں۔

دوزخ کی آگ کھالوں کو جھلس دے گی۔ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ (پ ۲۹، المدثر) بدن عنصری میں خوشی کی لہریں اٹھتی ہیں تو ان چہروں کو مستبشرہ کہا جاتا ہے۔

"وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ" (پ ۳۰، العبس آیت ۳۹)

سو اس میں کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ يَسْتَبْشِرُوْنَ کا فاعل ابدان ہیں۔ الَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ سے بھی وہ پورے انسان ہیں جو انہیں آملیں گے یہاں ضمیر "هُم" کا مرجع کون ہیں؟ وہ ابدان جو ابھی ان سے نہیں ملے۔ ورنہ روح کے لئے تو قرب و بعد زمانی کوئی چیز نہیں۔

<u>سوال</u>: اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے بدنوں کو تو یہ مرتبہ ملا کہ انہیں عالم برزخ میں گو یہاں کی آنکھیں اس حیات حسی کا مشاہدہ نہ کرسکیں حسی حیات دی گئی اور یہی ابدان عالم برزخ میں فائز الحیات ہوئے لیکن ان کی روحوں کو بھی کیا کوئی امتیازی شان ملتی ہے؟

<u>جواب</u>: اس عالم میں روح جس طرح بدن میں قید ہے بدن سے نکلنے کے بعد اس کا ادراک اور دائرہ سیر بہت بڑھ جاتا ہے۔ اس کا قبر کے سوال وجواب کے وقت بدن میں اعادہ بھی ہو تو کاملین کے لئے یہ اعادہ اشراف ہے اعادہ قید نہیں وہ روحیں عالم بالا سے ایک تعلق رکھتے ہوئے بھی ابدان کی طرف لوٹ سکتی ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موت کے بعد روح کا ادراک بڑھ جاتا ہے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: "وارواح الكمل اذا فارقت اجسادها صارت كالموج المكفوف لا يهزها ارادة متجددة و داعية سانحة ولكن النفوس التي هي دونها تلتصق منها بالهمة فيجلب بها نورا او هيئة مناسبة بالأرواح" (حجۃ اللہ البالغہ باب الاذکار ص ۷۷)

<u>ترجمہ</u>: کامل لوگوں کی ارواح جب اپنے اجساد سے جدا ہوتی ہیں وہ اسی موج کی طرح ہوجاتی ہیں جو رکی ہوا نہیں کوئی نیا ارادہ اور پیش آنے والا داعیہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا سکتا۔ لیکن نچلے طبقے والے نفوس اپنی ہمت سے ان سے ملصق ہوکر نور اور ایک ہیئت مناسب پیدا کرلیتے ہیں۔

یعنی وہ روح ایک موج مکفوف کی طرح ہے جس سے نچلے والے اثر قبول کرتے ہیں۔ یہاں قبروں کے ابدان بھی اگر کاملین کے ہوں تو وہ ارواح عالیہ سے اثر قبول کرتے ہیں اور ان کا اس جگہ سے خاص ربط ہوتا ہے جہاں وہ مدفون ہوں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں: ''وھی المکنی عنه بقوله ﷺ مامن احد یسلم علی الارد الله علی روحی فارد وقد شاهدت ذلک ما لا أحصی فی مجاورتی المدینه سنة الف ومائة واربع واربعین ۱۱۴۴'' (ایضاح ۲ ص ۷۷)

ترجمہ: اور اسی کی طرف کنایہ ہے حضور ﷺ کے اس ارشاد میں کہ جب کوئی مسلم مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو ادھر لوٹا چکے ہوتے ہیں سو میں بھی اس پر سلام لوٹا تا ہوں ۱۱۴۴ھ میں جب میں مدینہ ٹھہرا ہوا تھا تو میں نے بارہا اس کا مشاہدہ کیا۔

اب آپ ہی بتائیں حضرت شاہ صاحبؒ کا مسلک قبر مبارک کے جسد اطہر کے بارے میں کیا ہے؟ آپ جب روضۂ نبویہ پر حاضر ہوتے رہے اور سلام عرض کرتے رہے تو آپ نے اپنا مشاہدہ کیا بتایا ہے؟ کیا روح انور کا تعلق قبر مبارک میں رکھے جسد اطہر سے ہے یا نہیں؟ آپ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی اس شہادت کو پڑھیں اور بار بار پڑھیں۔

جسدِ اطہر کی شان عالم برزخ میں

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے نزدیک عالم برزخ میں حضور ﷺ کے جسد اطہر کی شان کیا ہے؟ آپ کے نزدیک حضور ﷺ کا سفر معراج عالم برزخ کی ہی ایک سیر تھی۔ اس رات آپ کے جسد اطہر پر روح کے خواص جاری کر دیئے گئے اور حقائق و معانی مختلف اشکال وصور میں آپ کو مشاہدہ کرائے گئے۔ حدیث میں اس کی پوری تفاصیل ملتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ اپنی اس سیر برزخی میں اپنے اصل جسد اطہر کے ساتھ تھے اور یہ خواب نہیں بیداری کا واقعہ تھا۔ جسد اطہر اس برزخی سیر میں روح کے حکم میں آچکا تھا اور جس طرح روح پرواز کرتی ہے آپ آن کی آن میں پہلے آسمان پر تھے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''کل ذلک بجسده ﷺ فی الیقظة ولکن ذلک فی موطن هو برزخ بین المثال والشهادة جامع لاحکامهما فظهر علی الجسد احکام الروح''

ترجمہ: آپ کا یہ سارا سفر اپنے جسد مبارک کے ساتھ تھا اور بیداری میں تھا لیکن یہ ایسے موطن میں تھا جو عالم شہادت اور عالم مثال کے مابین ایک برزخی درجہ ہے اور یہ دونوں کے احکام کو جامع ہے اس وقت جسد پر روح کے احکام چل رہے تھے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۲۰۶ ج ۲)

آپ کی سیر معراج بتلاتی ہے کہ مکہ مکرمہ میں ہی آپ کا یہ روح اطہر روح کے الطف مقام پر آچکا تھا اور حضرت شاہ صاحبؒ کے ہاں آپ اپنی وفات سے پہلے بھی ایک برزخی سیر سے گزارے گئے تھے پھر جب آپ مدینہ منورہ آگئے اور اس پر اتمام نعمت کی دولت پا گئے۔ (ما کان موعودا فی قوله تعالیٰ ویتم نعمته علیک) تو اب یہ جسد اطہر کس شان اور لطافت پر ہوگا اسے عالم برزخ کے سیاحوں کے سوا اور کون سمجھ سکتا ہے ہاں ہم یہ ماننے کے لئے قطعاً تیار نہیں کہ وہ جسد اطہر جو مکہ مکرمہ میں پوری لطافت سے برزخی سیر کر چکا تھا وہ اب اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ

مَّيِّتُوْنَ کے وعدہ کو پورا کر کے اس مقام پر آ گیا تھا کہ اب تا قیامت اس روح مقدسہ سے بیگانہ رہے جس کے تعلق سے اس پر سفر معراج میں خود روح کے احکام طاری تھے، وہ جسد اطہر جسے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی مکی زندگی میں ہی جلاء تام بخش دی تھی۔ وہ اب تا قیامت قبر میں بے جان و بے حس پڑا ہے۔ استغفر اللہ العظیم۔ کیا یہ عقیدہ انحطاط آیت وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولٰى سے نصاً متصادم نہیں؟

حضرت شاہ صاحبؒ تو اپنے ۱۱۴۴ھ کے مشاہدات میں روضہ انور کی حاضری میں یہ جلوے دیکھ آئے ہیں اب انہیں پڑھ کر بھی اگر کسی کو صحت عقیدہ کی دولت نہ ملے تو ہم اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں ؎

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل　　　　کہ خضر از آب حیواں تشنہ مے آرد سکندر را

حق یہ ہے کہ کاملین کی روح کا ادراک وفات کے بعد اور وسیع ہو جاتا ہے اس دنیا کی زندگی میں حضور ﷺ کی رویت بصری اور قوت سمعی صحابہؓ کی سی نہ تھی۔ آپ روح الامین کو آتا دیکھتے تھے اور آپ کے قریب بیٹھے دوست اس کیفیت کے آثار تو دیکھتے لیکن فرشتوں کو نہ دیکھتے اور نہ سنتے آپ کی نگاہ کبھی برزخ کے پردوں کو چیر کر دور کے نقشے دیکھ لیتی اور قبروں کے پاس سے گزرتے آپ کبھی برزخی آوازیں بھی سن لیتے۔ جب دنیا میں یہ حال تھا تو اس وادی کے سیاحوں کے اس بیان کو بھی مان لیجئے کہ کاملین کی روح کا ادراک وفات کے بعد اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے اجسام مدفونہ سے بھی کلیۃً بے توجہ نہیں ہوتیں۔ روحی کمالات کا فیض ان پر بھی اترتا ہے۔ مولانا رومؒ لکھتے ہیں:

باش تا مرغ از قفس آید بروں　　　　تا بہ بینی ہفت چرخ او را زبوں

ترجمہ: انتظار کر یہاں تک کہ روح اس بدن سے پرواز کرے پھر تو دیکھے کہ کس طرح سات آسمان اس کے آگے زیر ہیں۔ (مثنوی دفتر ص ۳۲۵)

سو اس میں شک نہیں کہ وفات کے بعد روح کا ادراک اور وسیع ہو جاتا ہے۔ اس کی برکتیں اگر سات آسمانوں تک جا سکتی ہیں تو کیا زمین میں رکھے بدن کو ان میں سے کوئی حصہ نہیں مل سکتا جب اس روح کے آگے سات آسمان زیر ہیں تو روح الارواح کا اشراف و اشراق صرف اس جسد اطہر کے لئے ہی ممنوع ہے جو زمین میں دفن ہے؟ وہاں فرشتے بھی حاضری دیتے ہیں اور سلام پیش کرنے والے زائرین کا تانتا بھی ہر آن اور ہر لمحہ بندھا ہے یا اس بدن اطہر میں وہ امجذاب نہیں کہ وہ اس روح عالی سے فیضیاب ہو؟

آیئے برزخی مشاہدہ کے ایک اور سیاح سے اس کی تصدیق حاصل کیجئے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ (۱۳۷۷ھ) لکھتے ہیں: "یہ برزخی حیات بعض پہلوؤں سے اس دنیوی حیات سے قوی تر بھی ہے۔"
(مکتوبات شیخ الاسلام ج)

یہ اس لئے کہ دنیوی حیات کے بہت سے حجابات اس برزخی حیات میں اٹھ جاتے ہیں: "آپ کی حیات نہ صرف روحانی ہے جو کہ عام شہداء کو حاصل ہے بلکہ جسمانی بھی اور از قبیل حیات دنیوی بلکہ بہت وجوہ سے اس سے قوی تر" (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۱۳۰)

ہم یہ کہہ رہے تھے کہ شہداء بعد قتل ایک ایسی زندگی پا لیتے ہیں جسے وہ حساً محسوس کرتے ہیں اور ان کی وہ زندگی جسمانی ہوتی ہے اس میں ان کی روح کا ادراک اور بڑھ جاتا ہے کاملین کی ارواح میں حضور اکرم ﷺ کے برزخی ادراک کا ذکر ضمناً آ گیا ہے اصل موضوع ارواح شہداء کی امتیازی شان ہے اب اس کا ایک پہلو ملاحظہ کیجئے۔

(ب) پھر روح کو قوت تجسد بھی ملتی ہے روح خود ایک جسم کی شکل اختیار کرتی ہے وہ کسی دوسرے جسد میں بطریق حلول نہیں اترتی یہ تناسخ ہے (جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں) یہاں روح خود ایک جسم کی صورت میں ابھرتی ہے اور یا پرندے کے بدن میں اس تعلق سے آتی ہے جو سوار کو سواری سے ہوتا ہے اور اس میں بھی تناسخ کا کوئی شائبہ نہیں۔

شہداء کی روحیں سفید پرندوں کی سی صورت اختیار کرتی ہیں اور سیر بھی کرتی ہیں۔ حضرت قتادہؒ (۱۱۸ھ) کہتے ہیں: "بلغنا ان ارواح الشهداء في صور طير بيض تاكل من ثمار الجنة" (المصنف لعبد الرزاق ج ۵ ص ۲۶۳)

ترجمہ: ہم کو روایت پہنچی ہے کہ شہداء کی روحیں سفید پرندوں کی شکل اختیار کرتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہیں۔

پھر آنحضرت ﷺ سے ان کا سبز پرندوں کی صورت میں آنا بھی منقول ہے: "ان ارواح الشهداء في طير خضر تعلق من ثمر الجنة" (جامع ترمذی ج ۱ ص ۱۹۷)

ترجمہ: بے شک شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں میں اترتی ہیں اور جنت کے پھل کھاتی ہے۔

سنن نسائی میں حضرت کعب بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "ان نسمة المومن طائر في شجرة الجنة حتى يبعثه الله الى جسده يوم القيمه" (سنن نسائی ج ۱، ص ۲۹۲)

ترجمہ: مومن کی روح باغ جنت میں ایک پرندے کی صورت میں رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اس کے جسد میں قیامت کے دن (کاملۃً) لوٹادے۔

روح الامین بھی دحیہ کلبی کی صورت میں متجسد ہوئے۔ پھر اگر کاملین کی روحیں بھی کسی اور صورت میں تجسد کریں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: "وان شئت قلت بتمثل الروح نفسها صورة لان الارواح في غاية اللطافة وفيها قوت التجسد كما يشعر به ظهور الروح الامين بصورة دحية الكلبي"

ترجمہ: آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ روح خود پرندے کی صورت میں متمثل ہوگئی کیونکہ ارواح میں انتہائی لطافت ہوتی ہے اور ان میں قوت تجسد بھی ہے حضرت روح الامین جبریل علیہ السلام کا دحیہ کلبی کی صورت میں متمثل ہونا اس کا پتہ دیتا ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲، ص ۲۱)

روح کے اس کمال لطافت اور تجسد صورت کے باوجود اس کا تعلق کسی بدن مثالی سے ہو یا قبر کے بدن عنصری سے ہو یا دونوں سے ہو تو روح کے اس اشراف کے لئے کوئی دلیل منع شریعت میں وارد ہے؟ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: "لا مانع من تعلقها ببدن برزخي مغائر لهذا البدن الكثيف" (ایضاً)

ترجمہ: روح کا تعلق کسی اور برزخی بدن سے بھی ہو جو اس بدن کثیف کے علاوہ ہو شریعت میں کوئی دلیل اس سے مانع نہیں ہے۔

جب یہاں کوئی مانع نہیں اور علیین میں ہونے کے باوجود روح کا تعلق کسی برزخی بدن سے ہوسکتا ہے اور ارواح کی یہ وسعت وہاں تک اثر انداز بھی جا سکتی ہے تو قبر کے بدن عنصری سے اس کے تعلق میں کیا امر مانع ہے جس کا مشاہدہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کو ۱۱۴۴ھ کو روضہ نبوی پر بار بار ہوتا رہا ہے اور تاریخ کے مختلف موڑوں پر اگر کہیں شہداء کے اجسام کھلے تو ان میں زندگی کے اثرات دیکھے گئے۔

سو یاد رکھئے ارواح کاملین کے اس درجہ لطافت اور تجسد صورت کے باوجود ان کے تعلق بالبدن العنصری سے کوئی شرعی مانع موجود نہیں ہے۔ارواح شہداء کو جو بدن عنصری میں آنے کی اجازت نہ دی گئی تو وہ اس عالم (عالم دنیا) میں اپنے ابدان عنصریہ میں لوٹنے کی گزارش تھی۔تا کہ ایک دفعہ پھر وہ میدان جہاد میں آئیں اور اللہ کی راہ میں پھر شہید ہوں۔ان کی تمنا عالم برزخ میں اپنے ابدان میں آنے کی نہ تھی عالم برزخ میں تو ان کے وہ بدن بزروئے نص قرآن زندہ ہیں اور وہ جہاں دارالعمل نہیں دارالجزاء ہے دارالعمل صرف یہ دنیا ہے جس کے اعمال اگلے جہان میں پھل لاتے ہیں۔

عالم دنیا میں روحوں کے دوبارہ نہ لوٹنے کو عالم برزخ میں روحوں کے اپنے بدنوں میں نہ لوٹنے کی دلیل بنانا اگر علمی خیانت نہیں تو اور کیا ہے؟

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شہداء خود تمنا ہی عالم دنیا میں لوٹنے کی کریں گے۔حدیث میں یہاں صریح طور پر دنیا کا لفظ موجود ہے اور ان کی جنت میں بھی جب کہ وہ وہاں ابدان عنصریہ سے پہنچے ہوئے ہوں گے یہی تمنا ہو گی۔آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں:''ما احد یدخل الجنۃ یحب ان یرجع الی الدنیا ولہ ما علی الارض من شئی الا الشہید یتمنی ان یرجع الی الدنیا فیقتل عشر مرات'' (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۹۵)

ترجمہ: کوئی شخص جو جنت میں جائے اس بات کا خواہاں نہیں ہوتا کہ اسے دنیا میں پھر بھیجا جائے دنیا کی ہر چیز کا مالک بنا کر مگر شہید وہ تمنا کرتا ہے کہ ایک دفعہ پھر وہ دنیا کو جائے اور اسی طرح دس دفعہ وہ اللہ کی راہ میں مارا جائے۔

ارواح شہداء کے سبز پرندوں کی صورت میں آنے یا سفید پرندوں کی صورت میں آنے کی روایات مختلف ہیں۔پھر یہ اختلاف بھی کہ ارواح خود ان صورتوں میں متجسد ہوتی ہیں یا حواصل طیور میں اس طرح اترتی ہیں جیسے سوار سواری لے لے۔الفاظ میں بہت اختلاف ہے۔غالباً اسی اضطراب کے باعث امام بخاری باوجود آیت: ''وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا'' کا باب باندھنے کے آپ اس میں حدیث طیر خضر نہیں لائے۔ امام مسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت پیش کی ہے۔امام نوویؒ نے اسے حل کرنے کی بہت کوشش کی ہے مگر بات وہیں کی وہیں رہتی ہے:''قال القاضی قال بعض المتکلمین علی ہذا الاشبہ صحۃ قول من قال طیرا وصورۃ طیر او اکثر ما جاءت بہ الروایۃ واستبعد بعضہم ہذا ولم ینکرہ اخرون ولیس ما فیہ ینکر ولا فرق بین الامرین بل روایۃ طیر او جوف طیر أصح معنی۔'' (نووی شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۳۶)

ترجمہ: قاضی نے بعض متکلمین سے نقل کیا ہے کہ زیادہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ روح خود پرندوں کی شکل میں آئے اور زیادہ روایات میں یہی بات ملتی ہے اور بعض لوگوں نے اسے مستبعد جانا ہے اور دوسروں نے اس کا انکار نہیں کیا اور اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس پر شریعت میں انکار وارد ہو اور دونوں اقوال میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے، اور پرندے کی صورت یا پرندے کے پیٹ میں جانے کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت انس بن مالک اور حضرت ابو سعید خدریؓ سے بھی مروی ہے اور ان میں سے کوئی بھی اسے آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کی تفسیر قرار نہیں دیتا۔بیشتر روایات میں اس آیت کا ذکر تک نہیں ملتا۔پھر ان روایات میں کہیں یہ بات بھی نہیں ملتی کہ آخرت میں ارواح شہداء کو ان پرندوں سے کیسے رہائی ملے گی۔ جب وہ اپنے اصلی اجساد کے ساتھ انسانی شکلوں میں جنت میں جائیں گے۔حشر کے دن وہ کس وقت اپنی پرندوں کی قبا بدلیں گے۔اس کا کسی ضعیف حدیث میں بھی اشارہ نہیں ملتا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ شہیدوں کی روحیں ارواح مجردہ کی صورت میں نہیں وہ پرندوں کی صورت میں متجسد ہیں۔ لیکن ان ارواح متجسدہ کا کسی اور برزخی بدن سے یا قبروں کے عنصری بدن سے کوئی تعلق ہے یا نہیں۔ اس سے یہ روایت بالکل خاموش ہے سواے حیات شہداء کی تفسیر قرار دینا یہ سمجھ میں نہیں آتا اور نہ اس آیت وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کی تصریح اس کی تائید کرتی ہے۔

''لا مانع من تعلقها ببدن برزخی مغائر لهذا البدن الكثيف'' (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۲۱)

ترجمہ: روح کا تعلق کسی برزخی بدن سے بھی ہو جو اس عنصری بدن کے علاوہ ہو اس سے شرعا کوئی چیز مانع نہیں۔

''مغائر لهذا البدن الكثيف'' بدن برزخی کی تشریح ہے اس میں اس بدن عنصری سے تعلق کی نفی کا دعوے نہیں ہے۔ جو علماء اسے بدن عنصری سے روح کا تعلق نہ ہونے کی دلیل بنا رہے ہیں اور کہتے ہیں: ''ان میں تعلق روح بالجسم العنصری کا نام تک بھی نہیں بلکہ اس کی نفی صراحۃ مذکور ہے۔'' (مسالک العلماء ص ۳۷)

وہ عبارت کو سمجھ نہیں پائے مغائر لهذا البدن بدن برزخی کی صفت ہے اس میں بدن عنصری سے تعلق کی نفی نہیں جیسا کہ سمجھ لیا گیا ہے۔ فواحسرتا علی ضیعۃ العلم!

ارواح کا پرندوں کی شکل پانا کیا یہ ان کی زندگی ہے

قرآن کریم نے جس پر عظمت پیرایہ اور پرشکوہ الفاظ میں شہداء کا بعد قتل زندہ ہونا بیان کیا ہے اور اس حیات کو اتنا لطیف اور مخفی بتایا ہے کہ تم اس کو پا نہیں سکتے۔ اس تک پہنچ نہیں سکتے (وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ) اس کی یہ شرح اتنی آسان کہ انہیں پرندوں کی شکلیں دے دی جاتی ہیں اور وہ سیر کرتے پھرتے ہیں۔ بس یہی ان کی زندگی ہے یہ بات غور طلب ہے۔

کیا حدیث میں جہنمیوں کا سیاہ پرندوں کی شکل جانا مذکور نہیں کیا وہ بھی زندہ ہیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو بتلایئے ان دو زندگیوں میں باعتبار زندگی کیا فرق ہے؟ باعتبار راحت اور عذاب بیشک فرق ہے مگر باعتبار زندگی کیا فرق ہے۔ وہ جنت میں سیر کرتے ہیں یہ جہنم میں تڑپتے پھرتے ہیں مگر باعتبار زندہ ہونے کے ان میں کیا فرق ہے؟ ہمارے پاس اس کا مثبت جواب ہونا چاہیے۔ اگر نہیں تو ہمیں وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کے دبیز پردے کے پیچھے رہنا چاہیے۔

یہ سمجھ لینا کہ صحابہ کرامؓ لَّا تَشْعُرُوْنَ پر قانع نہ رہے اور وہ اسے شعور میں لانے کی برابر کوشش کرتے رہے اور ان کے بارے میں پوچھتے رہے یہ بات غور طلب ہے۔ پھر حضور ﷺ نے بھی جواب میں آیت وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ نہ پڑھی۔ جواب میں شہیدوں کا پرندوں کی شکل میں آنا بیان کر دیا اور بس! آنحضرت ﷺ نے کیا مختلف مواقع پر قرآن کی آیات سے استدلال نہیں فرمایا۔ پھر یہاں آپ نے آیت وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کیوں نہ پڑھ دی۔

شہداء سبز پرندوں کے روپ میں

ارواح شہداء کو سبز پرندوں میں اتار دیا جاتا ہے اور ارواح کفار کو سیاہ پرندوں کے قالب میں۔ فرق ہے تو یہ کہ: (۱) سبز پرندے جنت میں ہیں اور سیاہ پرندے دوزخ میں ہیں۔ (۲) سبز پرندے سیر میں چلتے پھرتے ہیں اور سیاہ تڑپتے پھرتے ہیں۔ (۳) سبز پرندوں کی روایات اونچی کتابوں میں اور سیاہ کی نچلی کتابوں میں۔

یہ سب فروق سہی مگر جس بات کو نظریں تلاش کرتی ہیں وہ ان کی حیات ہے۔ کیا زندگی زندگی میں فرق ہے یا زندگی ایک ہی نوع کی ہے۔ جنت اور جہنم کی تقسیم تو ویسے ہی مومنین اور کفار میں قائم ہے۔ اس میں شہداء کی کوئی تخصیص نہیں۔ پھر خوشی سے چلنا پھرنا اور تڑپنا یہ نعیم وعذاب کے کوائف ہیں۔ زندگی دونوں میں برابر ہے۔ ہاں حیات جو صحابہؓ کے شعور سے بھی بالا ہے وہ کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں اس کا بیان کہاں ہے؟ آپ نے تو اسے حیات شہداء کی کیفیت اور لَا تَشْعُرُوْنَ کی تفسیر قرار نہیں دیا اور نہ ان سے یا آنحضرت ﷺ سے یہ امید کی جاسکتی ہے کہ آپ ارشاد الٰہی وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کے خلاف اسے شعور میں لانے کی مثالیں بیان فرمائیں۔

کفار سیاہ پرندوں کے روپ میں

آیت اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا (مومن) کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں: ''آل فرعون کی روحیں سیاہ پرندوں کی شکل میں ہر روز صبح وشام دو مرتبہ جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں اور جہنم کو دکھا کر ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارا ٹھکانہ یہ ہے۔'' (تفسیر معارف القرآن ج ۷ ص ۶۰۳)

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں: ''فاما حصول ذلک للجسد فی البرزخ وتالمه بسببه فلم یدل علیه الا لسنة فی الاحادیث المرضیة'' (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۸۱)

یعنی قرآن وحدیث کو ملا کر مسئلہ یہ ہوا کہ عذاب وثواب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے اور یہی حق ہے۔ اور آل فرعون کی روحیں سیاہ رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں۔ ابن کثیرؒ یہ بات پہلے ص ۴۳ پر کہہ آئے ہیں۔ ایک شخص نے امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) سے کہا: ''ہم نے سمندر میں سے کچھ پرندے نکلتے دیکھے ہیں جن کے پروں پر سفیدی تھی۔ اور ان کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہ جھنڈ کے جھنڈ اس سمندر (بحر قلزم) سے نکلتے ہیں اور بحر غربی کے کنارے جاتے ہیں پھر جب تیسرے پہر کا وقت ہوتا ہے تو ویسے ہی سیاہ پرندے آکر سمندر میں گھس جاتے ہیں۔''

اس پر امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) نے فرمایا: ''ان پرندوں کے حواصل میں آل فرعون کی روحیں ہیں جو صبح وشام جہنم پر پیش کی جاتی ہیں۔ یہ آل فرعون چھ لاکھ جنگی سوار تھے۔'' (مواہب الرحمٰن ج ۷ پ ۲۴ ص ۱۵۹)

علامہ نسفیؒ (۷۰۱ھ) بحر الکلام میں لکھتے ہیں: ''واما ارواح الکفار فی جوف طیر سود تحت الارض السابعة'' (نقلا من شرح الصدور ص ۱۰۴)

ترجمہ: اور کافروں کی روحیں ساتویں زمین کے نیچے سیاہ پرندوں کے پیٹ میں ہوتی ہیں۔

سو اگر پرندوں کے قالب میں آنا ہی زندگی ہے تو پھر شہداء کی کیا تخصیص رہی؟ پرندوں کے قالب تو جہنمیوں کو بھی ملتے ہیں اور سبز اور سیاہ پرندوں کی دونوں قسم کی روایات حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ہی مروی ہیں۔ سو یہ صرف ارواح کے تجسد کا بیان ہے ان کی حیات کی تفصیل نہیں اور نہ یہ روایات آیت لا تشعرون کو منسوخ کرتی ہیں کہ اب ہمیں ان کی حیات کا شعور حاصل ہو گیا ہے اور بات سمجھ میں آگئی ہے۔

غذا روح کی ضرورت ہے یا بدن کی

کھانا پینا یہ بدن کی ضرورت ہے روح کی نہیں۔ روح کی غذا تسبیح وتقدیس اور اللہ کی یاد کے سوا کچھ نہیں جنت میں شہداء کی روحیں اگر سبز رنگ کے پرندوں کی صورت میں متجسد ہو کر سیر کرتی ہیں۔ تو ظاہر ہے انہیں کھانے کی

حاجت نہیں ہوتی۔ غذا ہمیشہ سے بدن کی طلب رہی ہے نہ کہ روح کی۔

قرآن کریم نے شہداء کو جو زندہ کہا تو اس کی دلیل میں یُرْزَقُونَ بھی فرمایا معلوم ہوا یہ ابدان کی زندگی ہے صرف روح کی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے الفاظ یُرْزَقُوْنَ ان کی دلیل حیات کے طور پر بیان فرمائے ہیں۔

علامہ ابو عبداللہ القرطبی (۶۷۱ھ) فرماتے ہیں: "بل أحياء دليل على حياتهم وانهم يرزقون ولا يرزق الاحي"

ترجمہ: بل احیاء (وہ زندہ ہیں) ان کی حیات کی دلیل ہے اور یہ کہ انہیں رزق ملتا ہے اور رزق تو زندوں کو ہی دیا جاتا ہے نہ کہ مردوں کو۔

حیات شہداء بنص قرآن ایسی واضح ہے کہ معتزلہ جو عام عذاب قبر کو بدن سے متعلق نہیں مانتے وہ بھی مانتے ہیں: "بل احياء لدلالة الكلام عليها قوله تعالى يرزقون كسائر الاحياء يأكلون ويشربون وهو تاكيد لكونهم احياء وصف حالهم التي هم عليها" (تفسیر کشاف ج ا ص ۴۲۹)

ترجمہ: وہ زندہ ہیں اللہ کے کلام یرزقون کی دلالت اسی پر ہے جیسا کہ دوسرے سب زندوں کی صفت ہے وہ کھاتے بھی ہیں اور پیتے بھی ہیں اور یہ کہ ان کے زندہ ہونے کی تاکید ہے ان کا وہی حال بتایا گیا جس میں کہ وہ ہیں۔

برزخ کی یہ غذا اسی جنس کی ہوتی ہے جو وہ اس دنیا میں کھاتا پیتا تھا گو نوع اس کی دوسری ہو۔ ابن رسول صاحبزادہ ابراہیمؓ کی وفات ہوئی تو حضور ﷺ نے بتلایا کہ ابراہیمؓ کے لئے اگلے جہان میں دودھ پلانے والی موجود ہے۔

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ اگلے جہان میں یُرْزَقُونَ کی شان شہداء سے خاص نہیں: "عن عدی بن ثابت قال سمعت البراء قال لما مات ابراهيم قال رسول الله ﷺ ان له مرضعا في الجنة"

ترجمہ: حضرت براء کہتے ہیں جب حضور ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی وفات ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کے لئے جنت میں دودھ پلانے والی موجود ہے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۱۴ ج ا ص ۴۶۱)

دنیا میں ابراہیم کی غذا دودھ تھی تو آگے بھی دودھ ملا گو وہ دودھ اس عالم کا تھا جو ضروری نہیں کہ اس دودھ جیسا ہو۔

ایک سوال: اگلے جہاں کے رزق سے اگلے جہان والے غذا پائیں یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے لیکن یہاں کے ابدان جیسے شہداء کرام جو حیات جسمانی سے فائز الحیات ہیں وہ اس جہان کے رزق سے کیسی سیری حاصل کر سکتے ہیں؟

جواب: کیا آپ نے یہ مطالعہ نہیں فرمایا کہ آنحضرت ﷺ یہاں عالم دنیا میں بھی کبھی غیبی رزق سے متمتع ہوئے جو بدن میں تو قوت پیدا کرتا لیکن اسے منہ سے کھانے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے جب صوم وصال (روزے جوڑ کر) رکھے تو بعض صحابہؓ نے بھی ایسا کرنا چاہا حضور ﷺ نے انہیں منع فرمایا اور بات کھول دی۔

"لست کاحد کم انی یطعمنی ربی ویسقینی" (ایضاج ا ص ۲۶۳)

ترجمہ: میں تم میں سے کسی کی طرح نہیں ہوں۔ میرا پروردگار مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

حضور ﷺ کا یہاں کا جسد اطہر اس عالم غیب کے کھانے سے سیری محسوس کرتا تھا سو شہداء بھی اگر جسمانی حیات سے زندہ ہوں اور اللہ رب العزت انہیں ان کے مناسب حال رزق پہنچائے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

تیسری صدی کے علماء میں سے کسی نے یہ سوال نہیں اٹھایا کہ ان دنیوی ابدان کا اس عالم غیب کے رزق سے سیری حاصل کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ سب اہل حق تسلیم کرتے تھے کہ اللہ کی قدرتوں کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ ہمارا فرض ہے اللہ رب العزت نے اور اس کے رسول برحق نے جو کچھ فرما دیا اس پر بے چوں وچرا ایمان لائیں۔

آیت حیاۃ شہداء کے تقاضے

آیت حیات شہداء کے آخر میں یہ بات بڑی صراحت سے کہی گئی ہے ولکن لَاتَشْعُرُوْنَ اس کا حاصل یہ ہے کہ تم اس حیات شہداء کو اپنے شعور میں نہیں لا سکتے اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ قرآن کی یہ بات کہ تم اس کا شعور نہیں رکھتے کیا یہ ہمیشہ کے لئے نہیں؟ یہ کرم فرما کہتے ہیں کہ حصہ آیت اسی وقت تک کے لئے تھا جب تک حضور ﷺ نے ارواح شہداء کے حواصل طیور میں آنے اور جنت میں داخلہ لینے کی بات نہ فرمائی تھی۔ جب آپ نے امت کو حیات شہداء کا شعور بخش دیا تو اب آیت لَاتَشْعُرُوْنَ منسوخ ہو گئی۔ استغفر اللہ العظیم!

اب ان کی زندگی جنت میں اسی طرح کی ہے جس طرح اور مومنین کی ہو گی۔ اُن کی بھی حیات روحانی اور ان کی بھی حیات روحانی۔۔۔ آیت حیاۃ شہداء میں جو ان کی جسمانی حیات کا بیان تھا سب کا سب ختم ہو گیا۔ اس سے زیادہ اس آیت کی تحریف اور کیا ہو گی۔ أعاذنا اللہ منہ!

ہم قادیانیوں کو بارہا کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے مدعی (قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ پ ۶، النساء ۱۵۷) جس جسم کو قتل کرنے کے مدعی تھے اللہ نے اسی کو اٹھایا اسی کا رفع کیا۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں بل اضرابیہ ہے کہ جس چیز کے قتل کا دعویٰ ہے۔ اللہ رب العزت کا اسی کے رفع کا دعوی ہے۔ سو حضرت مسیح علیہ السلام کے رفع جسمانی کا عقیدہ ضروریات میں سے ہے۔

اب وہی بات ہمیں اپنے ان کرم فرماؤں کو کہنی پڑ رہی ہے کہ لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ میں جو زیر قتل آئے انہی کے بارے میں بل اضرابیہ ابطالیہ وارد ہے کہ وہ اموات نہیں انہیں اموات نہ کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں تمہیں سمجھ نہ آئے تو لَاتَشْعُرُوْنَ کے تحت قبول کرلو۔ ضروری تو نہیں کہ عالم غیب کی ہر بات سمجھی جائے۔

ان کرم فرماؤں نے آیت کی جو تفسیر بنا رکھی ہے وہ "بل" اضرابیہ پر نظر رکھنے والوں اور لاتشعرون پر یقین رکھنے والوں کے لئے کسی طرح لائق فہم نہیں۔ ان کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ: "جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاتے ہیں ان کی روحیں پرندوں کی صورت میں سیر کرتی ہیں تم انہیں مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں تمہیں ان کی زندگی کی سمجھ نہیں آسکتی۔"

جب وہ پرندوں کی شکل میں آگئے تو سمجھ تو آگئی اب ان کے بارے میں ہمیں لاتشعرون کیسے کہا جائے گا۔ جنت میں چلنے پھرنے والے کیا سب شہید ہوں گے یا شہداء کے علاوہ بھی وہاں کسی کو داخلہ ملے گا؟ پھر ان کے بارے میں کیا وہی کہا جائے گا کہ ان کی زندگیوں کا تم شعور نہیں رکھتے یا یہ اور شکلوں میں وہاں جائیں گے اور شہید پرندوں کی شکل میں کچھ تو سمجھایئے کہ ان میں ایک لَاتَشْعُرُوْنَ کے تحت ہوں۔

اور دوسرے شعور کے تحت۔ ان میں فارق آیت کون سی ہے؟

کچھ تو کہیے کہ لوگ کہتے ہیں آج غالب غزل سرا نہ ہوا

قرآن کی آیت حیاتِ شہداء پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور ان کے جو ابدان مقتول ہوئے انہیں مردے نہ کہو۔ ان کی زندگی تمہارے حواس سے بالا ہے تم اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

ارواح کا مقر علیین میں مان کر کیا تم بہ تعلق روح ابدان مقتولہ کی زندگی نہیں مان سکتے جو یہاں کی آنکھوں سے تو پردے میں ہے لیکن لَا تَشْعُرُوْنَ کے تحت ہمارے ایمان میں ہے کہ ہم اس کا شعور نہیں رکھتے۔ حدیث طیور کی بے شک تصدیق کرو لیکن ابدان شہداء کو ہرگز مردہ نہ کہو۔ ان میں ایسی زندگی ہے جو تم سے پردے میں ہے۔ اور اس جہت سے وہ زندہ ہیں۔

قرآن کریم کے ان ظاہر معنوں کو کسی خبر واحد سے جو دلالۃً بھی مضطرب ہو پھیر دینا یہ علم کی کون سی خدمت ہے اور عوام میں اس خبر واحد کو متواتر اور قطعی الدلالۃ بتانا اس سے بڑھ کر عوام سے فریب کاری کیا ہوگی؟ جو مفسرین آیت وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کو قبر سے متعلق قرار دیں ان کے سوا کون ہے جو برزخ میں شہداء کی حیات جسمانی کا انکار کر سکے۔

ہر کسی نے اپنی اپنی قبر میں جانا ہے۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

(مسالک العلماء ص ۲۵)

اب ہم ایسی تفسیرات کو کس طرح تسلیم کرلیں۔ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کے کلام وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ کے مقابلہ میں ان کے ابدان مقتولہ کو اموات ہی کہنا ہے تو جسے قرآن کے انکار کی یہ روش پسند ہو وہ تسلیم کرے۔ روح کے کوائف سن کر ابدان مقتولہ کی زندگی جو نص قرآن سے ثابت ہے اس کا انکار ہمیں کسی طرح گوارا نہیں۔

بل احیاء

"حیاۃ الشھداء ثابتۃ فی الآیات والاحادیث وقد اختلفوا فیھا وذھب کثیر من السلف الی انھا حیاۃ حقیقیۃ بالروح والجسد ولکن لاندرکھا ولا نعلم حقیقتھا ولا نھا من احوال البرزخ التی لایطلع علیھا" (مدارک التنزیل ج ۲ ص ۲۹)

ترجمہ: شہیدوں کی زندگی آیات اور احادیث سے ثابت ہے اور (کرامیہ جیسے) لوگوں نے اس میں اختلاف کیا ہے اور اسلاف کی اکثریت (اہل السنۃ والجماعۃ) اس طرف گئی ہے کہ شہداء کی یہ زندگی حیات حقیقی ہے جو روح اور بدن کے ساتھ ان کو حاصل ہوتی ہے لیکن ہم اسے محسوس نہیں کر پاتے اور نہ ہم اس کی حقیقت جانتے ہیں اور اس لئے بھی کہ یہ برزخ کے احوال میں سے ہے جس پر انسان مطلع نہیں ہوتا۔

"ان الشھداء بعد موتھم وقتلھم احیاء عند ربھم یرزقون فرحین وھذہ صفۃ الاحیاء فی الدنیا واذا کان ھذا فی الشھداء کان الانبیاء بذلک احق واولی" (سنار یہی ج ۲ ص ۳۹)

ترجمہ: بے شک شہداء اپنی موت اور قتل ہونے کے بعد اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور وہ خوش ہیں اور یہ دنیا میں زندوں کی صفت ہے جب شہداء کا یہ حال ہے کہ وہ زندہ ہیں تو انبیائے کرام تو اس شان کے زیادہ حقدار اور اہل ہیں۔

جماعت اہل حدیث کے بزرگ قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) لکھتے ہیں: "معنی الآیۃ عند الجمھور انھم

احیاء حیاۃ محققۃ ثم اختلفوا فمنهم من یقول الیهما ترد الیهم ارواحهم فی قبورهم فیتنعمون وقال مجاهد یرزقون من ثمر الجنۃ وذهب من عدا الجمهور الی انها حیاۃ مجازیۃ والصحیح الاول والمراد بالرزق المعروف فی العادات علی ماذهب الیہ الجمهور" (تفسیر فتح القدیر ج ۱ ص ۳۹۹)

ترجمہ: اور آیت حیات شہداء کے معنی جمہور کے نزدیک یہ ہیں کہ وہ حیات حقیقی کے ساتھ زندہ ہیں۔ پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا ان کی روحیں قبروں میں ان کی طرف لوٹائی جاتی ہیں اور وہ وہاں اور اک نعیم کرتے ہیں۔ امام تفسیر مجاہد (۱۱۸ھ) کہتے ہیں انہیں وہاں جنت کے پھل دیئے جاتے ہیں اور جمہور (اہل السنۃ والجماعۃ) کے سوا جو لوگ ہیں (جیسے معتزلہ اور کرامیہ) وہ کہتے ہیں کہ یہ حیات حقیقی نہیں مجازی ہے اور صحیح بات پہلی ہی ہے کہ یہ ان کی (قبر کی حیات) حقیقی حیات ہے اور رزق سے مراد وہی رزق ہے جسے عادۃ رزق کہا جاتا ہے جیسا کہ جمہور اہل اسلام کا مسلک ہے۔

مفسرین میں جب اختلاف ہوا کہ ابدان شہداء میں روحیں لوٹتی ہیں یا نہیں تو کسی نے نہ کہا کہ جب حضور نے حیات شہداء کی تفسیر پرندوں کی سیر سے کردی ہے اب تم ان بدنوں کو کیوں زیر بحث لا رہے ہو۔ ان بدنوں کے لئے حیات حقیقی کیوں ثابت کررہے ہو اور پھر اسے جمہور اہل اسلام کا مسلک کہہ رہے ہو۔ کیا جمہور اسلام ارواح شہداء کے قنادیل عرش سے لٹکنے کے خلاف تھے؟ نہیں انہیں نہ اس حدیث سے انکار تھا نہ قرآن کریم کی اس آیت شہداء سے۔ قرآن کریم کی رو سے وہ شہداء کی حیات جسمانی کے بھی قائل تھے اور روح کے اپنے مقامات رفیعہ کا بھی وہ انکار نہ کرتے تھے جس کے اثر سے ابدان قبروں میں زندگی پاتے ہیں۔

قاضی صاحب یہ بھی لکھتے ہیں: "ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشهداء انهم احیاء یرزقون وان الحیوۃ فیهم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء المرسلین" (نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۱۱)

ترجمہ: قرآن کریم میں شہیدوں کے بارے میں نص موجود ہے کہ وہ زندہ ہیں انہیں رزق دیا جاتا ہے اور ان کی حیات جسد کے ساتھ ہے۔ یہ حیات انبیاء ومرسلین علیہم کو بدرجہ اولی حاصل ہے۔

ہم نے قاضی صاحب کو اس لئے پیش کیا ہے کہ ایک قاضی ہمیں بھی پیش آئے ہیں وہ تقلید سلف میں ہمارے خلاف تھے اور یہ قاضی تائید سلف میں ہمارے خلاف ہیں۔

یہ غیر مقلد بزرگ تو اپنی بات کہہ چکے۔ اب تیرہویں صدی کے ایک مقلد بزرگ سے بھی سن لیجئے۔ ان سے تمسک کئے بغیر آپ چودھویں صدی کے ان کرم فرماؤں سے نہیں بچ سکیں گے۔ علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں: "واختلف فی هذہ الحیاۃ وذهب کثیر من السلف الی انها حقیقیۃ بالروح والجسد ولکنا لا ندرکها فی هذہ النشأۃ واستدلوا بسیاق قولہ تعالیٰ عند ربهم یرزقون" (روح المعانی ج ۲ ص ۲۰)

ترجمہ: اور اس زندگی میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اسلاف کی اکثریت اسی بات پر ہے کہ ان کو حقیقی حیات حاصل ہے جو روح اور جسد کے ساتھ ہوتی ہے لیکن ہم اسے اس جہان میں دیکھ نہیں پاتے اور ان سلف صالحین نے عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ سے استدلال کیا ہے۔

علامہ آلوسیؒ نے سلف کا مسلک ہم تک پہنچا دیا ہے اور اسے جمہور کا مسلک کہا ہے اس کے بعد اب کیا تردد باقی رہ گیا۔

"یرزقون لکونهم احیاء والقول بان ارواحهم تتعلق بالافلاک والکواکب فتلتذ بذلک وتکتسب زیادة کمال قول هابط الی الثری ولا اظن القائل به قرع سمعه الروایات الصحیحه والاخبار الصریحة بل لم یذق طعم الشریعة الغراء ولا تری له منهج المحجة وخبر القنادیل لاینور کلامه ولا یزیل ظلامه فلعمری ان حال الشهداء وحیاتهم وراء ذلک" (ایضاج ۴ ص ۱۲۲، ۱۲۳)

شہداء کی حیات اور رزق کو روحانی رزق بتلانا اور سمجھنا کہ ان کے ارواح آسمانوں اور ستاروں پر ہوتے ہیں اور اس میں لذت محسوس کرتے ہیں اور کمال بڑھ جاتے ہیں۔ یہ انہی لوگوں کا کہنا اور سمجھنا ہوسکتا ہے جن کے کانوں میں صحیح اور صریح روایات اور اخبار کی آواز نہیں پڑی۔ بلکہ ایسے لوگ شریعت غرا کی لذت سے آشنا نہیں ہیں اور ان کو المحجہ بیضا کی راہ نہیں دکھلائی گئی۔ اللہ کی قسم شہداء کا حال اور ان کی زندگی روحانی رزق اور زندگی سے بالا و برتر ہے۔

پھر آگے تفسیر ابن کثیر کو دیکھیں وہ اسے الجواب سے شروع کرتے ہیں: "والجواب ان الآیة دلت علی عرض الارواح علی النار غدوا وعشیا فی البرزخ ولیس فیه دلالة علی اتصال تالمها باجسادها فی البرزخ اذ قد یکون ذلک مختصا بالبرزخ فاما حصول ذلک للجسد فی البرزخ وتالمه فلم یدل علیه الا السنة فی الاحادیث المرضیة التی ذکرها" (تفسیر ابن کثیر ج ۱۲، ص ۱۹۴)

ترجمہ: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ آیت عالم ارواح میں ارواح کے آگ پر دن رات پیش کئے جانے پر دلالت کرتی ہے اور اس میں برزخ میں اس عذاب کے بدنوں سے متصل ہونے پر کوئی دلالت نہیں کیونکہ یہ (صورت) عالم برزخ سے مختص ہوسکتی ہے۔ رہا اس کا بدن سے وصول اور الم کا پہنچنا تو اس پر احادیث مرضیہ دلالت کرتی ہیں۔

شہداء کی امتیازی حیات یہ ہے کہ ان کی ارواح کو تجسد ہے (یہ سبز یا سفید پرندوں کی صورتیں ہیں) اور اس تجسد کو شہداء کے دنیوی اجساد سے اس قدر اتصال اور تعلق ضرور ہے کہ اس نے دنیوی اجساد کے اندر حیات پیدا کررکھی ہے۔

یہ شہداء کی زندگی کا بیان ہے کہ ارواح شہداء کا پرندوں کی صورت میں پرواز کرنے کے باوجود اپنے دنیوی اجساد سے ایک گونہ تعلق ضرور ہے اور اسی کے سبب ان کو حیاۃ جسمانی حاصل ہے تاہم یہ حیات ایسی ہے کہ ہم اس دنیا میں رہتے ہوئے اس کا ادراک نہیں کرپاتے۔ الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کے لئے برزخ کے یہ پردے اٹھا دیں۔ عارفین نے جب کبھی شہداء یا انبیاء کو ان کی قبروں میں زندگی کے پورے آثار سے دیکھا وہ کشف کی آنکھوں سے دیکھا ورنہ وہ دنیا سے پردے میں رہے۔

پردہ اٹھنے کی مثالیں

برزخ کے پردے قبروں کی عام برزخی واردات پر ہیں۔ نعیم صالحین اور عذاب مجرمین دونوں پردے میں ہیں۔ حضور ﷺ سے پردے اٹھے تو آپ نے دو قبروں میں دو مجرمین کو گھرے عذاب میں گھرا پایا۔ حضرت موسیٰ ؑ کی قبر کے پاس سے گزرے تو انہیں قبر میں نماز پڑھتے پایا۔

معتزلہ کی ایک غلط تاویل اور اس کا جواب

قرآن کریم نے شہداء کے زندہ ہونے کی جو خبر دی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انہیں قیامت کے دن زندہ

کیا جائے گا اور اس دن وہ ہمیشہ کی آرام کی زندگی پائیں گے۔ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِہٖ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ یہی نہیں کافر بھی اس دن زندہ کئے جائیں گے مگر وہ اس دن انتہائی کلفت اور تکلیف میں ہوں گی۔

جواب: آیت حیات شہداء کا جملہ وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (اور لیکن تم زندگی کا شعور نہیں رکھتے) اس کی تردید کرتا ہے کیوں اس دن (قیامت کے دن) تو سب ایک دوسرے کی زندگی کا شعور رکھتے ہوں گے۔ ہر زندہ دوسرے کو زندہ نظر آئے گا اور اس دن کسی کی زندگی چھپی زندگی نہ ہوگی۔ یہاں ہمیں شہداء کی زندگی کے بارے میں کہا گیا ہے ولکن لاتشعرون۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہداء کی زندگی جس کی اس آیت میں خبر دی گئی ہے قیامت سے پہلے کی ہے ان کے مارا جانے اور قیامت کے مابین ان کا برزخ ہے اور اسی برزخ میں وہ حیات جسدی سے زندہ ہیں۔

حافظ ابوبکر جصاص رازیؒ (۳۷۰ھ) لکھتے ہیں: "فیہ اخبار باحیاء اللہ تعالی الشہداء بعد موتھم ولا یجوز ان یکون المراد انھم سیحیون یوم القیمۃ لانہ لو کان ھذا مرادہ لما قال ولکن لاتشعرون لان قولہ ولکن لاتشعرون اخبار بفقد علمنا بحیاتھم بعد الموت ولو کان المراد الحیاۃ یوم القیمۃ لکان المومنون قد شعروا بہ وعرفوا قبل ذلک فثبت ان المراد الحیاۃ الحادثۃ بعد موتھم قبل یوم القیمۃ واذا جاز ان یکون المومنون قد احیوا فی قبورھم قبل یوم القیمۃ وھم المنعمون جاز ان یحیی الکفار فی قبورھم فیعذبون وھذا یبطل قول من ینکر عذاب القبر" (احکام القرآن ج ۱ ص ۹۳)

ترجمہ: اس آیت میں شہداء کے مارے جانے کے بعد اللہ تعالی کی طرف سے ان کے زندہ کئے جانے کی خبر دی گئی ہے اور یہ صحیح نہیں کہ اس سے مراد قیامت کے دن زندہ کیا جانا ہو ایسا ہوتا تو اللہ تعالی یہ نہ کہتے ولکن لاتشعرون۔ کیونکہ یہ جملہ کہ تم ان کی اس زندگی کو دیکھتے نہیں ہمارے ان کی اس زندگی کو جاننے کی نفی کرتا ہے اور اگر اس آیت سے یہی مراد ہو تو مومن تو ان کی اس زندگی کو دیکھ لیں گے۔ اور پہچان لیں گے پھر لاتشعرون کیسا؟ سو بات یہی ہے کہ اس سے ان کی وہ حیات مراد ہے جو ان کو مارا جانے کے بعد قیامت سے پہلے حاصل ہوگی۔ اور جب یہ ممکن ہے کہ مومنوں کو ان کی قبروں میں زندگی ملے اور وہ وہاں نعیم قبر پائیں تو یہ کیوں نہیں ہو سکتا کہ کافروں کو بھی ان کی قبروں میں زندہ کیا جائے اور ان کو ان میں عذاب ملے اس سے معتزلہ کا عقیدہ انکار عذاب قبر باطل ٹھہرتا ہے وہ سمجھتے ہیں عذاب قبر کوئی شے نہیں نہ وہاں کوئی زندگی ہے اور نہ عذاب۔

برزخ کا ایک اپنا حال ہے

برزخ کا ماقبل سے جدا اور مابعد سے مختلف ایک اپنا حال ہے اس کا اثبات عقیدہ برزخ کا اقرار اور اس کا انکار عالم برزخ کی کلی نفی ہے۔ انسان انبیاء ہوں یا شہداء موت کا پل عبور کر کے ہی اس جہان میں داخل ہوتے ہیں اور اس جہان کی ایک اپنی زندگی ہے جسے برزخی زندگی کہا جاتا ہے یہ زندگی دنیوی ابدان سے متعلق ہو تو اسے جسمانی حیات بھی کہا جاتا ہے گو یہ ہمارے شعور اور ادراک سے بالا ہو حشر کے دن جب قبروں سے اٹھیں گے تو وہ ایک کلی حیات ہوگی۔ برزخ کی یہ حیات ماقبل کی وفات سے متصادم نہیں نہ یہ مابعد عالم آخرت کی کلی زندگی کے منافی ہے ماقبل کی وفات سے انبیاء اور شہداء کو عالم برزخ میں مردے نہیں کہا جا سکتا۔

انبیاء کرام علیہم کے لئے ان کی موت کا اقرار اور حالاً انہیں مردہ کہنے سے انکار

یہ اس بحث کا مرکزی نقطہ ہے۔ انبیاء بے شک اپنے وقت میں موت کا ذائقہ چکھ آئے ہیں لیکن حالاً وہ اموات نہیں احیاء ہیں۔ مرے ہوئے نہیں زندہ ہیں۔ ہمارا یہ استدلال اسی منہاج پر ہے جس منہاج پر ہم نے حیات شہداء پر استدلال کیا تھا۔ ماضی میں دونوں (شہداء اور انبیاء) موت آشنا ہوئے۔ اب دونوں اموات نہیں احیاء ہیں۔ ان دنوں ان کے میت ہونے کا فیصلہ درست نہیں حالاً ان کے احیاء ہونے کا عقیدہ ضروریات مذہب اہل سنت میں سے ہے۔

شہداء کے لئے موت وارد ہونے کا اقرار اور حالاً انہیں مردہ کہنے پر انکار

قرآن کریم نے شہداء سے موت وارد ہونے کی نفی نہیں کی ایسا ہوتا تو یوں فرماتے وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ إِنَّهُمْ مَاتُوا لیکن ایسا نہ کہا۔ بلکہ فرمایا انہیں اموات (مردے) نہ کہو، انہیں مردے نہ سمجھو۔ اب بعد وفات وہ زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قتل (موت وارد ہونے) کے بعد حیات بخش رکھی ہے۔

عالم برزخ میں شہداء کی زندگی روحانی ہے یا جسمانی اس کا فیصلہ من یقتل کو دیکھ کر کریں۔ زندگی کا حکم اسی پر ہے جس پر قتل وارد ہوا اور ظاہر ہے کہ وہ جسم ہے جس پر قتل وارد ہوا۔ قرآن کریم نے اسی کے مردہ ہونے کا ابطال کیا اور اس کے زندہ ہونے کا اثبات کیا ہے۔

"بل" اضرابیہ ابطالیہ ماقبل کا ابطال کرتا ہے مابعد کا اثبات کرتا ہے یہاں "بل" سے شہداء کے مردے ہونے کی نفی کی ان کے زندہ ہونے کا اثبات کیا۔ سو ان کی زندگی حقیقی اور جسمانی اور وہ روح اور جسم دونوں سے زندہ ہیں گو ہمیں اس کا ادراک اور شعور نہ ہو۔ لَا تَشْعُرُوْنَ اس پر قرآنی شہادت ہے۔

یہی جسمانی زندگی ان کا مخصوص اور امتیازی درجہ ہے۔ یہ قول حضرت ابن عباس، مجاہد، حسن بصری اور دیگر کئی صحابہؓ اور تابعین ﷭ کا ہے کہ وہ جسمانی حیات سے زندہ ہیں۔ لیکن اس میں پھر اختلاف ہوا کہ ان کی ارواح پرندوں کی صورت میں متجسد ہیں اور پھر ابدان پر سایہ فگن ہیں یا وہ اجساد مثالیہ میں اتری ہوئی ہیں۔ صورت حال جو بھی ہو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ ان کا ان کے اصل دنیوی اجساد سے کوئی تعلق نہیں۔

علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ) لکھتے ہیں: "ولا يعجز الله تعالىٰ ان يحل به حيوة تكون سبب الحس والادراك وان كنا نراه رمة مطروحة على الارض لا يتصرف ولا يرى فيه شئى من علامات الاحياء فقد جاء في الحديث ان المؤمن يفسح له مد بصره ويقال له نم نومة العروس مع انا لا نشاهد ذلك اذ البرزخ برزخ امر بمعزل عن اذهاننا وادراک قوانا" (روح المعانی ج۲، ص۲۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس سے عاجز نہیں ہے کہ شہداء کے دنیوی اجسام میں زندگی اتار دے اگرچہ ہم اس کو زمین ہی میں گلا سڑا دیکھیں اور حیات کے اثرات ان میں نہ دیکھ پائیں۔ اور یہ ہماری کمزوری ہوگی کیونکہ اصل حقیقت کچھ اور ہے گو ہم اسے پوری طرح سمجھنے میں ناکام رہیں اس کی مثال میں حدیث پیش کی جاسکتی ہے کہ مومن کے لئے اس کی قبر نظر کی حد تک کھول دی جاتی ہے اور اس کو کہا جاتا ہے کہ اس میں دلہن کی نیند کی طرح سو جاؤ حدیث کی اس خبر کے باوجود ہم میت کی قبر کو اس حد تک کھلا ہوا نہیں دیکھتے نہ میت کو اس میں دلہن کی مانند سویا ہوا پاتے ہیں

مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ یہ خبر امر واقعہ نہیں ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ برزخ اور عالم غیب کے احوال ہیں جن کا یہاں کی آنکھ سے دیکھنا بہت مشکل ہے۔

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں: "والذی یمیل القلب الیہ ان لھاتیک الابدان شبھا تاما صوریا بھذہ الابدان وان المواد مختلفۃ والاجزاء متفاوتۃ اذ فرق بین العالمین وشتان مابین البرزخین ویمکن حمل احادیث الطیر علی تشبیہ ھذہ الابدان الغضۃ الطریۃ بسرعۃ حرکتھا وذھابھا حیث شاءت بالطیرا الخضر" (روح المعانی ج ۲ ص ۲۱)

ترجمہ: اور جس بات سے میرے دل کو تسلی اور اطمینان ہے وہ یہ ہے کہ برزخی ابدان کو ان ابدان کے ساتھ پوری پوری صورت مشابہت ہے۔ اگرچہ دونوں کے اجزاء متفاوت اور ان کے عناصر مختلف ہوں اس لئے کہ دونوں جہانوں میں فرق ہے اور ہوسکتا ہے کہ حدیث میں سرعت حرکت کے اعتبار سے تشبیہ ہو۔

مولانا محمد اسماعیل صاحب (گوجرانوالہ) کہتے ہیں شہداء کو رزق دیا جانا ان کی حیات جسمانی کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ قرآن کریم اس عطا کو غیر شہداء سے بھی متعلق کرتا ہے اور زندہ صرف شہداء کو کہا گیا ہے سو شہداء کو رزق دیا جانا ان کی جسمانی زندگی کی دلیل نہیں ہے۔ نیز اس رزق کو عندربھم کہا گیا ہے جو روحانی رزق کے لئے آتا ہے سو جب رزق روحانی ہے تو ان کی زندگی بھی روحانی ہوگی مولانا نے اس سلسلہ میں اس آیت سے استدلال کیا ہے۔

"وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا" (پ ۱۷، الحج ۵۸)

ترجمہ: اور جو لوگ گھر چھوڑ آئے پھر اللہ کی راہ میں مارے گئے یا مر گئے تو اللہ تعالیٰ انہیں خاص رزق حسن عطاء فرمائیں گے۔

یہاں عام مرنے والوں سے بھی رزق حسن کا وعدہ ہے کیا وہ بھی زندہ ہیں؟ اگر رزق دیا جانا زندگی کی دلیل ہے تو چاہئے کہ وہ بھی زندہ ہوں؟

الجواب: اس آیت میں اَوْ مَاتُوْا (یا وہ مر گئے) کے الفاظ عام اموات کے بارے میں نہیں ہیں یہ ان لوگوں کے بارے میں ہیں جو اپنے گھروں سے اللہ کی راہ میں نکلے اور پھر اسی راہ عمل میں مرے وہ اور اس راہ عمل میں مارے جانے والے دونوں کے لئے اس آیت میں وعدہ رزق ہے۔

یہ کیوں؟ اس لئے کہ وہ متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید کا درجہ رکھتے ہیں۔ قتیل فی سبیل اللہ اور متوفی فی سبیل اللہ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے درجہ شہادت دیا ہے اور دونوں سے رزق حسن کا وعدہ ہے۔

فضالہ بن عبید (۵۷ھ) نے دیکھا کہ لوگ قتیل فی سبیل اللہ کے جنازہ کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: "فامامن قتل فی سبیل اللہ فانہ حی عند ربہ یرزق وامامن توفی فی سبیل اللہ من مھاجر او غیر مھاجر فقد تضمنت ھذہ الایۃ الکریمۃ مع الاحادیث الصحیحۃ اجراء الرزق علیہ" (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۲۳۲، ۲۳۹)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ متوفی فی سبیل اللہ بھی شہید ہے وہ عام مرنے والوں میں سے نہیں۔ عام اموات کے مقابلہ میں یہاں قتیل فی سبیل اللہ اور متوفی فی سبیل اللہ دونوں باجر شہادت ماجور ہیں اور حیات جسمانی اور رزق حسن پاتے ہیں۔

مولانا اسماعیل صاحب کی قرآن پاک پر ماشاء اللہ اچھی نظر ہے لیکن حدیث میں آپ کا مطالعہ کمزور ہے اگر ان احادیث پر آپ کی نظر ہوتی تو آپ ایسی بات نہ کہتے۔

۱...... حضرت ابو مالک اشعری روایت کرتے ہیں: "جو اللہ کی راہ میں نکلا پھر فوت ہو گیا یا مارا گیا۔ اس گھوڑے یا اونٹ نے اسے مار ڈالا یا اس پر کوئی تکلیف آ گئی وہ شہید ہے۔" (سنن کبریٰ ج ۹ ص ۱۶۶)

۲...... حضرت معاذ بن جبل ؓ (۱۸ھ) روایت کرتے ہیں: "جس نے اخلاص اور سچائی سے خدا سے مقام شہادت چاہا وہ طبعی موت پائے یا مارا جائے اس کے لئے مرتبہ شہادت ہے۔" (ایضاً ص ۱۷۰)

۳...... حضرت عمر ؓ نے اثناء خطبہ میں فرمایا: "لوگو! ایسا کہو جیسا حضور ﷺ فرما گئے جو اللہ کی راہ میں مارا گیا یا فوت ہوا وہ جنت میں ہے۔" (ایضاً ۱۶۸)

۴...... سہیل بن حنیف اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں: "جس نے سچے دل سے شہادت کو چاہا اللہ تعالیٰ اسے شہادت کا درجہ دیں گے اگر چہ وہ اپنے بستر پر فوت ہو۔" (ایضاً ص ۱۷۰)

مولانا اسماعیل صاحب قرآن کریم کے محاورہ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ کو بھی نہیں سمجھے۔ خواہ مخواہ کہے جا رہے ہیں کہ انہیں روحانی رزق ملتا ہے حضرت مریم کے پاس جب بیت المقدس میں خلاف موسم پھل آتے تو حضرت زکریا ﷤ اس پر حیران ہو گئے۔ آپ نے ان سے پوچھا تو حضرت مریم نے بتایا: هُوَ مِنْ عِنْدِ اللهِ (پ ۳، آل عمران ۳۷) یہ کوئی روحانی رزق نہ تھا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ وہ خاص اللہ کے ہاں سے آتا تھا حضرت مریم کا جسد دنیوی تھا اور یہ رزق بھی اس کے مناسب دنیوی اللہ تعالیٰ بغیر اسباب کے انہیں مہیا فرمائیں تو محض اس وجہ سے انہیں روحانی رزق نہیں کہہ دیا جاتا۔ ایسے مواقع پر خدا کی قدرت پر نظر رکھنی چاہئے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ لکھتے ہیں: "خدا کی قدرت سے اسی طرح مجھے یہ چیزیں پہنچائی جاتی ہیں۔" (تفسیر عثمانی ص ۷۰)

پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ کہا: "فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ" (پ ۲۰، العنکبوت ۱۷)

<u>ترجمہ</u>: تم اللہ کے ہاں رزق ڈھونڈو۔

معلوم ہوا کہ عند اللہ یا عند ربہم کچھ روحانی رزق سے ہی خاص نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں کے دنیوی رزق پر بھی یہ محاورہ استعمال کیا ہے افسوس مولانا محمد اسماعیل صاحب اسے سمجھ نہ پائے۔

حیات شہداء کے شواہد

۱...... "لما حضر احد دعانی ابی من اللیل فقال ما ارانی الا مقتولا فی اول من یقتل من اصحاب النبی ﷺ وانی لا اترک بعدی اعز علی منک غیر نفس رسول اللہ ﷺ وان علی دینا فاقض واستوص باخوانک خیرا"

حضرت جابر ؓ کہتے ہیں احد کے دن میرے والد نے مجھے کہا۔ شاید آج میں سب سے پہلے شہید ہو جاؤں۔ حضور ﷺ کے بعد کوئی مجھے تم سے پیارا نہیں میرا قرض ادا کر دینا اور اپنی بہنوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں واقعی سب سے پہلے میرے والد مارے گئے اس دن دو دو شہید ایک جگہ دفن کئے گئے تھے۔ میں نے نہ چاہا کہ میرے والد کے ساتھ کوئی اور دفن ہو۔ میں نے چھ ماہ بعد اپنے والد کی قبر کو کھولا تا کہ آپ کو علیحدہ دفن کروں۔

"فکان اول قتیل و دفنت معہ اخر فی قبرہ ثم لم تطب نفسی ان اترکہ مع اخر فاستخرجتہ بعد ستۃ اشھر فاذاھو کیوم وضعتہ ھنیۃ غیر اذنہ" (صحیح بخاری ج۱ ص۱۸۰)

ترجمہ: آپ جنگ احد کے پہلے شہید تھے میں نے آپ کے ساتھ ایک اور شخص کو بھی آپ کی قبر میں دفن کر دیا پھر مجھے یہ بات اچھی نہ لگی کہ میں نے اپنے والد کو کسی اور شخص کے ساتھ رکھوں میں نے پھر چھ ماہ کے بعد آپ کو وہاں سے نکالا آپ اسی حال میں تھے جیسا کہ میں نے آپ کو دفن کیا تھا صرف ایک کان میں تھوڑا سا تغیر تھا۔

حضرت جابرؓ کے والد عبداللہ بن عمرو انصاریؓ کے ساتھ آپ کے بہنوئی حضرت عمرو بن الجموحؓ دفنائے گئے تھے۔ (فتح الباری ج۳، ص۲۱۶ کتاب الجنائز)

۲...... تقریباً پچاس سال بعد حضرت امیر معاویہؓ کے دور حکومت میں مدینہ منورہ کے قریب نہر کظامہ کھودی گئی۔ اس کھدائی میں سید الشہداء حضرت امیر حمزہؓ کا جسد ملا۔ وہ اسی طرح تھا جس طرح دفن کیا گیا تھا اس میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی تھی۔ بیلچہ انگلی پر لگ گیا تو خون بہنے لگا۔

حافظ ابن حجرؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: "وما وجد فی صدر ھذہ الامۃ من شھداء احد وغیرھم علی ھذہ الصورۃ ولم یتغیروا بعد الدھور الطویلۃ لحمزۃ بن عبد المطلب فانہ وجد حین حفر معاویۃ العین صحیحا لم یتغیر اصابت الفاس اصبعہ فدمیت" (سیرت ابن ہشام ج۱ ص۳۴ فتح الباری ج۳ ص۱۴۲)

ترجمہ: اور اس امت کے پہلے دور میں جو شہداء احد وغیرہ اسی صورت میں پائے گئے لمبے زمانے گزرنے کے بعد بھی ان میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔ ان میں حضرت حمزہؓ کو اسی طرح پایا گیا آپ میں کوئی تغیر واقع نہ ہوا تھا۔ کام کرنے والے کا بیلچہ آپ کی انگلی پر لگ گیا تو اس سے خون جاری ہو گیا۔

۳...... حضرت عمرو بن الجموح اور عبداللہ بن عمرو انصاریؓ ایک دفعہ پھر بوجہ سیلاب دوسری جگہ منتقل کئے گئے:

"فوجدا لم یتغیرا کانھما ماتا بالامس وکان احدھما قد جرح فوضع یدہ علی جرحہ فدفن وھو کذلک فامیطت یدہ عن جرحہ ثم ارسلت فرجعت کما کان وکان بین احد وبین یوم حفر عنھما ست واربعون سنۃ" (موطا امام مالک ص۳۶۸، طبع جدید ص۱۷۷)

ترجمہ: وہ دونوں اس طرح پائے گئے گویا کل فوت ہوئے ہیں ان میں سے ایک احد کے دن زخمی ہوا تھا اور اس نے اپنا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا ہوا تھا اور اسی حالت میں وہ دفن کر دیا گیا تھا میں نے آپ کا ہاتھ زخم سے ہٹایا اور پھر چھوڑ دیا۔ وہ وہیں جالگا جہاں کہ پہلے تھا۔

۴...... حضرت عمرؓ کے زمانے میں نجران کے ایک آدمی نے ایک جگہ جہاں قبریں تھیں، زمین کھودی تو حضرت عبداللہ بن تامرؓ کا جسد ملا۔ ہاتھ سر پر رکھا ہوا تھا۔ راوی کہتا ہے۔

"فاذا اخرت یدہ عنھا انبعث دما واذا ارسلت یدہ ردھا علیھا فامسکت دمھا"

(سیرت ابن ہشام ج۱ ص۳۵ و تفسیر خازن ج۱ ص۲۲۸)

ترجمہ: جب میں آپ کا ہاتھ زخم سے ہٹا تا تو اس زخم سے خون پھوٹ پڑتا اور جب میں آپ کے ہاتھ کو چھوڑ دیتا تو وہ وہیں جا لگتا اور اس کے خون کو روک دیتا۔

۵...... ''عن هشام بن عروة عن ابيه فلما سقط عليهم الحائط في زمان بن الوليد بن عبد الملك اخذوا في بنائه فبدت لهم قدم ففزعوا و ظنوا انها قدم النبي فما وجدوا احدا يعلم ذلك''

ترجمہ: ولید بن عبد الملک کے زمانہ میں ام المومنین حضرت عائشہؓ کے حجرہ کی دیوار گر گئی جب اسے بنانے لگے تو ایک قبر سے قدم ظاہر ہوا۔ لوگ گھبرا گئے کہ یہ حضور ﷺ کا قدم نہ ہو حضرت عروہؓ نے وہ قدم پہچان لیا اور بتایا یہ حضرت عمرؓ کا قدم ہے۔ (صحیح بخاری ج ا ص ۱۸۶)

۶...... حضرت امیر معاویہؓ کے دور حکومت میں جب نہر کظامہ کھودی گئی اور درمیان میں شہداء کی قبریں کھلیں تو دیکھا کہ ان کے جسد تر و تازہ ہیں اور بال بڑھے ہوئے ہیں۔ اتفاقاً ایک شہید کے پاؤں پر کدال لگی تو خون جاری ہو گیا۔ جب وہ جگہ کھودی گئی تو سب طرف مشک کی خوشبو پھیل گئی۔ (وفاء الوفاء ج ۳ ص ۹۳۹)

۷...... حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ بن جابرؓ کے مزارات دریائے دجلہ کے کنارے تھے، ۱۹۳۰ء کے قریب کی بات ہے۔ دریا زمین کا ٹتا ان کے مزارات کے قریب آ پہنچا۔ حکومت عراق نے حکم دیا کہ ان مزارات کو حضرت سلمان فارسیؓ کے احاطہ میں منتقل کر دو اور پھر ایسا ہی کیا گیا۔ پھر جنازے ہوئے اور آٹھ دس ہزار آدمیوں نے ان میں شرکت کی ایک صاحب الطاف حسین جوان جنازوں میں شریک ہوئے تھے ان کا بیان ہے۔

قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی اور خلق کی آہ و بکاء نے قیامت کا نمونہ برپا کر رکھا تھا اکثر آدمی روتے روتے بے ہوش ہو گئے۔ نعشیں تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی بالکل سالم تھیں۔ کفن ہاتھ لگانے سے بوسیدہ تھا ایک صاحب کی داڑھی سفید اور ایک کی سیاہ۔ (صدق لکھنؤ ۱۱ دسمبر ۱۹۴۳ء)

یہ واقعہ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی اگست ۱۹۶۴ء کی اشاعت میں بھی اسی طرح منقول ہے اور اس کا عنوان ہے: ''ناقابل انکار صداقت''

قصبہ سلمان پاک جو بغداد سے ۴۰ میل کے فاصلے پر ہے، زمانہ قدیم میں اس کا نام ''مدائن'' تھا جہاں متعدد صحابہ کرامؓ گورنری کے عہدے پر فائز رہے۔ یہاں ایک شاندار مقبرے میں حضرت سلمان فارسیؓ مشہور صحابی مدفون ہیں اور آپ کے گنبد مزار سے متصل نبی آخر الزمان ﷺ کے دو صحابہ حضرت حذیفہ الیمانیؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ کے مزارات ہیں۔ ان دونوں اصحاب رسول ﷺ کے مزارات پہلے سلمان پاک سے دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک غیر آباد جگہ میں تھے۔

ہوا یہ کہ حضرت حذیفہؓ نے خواب میں ملک فیصل اول شاہ عراق سے فرمایا کہ ہم دونوں کو موجودہ مزاروں سے منتقل کر کے دریائے دجلہ سے تھوڑے سے فاصلہ پر دفن کر دیا جائے۔ اس لئے کہ میرے مزار میں پانی اور جابرؓ کے مزار میں نمی شروع ہو گئی ہے۔

شاہ یہ خواب مسلسل دو راتوں میں دیکھتا رہا اور شاید بے پروائی یا انہماک امور سلطنت کے باعث بھول گیا، تیسری شب حضرت موصوف نے عراق کے مفتی اعظم کو خواب میں یہی ہدایت فرما کر کہا۔ ہم دو راتوں سے بادشاہ کو کہہ رہے ہیں لیکن اس نے اب تک انتظام نہیں کیا۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ اس کو متوجہ کر کے اس کا فوری بندوبست کراؤ۔

چنانچہ اگلے روز صبح ہی صبح مفتی اعظم نوری السعید پاشا وزیر اعظم کو ساتھ لے کر بادشاہ سے ملے اور اس سے اپنا خواب بیان کیا شاہ فیصل نے کہا، میں بھی دو راتوں سے خواب میں یہی دیکھ رہا ہوں۔ صحابہ کی پاکدامنی کی یہ آسمانی شہادتیں ہیں۔

آخر کافی غور و مشورے کے بعد شاہ نے مفتی اعظم سے کہا آپ مزارات کھولنے کا فتویٰ دے دیں تو میں اس کی تعمیل کے لئے تیار ہوں۔ جب مفتی اعظم نے مزارات کے کھولنے اور لاشوں کو منتقل کرنے کا فتوے دے دیا تو یہ فتوی اور شاہی فرمان دونوں اس اعلان کے ساتھ اخبارات میں شائع کر دیئے گئے کہ بروز عید قربان بعد نماز ظہر ان دونوں اصحاب﷜ رسول کے مزارات کھولے جائیں گے۔

اخبارات میں یہ حال شائع ہونا تھا کہ تمام دنیائے اسلام میں یہ خبر بجلی کی طرح پھیل گئی۔ رائٹر اور دوسری خبر رساں ایجنسیوں نے اس خبر کو تمام دنیا میں پہنچا دیا۔ حسن اتفاق دیکھئے کہ ان دنوں موسم حج ہونے کے باعث تمام دنیا سے مسلمان حج کے لئے حرمین شریفین (مکہ اور مدینہ) میں جمع ہو رہے تھے۔ جب انہیں یہ حال معلوم ہوا تو انہوں نے شاہ عراق سے یہ خواہش ظاہر کی کہ مزارات حج کے چند روز بعد کھولے جائیں تا کہ وہ بھی شرکت کر سکیں۔ اسی طرح حجاز، مصر، شام، لبنان، فلسطین، ترکی، ایران، بلغاریہ، افریقہ، روس، ہندوستان وغیرہ ملکوں سے شاہ عراق کے نام بے شمار تار پہنچے کہ ہم بھی جنازوں میں شریک ہونا چاہتے ہیں۔ مہربانی فرما کر مقررہ تاریخ چند روز آگے بڑھا دی جائے۔ چنانچہ دنیا کے مسلمانوں کی خواہش پر یہ دوسرا فرمان جاری کر دیا گیا کہ اب یہ رسم حج کے دس دن بعد ادا کی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی خواب میں اہل مزارات کی عجلت کی تاکید کے پیش نظر احتیاطی تدابیر بھی کی گئیں کہ پانی مزارات تک نہ پہنچنے پائے۔

آخر کار وہ دن بھی آ گیا جس کی آرزو میں لوگ جوق در جوق سلمان پارک میں جمع ہو گئے دوشنبہ کے دن، بارہ بجے کے بعد لاکھوں انسانوں کی موجودگی میں مزارات کھولے گئے تو معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ الیمانی﷜ کے مزار میں کچھ پانی آ چکا تھا اور حضرت جابر﷜ کے مزار میں نمی پیدا ہو چکی تھی حالانکہ دریائے دجلہ وہاں سے کم از کم دو فرلانگ دور تھا۔

تمام ممالک کے سفیر عراقی حکومت کے تمام ارکان اور شاہ فیصل کی موجودگی میں پہلے حضرت حذیفہ الیمانی﷜ کی نعش مبارک کو کرین کے ذریعے زمین سے اس طرح اوپر اٹھایا گیا کہ ان کی نعش کرین پر نصب کئے ہوئے سٹریچر پر خود بخود آ گئی۔ اب کرین سے سٹریچر کو علیحدہ کر کے ہز میجسٹی، شاہ فیصل، مفتی اعظم عراق، وزیر مختار جمہوریہ ترکی اور پرنس فاروق ولی عہد مصر نے کندھا دیا اور بڑے احترام سے ایک شیشہ کے تابوت میں رکھ دیا۔ پھر اسی طرح حضرت جابر بن عبداللہ﷜ کی نعش مبارک کو مزار سے باہر نکالا گیا۔

نعش ہائے مبارک کا کفن، حتی کہ ریش ہائے مبارک کے بال تک بالکل صحیح حالت میں تھے۔ نعشوں کو دیکھ کر یہ اندازہ ہرگز نہیں ہوتا تھا کہ یہ تیرہ سو سال قبل کی نعشیں ہیں، بلکہ گمان یہ ہوتا تھا کہ شاید انہیں رحلت فرمائے دو تین گھنٹے سے زائد وقت نہیں گزرا۔ سب سے عجیب بات یہ تھی کہ ان دونوں کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ان میں اتنی پر اسرار چمک تھی کہ بہتوں نے چاہا کہ ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھیں لیکن ان کی نظریں اس چمک کے سامنے ٹھہرتی ہی نہ تھیں اور ٹھہر بھی کیسے سکتی تھیں؟ وہ اپنے عالم برزخ میں تھے۔ بڑے بڑے ڈاکٹر یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ ایک جرمن ماہر چشم جو بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا۔ اس تمام کاروائی میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا۔

اس نے یہ منظر دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا، وہ اس سے کچھ اتنا بے اختیار ہوا کہ ابھی نعش ہائے مبارک تابوتوں میں ہی رکھی گئی تھیں کہ آگے بڑھ کر مفتی اعظم عراق کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا، آپ کے مذہب اسلام کی حقانیت اور ان صحابہؓ کی بزرگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟ لایئے حضرت مفتی اعظم! ہاتھ بڑھایئے۔ میں مسلمان ہوتا ہوں۔ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ!

اس موقع پر ایک جرمن فلم ساز کمپنی نے کمال کیا، کمال کیا بلکہ وہ دور دراز سے آئے ہوئے مشتاقان دید پر احسان کیا کہ اس نے شاہ عراق کی منظوری سے اپنے خرچ پر صین مزارات کے اوپر دو سوفٹ بلند فولاد کے چار کھموں پر کوئی تیس فٹ لمبا اور بیس فٹ چوڑا ٹیلی ویژن کا سکرین لگا دیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ کھموں کے چاروں طرف بھی چھت سے ملحق چار سکرین لگا دیئے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہر کوئی اپنی جگہ کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر مزارات کے کھلنے کے وقت سے لے کر آخر وقت تک تمام کاروائی دیکھتا رہا۔ زیارت کے جوش میں کوئی ریل پیل نہیں ہوئی۔ اور اس طرح ہزاروں لوگ اس ہڑبونگ میں پس کر مرنے سے بچ گئے۔ مردوں عورتوں اور بچوں نے نہایت اطمینان سے پوری کاروائی دیکھی۔

دوسرے دن بغداد کے سینماؤں میں اس واقعہ کے فلم دکھائے گئے۔ اس واقعہ کے فوراً بعد بغداد میں کھلبلی مچ گئی اور بے شمار یہودی اور نصرانی خاندان بلا کسی جبر کے اپنے جہل و گمراہی پر افسردہ، اپنے گناہوں پر نادم، ترساں و لرزاں جوق در جوق مسجدوں میں قبول اسلام کے لئے آتے تھے اور مطمئن شاداں و فرحاں واپس جاتے تھے۔ اس موقع پر مشرف بہ اسلام ہونے والوں کی تعداد اتنی تھی کہ اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔

یہ ''چشم دید واقعہ'' کسی کتاب میں لکھا ہوا اگلے زمانے کا تاریخی واقعہ نہیں ہے یہ ہمارے ہی زمانے کا آنکھوں دیکھا حال ہے۔ اس کو زیادہ عرصہ بھی نہیں گزرا۔ ۱۹۳۲ء میں اس معجزہ کا ظہور ہوا ہے۔ اس کو ہر مذہب و ملت اور کئی ممالک کے اشخاص نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اس کی دنیا کے اخباروں نے جلی عنوانات سے تشہیر کی ہے اور اس کے ہر جگہ چرچے رہے ہیں۔ یہ مزارات گمنام افراد کے بھی نہ تھے یہ نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ ﷺ کے دو مشہور و معروف صحابہؓ کے مزار تھے جن کو پہلے بھی لوگ جانتے اور مانتے تھے اور جو اب بھی مرجع خلائق بنے ہوئے ہیں۔ (منقول از ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی اشاعت اگست ۱۹۶۴ء)

ہر شخص ٹھنڈے دل سے غور کرے کیا علم و عقل قیاس اور سائنس کے پاس اس کا کوئی جواب ہے؟ کیا کوئی صاحب عقل و ہوش جس کے دل میں ذرا سی بھی شائبہ حق و انصاف ہو اس سے انکار کر سکتا ہے کہ ان اصحاب رسول کو یہ حیات برزخی جس نسبت سے حاصل ہوئی وہ مکین گنبد خضری بھی اسی جسد اطہر سے حیات برزخی رکھتے ہیں۔ یہاں مزارات سے کون سی قبریں مراد ہیں؟ یہی وہ جو یہاں محسوس و مشاہد ہیں یا یہ کہیں عالم غیب میں تھیں اور اللہ رب العزت نے ان اصحاب رسول ﷺ کی قبروں اور ان کے اجساد مدفونہ کو جو عزت اور کرامت بخشی کیا وہ انہی گڑھوں سے متعلق نہ تھی جو یہاں زمین میں کھودے گئے اور انہی میں یہ اجساد کریمہ اس شان سے سالم اور محفوظ رہے۔ ان میں آثار حیات اگر ہمیں محسوس نہ ہوں تو آیت قرآنی لاتشعرون کے تحت ہمیں اس پر ایمان لانے میں کون سی چیز مانع ہے؟ فاعتبروا یااولی الابصار!

دنیا نے جن صحابہؓ کی حیات برزخی کا یہ مشاہدہ کیا وہ حضرت حذیفہؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ تھے۔ یہ

حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے ساتھیوں میں اور ان کی خلافت تسلیم کرنے والوں میں سے تھے ان کی حیات اگر ایک طرف اسلام کا اعجاز ہے تو دوسری طرف حضرت ابوبکر و عمرؓ کی خلافتوں کے برحق ہونے کا آسمانی نشان بھی ہے۔ جو لوگ صحابہؓ پر برستے ہیں اور انہیں ان کی خلافتوں میں صادق اور امین نہیں جانتے وہ اپنے ان ابدان کی زندگی سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیئے جاتے ہیں اور انہیں ان کے ان کے مثالی اجساد میں رکھا جاتا ہے اور ان کا حشر بھی ان کی انہی مثالی صورتوں میں ہوگا۔

اصول فقہ کی مشہور کتاب "مسلم الثبوت" کی شرح "فواتح الرحموت" جو قم سے شائع ہوئی ہے میں ہے:

"انهم بمثل هذه الاقاويل خرجوا عن ربقة الاسلام ولذا راهم بعض اهل رضوان الله تعالىٰ عليهم اجمعين على صورة الخنازير كما هو مشروح في الفتوحات المكية للشيخ الاكبر وارث رسول الله ﷺ بل حكم بعض اهل الله تعالىٰ رضوان الله عليهم انهم يحشرون على صورة الخنازير"

(فواتح الرحموت بذیل المستصفی من علوم الاصول ج ۲ ص ۷ ۹ طبع منشورات الرضی بیدقم)

حاصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر و عمرؓ اور ان کے ساتھیوں پر زبان درازی کرنے والے اور انہیں حق پر تسلیم نہ کرنے والے آخرت میں خنزیروں کی صورت میں اٹھائے جائیں گے۔

حیات انبیاء علیہم السلام کی ایک جھلک

جب صور پھونکا جائے اور حشر کی گھڑی آ پہنچے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ... اَمَّا بَعْدُ!

جب قیامت کا بگل بجے گا اور صور پھونکا جائے گا کل روئے زمین اللہ تعالیٰ کی ایک مٹھی میں ہوگی اور ساتوں آسمان کاغذ کی طرح اس کے ایک ہاتھ میں ہوں گے اور اس کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں اور اس کی مثال نہیں دی جا سکتی۔

اس دن جب سب مردے قبروں سے اٹھیں گے انبیاء کرام کا احیاء ہوگا یا ان کا طویل بے ہوشی سے افاقہ ہوگا بصورت ثانی وہ پہلے سے زندہ سمجھے جائیں گے جواب اس لمحہ ثانیہ سے ہوش میں آ گئے۔ اس بات کی تحقیق کے لئے ہمیں قیامت کی خبروں میں لفظ افاقہ کی تلاش ہوگی۔

یہ گھڑی جس کے واقع ہونے کا وقت اللہ ہی کو معلوم ہے کیسے قائم ہوگی۔ قرآن کریم میں اس کی اس طرح خبر دی گئی ہے۔

"وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔" (پ ۲۴، الزمر ۶۸، ۶۹)

ترجمہ: اور پھونکا جائے گا صور پھر بے ہوش ہو جائے جو کوئی آسمانوں میں ہے اور زمین میں مگر جس کو اللہ چاہے پھر پھونکا جائے گا دوسری بار تو وہ سب اٹھ کھڑے ہوں گے دیکھتے ہر طرف۔ اور زمین اپنے رب کے نور سے

جگمگا اٹھے گی اور لایا جائے گا نبیوں کو اور شہیدوں کو اور فیصلہ ہوگا لوگوں میں انصاف سے اور ان پر ظلم نہ ہوگا اور ہر جی کو جو اس نے کیا پورا ملے گا اور وہ خوب جاننے والا ہے جو یہ کرتے رہے۔

علماء محققین کے نزدیک کل دو دفعہ نفخ صور ہوگا پہلے مرتبہ میں سب کے ہوش اڑ جائیں گے پھر زندے تو مردے ہو جائیں گے اور جو مر چکے تھے ان کی ارواح پر بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی بعد میں دوسرا نفخہ ہوگا جس سے مردوں کی ارواح ابدان کی طرف واپس آ جائیں گی اور بے ہوشوں کو افاقہ ہوگا۔

اس وقت محشر کے عجیب و غریب منظر کو حیرت زدہ ہو کر تکتے رہیں گے پھر خداوند قدوس کی پیشی میں تیزی سے حاضر کئے جائیں گے۔ اس وقت حق تعالیٰ کی تجلی اور نور پر کیف سے محشر کی زمین چمک اٹھے گی حساب کا دفتر کھلے گا اور اعمال نامے سامنے رکھ دیئے جائیں گے۔ (تفسیر عثمانی ص ۶۰۴)

عربی میں "صعق" کا لفظ غشی اور موت دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے: "صعق الرجل اذا غشی علیہ و صعق الرجل اذا مات"

صور پھونکا جانے پر جو صعقہ ہوگا وہ موجود زندوں کے لئے پیغام موت ہوگا اور جو پہلے مر چکے ہیں اور بعد الوفات زندہ تھے ان کے لئے یہ صعقہ غشی کا ہوگا وہ یہ آواز سنتے ہی بے ہوش ہو جائیں گے۔

اب سارے اولین و آخرین موت کی آغوش میں ہیں جو پہلے مر چکے ہیں وہ تو برزخ میں تھے ہی، جواب مرے وہ بھی سب پہلوں کے ساتھ موت کے پردے میں ہیں۔ چار مقرب فرشتے یا حملۃ العرش پر شاید اس نفخہ کا اثر نہ ہو اور وہ الا من شاء اللہ کا استثناء پا لیں لیکن جو طبقہ قیامت قائم ہونے سے پہلے حیات بعد الوفات پا چکا اس پر اس صعقہ کا اثر بے ہوشی کا ہوگا نفخہ سنتے ہی بے ہوش ہو جائیں گے۔

پھر دوسرا صعقہ ہوگا اور سب لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ جو موت کی آغوش میں گئے تھے وہ سب زندہ ہو گئے اور جو بے ہوش ہوئے وہ ہوش میں آ جائیں گے۔ قبروں میں انبیاء کا مقام کیا ہے؟ مقام حیات ہو تو وہ بے ہوشی سے افاقہ میں آئیں گے۔ اموات ہوں تو زندہ کئے جائیں گے۔ مردوں پر تو وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ کا عمل ہوگا اور بے ہوشی والے تو پہلے ہی روح و بدن کے ساتھ ہیں۔ ہاں اس دن روح و بدن کامل صورت میں جمع ہوں گے۔

انبیاء کرام علیہم اس دن بے ہوشی سے اٹھیں گے وہ موت سے حیات میں نہیں بے ہوشی سے افاقہ میں آئیں گے۔ ان کا برزخ ختم ہو جائے گا اور آخرت شروع ہو جائے گی۔ اب ان کی زندگی پردے کی نہیں کھلی ہوگی اور وہ ایک دوسرے کے سامنے کھلی اور کامل حیات میں ہوں گے حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "لاتخیرونی علی موسیٰ فان الناس یصعقون فاکون اول من یفیق فاذا موسیٰ باطش بجانب العرش فلا ادری اکان فیمن صعق فافاق قبلی او کان ممن استثنی اللہ عزوجل" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۸۴)

ترجمہ: تم مجھے موسیٰ پر فضیلت نہ دو۔ لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں پہلا ہوں گا جسے بیہوشی سے افاقہ ہوگا تو میں کیا دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ بیہوش ہونے والوں میں سے تھے اور مجھ سے پہلے ہوش میں آ گئے یا (بیہوش ہی نہ ہوئے تھے) ان میں تھے جنہیں اللہ عزوجل نے اس آزمائش سے مستثنیٰ رکھا۔

یہ آپ کا بیہوشی سے افاقہ دوسرے نفخہ کے بعد ہوگا۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: "انی اول من یرفع راسہ بعد النفخۃ الاخیرۃ" (فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۹۶)

ترجمہ: میں پہلا شخص ہوں گا جو نفخہ ثانیہ کے بعد سر اٹھائے گا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ نفخہ اولی اور نفخہ ثانیہ کے مابین کچھ وقت ضرور ہوگا کتنا ہوگا۔ اس میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جا سکتی لیکن اتنی بات ہے ایک فاصلہ ضرور ہے اور اصل قیامت وہی ہے جو دوسرے نفخہ کے بعد قائم ہوگی قرآن کریم میں ہے: "ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ" (پ ۲۴ الزمر ع ۷ آیت ۶۸)

ترجمہ: پھر دوسری بار نفخہ صور ہوگا تو سب اٹھ کھڑے ہوں گے ایک دوسرے کو دیکھتے۔

یہ برزخ اور آخرت میں فرق ہے برزخ میں ایک دوسرے کو دیکھنا نہیں اور آخرت میں سب ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔

صحیح احادیث میں لفظ افاقہ کی تلاش تھی۔ انبیاء کرام علیہم کے لئے نفخہ ثانیہ پر لفظ افاق من قبلی اور اول من یفیق کے الفاظ صحیح بخاری سے مل گئے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ انبیاء کرام عالم برزخ میں اپنی قبروں میں زندہ ہیں اس عالم کے اعتبار سے وہاں ان کی نیند ایک بے ہوشی کی سی ہوگی جو نفخہ ثانیہ پر ختم ہو جائے گی اور اب سب ایک کھلی زندگی میں آجائیں گے۔

یہ دوسرے نفخہ پر آپ کا اٹھنا کہاں سے ہوگا؟ مدینہ منورہ کی قبر مبارک سے حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا: "فان الناس یصعقون یوم القیمة فاکون أول من تنشق عنه الارض فاذا انا بموسی آخذ بقائمة من قوائم العرش فلا ادری کان فیمن صعق ام حوسب بصعقة الاولی"

(صحیح بخاری ج ا ص ۳۲۵۔ وفی روایۃ ابن جوزی بصعقۃ الطور ج ا ص ۴۸۱)

ترجمہ: سو سب انسان (جو زمین پر زندہ ہوں گے) قیامت کے دن (صور پھونکا جانے سے) مرجائیں گے اس کے بعد میں پہلا ہوں گا جس سے قبر پھٹے گی (کھلے گی اور میں نکلوں گا) کیا دیکھوں گا کہ موسیٰ عرش کا پایہ پکڑے کھڑے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوشی میں آئے یا انہیں وہی بے ہوشی کافی ہوگئی جو انہیں پہلے (کوہ طور پر) پیش آچکی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ پہلا نفخہ اس وقت ہوگا جب انبیاء علیہم اپنی اپنی قبروں میں ہوں گے اور دنیا آباد ہوگی۔ پہلا نفخہ قیامت کا نفخہ ہوگا اور دنیا کے سب انسان مرجائیں گے۔

پھر جب دوسرا نفخہ ہوگا تو پہلے مرے ہوئے لوگ جو اپنی قبروں میں یا ذرات منتشرہ میں ہوں گے سب زندہ ہو جائیں گے اور جو پہلے نفخہ سے مرے تھے اور ان کے دفن ہونے کی نوبت نہ آئی تھی وہ پھر زندہ ہو جائیں گے اور اولین و آخرین سب کا حشر ہوگا۔

حافظ ابن کثیر دمشقیؒ لکھتے ہیں:

ترجمہ: "نفخہ اولی وہ ہے جس سے زمین و آسمان میں زندہ نفوس سب مرجائیں گے مگر جن کو اللہ چاہے۔ اور دوسرے نفخہ سے سب مرے ہوئے زندہ ہو جائیں گے اور قیامت کے ہولناک مناظر کا سامنا کریں گے۔"

(تفسیر ابن کثیر ج ص فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۹۸)

رہا انبیاء کرام علیہم کا معاملہ وہ پہلے نفخہ سے بے ہوش ہو جائیں گے اور دوسرے نفخہ سے ان کی بے ہوشی جاتی رہے گی اور وہ اپنی قبروں سے نکلیں گے سب سے پہلے حضور ﷺ کی قبر کھلے گی اور آپ ہوش میں آئیں گے

اچانک عرش پر نظر پڑے گی تو موسیٰ علیہ السلام عرش کا پایہ پکڑے نظر آئیں گے معلوم ہوتا ہے وہ پہلے نفخہ پر قبر میں بے ہوش ہی نہ ہوئے ہوں گے۔

یہ صورت حال کیا بتا رہی ہے؟ اوروں کا موت سے حیات میں آنا اور انبیاء علیہم السلام کا بے ہوشی سے افاقہ میں آنا اور ان کی قبروں کا کھلنا اور پھر کل نبی نوع انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو جانا۔

نفخہ اولیٰ اور ثانیہ کے مابین کتنا وقت ہوگا؟ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور بات آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے شروع کی۔۔۔ آپ فرماتے ہیں: ''یخرج الدجال فی امتی فیلبث فیهم اربعین فیبعث الله عز و جل عیسی ابن مریم۔۔۔ فیظهر فیهلکه ثم یلبث الناس بعده سنین سبعا لیس بین الاثنین عداوة ثم یرسل الله ریحا باردة من قبل الشام فلا یبقی احد فی قلبه مثقال ذرة من ایمان الا قبضته ویبقی شرار الناس فی خفة طیر واحلام السباع وهم فی ذلک دارة ارزاقهم حسن عیشهم ثم ینفخ فی الصور فلا یسمعه احد الا أصغی له''

(مسند الامام احمد ج ۹، ص ۲۰۲، حدیث ۶۵۵۵۔ الفتح الربانی ترتیب مسند الامام احمد بن حنبل الشیبانی ج ۲۴ ص ۸۶)

میری امت میں دجال نکلے گا اور چالیس سال تک رہے گا، پھر اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجے گا آپ دجال کو قتل کریں گے پھر شام کو طرف سے ایک ٹھنڈی ہوا آئے گی اور جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان ہوگا وہ اس کے جھونکے سے مر جائے گا صرف اہل شر رہ جائیں گے طیور کی طرح۔ ان میں توہم، نفور اور اضطراب ہوگا۔ فسق و فجور کے دلدادہ اور فساد پر آمادہ ہوں گے۔ خیالات ان کے برے ہوں گے اور حالات بے وقار ہوں گے۔ عقلیں ناقص ہوں گی اور علم و حلم سے خالی ہوں گے۔ قلت رحم، اہلاک، اتلاف، غصب اور وحشت ان کی زندگی ہوگی۔ نہ نیکی کو نیکی جانیں گی نہ برائی کو برائی مانیں گے۔ شیطان کے اکسانے اور ترغیب پر وہ شرک کریں گے، رزق انکا وسیع ہوگا۔ صاحب مال اور صاحب حیثیت ہوں گے۔ ایسے وقت اور ایسے حالات میں صور پھونکا جائے گا۔

''ثم یرسل الله مطرا کانه الطل فتنبت منه اجساد الناس ثم ینفخ فیه اخری فاذا هم قیام ینظرون قال ثم یقال یا ایها الناس هلموا الی ربکم وقفوهم انهم مسئولون''

پہلے نفخہ کی جس کے کان میں آواز پڑے گی وہ مر جائے گا، کوئی زندہ باقی نہ رہے گا، سب مر جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ شبنم کی طرح بارش برسائے گا جس سے اجسام اگ آئیں گے[1] پھر دوسرا نفخہ ہوگا اور سب اٹھ کھڑے ہوں گے اس وقت سب ننگے ہوں گے اور کہا جائے گا چلو اب اپنے رب کی طرف چلو۔ او کما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم!

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نفخہ اولیٰ اور نفخہ ثانیہ کے درمیان کچھ وقت ضرور ہوگا۔ اصل قیامت وہی ہے جو دوسرے نفخہ پر قائم ہوگی۔

قرآن کریم کہتا ہے: ''ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنظُرُونَ'' (پ ۲۴، الزمر ۶۸)

ترجمہ: پھر دوسری بار نفخہ صور ہوگا تو وہ سب کھڑے ہو جائیں گے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔

اس صورت حال میں انبیاء کرام علیہم السلام کا اپنی قبروں سے آنا بے ہوشی سے افاقے کی صورت میں ہوگا، موت سے حیات کی صورت میں نہ ہوگا۔ جس سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں پہلے سے زندہ ہیں جو نفخہ

---

[1] قبروں کے اندر انسانی ڈھانچوں کے ریزے سب یکجا ہونے لگیں گے بدن پھر سے بن جائیں گے۔

اولی سے صرف بے ہوشی میں جائیں گے اور دوسرے نفخہ سے وہ ہوش میں آجائیں گے اور ان کی قبریں کھل جائیں گی۔ امام نوویؒ (۶۷۰ھ) فرماتے ہیں: "وھذا من اشکل الاحادیث لان موسیٰ قد مات فکیف تدرکہ الصعقۃ انما تصعق الاحیاء" (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۸)

ترجمہ: یہ مشکل ترین احادیث میں سے ہے موسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو چکے ہوئے ہیں۔ صور پھونکا جانا ان پر کیا اثر کرے گا (وہ تو پہلے سے فوت شدہ ہیں) صور پھونکا جانے سے تو جو زندہ ہیں وہ مریں گے (نہ کہ وہ جو پہلے سے برزخ میں حیات پائے ہوئے ہیں)

پھر آگے چل کر آپ قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) سے اس کا حل پیش کرتے ہیں: "قال القاضی فیحتمل ان ھذہ الصعقۃ صعقۃ فزع بعد البعث حین تنشق السموات والارض فتنتظم حینئذ الآیات والاحادیث و یؤید قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فافاق لانہ انما یقال افاق من الغشی واما الموت فیقال بعث منہ و صعقۃ الطور لم یکن موتا واما قولہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا ادری افاق قبلی فیحتمل انہ صلی اللہ علیہ وسلم قالہ قبل ان یعلم انہ اول من تنشق عنہ الارض ان کان ھذا اللفظ علی ظاھرہ وان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم اول شخص تنشق عنہ الارض علی الاطلاق" (شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۶۸)

ترجمہ: ہوسکتا ہے صعقہ سے مراد جب آسمان اور زمین پھٹ چکے ہوں گے صعقہ فزع مراد ہو۔ اس سے تمام آیات اور احادیث میں تطبیق ہو جاتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی اس کی تائید کرتا ہے جب آپ نے کہا کہ موسیٰ افاقہ میں آئے، تو یہ اسے ہی کہا جاتا ہے جو بے ہوشی سے ہوش میں آئے، موت سے جو اٹھایا جائے اسے بعث کہتے ہیں طور کی بے ہوشی موت نہ تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا کہ میں نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آئے، ہوسکتا ہے یہ اس سے پہلے کی بات ہو جب آپ کو علم دیا گیا کہ سب سے پہلے آپ کی قبر کھلے گی۔

یہاں یہ بات معلوم رہے کہ نفخہ اولی جس سے ہر ایک زندہ (باستثناء من شاء منہ) مر جائے گا اس وقت انبیاء کرام کس حال میں ہوں گے؟ وہ اس وقت نہ مریں گے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: "ان الذین یصعقون ھم الاحیاء واما الموتی فھم فی الاستثناء فی قولہ تعالیٰ الا من شآء اللہ ولا یعارض ما ورد فی ھذا الحدیث ان موسی ممن استثنی اللہ لان الانبیاء احیاء عند اللہ وان کانوا فی صورۃ الاموات بالنسبۃ الی اھل الدنیا وقد ثبت ذلک للشھداء ولا شک ان الانبیاء اعلی رتبۃ من الشھداء وورد التصریح بان الشھداء ممن استثنی اللہ"

(فتح الباری ج ۱۳ ص ۱۹۶)

ترجمہ: جو لوگ زندہ ہیں پہلے صعقہ میں مریں گے اور جو پہلے سے مرے ہیں وہ الا من شاء اللہ کے استثناء میں داخل ہیں اور یہ بات اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں موسیٰ ان میں شمار ہیں جو مستثنیٰ کئے گئے کیونکہ انبیاء سب اللہ کے ہاں زندہ ہیں اگرچہ وہ اہل دنیا کی نسبت سے اموات کی صورت میں ہیں۔ اور یہ مرتبہ شہداء کو حاصل ہے اور انبیاء تو بلاشک شہداء سے کئی درجہ اعلیٰ ہیں اور ان کے مستثنیٰ ہونے کی تصریح موجود ہے۔

انبیاء علیہم السلام الا من شاء اللہ کے استثناء میں داخل ہیں جیسے کہ پہلے سے فوت شدہ لوگ اس استثناء میں شامل تھے۔ سو نفخہ اولی میں موت صرف زندوں کے لئے ہے اور جو پہلے سے مردہ ہیں وہ اس صعقہ الموت میں نہیں آئیں گے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ کے ہاں زندہ ہیں گو عام اہل دنیا کے مقابل وہ اموات کی صورت میں

ہیں۔تاہم (حقیقۃ وہ اموات میں نہیں ہیں) جب شہداء کے لئے اس صعقہ سے استثناء موجود ہے تو انبیاء تو اس سے بھی اوپر کے درجے میں ہیں۔

انبیاء کرام علیہم صعقہ اولی سے مستثنیٰ ہیں اور وہ نحہ ثانیہ میں اٹھیں گے۔اس وقت ان پر اس صعقہ سے ایک گھبراہٹ کی صورت پیدا ہوگی۔یہ صعقہ ان کے لئے صعقہ فزع ہے جس سے سب سے پہلے آپ کو افاقہ ہوگا۔جو مردہ ہیں وہ اس صعقہ ثانیہ سے زندہ ہو جائیں گے انبیاء علیہم جو پہلے اپنی قبور میں زندہ رہے ان کی قبریں کھلیں گی اور وہ اس صعقہ سے گھبراہٹ میں ہوں گے۔پھر سب انسان زندہ ہوں گے اور انبیاء کرام بھی افاقہ میں آجائیں گے اور پھر سب خدا کی طرف چل دیں گے۔

حیات انبیاء کی یہ ایک مکمل جھلک آپ کے سامنے ہے اور یہ اس حدیث کے عین مطابق جس میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔اور وہ وہاں معروف طاعات بھی ہیں اس حدیث کی پوری بحث انشاءاللہ آگے آئے گی۔

قرآن کریم اور عقیدہ حیات النبی ﷺ

قرآن کریم کا یہ کھلا عنوان آپ کے سامنے ہے کہ شہداء اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں تم انہیں مردہ نہ کہو علماء کرام نے اس حیات شہداء سے بدلالۃ النص حیات انبیاء بھی ثابت کی ہے۔ہمارے مخالفین کو بھی اس کا اقرار ہے پھر معلوم نہیں وہ کون سا داعیہ ہے جو عقیدہ حیات انبیاء کے انکار کے لئے نہیں قرآن کے گرد لے آیا ہے۔ حالانکہ قرآن میں اس مسئلہ کی کہیں صراحت نہیں ہے پھر ان نادانوں کا بار بار کہنا کہ اس عقیدے کے اثبات میں کتاب اللہ پیش کرو اگر خود اپنے اکابر سے بغاوت نہیں تو اور کیا ہے قاضی شمس الدین صاحب لکھتے ہیں: ''قرآن کریم میں اس مسئلہ کی صراحت کہیں بھی نہیں ہاں شہداء کے حق میں ارشاد ہے: ''بل ھم احیاء[1] ولکن لاتشعرون'' اس سے بطور دلالۃ النص سمجھ میں آتا ہے کہ انبیاء علیہم جن کا درجہ شہداء سے بھی بہت بڑا ہے وہ بعد الوفاۃ زندہ ہیں اور اس طرح علماء کرام نے زادہم اللہ شرفا یہ مسئلہ قرآن کریم سے نکالا۔دلالۃ النص اسے کہتے ہیں کہ ایک چیز مذکور ہو اور دوسری اس سے بطور اولی سمجھ میں آئے۔اس دور میں (پہلے دور میں) اس کے ساتھ اتنا ایمان لانا کافی تھا کہ یہ حضرات زندہ ہیں جس زندگی کا ہمیں شعور نہیں اور بس۔'' (مسالک العلماء ص ۲۹)

قاضی صاحب کی بس یہاں آکر رکی ہے کاش کہ ان کے نوجوان ساتھی بھی اپنی بس یہیں پر روک دیتے اور بات آگے نہ بڑھتی مگر افسوس کہ انہوں نے مجتہد بن کر قرآن کریم سے نئے سرے سے استنباط کرنا شروع کر دیا اپنے مقلد ہونے کو بھول گئے اور دعوی کر دیا کہ انبیاء کرام کی بعد الوفاۃ زندگی کی نفی قرآن کریم میں صراحت سے موجود ہے (استغفر اللہ العظیم) قرآن کریم پر یہ مشق ظلم اس دور کی علمی بے راہروی کی انتہا ہے۔

قاضی شمس الدین صاحب نے اپنی اس مذکورہ عبارت میں پانچ باتوں کا کھلا اقرار ہے:

۱...... حیات النبی ایمانیات میں سے ہے۔

۲...... قرآن میں اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں ہے۔

[1] معلوم نہیں قاضی صاحب نے بل ھم احیاء کے الفاظ قرآن میں کہاں دیکھے ہیں۔

۳...... جس طرح شہداء بعد الوفات زندہ ہیں انبیاء کرام بعد الوفات بطریق اولی زندہ ہیں۔
۴...... جس طرح علماء حیات النبی کے قائل ہوئے ان کے لئے ذادھم شرفا کی دعا ہے۔
۵...... جن علماء نے قرآن سے مسئلہ حیات النبی نکالا اس دور میں ان کی کسی نے مخالفت نہ کی تھی۔

ہمیں ان نادانوں سے شکوہ نہیں جو اس مسئلہ میں بار بار قرآنی آیات کا مطالبہ کرتے ہیں اور وہ قاضی صاحب کی اس بات کو غلط کہتے ہیں کہ قرآن کریم میں اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں۔ ہم یہاں یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ان کا قاضی صاحب کو غلط کہنا خود غلط ہے۔

ہاں یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ قرآن کریم میں حیات انبیاء کے کئی اقتضاء موجود ہیں:

۱...... "وَسْئَلْ مَنْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُّسُلِنَا" (پ ۲۵ الزخرف آیت ۴۵)

۲...... "وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهٖ" (پ ۲۱ الم سجدہ آیت ۲۳)

قرآن کریم میں اگر بقول قاضی صاحب اس مسئلے کی کہیں صراحت نہیں تو اس صورت میں احادیث صریحہ کیا اس مسئلے کا فیصلہ نہ کرسکیں گی؟ صحابہؓ کا اس صورت میں علمی پیمانہ کیا تھا؟ وہ مسائل کس ترتیب سے حل کرتے تھے؟

کاش ہمارے نادان دوست اس مسئلے کو سمجھے ہوتے۔

پھر اتنی ہی بات نہیں آنحضرت ﷺ بوجہ شہادت حیات شہداء کے عنوان سے بھی زندہ ہیں اور یہ تو قرآن کی عبارۃ النص ہے کہ شہداء زندہ ہیں جس کا منکر مسلمان نہیں رہ سکتا۔

اب آیئے دیکھیں آنحضرت ﷺ نے کیسے شہادت پائی؟ ۷ھ میں خیبر کے دن ایک یہودیہ نے آپ کو زہر دیا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت اس کے اثر کو روک لیا۔ روکنے میں یہ حکمت تھی کہ اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ سے وعدہ تھا کہ آپ حق بات کہتے رہیں، میں آپ کو لوگوں سے بچاؤں گا۔ وہ تبلیغ رسالت کو روکنے میں کامیاب نہ ہوسکیں گے۔ اللہ کے رسول غالب آکر رہتے ہیں۔ ارادہ خداوندی ہوا کہ اس وعدے کا خلاف نہ ہو۔ اس زہر کا اثر روک لیا گیا جب آپ جملہ فرائض ادا کر چکے اس زہر کا اثر عود کرنے لگا۔

یہ اسی طرح ہے کہ جب غار ثور میں سانپ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ایڑی کو ڈسا تو اللہ تعالیٰ نے اس زہر کو اثر کرنے سے روک دیا گیا حضور ﷺ آپ کو اللہ کی طرف سے اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کا وعدہ حفاظت دے چکے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اس زہر کے اثر سے محفوظ رہے اور جب تک حضور ﷺ کی معیت رہی سانپ کے زہر کا اثر رہا۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد پھر اس زہر نے اثر دکھانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ آپ اسی تکلیف سے حیات شہداء کے ایوان میں داخل ہو گئے۔

علامہ شعبی (۱۰۳ھ) قسم کھا کر کہتے ہیں حضرت ابوبکرؓ سانپ کے زہر سے اور حضرت عمرؓ قتل سے شہید ہوئے۔ (دیکھئے مستدرک ج ۳ ص ۵۹)

آنحضرت کا مرتبہ شہادت

فتح خیبر کے بعد آپ چند دن وہاں ٹھہرے ایک یہودی عورت زینب بنت حارث نے ایک بھنی ہوئی بکری جس میں اس نے زہر ملایا تھا آپ کی خدمت میں پیش کی آپ نے چکھتے ہی اپنا ہاتھ روک لیا اور فرمایا اس بکری میں

زہر ملا ہوا ہے اس وقت تو آپ اس کے اثر سے محفوظ رہے لیکن آخر میں یہ اثر پھر عود کر آیا۔ آپ مرض الوفات میں فرماتے تھے یہ اسی کا زہر ہے جو میں نے خیبر میں کھایا تھا۔ (سیرت مصطفےٰ ج ۳ ص ۱۹۳، فتح الباری ج ۷ ص ۳۸۰) سو آپ کا مرتبۂ شہادت برحق ہے۔

ایک اہم سوال

ایک اہم سوال یہ ہے کہ اگر آج بھی کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ ابدان جن پر کفار قتل وارد کرنے کے مدعی ہوئے زندہ ہیں اور ان کی یہ جسمانی زندگی ہمارے شعور سے بالا ہے اور وہ اسے پرندوں کی سی زندگی نہیں کہتا صرف روح کا تجسد سبز پرندوں یا سفید پرندوں کی صورت میں مانتا ہے اور کافروں کی روح کا تجسد سیاہ پرندوں میں تسلیم کرتا ہے وہ کس درجے کا مجرم ہے؟ کیا اس متفقہ عقیدہ سے نکل گیا جس کے بارے میں اوپر کہا گیا ہے کہ "حیاۃ انبیاء میں نزاع نہیں" وہ تو بالاتفاق ثابت ہے۔

اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ انبیاء اور شہداء حالا اموات ہیں احیاء نہیں قرآن کی آیۃ: أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ انہی کے متعلق ہے۔ وہ موت کا پل عبور کرنے کے بعد اب زندہ نہیں تو کیا وہ اوپر کے بیان کردہ عقیدہ حیات النبی کا قائل سمجھا جاسکے گا۔

ہم ان دونوں سوالوں کا جواب نہیں دینا چاہتے کیونکہ ہمارے کرم فرما اس پر بس کر چکے ہیں۔ ہم بات کو کیوں آگے بڑھائیں، ان کی بس یہاں رکی ہے۔

اتنا ایمان لانا کافی تھا کہ یہ حضرات زندہ ہیں جس زندگی کا ہمیں شعور نہیں اور بس۔ (مسالک العلماء ص ۲۹)

قاضی شمس الدین صاحب ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: "عزیزان من! حیاۃ الانبیاء علیہم السلام میں نزاع نہیں وہ تو بالاتفاق ثابت ہے۔"

ہم اس کے جواب میں اس کے سوا کیا کہہ کہتے ہیں کہ: بزرگان من! جب حیاۃ النبی میں کوئی نزاع نہیں یہ مسئلہ اہل سنت میں بالاتفاق طے شدہ ہے تو جنہوں نے اسے اختلافی بنا دیا آپ نے ان کے خلاف بھی کبھی کچھ کہا یا لکھا ہے؟ کم از کم اتنا ہی ہمیں بتادیں کہ اتفاق میں جو شخص اختلاف پیدا کرے اس کا حکم کیا ہے؟

آپ نے عقیدہ حیاۃ النبی ﷺ کا اقرار جن واشگاف لفظوں میں کیا ہے اسے پھر دیکھیں اور اس کے کھلے منکرین کا بھی کچھ علاج سوچیں یہ نہ کہیں کہ کچھ مرض لاجواب بھی ہوتے ہیں۔

مسئلہ حیات النبی ﷺ کا تعارف

آنحضرت ﷺ بوجہ شہادت فی سبیل اللہ قرآن کی عبارت النص کی رو سے زندہ ہیں اور بطور نبی اور رسول آپ قرآن کی دلالۃ النص سے زندہ ہیں۔ قاضی شمس الدین صاحب کا یہ کہنا کہ حیات الانبیاء میں نزاع نہیں انبیاء بالاتفاق زندہ ہیں یہ صحیح ہے لیکن امت کے پہلے چودہ سو سال میں اور یہ آج کل کی نزاع اجماع کو نہیں توڑ سکتی۔

جب ہمارا اور ہمارے دوستوں کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم میں یہ مسئلہ صراحت سے کہیں مذکور نہیں اسے قرآن کریم کی دلالۃ النص سے ثابت کرنے کے بعد اگر ہم ان احادیث صریحہ کو دیکھ پائیں جن میں انبیاء علیہم السلام کو

اسی طرح احیاء کہا گیا ہے جس طرح قرآن کریم نے شہداء کو احیاء کہا ہے۔ تو کیا مسلمان کا جذبہ ان احادیث کی تضعیف ہونی چاہئے یا ان احادیث سے قرآن کی تائید بھی چاہئے۔ اس کا ایک ہی جواب ہے، دو جواب کبھی نہ ہو سکیں گے۔

حیات بعد الوفات لسید الکائنات

الباب الاوّل وفیه خمسة فصول

"حدثنا هارون بن عبد الله اخبرنا حسين بن علي عن عبد الرحمٰن[1] بن يزيد بن جابر عن ابي الا شعث الصنعاني عن اوس بن اوس قال قال رسول الله ﷺ ان من افضل ايامكم يوم الجمعة فيه خلق ادم وفيه قبض وفيه النفخة وفيه الصعقة فاكثروا علي من الصلوة فيه فان صلوتكم معروضة علي قال قالوا يا رسول الله وكيف تعرض صلوتنا عليك وقد ارمت (قال يقولون) بليت فقال ان الله عز وجل حرم على الارض اجساد الانبياء" (سنن ابی داؤد ج ا، ص ۱۵۰، ص ۲۱۴۔ سنن نسائی ۱۵۴۔ سنن ابن ماجہ ص ۷۷، ص ۱۱۹۔ سنن داری ص ۱۹۵۔ مستدرک حاکم ج ا ص ۲۷۸، ج ۴ ص ۵۶۰۔ مسند امام احمد ج ۳، ص ۱۶۔ سنن کبریٰ بیہقی ج ۳ ص ۲۴۸۔ والطبرانی کمافی نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۰، ص ۲۱۱ واحمد کمافی التفسیر لابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴ وابن خزیمۃ وابن حبان وسعید بن منصور فی سننہ وابن ابی شیبۃ فی مصنفہ کمافی شرح العلامۃ السیوطی ص ۸ مصر۔ دلائل النبوت لابی نعیم ص ۴۹۶ مصر)

ترجمہ: حضرت اوس بن اوسؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: تمام دنوں میں سے افضل جمعہ کا دن ہے، اسی دن آدم کی تخلیق ہوئی، اسی دن ان کی روح قبض ہوئی، اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن قیامت کے بے ہوشی ہوگی۔ پس جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا درود بے شک مجھ پر پیش کیا جاتا ہے صحابہؓ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! جب آپ قبر میں گل چکے ہوں گے تو اس وقت ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے۔

ا...... صحابہ کرامؓ کا یہ سوال کہ بعد الوفات ہمارا درود آپ ﷺ پر کیسے پیش کیا جائے گا دراصل آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے پیدا ہوا تھا:

"فان صلوتكم معروضة علی"

ترجمہ: بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت ﷺ جس وقت یہ ارشاد فرما رہے تھے اس زندگی میں آپ پر صلوٰۃ وسلام بلا ریب روح مع الجسد پر پیش ہوتا تھا۔ اس حیات میں یہ تصور بھی نہیں کہ روح اور جسم کبھی ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوا کہ بعد الوفات یہ عرض صلوٰۃ وسلام صرف روح مجرد پر ہوگا یا بدستور روح مع الجسد ہی پر پیش ہوتا رہے گا۔ آنحضرت کا ارشاد فان صلوتکم معروضۃ علی یہاں جملہ اسمیہ میں ہے۔ صحابہؓ نے جب اس استمرار پر متعجب ہو کر قبل الوفات اور بعد الوفات میں فرق معلوم کرنا چاہا تو آپ نے ہر دو میں فرق کرنے کی بجائے ایک

[1] قال ابن حبان فی صحیحہ حدثنا ابن خزیمۃ حدثنا ابو کریب حدثنا حسین بن علی حدثنا عبد الرحمن بن یزید بن جابر فصرح بالسماع منه (جلاء الافہام للحافظ ابن القیم ص ۲۶ طبع امرتسر)

اصولی بات بتا دی کہ پیغمبروں کی وفات کے بعد وہ حالت نہیں ہوتی جو عام دوسرے انسانوں کی ہوتی ہے۔
آپ ﷺ نے جو کچھ فرمایا، وہ اسی کا جواب تھا، ارشاد ہوا: "زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے"
گویا آپ نے قبل الوفات اور بعد الوفات کے عرض صلوۃ وسلام کو برابر رکھا۔ اب ظاہر ہے کہ قبل الوفات یہ عرض صلوۃ وسلام روح مع الجسد پر پورے شعور سے ہوتا تھا۔ پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ بعد الوفات بھی یہ عرض صلوۃ وسلام روح مع الجسد پر پورے ادراک وشعور سے ہو رہا ہے، ورنہ بنائے سوال اور جواب میں کوئی تطابق نہیں رہتا۔

۲...... آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد کہ "زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے" صرف ارمت (آپ ﷺ مٹی میں گھل چکے ہوں گے) کے مقابلہ میں نہیں، بلکہ کیف تعرض صلوتنا علیک کے جواب میں ہے یعنی ارشاد نبوت صرف یہ نہیں کہ انبیائے کرام کے اجساد مطہرہ مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے۔ بلکہ آپ کا منشاء یہ ہے کہ انبیائے کرام کے اجساد مطہرہ اس طرح محفوظ ہوتے ہیں کہ ان پر صلوۃ وسلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے کہ اصل سوال یہ تھا: "کیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت"

ترجمہ: ہمارا درود آپ ﷺ پر کیسے پیش کیا جائے گا جب کہ آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے۔

ظاہر ہے کہ یہاں جواب میں یہ مراد ہرگز نہیں کہ اجساد مطہرہ صرف اس طرح محفوظ ہیں کہ اپنی اپنی قبور میں محض بے حس وشعور پڑے ہیں۔ بلکہ منشائے رسالت میں ایسی محفوظیت مراد ہے کہ ان پر صلوۃ وسلام پیش ہو سکے۔ اگر اجساد محفوظ پر صلوۃ وسلام پیش نہ ہوتا ہو اور انہیں اس صلوۃ وسلام کا بالکل شعور نہیں ہوتا تو حدیث کے دونوں جملوں میں کوئی ربط نہیں رہتا۔ سوال وجواب کا اقتضاء یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جسد اطہر محض بے حس وشعور اگر ا محفوظ نہ ہو بلکہ اس میں ایسی حیات ہو کہ اس پر صلوۃ وسلام پیش ہو سکے۔

۳...... صحابہ کرامؓ کے سوال میں "ارمت" اور اس کے جواب میں "اجساد الانبیاء" کے اطلاقات قطعاً اور یقیناً اس دنیا والے جسد عنصری سے متعلق ہیں۔ یہاں اس شبہ کی قطعاً گنجائش نہیں کہ شاید اجساد مثالیہ مراد ہوں پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ اب صلوۃ وسلام روضہ منورہ کے اسی جسد عنصری پر پیش ہو رہا ہے جس پر ورود موت ہوا تھا اور جسے صحابہؓ نے دفن کیا تھا۔ جسد اطہر وہاں مع الروح ہے اور عرض صلوۃ وسلام کا محل بنا ہوا ہے۔ محض بے جان جسم پر درود پیش کرنے کا تو کوئی معنی ہی نہیں اگر اس کا کچھ امکان ہوتا کہ بے جان بدن یا اجزائے بدن پر بھی عرض صلوۃ وسلام ہو سکے کا تو صحابہ کرامؓ کبھی یہ سوال پیدا نہ کرتے۔

"کیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت"

اور اگر بے جان بدن پر ہی یہ عرض صلوۃ وسلام ہے تو پھر سارے بدن کے یک جا ہونے یا ذرات بدن کے منتشر ہونے میں کیا فرق ہے، پھر اتنے اہتمام سے کیوں کہا گیا کہ انبیاء کے اجساد محفوظ رہتے ہیں، مٹی نہیں ہوتے۔ فتفکر فان ذلک من مدارک الاذکیاء!

مولانا محمد بشیر قوی تفہیم المسائل فارسی ص ۸۵ پر اس حدیث حفظ اجساد سے اسی طرح استدلال فرمارہے ہیں۔

کثیفہ: بعض حیران کن واقعات یا تصورات جب لطفِ طبع کے لئے کہے یا سنے جاتے ہیں تو انہیں لطیفہ کہتے ہیں۔ ایسے لطائف اچھے خاصے ذوقِ طبع کا سامان ہوتے ہیں لیکن ایسے ہی بعض اوقات جہالت کی انتہاء، نظر کے فریب یا تاویل کے فساد کو بھی علمی لطیفوں کے طور پر ذکر کر دیتے ہیں جو واقعہ ہم عرض کرنا چاہتے ہیں وہ بھی فسادِ تاویل کی انتہائی مثال ہے چونکہ اسے نقل کرنے میں بھی طبیعت پر گرانی ہوتی ہے، اس لئے اسے لطیفہ کے بجائے کثیفہ کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے۔

پچھلے چند ماہ کا واقعہ ہے، ایک تقریر کے سلسلہ میں ضلع کیمبل پور جانا ہوا۔ وہاں چند روز پہلے کے ایک جلسہ کی روئیداد بعض لوگوں سے سننے کا اتفاق ہوا۔ ایک عالم نے اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ قبور میں اجساد کا محفوظ رہنا نبوت صادقہ کی علامت ہے۔ سچے مدعی نبوت اور جھوٹے مدعی نبوت کا اس طرح سے پتہ چل سکتا ہے کہ قبر کھول کر دیکھ لو جھوٹے مدعی کی لاش گل سڑ کر ریزہ ریزہ ہو چکی ہوگی اور سچے پیغمبر کا جسد بالکل محفوظ ہوگا۔ آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا کہ "زمین پر حرام ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے" سچے اور جھوٹے نبیوں کا امتیاز کرنے کے لئے تھا۔ (معاذ اللہ) اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ قبروں کو کھول کر سچے نبیوں کی پہچان ہوتی ہے اور اس کے سوا ان کی صداقت کا کوئی نشان نہیں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ۔

اگر یہ بیان دلفگار صحیح ہے تو غور کیجئے کہ کس طرح منشائے نبوت کو مسخ کرنے کی بے باک کوشش کی گئی ہے۔ ارشادِ نبوت کو سیاق و سباق سے بے نیاز کرنے اور اسے ایسا معنی پہنانے پر جو آج تک کسی شارح حدیث کو نہیں سوجھے، حیرت در حیرت ہوتی ہے۔

الا یا قومنا انتبهوا فانا نحاسب فی القیامة غیر شک

اگرچہ یہ ارشادِ نبوت اجسادِ انبیاء کی محفوظیت ایسی محفوظیت کہ اس پر صلوٰۃ وسلام پیش ہوسکے اور ایسا صلوٰۃ وسلام پیش ہونا جیسا کہ قبل الوفات ہوتا تھا یعنی روح و جسد کے مجموعے پر پر دلیل ناطق اور شاہد صادق ہے تاہم تائید مزید کے لئے یہ بھی سنیئے۔

تائید مزید

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابو الدرداء سے یہ روایت اس طرح منقول ہے کہ حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللہ حی یرزق" (ابن ماجہ ص۱۱۹)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے پس اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے۔

لیجئے اجو مضمون حضرت اوس بن اوس کی روایت سے اس طرح ثابت ہوتا تھا:

"فان صلوتکم معروضة علی ـــــ بنائے سوال کیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت"

"ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء۔ جواب برائے صورت عرض صلوٰۃ وسلام بعد الوفات۔"

نتیجہ:...... بعد الوفات حیات جسمانی۔

حضرت ابوالدرداء﷜ کی روایت میں وہی نتیجہ خود الفاظ نبوت بن کر سامنے آ گیا۔

فنبی اللّٰہ حی یرزق اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی دیا جاتا ہے اس جزو کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ مدرج من الراوی ہے۔ محدثین میں سے کسی نے یہ تصریح نہیں کی۔ یہ ادعاء اور حکم ادراج کہاں تک صحیح ہے یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں ہمیں صرف یہ بتانا ہے کہ انبیاء کے اجساد مطہرہ کے محفوظ ہونے اور ان پر صلوٰۃ وسلام کے پیش ہوتے رہنے سے، حیات النبی ﷺ کا جو استدلال ہم نے پیش کیا ہے، وہ دوسری روایت میں بعینہٖ جزو حدیث کے طور پر موجود ہے اور اگر یہ راوی احدیث کی اپنی تفسیر اور ادراج ہے تو بھی اس میں ہماری ہی تائید ہے کہ حدیث حفظ اجساد کا اس کے پورے سیاق وسباق کے ساتھ جو مطلب ہم نے سمجھا تھا، اس حدیث کے روایت کرنے والے بھی وہی مطلب لے رہے ہیں مقام تعجب ہے کہ اجساد الانبیاء کے واضح سیاق کے باوجود فنبی اللّٰہ حی یرزق کا مطلب یوں بیان کیا جائے کہ اس میں مطلق حیات کا ثبوت ہے۔ حیات جسدی کا اس سے کوئی تعلق نہیں علمی دنیا میں اس سے بڑا ظلم کیا ہوگا ۔

والبغی یصرع اھلہ والظلم مرتعہ الوخیم

حضرت ابوالدرداء﷜ کی یہ روایت ایک اور سلسلہ اسناد سے بھی طبرانی میں موجود ہے۔

(جلاء الافہام لابن القیم ص ۵۰)

رجال اسنادروایت ابی الدرداء

۱...... حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ـــــ قلت رجالہ ثقات (تہذیب ج ۳ ص ۳۹۸)

۲...... الحنفی حاشیہ عزیزی شرح جامع صغیر ـــــ رجالہ ثقات (السراج المنیر ج ۱ ص ۲۹۰ مصر)

۳...... ملا علی قاری ـــــ باسناد جید نقلہ میرک عن المنذری ولہ طرق کثیرۃ بالفاظ مختلہ (مرقات جلد ۳ ص ۲۴۲)

۴...... قال الدمیری رجالہ ثقات (فیض القدیر للمناوی ج ۲ ص ۸۷)

۵...... رواہ ابن ماجہ برجال ثقات۔ (زرقانی شرح مواہب ج ۵ ص ۲۳۶)

۶...... قال المنذری اسنادہ جید (ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۹۷)

۷...... علامہ سمہودیؒ ـــــ رواہ ابن ماجہ باسناد جید (خلاصۃ الوفاء ص ۴۸)

۸...... قاضی شوکانی یمنیؒ ـــــ اخرج ابن ماجۃ باسناد جید (نیل الاوطار ج ۲۱۰)

۹...... مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ ـــــ باسناد جید (عون المعبود ج ۱ ص ۴۰۵)

۱۰...... تنقیح الرواۃ ص ۲۵۵ ـــــ باسناد جید (وترکنا البقایا مخافۃ التطویل)

تلک عشرۃ کاملۃ



ل کما یظہر من صنیع صاحب السیرۃ المحمدیہ فراجع لہ (ص ۵۴۰)

الفصل الاوّل... وفیہ ستۃ من المباحث

المبحث الاوّل: احوال رواۃ حدیث اوس بن اوس ؓ

پہلا راوی جس پر تمام ائمہ حدیث کا اشتراک ہو جاتا ہے، حسین بن علی الجعفی[1] ہے۔ اس کے بعد عبدالرحمن بن یزید بن جابر، پھر ابوالاشعث الصنعانی اور ان کے بعد حضرت اوس بن اوس ؓ آنحضرت ﷺ کے صحابی ہیں۔ اندریں صورت صرف حسین بن علی ؒ، عبدالرحمن اور ابوالاشعث کے مختصر تراجم پیش کیے جاتے ہیں۔

حسین بن علی ثقۃ عابد　　(تقریب ص ۱۱۳ کشف الاستار ص ۲۶)

عبدالرحمن بن یزید

عبدالرحمن بن یزید، دو ہیں: ایک عبدالرحمن بن یزید بن تمیم، دوسرے عبدالرحمن بن یزید بن جابر۔ ابن تمیم کو ضعیف کہا گیا ہے لیکن ابن جابر ثقہ اور قوی ہے اس حدیث کے سلسلہ اسناد میں عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہے، ابن تمیم نہیں۔ بعض حضرات نے ان اسانید کو دیکھ کر جہاں صرف عبدالرحمن بن یزید تھا، اسے ابن تمیم سمجھ لیا اور حدیث کی تضعیف کر دی۔ حالانکہ ابوداؤد اور نسائی کے متن میں ابن جابر کی تصریح موجود ہے۔

نہایت افسوس کا مقام ہے کہ بعض لوگ ان دونوں کو خواہ مخواہ خلط ملط کر رہے ہیں۔ جن لوگوں کی رسائی اصل کتب حدیث تک نہیں ہوتی، ان کی ناواقفیت کا ناجائز فائدہ اٹھا کر انہیں مغالطہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ پھر یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ نچلے راوی حسین بن علی نے یوں ہی ابن جابر کہہ دیا ہے۔ (معاذ اللہ، استغفر اللہ) ضد اور تعصب نے یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ انہیں ہر صداقت مشتبہ نظر آتی ہے ؎

و قد ترکتنی لا اعی لمحدث　　حدیثا وان ناجیتہ ونجانی

سنئے! حافظ ابن قیم فرماتے ہیں: "وقولهم ان ظن الله ابن جابر وانما هو ابن تميم وغلط في اسم جده بعيد فانه لم يكن يشتبه على ابن حسين هذا بهذا انقده وعلمه بهما وسماعه منهما"　　(جلاء الافہام ص ۲۵، ۲۶)

<u>ترجمہ</u>: بعض لوگوں کا یہ گمان کہ یہ راوی ابن تمیم ہے، اسے ابن جابر کہنے میں غلطی ہوگئی ہے، صحیح نہیں۔ حسین بن علی جیسے راوی حدیث پر ایسا شک بہت بعید ہے۔ حسین بن علی کا معیار تنقید اور دونوں عبدالرحمن نامی راویوں کو ذاتی طور پر جاننا اور ان سے سننا ہرگز اشتباہ کی گنجائش نہیں رکھتا۔

"رایت الدار قطنی قد ذکر ذلک نصا"　　(ایضاً ص ۴۸)

<u>ترجمہ</u>: میں نے دیکھا ہے کہ دار قطنی نے اسے بطور نص ذکر کیا ہے۔

---

[1] قال ابوداؤد حدثنا ہارون بن عبداللہ اخبرنا حسین ابن علی (ج ۱ ص ۱۵۰) قال النسائی اخبرنا اسحٰق بن منصور قال حدثنا حسین ابن علی (ج ۱ ص ۱۵۴) قال احمد حدثنا حسین بن علی (ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴) قال ابن ماجہ حدثنا ابوبکر بن ابی شیبۃ حدثنا حسین بن علی (ص ۷۷، ۱۱۹) قال ابن خزیمۃ حدثنا ابوکریب حدثنا حسین بن علی حدثنا عبدالرحمن　　(جلاء الافہام لابن القیم ص ۲۶)

عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر نے مکحول، زہری، عطیہ بن قیس، عمیر بن ہانی، ابوالاشعث صنعانی اور عطاء خراسانی سے احادیث سنیں اور ان سے اُن کے بیٹے عبداللہ، حسین بن علی الجعفی اور دوسرے کئی لوگوں نے روایات لیں، آپ امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک کے بھی شیخ حدیث تھے۔ (جلاء الافہام ص ۴۷)

امام یحییٰ بن معین، ابن سعد، امام نسائی اور دوسرے کئی محدثین نے عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (تہذیب ج٦ ص ۲۹۸)

ابن المدینی کہتے ہیں کہ یہ صحابہؓ کے بعد فقہائے شام کے دوسرے طبقہ میں سے تھے یعقوب بن سفیان کہتے ہیں کہ جابر کے بیٹے عبدالرحمٰن اور یزید دونوں ثقہ ہیں۔

ابوداؤد کہتے ہیں ''ھو من ثقات الناس'' اُن کے بیٹے ابوبکر نے کہا ہے ''ثقۃ مامون'' ابوحاتم کہتے ہیں ''صدوق لا باس بہ ثقۃ'' (ایضاج٦ ص ۲۹۸)

وفات ۱۵۳ھ، عمر تقریباً ۸۴ سال۔ ابن جابر کے اساتذہ میں ابواللیث الصنعانی کا اسم گرامی ذکر ہو چکا۔ یہی استاد اس حدیث حفظِ اجسادِ انبیاء کو روایت کر رہے ہیں۔ ابن تمیم کے اساتذہ میں کہیں ابوالاشعث کا نام نہیں ملتا۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ج۱۰ ص ۲۱۵)

پیش نظر رہے کہ وہ شخص جسے عبدالرحمٰن بن یزید کے دادا کے نام پر اشتباہ ہوا اور ابن تمیم کے بجائے ابن جابر کہہ گیا تھا، درحقیقت ابواسامہ ہے، حسین بن علی نہیں۔ اس پر علل رجال کے ماہر فن دارقطنیؒ نے نص فرمائی ہے۔

خلاصہ کلام یہی ہے کہ یہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہے اور ثقہ صدوق راوی حدیث ہے۔ مقام افسوس ہے کہ وہ لوگ، جو طبقات رواۃ اور علل رواۃ پر نظر نہیں رکھتے، از خود جرح و تعدیل میں امام بن بیٹھے ہیں۔

ابوالاشعث الصنعانی شراحبیل بن آدہ

''ثقۃ من الثانیۃ شھد فتح دمشق'' (تقریب التہذیب ص ۲۲۱)

ثقہ راوی ہیں۔ (کشف الاستار عن رجال معنی الآثار ص ۱۱۹)

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے ان سے احتجاج کیا ہے، عجلی انہیں ثقہ کہتے ہیں، ابن حبان نے بھی آپ کو ثقات میں لکھا ہے۔ (دیکھئے تہذیب التہذیب ج ۴ ص ۳۱۹)

المبحث الثانی

صرف راویوں کی ہی توثیق اور ان کا باہمی اتصال نہیں، ائمہ فن جس حدیث کو صحیح قرار دے دیں، ہم راویوں کی بحث میں گئے بغیر بھی ان پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ ہر فن میں اس فن کے ائمہ کی پیروی کی جاتی ہے۔ یہاں بھی آپ دیکھیں کن کن ائمہ کبار اور محدثین کرام نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور اسے قبول کیا ہے۔ ہم صرف ۳۲ ناموں پر اکتفاء کرتے ہیں۔ ورنہ اسے قبول کرنے والے ائمہ علم کی تعداد سو سے متجاوز ہے۔

(۱) امام احمد (۲۴۱ھ) (۲) امام ابوداؤد (۲۷۵ھ)

(۳) امام نسائی (۳۰۳ھ)	(۴) امام ابن خزیمہ (۳۱۱ھ)
(۵) ابن حبان (۳۵۴ھ)	(۶) دارقطنی (۳۸۵ھ)
(۷) امام بیہقی (۴۵۸ھ)	(۸) حاکم (۴۰۵ھ)
(۹) ابونعیم الاصفہانی (۴۳۰ھ)	(۱۰) بغوی (۵۱۶ھ)
(۱۱) نووی (۶۷۶ھ)	(۱۲) ابن دحیہ (ھ)
(۱۳) علامہ منذری (۶۵۶ھ)	(۱۴) حافظ عبدالغنی النابلسی (۶۲۲ھ)
(۱۵) حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ)	(۱۶) حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)
(۱۷) حافظ ابن القیم (۷۵۱ھ)	(۱۸) خطیب تبریزی (۷۴۳ھ)
(۱۹) حافظ ذہبی (۸۴۸ھ)	(۲۰) حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ)
(۲۱) حافظ عینی (۸۵۵ھ)	(۲۲) حافظ سخاوی (۹۰۲ھ)
(۲۳) علامہ سبکی (۷۷۱ھ)	(۲۴) علامہ ابن عبدالہادی (۷۴۴ھ)
(۲۵) علامہ طیبی (۷۴۳ھ)	(۲۶) علامہ سمہودی (۹۱۱ھ)
(۲۷) امام ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ)	(۲۸) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۱ھ)
(۲۹) قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ)	(۳۰) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)
(۳۱) شاہ اسمٰعیل شہید (۱۲۹۷ھ)	(۳۲) حجۃ الاسلام علامہ انور شاہ کشمیری (۱۳۵۱ھ)

وغیرہم من الاکابرؒ

ان سب حضرات کی عبارات پیش کرنے کی گنجائش نہیں۔ تاہم بعض عبارات پیش خدمت ہیں:

بعض عبارات

۱...... شیخ الاسلام حافظ ذہبیؒ: تلخیص المستدرک للعلامۃ الذہبی "علی شرط البخاری"
(تلخیص المستدرک ج ۱ ص ۲۷۸، ج ۴ ص ۵۶۰)

۲...... حضرت امام نوویؒ: "رویناہ فی سنن ابی داؤد والنسائی وابن ماجہ بالاسانید الصحیحۃ عن اوس بن اوس ﷺ قال قال رسول اللہ۔ الحدیث" (کتاب الاذکار کتاب الصلوٰۃ علی رسول اللہ ص ۷۸)

علامہ منذری نے اسے حسن الاسناد قرار دیا ہے۔ (القول البدیع للسخاوی ص ۱۱۹)

اس حدیث کے کئی طریق ہیں جنہیں علامہ منذری نے جمع کیا ہے جن سے حدیث بہت قوی ہو جاتی ہے:

"وللحدیث طرق جمعھا المنذری فی جزء فتعدد الطرق یشد بعضھا بعضا" (تحقیق الرواۃ ج ۱ ص ۲۵۵)

علامہ نابلسی فرماتے ہیں: "حسن صحیح" (ترجمان السنۃ ج ص ۲۹۷)

۳...... خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ: الف: "ورد الامر باکثار الصلوۃ علیہ یوم الجمعۃ من حدیث اوس بن اوس ﷺ وھو عند احمد وابی داؤد صحیحۃ وصححہ ابن حبان"

(فتح الباری ج ۱۲، ص ۴۵۹ معرب پ ۲۶ کتاب الدعوات ص ۵۷ دہلی)

ب: ''ورد الامر باکثار منہا یوم الجمعۃ فی حدیث صحیح کما تقدم'' (فتح الباری پ ۲۶ ص ۸۷)

ج: ''عند ابی داؤد والنسائی صحیحۃ وصححہ ابن خزیمۃ وغیرہ عن اوس بن اوس رفعہ''

(کتاب الانبیاء ص ۷۹)

۴...... شیخ الاسلام علامہ عینیؒ: الف: ''صح عنہ ﷺ ان الارض لاتاکل اجساد الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام'' (عینی علی البخاری ج ۶ ص ۶۹)

ب: ''وھو الیوم (ای والحال انہ الیوم) کما وضع لان الارض لاتاکل اجساد الانبیاء علیہم السلام'' (بنایہ شرح ہدایہ ج ۱ ص ۱۰۹۶)

۵...... حافظ ابن کثیرؒ: ''قد صحح ھذا الحدیث ابن خزیمۃ وابن حبان والدارقطنی والنووی فی الاذکار''

(تفسیر لابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴)

ان پانچوں حوالوں کا خلاصہ یہی ہے کہ حضرت اوس بن اوسؓ کی یہ روایت کہ انبیائے کرام کے جسموں کو اللہ تعالیٰ نے مٹی پر حرام کر دیا ہے اور یہ کہ ان پر صلوٰۃ وسلام پیش ہوتا رہتا ہے، بالکل صحیح الاسناد ہے اور یقیناً آنحضرت ﷺ ہی کا ارشاد ہے۔

۶...... حافظ ابن قیمؒ: ''ومن تأمل ھذا الاسناد لم یشک فی صحتہ لثقۃ رواتہ وشھرتھم وقبول الائمۃ حدیثھم'' (جلاء الافہام ص ۴۴)

ترجمہ: اور جس نے بھی اس حدیث کی سند میں غور کیا، اسے اس حدیث کی صحت میں کوئی شک نہ رہا۔ کیونکہ اس کے سب راوی ثقہ اور مشہور ہیں اور ائمہ حدیث نے ان سب کی روایات قبول کی ہیں۔

''قد صح عن النبی ﷺ ان الارض لاتاکل اجساد الانبیاء الی غیر ذلک مما یحصل من جملتہ القطع بان موت الانبیاء انما ھو راجع الی ان غیبوا عنا بحیث لاندرکھم وان کانوا موجودین احیاء''

(کتاب الروح ص ۴۳)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ زمین انبیائے کرام کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ ایسے دلائل سے یہ بات قطعی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ انبیائے کرام کی موت کا معنی یہ ہے کہ وہ ہم سے اس طرح غائب کر لئے گئے ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کرتے، ورنہ وہ تو موجود اور زندہ ہیں۔

۷...... علامہ ابن عبدالہادیؒ (۷۴۴ھ): ''حدیث صحیح لان رواتہ کلھم مشھورون بالصدق والامانۃ والثقۃ والعدالۃ ولذلک صححہ جماعۃ من الحفاظ کابی حاتم بن حبان والحافظ عبد الغنی النابلسی وابن دحیہ وغیرہ ولم یات من تکلم فیہ وعللہ بحجۃ بینۃ'' (الصارم المنکی ص ۱۷۴)

ترجمہ: یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کے سب راوی صدق وامانت اور عدالت میں مشہور ہیں۔ حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور کسی شخص نے اس حدیث پر کوئی مدلل اعتراض نہیں کیا۔

۸...... امام الحدیث والفقہ ملا علی قاری ﷫: ''قال میرک ورواہ ابن حبان فی صحیحہ والحاکم فی صحیحہ وزاد ابن حجر بقولہ وقال صحیح علی شرط البخاری ورواہ ابن خزیمۃ فی صحیحہ قال النووی

اسناده صحيح وقال المنذري له علة دقيقة[1] اشار اليها البخاري نقله ميرک قال ابن وحية انه صحيح بنقل العدل عن العدل ومن قال انه منکر او غريب بعلة خفية فقد استروح لان الدار قطني ردها"

(مرقات ج ۲ ص ۲۱۰ مصر)

یعنی جس شخص نے اس حدیث کو "منکر" یا "غریب و معلل" کہا ہے، اس نے نہایت لچر بات کہی، کیونکہ امام دارقطنی جیسے ماہر فن نے اس علت کو مردود قرار دیا ہے۔

۹...... شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ: "در حدیث صحیح آمدہ است کہ بسیار گوئید درروز جمعہ درود بر من زیرا کہ صلوۃ شما معروض مے گردد بر من۔ ازیں جا معلوم مے شود کہ حیات انبیاء حیات جسمی دنیاوی است نہ مجرد بقائے ارواح۔"

(مدراج النبوۃ ج ۲ ص ۹۲۰)

ترجمہ: صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کی حیات اس دنیا والے جسم سے ہے نہ کہ فقط ارواح کے زندہ رہنے سے۔

۱۰...... حافظ عبدالغنی النابلسیؒ: "قال الحافظ عبدالغني النابلسي انه حسن صحيح"

(ترجمان السنۃ ج ۳ ص ۲۹۷)

۱۱...... خاتم المحدثین حضرت العلامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ: "ومما كفر به الفقهاء الحجاج" (وراجع له اكال المعلم ج ۱ ص ۱۹۰ بحاشیہ الدکتور زکی مبارک ج ۱ ص ۱۵۳، ص ۱۵۴ بحاشیہ ابراہیم) "لان في هذا الكلام تكذيبا لرسول الله ﷺ نعوذ بالله من اعتقاد ذلک فانه صح عنده ﷺ انه قال ان الله عزوجل حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء رواه ابو داؤد" (خزائن الاسرار ص ۱۹)

ترجمہ: فقہائے کرام نے جن وجوہ کی بناء پر حجاج کی تکفیر کی تھی۔ ایک ان میں سے اس ارشاد پیغمبر کی تکذیب بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کرام کے جسموں کو کھائے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے صحیح طور پر ثابت ہو چکی ہے اور اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

ابن عربی (۵۴۳ھ) کہتے ہیں یہ حدیث ثابت نہیں۔ ان کے ذہن میں غالباً یہ بات ہوگی کہ اس حدیث کا مرکزی راوی عبدالرحمن بن یزید بن تمیم ہے جو منکر الحدیث ہے۔ امام بخاری اسے عبدالرحمن بن یزید بن جابر نہیں مانتے؟

جواب: آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ اس روایت میں عبدالرحمن بن یزید کس سے روایت کر رہا ہے؟ ابوالاشعث الصنعانی سے اب آپ دیکھیں کہ ابوالاشعث عبدالرحمن بن یزید بن جابر کے اساتذہ میں مذکور ہے یا عبدالرحمن بن یزید بن تمیم کے اساتذہ میں۔ ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ ابن تمیم کے اساتذہ میں کہیں ابوالاشعث کا نام نہیں ملتا۔

---

[1] یہ علت غالباً عبدالرحمن بن یزید کے ابن تمیم یا ابن جابر ہونے کی وجہ سے ہے حق یہ ہے کہ یہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر ہے، ابن تمیم نہیں جو محل جرح تھا پس سند بالکل بے غبار رہی۔ واجاب الحافظ عما ذکر فیہ من العلۃ وراجع له جلاء الافہام ص ۳۵، ص ۳۶۔

دار قطنی نے امام بخاری پر کئی تعقبات کئے ہیں اور ان کی بعض آراء کی سختی سے تردید کی ہے۔ امام بخاری کا جو معیار صحیح بخاری میں ہے وہ ان کی دوسری کتابوں میں نہیں۔ یہ بات کہ یہ راوی ابن تمیم ہے ابن جابر نہیں، صحیح بخاری میں نہیں۔ ابن عربی نے غالباً اسے ان کی تاریخ کبیر سے لیا ہوگا۔

حسین بن علی جیسے ناقد سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی، کہ ان پر ان کا استاد ہی مشتبہ رہے کہ وہ ابن جابر ہے یا بن تمیم امام دار قطنی نے امام بخاری کی اس رائے کی تردید کی ہے۔

شارح صحیح بخاری حافظ ابن حجر نے فتح الباری کتاب الانبیاء میں امام بخاری کی غلط فہمی کا پورا تعاقب کیا ہے۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) بھی اس بحث میں دار قطنی کے ساتھ ہیں حافظ سخاوی (۹۰۲ھ) لکھتے ہیں: ”لکن قدر دھذہ العلۃ الدار قطنی و قال ان سماع حسین عن ابن جابر ثابت و الی ھذا جنح الخطیب“

ترجمہ: لیکن اس علت کو دار قطنی نے تسلیم نہیں کیا وہ کہتے ہیں حسین کا سماع ابن جابر سے ثابت ہے اور خطیب بغدادی بھی اسی طرف مائل معلوم ہوتے ہیں۔　　　(القول البدیع ص ۱۱۹)

المبحث الثالث

ان بزرگوں کی عبارات، جنھوں نے اس حدیث کا مطلب روضہ منورہ کی حیات یقین کیا ہے۔

نہ من تنہا دریں بے خانہ مستم　　　جنید و شبلی و عطار ہم مست

(۱) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ　　　(۲) حافظ ابن القیمؒ
(۳) علامہ طیبیؒ　　　(۴) علامہ سید جمال الدین
(۵) علامہ سندھیؒ　　　(۶) امام ملا علی قاریؒ
(۷) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ　　　(۸) قاضی شوکانیؒ
(۹) شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ دیوبندی (۱۰) حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ
وغیرہم من الاکابرؒ۔

پیش نظر رہے کہ ان حوالجات سے ان ائمہ و اکابر کے اپنے مذہب بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ ارشاد نبوت کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لئے یہ اہل فن کی وہ بے لاگ شہادتیں ہیں جن کے مقابلے میں کسی دوسرے احتمال کی گنجائش نہیں۔

۱...... آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر کہ ”تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے“ صحابہ کرامؓ کا یہ سوال کہ ”بعد الوفات یہ کیسے پیش ہوگا“ اور اس پر آپ کا یہ جواب کہ وفات کے بعد پیغمبروں کے جسموں کے ساتھ عام دوسرے انسانوں جیسا معاملہ نہیں ہوتا۔ یعنی وہ اس طرح محفوظ رہتے ہیں کہ ان پر صلوٰۃ و سلام پیش ہوتا رہتا ہے۔ ان تمام امور کا تذکرہ کرتے اور سوال و جواب کے باہمی ربط کو حل کرتے ہوئے علامہ طیبیؒ اس حدیث کا نتیجہ یوں بیان کرتے ہیں: ”ویؤیدہ مایسر دفی الحدیث الثالث قولہ فنبی اللہ حی یرزق“　　　(طیبی شرح مشکوٰۃ ص ۸۶)

ترجمہ: حدیث حفظ اجساد انبیاء کے اس مطلب کی تائید میں دوسری حدیث میں صریح الفاظ بھی مل جاتے ہیں کہ اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے۔

۲...... عمدۃ المحققین حضرت علامہ سندھیؒ حاشیہ نسائی میں اس حدیث حفظ اجساد انبیاء پر رقمطراز ہیں:
"والجواب بقولہ ﷺ ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء کنایۃ عن کون الانبیاء احیاء فی قبورھم"
(حاشیہ نسائی ج ا ص ۱۵۵ دہلی)

ترجمہ: آنحضرت کا یہ ارشاد فرمانا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے، یہ اس کا کنایہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

۳...... شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ: "قال اکثروا علیّ من الصلوٰۃ یوم الجمعۃ فان صلوٰتکم معروضۃ علیّ فقالوا کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت (ای بلیت) قال ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فاخبر انہ یسمع الصلوٰۃ من القریب ویبلغ ذلک من البعید"

ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے دُرود پڑھا کرو، کیونکہ تمہارا دُرود مجھ پر پیش ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ پیغمبروں کے جسموں کو مٹی بنانا زمین پر حرام ہے اور اس حدیث میں حضور ﷺ نے یہی بات جتلائی ہے کہ آپ قبر کے قریب پڑھے جانے والے دُرود کو خود سُنتے ہیں اور دُور کا پڑھا ہوا دُرود (بتوسطِ ملائکہ) پہنچایا جاتا ہے۔　　(رسائل ابن تیمیہ الکلام فی مناسک الحج ص ۱۶، ص ۳۹۱)

تنبیہ: یہاں "فاخبر انہ یسمع الصلوٰۃ من القریب" میں دو احتمال ہیں:

اولاً: یہ کہ یہ پہلی حدیث حفظِ اجسادِ انبیاء کا مفہوم اور نتیجہ ہے، یعنی جسدِ اطہر اس طرح محفوظ ہے کہ اس پر صلوٰۃ وسلام پیش ہوتا رہتا ہے اور آپ ﷺ قبر مبارک میں اس طرح زندہ ہیں کہ قریب کے دُرود کو خود سُنتے ہیں۔ مطلب یہ کہ وہاں آپ کو حیاتِ جسدی حاصل ہے۔

ثانیاً: ہوسکتا ہے کہ شیخ الاسلام کی مراد ان الفاظ سے وہ دوسری حدیث ہو جو حضرت ابوہریرہؓ سے بالفاظِ اختلاف اصبہانی، ابن حبان اور بیہقیؒ نے روایت کی ہے۔ اس میں من صلی علیّ عند قبری... الحدیث کے الفاظ میں قریب و بعید دُرود پڑھنے کے احکام صراحت سے منقول ہیں۔ اس صُورت میں امام ابن تیمیہؒ کا دونوں حدیثوں کو فَاَخْبَرَ سے جوڑنا اس بات کا اشارہ ہے کہ حفظِ اجسادِ انبیاء والی روایت اور روضۂ اطہر کے قریب سے دُرود شریف خُود سُننے کی روایت مآل کار ایک ہیں اور مضمون دونوں کا روضۂ منورہ کی حیات جسمانی ہے۔

۴...... شیخ الاسلام حافظ ابن قیمؒ: "ومعلوم بالضرورۃ ان جسدہ ﷺ فی الارض طری مطرا وقد سألہ الصحابۃ کیف تعرض صلوٰتنا علیک وقد ارمت فقال ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء ولو لم یکن جسدہ فی ضریحہ لما اجاب بھذا الجواب وقد صح عنہ ان اللہ تعالیٰ وکل بقبرہ الملٰئکۃ یبلغون عن امتہ السلام وصح عنہ انہ خرج بین ابی بکر وعمر وقال ھکذا نبعث ھذا مع القطع بان روحہ الکریمۃ فی الرفیق الاعلیٰ فی اعلیٰ علیین مع ارواح الانبیاء... فالروح ھنالک ولھا اتصال بالبدن فی القبر واشراف علیہ وتعلق بحیث یصلی فی قبرہ ویرد سلام من سلم علیہ وھی فی الرفیق الاعلیٰ"
(کتاب الروح ص ۵۴ حیدرآباد)

ترجمہ: یہ یقینی طور پر معلوم ہے کہ آنحضرت ﷺ کا جسدِ اطہر بالکل تر وتازہ روضہ منورہ میں تشریف فرما ہے۔ آپ ﷺ سے صحابہؓ نے پوچھا تھا کہ وفات کے بعد آپ ﷺ پر صلوٰۃ وسلام کیسے پیش ہوتا رہے گا، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے کہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے۔ اگر آپ ﷺ کا جسد اطہر قبر شریف میں نہ ہوتا تو ہر گز یہ جواب ارشاد نہ فرماتے[1]۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ سے یہ بھی صحیح طور پر ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے روضہ منورہ کے ساتھ فرشتے مقرر کر رکھے ہیں[2] جو آپ کو آپ کی امت کا سلام پہنچاتے رہتے ہیں اور یہ بھی آپ سے صحیح طور پر ثابت ہے کہ آپ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے مابین تشریف لائے اور فرمایا کہ ہم اسی طرح اٹھائے جائیں گے۔ ان سارے حقائق کے ساتھ یہ بات قطعی ہے کہ آپ کی روح مبارک اعلیٰ علیین میں رفیق اعلیٰ میں ہے۔ جہاں کہ دوسرے انبیاء کرام کی ارواح مقدسہ ہیں پس روح تو وہاں ہے اور وہیں سے اسے روضہ منورہ میں رکھے جسد اطہر کے ساتھ اتصال ہو رہا ہے روح وبدن کا ایسا قوی تعلق قائم ہو چکا ہے کہ آپ اپنی قبر شریف میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ہر سلام کرنے والے کے سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

"وبھذا التعلق رای موسیٰ قائما یصلی فی قبرہ" (زاد المعاد ص ۴۹)

ترجمہ: روح وبدن کے اسی تعلق کی بناء پر آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھا تھا۔

حافظ ابن قیمؒ کے کلام کا خلاصہ یہی ہے کہ انتقال بہ برزخ کے بعد روح کو اس قدر وسعت حاصل ہو جاتی ہے کہ رفیق اعلیٰ میں استقرار کے باوجود قبور شریفہ کے اجسام مطہرہ اس کے اتصال سے زندہ ہوتے ہیں اور اپنی اپنی قبروں میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ وہاں روح اور حیات میں تلازم نہیں۔ تقوم حیات کے لئے فقط اتنی تاثیر اور اتنا اتصال ہی کافی ہے۔ واللہ اعلم!

ترجمہ: اس میں علامہ قونوی کا مقصود وہ نہیں جو اس دور میں مماتی لئے پھرتے ہیں۔ یہاں انتقال جسد کا بیان ہے ظاہر ہے کہ اس میں حیاتِ جسدی کا انکار نہیں۔

---

[1] یہ غالباً اس نظریے کی تردید ہے جو علامہ قونویؒ کا ہے کہ انبیاء کرام کے اجساد مطہرہ دفن کے کچھ دنوں بعد اپنی قبروں میں باقی نہیں رہنے دیئے جاتے، وہاں سے انہیں اعلیٰ علیین یا حظیرۂ قدسیہ میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ گویا انبیاء کرام کی حیات جسمانی انہی قبور میں نہیں ہوتی۔ بلکہ اعلیٰ علیین میں وہ اسی جسد عنصری سے زندہ ہوتے ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس اختلاف کا ماحصل یوں بیان کرتے ہیں "پس محصل اختلاف در دوام واستمرار است در قبول بھامیکہ پیش از وفات بود۔" (جذب القلوب ص ۱۸۷) امام بیہقی نے ایک احتمال کے درجے میں اس طرف اشارہ کیا ہے وقد یحتمل ان یکون المراد بہ رفع اجسادھم مع ارواحھم (حیات انبیاء امام بیہقی ص ۴ مصر) حافظ ابن قیم اس نظریئے کی احادیث کی روشنی میں تردید فرما رہے ہیں اور ثابت کر رہے ہیں کہ انبیاء کرام کو ان کی قبور ہی میں حیات جسدی حاصل ہوتی ہے، ہاں یہ روح کی وسعت اور کمال ہے کہ اس کا استقرار علیین میں بھی ہو اور اتصال جسد اطہر کے ساتھ بھی ہو۔ یہاں تک کہ وہ قبور شریفہ میں نمازیں بھی پڑھتے ہوں۔

[2] اس حدیث سے واضح ہوا کہ عرض صلوٰۃ وسلام روضے پر ہی ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جسد عنصری وہیں ہے اگر اس پر فیضان حیات نہ ہو تو فرشتے مقرر کرنے کا کیا فائدہ؟

۵...... شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ: "صح عنہ ﷺ ان الارض لاتأکل اجساد الانبیاء . . . فتحصل من جملة هذا القطع بانهم غیبوا عنا بحیث لاندرکهم وان کانوا موجودین احیاء وذلک کالحال فی الملئکة علیهم الصلوة و السلام فانهم موجودون احیاء لایراهم احد من نوعنا الا من خصه الله تعالیٰ بکرامته واذا تقرر انهم احیاء......" (عینی علی البخاری ج ۲، ص ۲۹)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے جو یہ ارشاد فرمایا کہ زمین انبیائے کرام کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ ایسے ارشادات سے یہ نتیجہ قطعی طور پر حاصل ہوتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام زندہ ہیں، صرف وہ ہم سے غائب کر لئے گئے ہیں کہ ہم ان کا ادراک نہیں کر سکتے جیسا کہ فرشتوں کا معاملہ ہے کہ وہ زندہ بھی ہیں اور موجود بھی، لیکن ہم ان کو پا نہیں سکتے۔ ہاں جن پر اللہ تعالیٰ کرامت فرمادے، وہ انہیں دیکھ بھی سکتے ہیں یہ بات طے شدہ ہے کہ انبیائے کرام زندہ ہیں۔

یہ مٹی انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو نہیں کھاتی۔ اس سے صرف یہی نہ سمجھیں کہ ان کے ابدان محفوظ ہیں۔ سوال صرف حفاظت کا نہیں، اس احساس کا تھا کہ درود وسلام کس وجود اقدس پر پیش ہوا کرے گا۔ سو بدن اطہر صرف اس طرح محفوظ نہیں کہ صرف مٹی نہ ہو۔ اس میں تازگی اور نرمی آج بھی اسی طرح ہے جو وفات کے وقت تھی۔ وقت گزرنے سے بدن طیب میں کسی قسم کا اکڑاؤ پیدا نہیں ہوا صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ وہ آج بھی اسی طرح ہے جیسے قبر مبارک میں رکھا گیا تھا۔

اس پر علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: "وهو الیوم (ای والحال انه الیوم) کما وضع لان الارض لا تاکل اجساد الانبیاء علیهم السلام" (بنایہ شرح ہدایہ ج ۱ ص ۱۰۹۶)

ترجمہ: اور آنحضرت ﷺ آج بھی اسی طرح ہیں جیسے اس وقت تھے جب آپ کو قبر مبارک میں اتارا گیا تھا کیونکہ یہ مٹی پیغمبروں کے اجساد کو ریزہ ریزہ نہیں کرتی۔

۲...... حضرت امام ملا علی قاری ﷺ: "قال ای رسول الله ﷺ ان الله حرم علی الارض ای منعها وفیه مبالغة لطیفة اجساد الانبیاء ای من ان تأکلها فان الانبیاء فی قبورهم احیاء . . . فمحصل الجواب ان الانبیاء احیاء فی قبورهم فیمکن لهم سماع صلوة من صلی علیهم تأمل" (مرقات ج ۳ ص ۲۳۸)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ پیغمبروں کے جسموں کو کھائے، یہ اسی لئے تھا کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں (صحابہؓ کے اس سوال کے کہ بعد الوفات یہ صلوٰۃ وسلام کیسے پیش ہوگا) جواب میں یہ ارشاد فرمانا، اس کا ماحصل ہی یہ ہے کہ انبیاء اپنی قبور شریفہ میں اس طرح زندہ ہوتے ہیں کہ جو ان پر صلوٰۃ وسلام پڑھے، اسے وہ خود سن سکتے ہیں۔

آگے جا کر لکھتے ہیں: "ان الصحابة رضی الله عنهم سألوا بیان کیفیة العرض بعد اعتقاد جواز ان العرض کائن لا محالة لقول الصادق فان صلوتکم معروضة علیّ لکن حصل لهم الاشتباه ان العرض هل هو علی الروح المجرد او علی المتصل بالجسد وحسبوا ان جسد النبی کجسد کل احد فکفی الجواب ما قاله علی وجه الصواب!" (مرقات ج ۲ ص ۲۰۹)

ترجمہ: صحابہؓ نے آنحضرت ﷺ سے (بعد وفات) آپ پر درود و سلام پیش ہونے کی کیفیت پوچھی۔ یہ ان کا اعتقاد پہلے سے تھا کہ درود و سلام نے تو ہر حال میں پیش ہونا ہے۔ آپ فرما چکے تھے تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے انہیں اشتباہ اس میں تھا کہ یہ پیش ہونا درود کا صرف روح مجرد پر ہے، یا اس روح پر بھی جو متصل بالجسد ہو اور وہ (صحابہ کرامؓ یہ سمجھے تھے کہ پیغمبر کا جسد ہر ایک کے جسد کی طرح ہے سو آپ نے جو جواب دیا وہ درستگی (عقیدہ کی اصلاح) میں کافی ہے۔

''لاشک ان حفظ اجسادھم من ان ترم خرق للعادة المستمرة فکما ان اللہ تعالیٰ یحفظھا منه فکذلک یمکن من العرض علیھم ومن الاستماع منھم صلوٰت الامة'' (مرقات ج ۳ ص ۲۳۸)

ترجمہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء کے اجساد کا بکھرنے سے محفوظ رہنا عام عادت زمانہ کے خلاف ہے پس جیسے اللہ تعالیٰ ان اجساد کی ریزہ ریزہ ہونے سے حفاظت فرما رہا ہے اس طرح یہ بھی ناممکن نہیں کہ ان (اجساد کریمہ) پر درود پیش بھی ہو اور وہ امت کا درود بھی امت سے سن پائیں۔

علامہ طیبیؒ کی طرح ملا علی قاریؒ بھی حضور ﷺ کے اس جواب سے یہ قطعی عقیدہ اختیار کرتے ہیں کہ حیات انبیاء میں اب کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن حجرؒ بھی یہی کہتے ہیں: ''قال ابن حجر وما افادہ من ثبوت حیاة الانبیاء حیاة بھا یتعبدون ویصلون فی قبورھم مع استغنائھم عن الطعام والشراب کالملٰئکة امر لا مریة فیه'' (ایضاً)

ترجمہ: حافظ ابن حجر کہتے ہیں انبیاء کی (بعد وفات) ایسی حیات جس سے وہ تعبدی امور بجا لاتے ہوں اور اپنی قبور شریفہ میں نمازیں بھی پڑھیں اور فرشتوں کی طرح اس جہان کے سے کھانے پینے سے مستغنی رہیں۔ (حاجت مند نہ ہوں) یہ ایسا امر ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔

امر لا مریة فیه (یہ ایسی بات ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں کیا جا سکتا) کے الفاظ پر غور کریں اور دیکھیں کہ دسویں صدی کے اس مجدد کی نظر میں اس مسئلے کی اساس کتنی مضبوط ہے۔

۷...... حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ

اس حدیث حفظ اجساد انبیاء کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں: (۱) ازیں جا معلوم مے شود کہ حیات انبیاء حیات جسمی و دنیاوی است نہ مجرد بقائے ارواح۔ (مدارج النبوت ج ۲ ص ۴۲۰ طبع قدیم)

(۲) کنایہ است از حیات ...... وحیات انبیاء متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلافے نیست حیات جسمانی دنیاوی حقیقی ...... ودریں حدیث کہ فرمود، ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء اشارت است بآں۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

(۳) ''کنایة عن حیاتھم کما یأتی من حدیث ابی الدرداء رضی اللہ عنہ والمذھب ان الانبیاء احیاء حیوة حقیقیة'' (لمعات التنقیح ص ۳۳۱)

(۴) ''بدانکہ درحیات انبیاء علیہم السلام، وثبوت ایں صفت مرایشاں را وترتب آثار واحکام آں ہیچ کس را از علماء خلافے نیست'' (جذب القلوب ص ۱۸۶ لکھنؤ)

(۵) ''انبیاء ﷩ کو موت نہیں، وہ زندہ اور باقی ہیں، ان کے واسطے وہی ایک موت ہے، ایک دفعہ آچکی اس کے بعد ان کی روحیں بدن میں لوٹا دی جاتی ہیں اور جو حیات ان کو دنیا میں تھی، وہی عطا فرماتے ہیں۔''
(تکمیل الایمان مترجم ص ۵۸)

۸...... مقتدائے فرقہ اہل حدیث فاضل جلیل قاضی شوکانیؒ لکھتے ہیں: ''والاحادیث فیھا مشروعیۃ الاکثار من الصلوٰۃ علی النبی ﷺ یوم الجمعۃ وانھا تعرض علیہ وانہ حی فی قبرہ... قال ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء وقد ذھب جماعۃ من المحققین الی ان رسول اللہ ﷺ حی بعد وفاتہ''
(نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۰، ص ۲۱۱)

ترجمہ: احادیث سے ان امور کی شرعی حیثیت ثابت ہے۔ ۱، جمعہ کے دن آپ پر درود کثرت سے پڑھا جائے۔ ۲، درود شریف آپ ﷺ پر پیش ہوتا ہے۔ ۳، آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ رب العزت نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیائے کرام کے جسموں کو مٹی بنائے اور محققین کی ایک پوری جماعت اس تحقیق پر پہنچی ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی وفات شریفہ کے بعد پھر زندہ ہیں۔

۹...... پیشوائے اہل حدیث محقق عظیم آبادیؒ بھی فرماتے ہیں: ''اجساد الانبیاء (ای من ان تاکلھا) فان الانبیاء فی قبورھم احیاء۔ (عون المعبود ج ۱ ص ۴۰۵) فان الانبیاء فی قبورھم احیاء'' (بذل المجہود ج ۲ ص ۱۹۰)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔ اس ارشاد نبوت کی بناء یہ ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور اسی طرح بذل میں ہے۔

کیا یہاں بھی کسی مخالف کا منہ بند کرنے کے لئے انبیاء کی حیات قبریہ کا بیان ہو رہا ہے یا محدث سہارنپوری ارشاد نبوت کا منشاء واضح کرنے کے لئے حدیث کی شرح فرما رہے ہیں اور ان سے پہلے بھی اس حدیث کی شرح میں یہی کچھ کہا جاتا رہا ہے۔ فتفکروا یا اولی الابصار!

حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ اور فرقہ اہل حدیث نے اس ارشاد نبوت کا مطلب کیا سمجھا اور کس وضاحت سے اس کا مدلول روضہ اطہر کی حیات عنصری قرار دیا۔ یہ سب آپ کے سامنے ہے اب آیئے حنفیہ کرام کے طبقہ دیوبند سے بھی استفادہ کیجئے۔

۱۰...... صدر المحققین رئیس المحدثین شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ حاشیہ ابی داؤد میں صحیح فرماتے ہیں: ''ان الصحابۃ سألوا بیان کیفیۃ العرض بعد اعتقادھم بانہ کائن لا محالۃ لقول الصادق دفعا لاشتباہ ان العرض ھل ھو علی الروح المجرد او علی المتصل بالجسد حسبوا ان جسد النبی ﷺ کجسد کل احد فکفی فی الجواب ماقالہ علی وجہ الصواب'' (حاشیہ ابی داؤد ص ۱۵۷)

ترجمہ: صحابہ کرامؓ کا یہ اعتقاد تو یقینی تھا کہ درود آپ پر پیش کیا جاتا رہے گا کیونکہ آپ ﷺ یہ ارشاد فرما چکے تھے پس ان کا سوال صرف پیش ہونے کی کیفیت سے متعلق تھا کہ وفات شریفہ کے بعد یہ درود صرف روح مجرد پر یا روح متصل بہ جسد پر اس کا عروض ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ کا جواب کہ انبیائے کرام کے اجساد مطہرہ مٹی نہیں ہوتے، اس سوال کیفیت کا کافی جواب تھا۔

خلاصہ یہ کہ جسد اطہر اس طرح محفوظ ہے کہ اس پر صلوٰۃ وسلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے اور روح مبارک کا

اس جسد سے اتصال ہے یہ کہنا کہ قبر مبارک میں جسد اطہر بالکل بے جان اور بے شعور پڑا ہے یہ عقیدہ اہل بدعت کے سوا اور کسی کا نہیں ہوسکتا وہ معتزلہ ہوں یا کرامیہ۔ اہل السنۃ والجماعۃ میں سے کوئی حیات انبیاء کا منکر نہیں رہا۔

حضرت شیخ الہندؒ نے یہاں اپنی بات نہیں کہی صحابہ کرامؓ کا عقیدہ پیش کیا ہے وہ حضرات قدسی صفات عرض صلوٰۃ وسلام میں کیا عقیدہ رکھتے تھے یہ آپ دیکھ چکے ہیں۔ ان کا یہ اعتقاد محض ایک ظنی درجے کا تھا یا وہ اس عقیدے کو یقینی درجے میں اپنائے ہوئے تھے اس کے لئے آپ ان الفاظ کو بار بار پڑھیں۔

جو لوگ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے اس بیان کو کہ انبیاء کے سماع عند القبر میں کسی کو اختلاف نہیں۔ طنز واستہزاء سے پڑھتے ہوں ان کے لئے حضرت شیخ الہندؒ کی شرح حدیث کو ٹھکرانا بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ واصحاب الشمال مااصحاب الشمال!

"والی اللہ المشتکی وھو المستعان وعلیہ التکلان"

المبحث الرابع: حدیث أبی الدرداء وأحوال رواته

"حدثنا عمرو بن سعد المصری[1] ثنا عبداللہ بن وھب[2] عن عمرو بن الحارث[3] عن سعید بن ابی ھلال[4] عن زید بن ایمن[5] عن عبادۃ بن نسئی عن ابی الدرداء ﷺ قال قال رسول اللہ ﷺ اکثروا الصلوٰۃ علیّ یوم الجمعۃ فانہ مشھود تشھدہ الملٰئکۃ وان احدا لن یصلی علیّ الا عرضت علیّ صلوٰتہ حتی یفرغ منھا قال قلت وبعد الموت قال وبعد الموت ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبیّ اللہ حیّ یرزق"

ترجمہ: عبادہ بن نسئی حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔ کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا۔ مگر یہ کہ اس کے فارغ ہوتے ہی وہ مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے۔ ابو الدرداءؓ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ کیا وفات کے بعد بھی آپ ﷺ پر درود پیش ہوتا رہے گا؟ آپ نے فرمایا کہ وفات کے بعد بھی اسی طرح پیش ہوتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے پس اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔

---

[1] عمرو بن سعد المصری ابو محمد المصری ثقۃ من الحادیۃ عشرۃ۔ ثقہ راوی حدیث ہیں۔ (تقریب ص ۳۹۲)

[2] عبداللہ بن وھب بن مسلم مولاھم ابو محمد المصری الفقیہ ثقۃ حافظ عابد من التاسعۃ (تقریب ص ۲۹۵)

[3] عمرو بن حارث ثقۃ فقیہ حافظ من السابعۃ (تقریب ص ۳۹۸)

[4] سعید بن ابی ھلال اللیثی مولاھم ابو العلاء المصری قیل مدنی الاصل قال ابن یونس بل نشاء بھا صدوق (تقریب ص ۱۹۵) صدوق راوی حدیث ہیں۔ ابن حزم سے پہلے کسی نے ان پر جرح نہیں کی اور ابن حزم کی جرح کا منشاء ان کا اپنا اعتقاد تھا وہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور اجساد قبر کی کسی قسم کی حیات کا انہیں اقرار نہ تھا۔ ابوداؤد کی روایت جس میں قبر میں عود روح کا بیان ہے۔ اس کی سند میں ایک راوی منہال بن عمرو تھے، ان پر بھی ابن حزم نے جرح کر دی تھی، تنقیح الرواۃ ص ۳۱۴ میں ہے: ولما رای ابن حزم حدیث المنھال رادا علی معتقدہ فی انکار عذاب الاجساد فی قبورھا طعن فیہ وطعنہ مردود والحدیث صحیح (ج ۱ ص ۳۱۴)

[5] زید بن ایمن روی عن عبادۃ بن نسئی وعنہ سعید بن ابی ھلال ذکرہ ابن حبان فی الثقات روی لہ ابن ماجہ حدیثا واحدا فی فضل الصلوٰۃ علی النبی ﷺ قلت رجالہ ثقات (تہذیب ج ۳ ص ۳۹۸) (ابن ماجہ ص ۱۱۹)

عبادہ بن نسیؒ

مشہور تابعی ہیں۔ وفات ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ حضرت اوس، عبادہ بن صامت، ابوالدرداء اور دوسرے کئی صحابہؓ سے احادیث سنیں۔ زید بن ایمن اور سعید بن ابی ہلال وغیرہما نے ان سے روایات لیں۔ امام احمد، یحییٰ بن معین، امام نسائی اور ابن سعدؒ انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے بھی ان کی تعریف کی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: "ثلثة نفر ينزل بهم الغيث وينصر بهم على الاعداء عبادة بن نسي رجاء بن حياة وعدي بن عدي" (تہذیب ج ۵ ص ۱۱۴)

ترجمہ: تین ایسی عظیم شخصیتیں ہیں کہ ان کے وسیلے سے بارشیں برستی ہیں اور ان کی برکتوں سے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی رہی ہے۔ ان میں سے پہلے عبادہ بن نسیٰ ہیں۔ (توسل بالذوات)

"تہذیب الکمال" میں بھی حضرت ابوالدرداءؓ سے ان کی حفظ اجساد انبیاء والی روایت منقول ہے اس کے آخر میں بھی فنبی اللہ حی یرزق کے الفاظ موجود ہیں۔ (حاشیہ تہذیب لابی الحسن ج ۳ ص ۲۹۸)

عبادہ بن نسیٰ سے اگلے راوی حضرت ابوالدرداءؓ ہیں۔ ان کا ترجمہ نقل کرنے اور ان کی تعدیل بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ وہ ایک نہایت جلیل القدر صحابی رسول ﷺ ہیں۔ عبادہ بن نسیٰ سے نچلے سب راوی ثقہ ہیں اور ان کے تراجم پیش ہو چکے ہیں اور اس پوری سند پر ماہرین حدیث کی ایک پوری جماعت "اسنادہ جید" کا حکم لگا چکی ہے۔ کما تقدم قبیل البحث الاول قال الحافظ المنذری اسنادہ جید۔ (ترجمان السنۃ ج ۳، ص ۲۹۷)

عراقی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں کہ زید بن ایمن اور عبادہ بن نسیٰ کے مابین انقطاع ہے۔ جواباً عرض ہے کہ اصل انقطاع اس حدیث کی طبرانی کی سند میں ہے جو سعید بن ابی ہلال عن ابی الدرداءؓ کے طور پر منقول ہے، وہاں رجال بھی محل کلام ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن قیمؒ نے جلاء الافہام میں تصریح کی ہے۔

زید بن ایمن اور عبادہ کے مابین دعویٰ انقطاع ثابت نہیں۔ اس پر دلیل مطلوب ہے۔ محض نقل دعویٰ ہی کافی نہیں، پھر بتایا جائے کہ یہ کون سی قسم کا انقطاع ہے، معتبر ہے یا غیر معتبر پھر بصورت معترت کن کن محدثین نے اس روایت کو رد کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں، زید بن ایمن کا عبادہ بن نسیٰ سے روایت کرنا ثابت ہے اسی طرح سعید بن ابی ہلال عبادہ سے روایت کرتے ہیں۔ (دیکھئے تہذیب ج ۳ ص ۳۹۸)

رہا یہ سوال کہ عبادہ بن نسیٰ کی روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے ثابت ہے یا نہیں؟ سو اس کا جواب بھی اثبات میں ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے کہ عبادہ کی روایت حضرت ابوالدرداءؓ سے ثابت ہے۔

محدثین نے اس حدیث کو قبول کیا ہے اور اس کی سند کو جید کہا ہے۔ سند جید تبھی ہوتی ہے کہ ضعف رواۃ اور انقطاع سے پاک ہو۔ سو اس عام قبولیت کے مقابل ان شاذ اقوال میں وہ قوت نہیں رہ جاتی کہ روایت کو رد کیا جاسکے۔

اگر یہ روایت مرسل ہے تو پیش نظر رہے کہ ہم اس سے بالاستقلال استدلال نہیں کر رہے بلکہ اسے حضرت اوس بن اوسؓ کی مذکورہ سابقہ روایت کی تفسیر میں پیش کیا جارہا ہے اور یہاں اس کا قبول کسی کے ہاں محل اعتراض نہیں۔ جن محدثین کو احتجاج بالمرسل میں کلام ہے۔ وہ بھی تفسیر المتصل بالمرسل میں مرسل کا اعتبار کرتے ہیں۔ ترمذیؒ

کی متصل روایت (بالفاظ تدریب) "خیر نسائها فاطمة کی تفسیر مسند حارث بن ابی اسامه کی روایت مریم خیر نسائها عالمها و فاطمة خیر نسائها عالمها" کے ساتھ اسی اصول پر کی گئی ہے۔ حالانکہ ثانی الذکر صحیح سند کے باوجود مرسل ہے اور سند میں انقطاع ہے۔ مگر چونکہ تفسیر و توضیح میں پیش کی جارہی ہے اس لئے محدثین شافعیہ بھی جو احتجاج بالمرسل کے قائل نہیں، اسے قبول کر رہے ہیں۔ تعجب ہے کہ تفسیر المتصل بالمرسل کے باب میں بھی اس ابن ماجہ کی جید الاسناد حدیث کا اعتبار نہ کیا جائے۔

"وکل من تامل فيه علم وتيقن ان العلم بالارسال من الدقيق الذى لا يستدركه الا الموفق او الطالب المتحقق"

المبحث الخامس: تدقيق الكلام في عرض الصلوٰة والسلام

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ان صلوتكم معروضة علیّ" (تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے) یہ آپ نے کب فرمایا؟

یہ آپ کی حیات طیبہ کی بات ہے...... اس وقت آپ پر درود و سلام کس طرح پیش ہوتا تھا؟ جواب ظاہر ہے کہ جو قریب آکر آپ پر سلام کہے، آپ خود سنتے تھے اور جو دور سے پڑھا جائے یا دوسرے بلاد و ممالک میں ہو وہ آپ کو فرشتے پہنچاتے ہیں۔ یہ بات اتنی ظاہر ہے کہ اس کے کسی پہلو میں کوئی علمی تشنگی نہیں ہے۔

فرشتے آپ پر امت کا درود و سلام کیسے پہنچاتے ہوں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ جانیں، وہ فرشتے جانیں یا حضور ﷺ جن پر وہ درود و سلام پیش ہوتا تھا اور آپ نے اس کی اپنی امت کو بایں الفاظ (ان صلوتكم معروضة علیّ) اطلاع دی، تاہم یہ صحیح ہے کہ یہ ایک برزخی کیفیت تھی۔ جسے دوسرے لوگ نہ دیکھ پاتے تھے اور نہ سنتے تھے حضور ﷺ اپنی اس دنیوی حیات میں ان برزخی کیفیات سے بالکل مانوس تھے۔ معراج کی رات آپ اس دنیوی جسد سے ہی اس برزخی سیرگاہ میں لے جائے گئے تھے۔ یہاں حضور ﷺ کے دنیوی جسد اور برزخی نظاروں کا اجتماع تھا۔ قرآن پاک کی رو سے اسراء کے جلوؤں میں لِنُرِيَهُ مِنْ آيَاتِنَا (تاکہ ہم اپنے بندے کو نشان دکھائیں) کی شان ہی تو جلوہ گر تھی۔

آنحضرت ﷺ کے امتی ہر طرف ہزاروں کی تعداد میں پھیلے تھے اور پھر ہر ایک امتی آپ پر سینکڑوں بار درود بھیجتا تھا اور یہ سارا درود و سلام حضور ﷺ پر ہر ایک ایسے لطیف پیرایہ میں پیش ہوتا تھا کہ ہم اسی وادی کے ناآشنا اس باب میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

درود و سلام آپ پر کسی مرئی شکل میں پیش ہوتا تھا یا آپ صرف اس پر اطلاع پاتے تھے آپ نے اس کی تفصیل نہیں بتائی تاہم یہ صحیح ہے کہ آپ نے اپنی اس دنیوی حیات میں اعمال امت کے بہت سے برزخی جلوے دیکھے ہیں۔

ایک دفعہ اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کے سینہ مبارکہ پر اپنی قدرت کا ہاتھ رکھا تو آنحضرت ﷺ مدینہ منورہ میں بیٹھے ملاء اعلیٰ (اوپر کے جہان) کی باتیں سننے لگے، فرشتے کفارات کی باتیں کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے پوچھا: "فيما يختصم الملأ الاعلى" کس بات میں اوپر والے جھگڑا کر رہے ہیں؟

(جامع ترمذی ج ۲، ص ۱۵۹)

پھر حضور ﷺ نے یہ بھی بتایا: "عرضت علیّ اجور امتی... وعرضت علیّ ذنوب امتی فلم ار ذنبا اعظم من سورۃ من القران او اٰیۃ اوتیھا رجل ثم نسیھا" (ایضاح ۲ ص ۱۱۵ عن انس بن مالک مرفوعا)

ترجمہ: مجھ پر میری امت کے انعامات اعمال پیش کئے گئے......اور مجھ پر میری امت کے گناہ بھی پیش کئے گئے۔ سب سے بڑا گناہ میں نے یہ دیکھا کہ کوئی شخص قرآن کریم کی کوئی سورۃ یا آیت یاد کر کے بھلا دے۔

اجور وذنوب کن امور کی صدائے بازگشت ہے۔ یہ کس چیز پر مرتب ہوئے؟ اعمال پر......سو اگر اجور و ذنوب حضور ﷺ پر پیش ہو سکتے ہیں تو امت کے اعمال آپ پر کیوں پیش نہیں ہو سکتے؟ اس کا ثبوت بھی حدیث میں مل جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا: "حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرض علیّ اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئ استغفرت اللہ لکم"

(رواہ البزار باسناد جید فتح الملہم ج ۱ ص ۴۱۳)

ترجمہ: میری زندگی بھی تمہارے لئے خیر اور میری وفات بھی تمہارے لئے خیر اس ممات میں تمہارے اعمال مجھ پیش کئے جائیں گے جو اچھے ہوں گے اس پر میں اللہ کی حمد کہوں گا اور جو برے ہوں گے ان پر میں تمہارے لئے اللہ سے استغفار مانگوں گا۔

آپ اپنی امت کے نیک اعمال سے خوش ہوتے ہیں اور یہ اس کے بغیر نہیں ہو سکتا کہ آپ پر امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہوں۔ قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ) کہتے ہیں: "انہ یسر بطاعات امتہ وان الانبیاء لا یبلون"

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۰۵)

ترجمہ: آپ اپنی امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور یہ حقیقت ہے کہ انبیاء کے اجساد پرانے نہیں ہوتے۔

درود وسلام کا آپ پر پیش ہونا احادیث میں اس کثرت سے وارد ہے کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیفیت اس کی اللہ کو ہی معلوم ہے۔ لیکن بعض روایات میں اس کے اوقات بھی دیئے گئے ہیں۔ حضرت امام شافعی روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "اذا کان یوم الجمعۃ ولیلۃ الجمعۃ فاکثروا الصلوٰۃ علیّ"

(مسند امام شافعی ص منتقی الاخبار ج ۳ ص ۳۰۴)

ترجمہ: جب جمعہ کا دن ہو یا جمعہ کی رات تو مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو۔

یہ تو کثرت سے درود پڑھنے کی ترغیب ہے، اب پیش کئے جانے کا موقعہ بھی معلوم کر لیں سعید بن منصور اپنی سنن میں یہ روایت لائے ہیں۔

"اکثروا الصلوٰۃ علیّ فی کل یوم جمعۃ فان صلوٰۃ امتی تعرض علیّ فی کل یوم جمعۃ"

(منتقی الاخبار لابن تیمیہ ج ۳ ص ۳۰۴)

ترجمہ: مجھ پر جمعہ کے روز درود کثرت سے پڑھو۔ کیونکہ میری امت کا درود مجھ پر ہر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔

حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ پر کس پیرائے میں صلوٰۃ وسلام پیش ہوتا تھا صحابہؓ نے اس کی آپ سے کبھی کیفیت نہ پوچھی۔ البتہ انہیں یہ اشکال پیش آیا کہ آپ کی وفات کے بعد یہ عرض صلوٰۃ وسلام جسد اطہر پر کیسے ہوگا۔ جب کہ آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ انبیاء کے اجساد کبھی مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے، محفوظ رہتے ہیں۔

اس جواب سے یہ بات واضح ہو گئی کہ وفات کے بعد آپ پر عرض صلوٰۃ وسلام نئے سرے سے شروع نہ ہوگا۔ بلکہ اسی عرض کا تسلسل ہے جو آپ کو اس دنیا میں حاصل تھا۔ جب یہاں یہ عرض روح وجسد کے مجموع پر تھا تو وہاں بھی یہ عرض صلوٰۃ وسلام اس جسد اطہر پر ہوتا ہے جس کے محفوظ رکھنے کی اللہ تعالیٰ نے ضمانت دی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو اس طرف متوجہ کر دیتا ہے عرض صلوٰۃ وسلام پہلے ہے اور رد اللہ علیّ روحی (روح اقدس کا اس طرف متوجہ ہونا) اس کے بعد ہے حدیث کی ترتیب یہی ہے: ”حیوۃ الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام متفق علیہا لاخلاف لاحد فیہ فقال الحافظ معناہ رد اللہ علیّ نطقی“ (انوار المحمود ج ا ص ۶۱۰)

ترجمہ: انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات اہل اسلام میں متفق علیہ ہے کسی شخص کا اس میں اختلاف نہیں ہے، حافظ ابن حجر کہتے ہیں روح لوٹانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مجھ پر میرے نطق کو لوٹا دیتا ہے جس سے میں اس کو جواب دیتا ہوں۔

حضور ﷺ کے فرمان رد اللہ علیّ روحی کا مطلب یہ نہیں کہ حضور ﷺ کو اس وقت زندہ کیا جاتا ہے۔ آپ کی حیات تو اپنی جگہ متفق علیہ ہے۔ یہاں مراد رد اللہ علیّ نطقی ہے۔

چوتھی توجیہ جو حافظ ابن حجر نے کی ہے یہ ہے: ”المراد بالروح النطق فتجوز فیہ من جھۃ خطابنا بما نفھمہ“ (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲)

ترجمہ: یہاں روح سے مراد نطق ہے یہ ہمارے خطاب کی جہت سے کہ ہم اسے سمجھ پائیں درست ہے۔ (ایسے معنی ہو سکتے ہیں)

طبرانی میں ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں: ”لیس من عبد یصلی علیّ الا بلغنی صلاتہ ... قلنا وبعد وفاتک قال وبعد وفاتی۔ ان اللہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء“ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۰۵)

ترجمہ: کوئی ایسا بندہ نہیں کہ وہ مجھ پر درود نہ بھیجے مگر یہ کہ اس کا درود مجھے پہنچتا ہے (ہم نے پوچھا) اور وفات کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا اور میری وفات کے بعد بھی...... بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔

آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچتا ہے یہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ قریب سے ہو تو براہ راست اور دور سے ہو تو بتوسط ملائکہ...... یہ بات یقینی ہے کہ آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچتا ہے۔

اس حدیث میں پہلے روح کا لوٹنا ذکر نہیں کیا گیا۔ معلوم ہوا حیات آپ کو پہلے سے حاصل ہے جب کوئی شخص آپ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اقدس کو جو ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی ذات وتجلیات میں حالت استغراق میں ہے کچھ ادھر بھی متوجہ فرما دیتے ہیں اور آپ کو اس کا درود وسلام پہنچا دیا جاتا ہے اور ہمیں معلوم نہیں اسی روح اقدس کی جہات توجہ کتنی کروڑوں ہیں جو ہر امتی کا صلوٰۃ وسلام لے لیتی ہیں بلکہ سلام کرنے والوں کو آپ جواب بھی دیتے ہیں۔ احادیث میں اس سلسلے میں رد اللہ علیّ روحی کے الفاظ ہیں رد اللہ الی روحی کے الفاظ نہیں۔ پہلے جملہ کا ترجمہ ہے مجھ پر روح لوٹائی جاتی ہے۔ دوسرے جملہ کا ترجمہ ہے، روح میری طرف لوٹائی جاتی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں: ”اگر لفظ الی روحی فرمایا گیا

ہوتا تو آپ کا شبہ وارد ہو سکتا ہے اس اور علی کے فرق سے آپ نے ذہول فرمایا علی استعلاء کے لئے ہے اور الی نہایت طرف کے لئے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ وسلام سے پہلے روح کا (اس جہت میں) استعلاء نہ تھا یہ کہ وہ جسم اطہر سے بالکل خارج تھی اور اب اس کو جسم اطہر کی طرف لوٹایا گیا ہے۔" (مکتوبات شیخ الاسلام ج ا ص ۲۲۸)

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں: "اکثر شارحین نے رد روح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی اور جلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے...... پھر جب کوئی امتی سلام کرتا ہے اور وہ فرشتہ کے ذریعہ یا براہ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح (ایک جہت سے) اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں بس اس روحانی توجہ والتفات کو روح سے تعبیر فرمایا گیا۔" (معارف الحدیث ج ۵ ص ۳۷۶)

سلام پیش کرنے والوں کی طرف روح اقدس کی ہزاروں جہات متوجہ، مجیب اور متبدن (کبھی کسی طرف اور کبھی طرف) ہیں۔ مگر اس سے روح اقدس کا ذات وتجلیات الٰہی میں استغراق متاثر نہیں ہوتا۔ اس میں فرق نہیں ہوتا۔ آپ ہر وقت جمال وجلال کے مشاہدہ میں مستغرق ہیں آٹھویں صدی کے مشہور محدث حافظ ابن الملقن (۸۰۴ھ) فرماتے ہیں: "المراد برد الروح النطق لانہ ﷺ حی فی قبرہ وروحہ لاتفارقہ لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم" (نقلہ الشوکانی فی شرح حصن حصین ص ۲۸)

ترجمہ: ردِ روح (روح کے بدن کی طرف لوٹنے) سے مراد نطق ہے (کہ آپ جواب دے سکیں) کیونکہ حضور ﷺ تو اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح اقدس تو کبھی بھی آپ سے جدا نہیں ہوتی یہ بات صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) نے ردِ روح سے پیدا ہونے والے اشکال کے متعدد جواب دیئے ہیں۔

"الخامس انہ یستغرق فی امور الملاء الا علیٰ فاذا سلم الیہ رجع الیہ فھمہ لیجیب من سلم علیہ" (فتح الباری ج ۶ ص ۳۵۲)

ترجمہ: پانچویں بات یہ ہے کہ آپ ملاء اعلیٰ کے جلووں میں مستغرق رہتے ہیں پس جب کوئی شخص آپ پر سلام بھیجتا ہے تو آپ کا فہم آپ کی طرف واپس لوٹتا ہے تاکہ آپ اس کے سلام کا جواب دیں۔

پھر اس پر ایک اور اشکال وارد کرتے ہیں اور پھر اس جواب پر یہ بحث ختم کر دیتے ہیں: "ان امور الآخرۃ لاتدرک بالعقل واحوال البرزخ اشبہ باحوال الآخرۃ واللہ اعلم" (ایضاً)

ترجمہ: آخرت کے حالات عقل سے جانے نہیں جا سکتے اور عالم برزخ کے حالات آخرت کے حالات سے بہت ملتے جلتے ہیں۔

حافظ ابن حجر کے شاگرد محدث سخاوی (۹۰۲ھ) علامہ تقی الدین سبکی سے ردروح کا معنی نقل کرتے ہیں: "یحتمل ان یکون ردا معنویا وان تکون روحہ الشریفۃ مشتغلۃ بشھود الحضرۃ الإلٰھیۃ والملأ الاعلیٰ عن ھذا العالم فاذا سلم علیہ اقبلت روحہ الشریفۃ علیٰ ھذا العالم لیدرک سلام من یسلم علیہ ویرد علیہ" (القول البدیع ص ۱۲۷)

ترجمہ: یہاں ردروح سے مراد روح کا حسا لوٹنا نہیں معنوی طور پر لوٹنا ہے وہ اس طرح کہ آپ کی روح شریفہ اس عالم سے ہٹ کر دربار الٰہی اور ملاء اعلیٰ کے شہود میں مشتغل رہے۔ پھر جب کوئی شخص آپ پر سلام کہے تو آپ کی روح شریفہ اس عالم پر ظہور کرے تاکہ سلام کرنے والے کے سلام کا ادراک کرے اور اسے جواب بھی دے۔

علامہ جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ) جملہ رد اللہ علی روحی کو جملہ حالیہ قرار دیتے ہیں اور فرماتے عربی قاعدہ ہے کہ جملہ حالیہ جب ماضی کے طور میں ہو تو اس میں قد مقدر نکالنا پڑتا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے: "اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ" (پ ۵ النساء ۹۰)

ترجمہ: یا وہ آئے تمہارے پاس دراں حالیکہ تنگ آچکے ہیں ان کے دل تمہاری لڑائی سے یا اپنی قوم کی لڑائی۔

حصرت فعل ماضی ہے جیسے ردّ فعل ماضی ہے۔ اس صورت میں حدیث معنی اس طرح واضح ہوگی: "مامن احد یسلم علیَّ الا وقد رد اللہ علیَّ روحی قبل ذٰلک وأرد علیہ" (انباء الاذکیاء ص ۱۰)

ترجمہ: کوئی ایسا شخص نہیں کہ وہ مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس سے پہلے مجھ پر میری روح لوٹا دیں اور یہ کہ میں اس کا جواب دوں۔

آپ آیئے گیارہویں صدی کے مصر کے نامور عالم علامہ احمد بن محمد الخفاجی (۱۰۶۹ھ) کا جواب بھی ملاحظہ کیجئے: "لان الکون لا یخلو من مسلم یسلم علیہ فی کل لحظة" (شرح شفاء ج ۳ ص ۴۹۹)

ترجمہ: کیونکہ جہان کسی ایسے وقت سے خالی نہیں کہ مسلمان وہاں ہر لحظہ عرض سلام نہ کر رہے ہوں۔

اب بارہویں صدی میں چلئے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ بھی مرکز سلام اسی روضہ قدسیہ کو ہی سمجھتے ہیں جس میں حضور اکرم ﷺ دفن ہیں اور جہاں زائرین لاکھوں کی تعداد میں حاضری دیتے ہیں۔ آپ لکھتے ہیں: "وارواح الکمل اذا فارقت اجسادها صارت کالموج المکفوف لا یهزها ارادة متجددة وداعیه سانحة ولکن النفوس التی هی دونها تلتصق بالهمة فتجلب منها نورا وهیئة مناسبة للارواح وهی المکنی عنه بقوله ﷺ مامن احد یسلم علیَّ الا رد اللہ علیَّ روحی حتی ارد علیه ﷺ وقد شاهدت ذٰلک مالا احصی فی مجاورتی المدینة سنة الف وماة واربع واربعون"

ترجمہ: اور کاملین کی ارواح جب اپنے اجساد سے جدا ہوتی ہیں تو وہ ایک رکی ہوئی موج کی صورت میں ہو جاتی ہیں۔ اب انہیں کوئی نیا ارادہ اور پیش آنے والا داعیہ حرکت نہیں دے سکتا۔ ہاں وہ نفوس جو درجہ میں ان سے کم ہوتے ہیں وہ (اپنی روح کی) ہمت سے ان سے جا چمٹتے ہیں اور ان سے نور اور ہیبت جو اپنی ارواح کے مناسب ہو جلب کرتے ہیں (اپنی طرف کھینچتے ہیں) حضور ﷺ کے اس ارشاد میں کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے (متوجہ کر دیتا ہے) حتیٰ کہ میں اس پر سلام لوٹا دیتا ہوں اسی طرف اشارہ ہے اور میں نے ۱۱۴۴ھ میں جب میں مدینہ کی مجاورت میں تھا، میں نے اس سلام و جواب کا اتنی دفعہ مشاہدہ کیا کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔

اس سے پتہ چلا کہ روح اقدس عالم بالا میں ہو کر جسد اطہر پر اس طرح تجلی ریز ہے کہ آپ زائرین کا سلام سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں اور جو لوگ آرام گاہ نبوت اور مزار پر انوار پر مجاورت اختیار کیے بیٹھے ہیں وہ دن رات ان جلوؤں سے متمتع اور فیضیاب ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۷ھ) تفرد اختیار نہیں کرتے آپ لکھتے ہیں: "جب کوئی رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ وتجلیات اللہ سے بوجہ محبوبیت وخصوصیت تامہ جو آپ کو حاصل رہتی ہے اپنے ہوش (ادھر دھیان کرنا) عطاء فرما دیتا ہے۔"

(آب حیات ص ۱۷۵)

اب چودھویں صدی میں بھی یہی معنی حدیث سنیں اور یقین کریں الا رد اللہ علی روحی کے الفاظ ہرگز یہ نہیں کہتے کہ سلام سے پہلے بدن اطہر روح سے بالکل بے تعلق تھا۔ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہار نپوری (۱۳۴۶ھ) لکھتے ہیں: "قال القاضی لعل معناہ الیٰ روحہ المقدسۃ فی شان مالی حضرۃ الالٰہیۃ فاذا بلغہ سلام احد من الامۃ رد اللہ تعالیٰ روحہ المطہرۃ من تلک الحالۃ الیٰ رد من سلم علیہ" (بذل المجہود ج ۳ ص ۲۰)

ترجمہ: قاضی عیاض کہتے ہیں یہ معنی ہو سکتا ہے کہ آپ کی روح اقدس اللہ تعالیٰ کے حضور ہو اور جب بھی آپ کو امت میں سے کسی کا سلام پہنچے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اطہر کو اس حالت سے اس کی طرف لوٹا دیتے ہیں جس نے آپ پر سلام عرض کیا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے فتح الملہم کی پہلی ج میں اس پر پوری بحث کی ہے۔ (دیکھئے فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰) یہ چودہ سو سال کا علمی سرمایہ ہے جو ہم نے آپ کے سامنے لا کر رکھ دیا ہے۔ چودہ سو سال کے اعیان امت میں ایک ایسا عالم نہیں ملتا جس نے الا رد اللہ علی روحی سے یہ استدلال کیا ہوا ہے کہ حضور اکرم ﷺ قبر میں زندہ نہیں ہیں اور روح اسی وقت لوٹتی ہے جب کوئی آ کر آپ پر سلام کرے۔

اب ہم اس بحث کو شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا دامت برکاتہم کے بیان پر ختم کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں حضور ﷺ پر عرض صلوٰۃ وسلام جسد اطہر اور روح اقدس دونوں پر ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ اس کا تعلق صرف روح سے ہو اور جسد اطہر کسی شعور اور ادراک کے بغیر قبر مبارک میں بے جان پڑا ہو۔ آپ حدیث ان صلوٰتکم معروضۃ پر لکھتے ہیں: "اور حدیث پاک میں اس طرف اشارہ ہے کہ درود روح مبارک اور بدن مبارک (دونوں) پر پیش ہوتا ہے۔" (فضائل درود شریف ص ۳۷)

اس بات سے کہ حضور اکرم ﷺ پر اس دنیا میں بھی صلوٰۃ وسلام پیش ہوتا تھا اور آپ کو یہاں کئی برزخی مناظر دکھا دیئے جاتے تھے اور یہ کہ آپ بھی عذاب قبر کی آوازیں بھی سن لیتے اور کبھی بغیر کھائے پئے روزوں میں وصال فرماتے اور دل آپ کا کبھی نہ سوتا تھا۔ ہمیشہ بیدار رہتا تھا یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ!

آپ کی دیکھنے کی قوت اوروں جیسی نہ تھی آپ کی سننے کی روحانی قوت اور لوگوں کی طرح نہ تھی۔ آپ کا مادی غذا کا احتیاج اور لوگوں کی طرح کا نہ تھا آپ کا قلب مبارک نرالی شان کا حامل تھا اور آپ کا بدن اطہر عام ابدان سے مختلف تھا۔

"حسبوا ان جسد النبی ﷺ کجسد کل احد فکفی فی الجواب ماقالہ علی وجہ الصواب"

(مرقات ج ۳ ص ۲۳۸ حاشیہ ابی داؤد شیخ الہند ج ۱، ص ۱۵۷)

ترجمہ: انہوں نے گمان کیا تھا کہ نبی پاک کا جسد اطہر بھی دوسرے لوگوں کے جسد کی طرح ہوگا۔ سو حضور ﷺ نے جو جواب دیا وہ صحیح صورت بتلانے کے لئے کافی تھا۔

ہم یہ بات صرف اپنی عقیدت سے بیان نہیں کر رہے صحابہ کرام ﷢ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ حضور اکرم ﷺ پر درود پیش ہوتا ہے اسود بن یزید کہتے ہیں سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ (۳۲ھ) فرمایا کرتے تھے: ''اذا صلیتم علی رسول اللہ ﷺ فاحسنوا الصلوٰۃ علیہ فانکم لاتدرون لعل ذلک یعرض علیہ''

(سنن ابن ماجہ ص ۶۵)

ترجمہ: جب تم حضور ﷺ پر درود پڑھو تو بڑے اچھے پیرایہ میں پڑھو تم نہیں جانتے ہو سکتا ہے وہ (قبولیت کے ساتھ) آپ پر پیش کیا جا رہا ہو۔

شاگردوں نے کہا پھر آپ ہمیں سکھائیں ہم کیسے اپنے درود کو اچھا بنائیں تو آپؓ نے فرمایا یوں کہو: ''اللّٰھم اجعل صلوٰتک ورحمتک وبرکاتک علی سید المرسلین وامام المتقین وخاتم النبیین محمد عبدک ورسولک امام الخیر وقائد الخیر ورسول الرحمۃ اللّٰھم ابعثہ مقاما محمودا یغبط بہ الاولون والآخرون اللّٰھم صل علی محمد وعلی ال محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انک حمید مجید اللّٰھم بارک علی محمد وعلی ال محمد کما بارکت علی ابراھیم وعلی ال ابراھیم انک حمید مجید''

نوٹ: قارئین سے درخواست ہے کہ آپ بھی ایک دفعہ پوری توجہ کے ساتھ اس پیرایہ میں حضور ﷺ پر درود بھیجیں گر قبول افتد، زہے عز وشرف جمعہ کے دن یہ عمل کریں تو انشاء اللہ زیادہ فائدہ مند رہے گا۔

درود پہنچانے والے کارکنان الٰہی

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام'' (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۴۳ سنن دارمی ص ۳۷۲)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے سیاحت ارض پر مقرر ہیں وہ میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

درود پڑھنے والے تو بے شک زمین پر ہیں۔ اب درود جسے پہنچانا ہے وہ اگر آسمانوں پر ہو یا اعلیٰ علیین میں تو وہ فرشتے جو اس کام پر کارکنان الٰہی لگے ہوئے ہیں سیاحین فی الارض (زمین پر پھرنے والے) کیسے تصور ہوں گے۔ اگر وہ درود شریف حضور ﷺ کو قبر انور پر پہنچاتے ہوں تو بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ یہیں سے لیتے ہیں اور یہیں پہنچاتے ہیں اور اسی سبب سے وہ سیاحین فی الارض ٹھہرتے ہیں اور وہ زمین وآسمان میں چکر لگانے والے نہ ہوئے لیکن اگر درود روضہ انور پر پیش نہیں ہوتا تو سیاحین فی الارض میں خطرناک تاویل کرنی پڑے گی حضور ﷺ جب اس دنیوی زندگی میں تھے تو اس وقت حضور ﷺ کو جو فرشتے درود پہنچاتے تھے وہ بھی تو یہی سیاحین فی الارض تھے۔ آپ کی وفات سے اس نظام میں تو کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب سیاحین فی الارض حضور ﷺ کے امتیوں کا سلام اپنے طور پر حضور ﷺ پر عرض کرتے ہوں گے یا وہاں ان کا سردار کوئی اور فرشتہ ہوگا جو ساری دنیا میں دور رہنے والے امتیوں کے سلام ان سے لے گا اور ان امتیوں کی طرف سے حضور ﷺ کو پہنچائے گا حضور ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پیش ہونے کی روایات اس قدر ہیں کہ ان پر تواتر معنوی کا دعوے کیا جا سکتا ہے۔ کوئی مسلمان نہیں جو حضور ﷺ پر خلوص دل سے صلوٰۃ وسلام

کہے اور وہ حضور ﷺ پر پیش نہ ہوتا ہو۔ آپ نے فرمایا: ''عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ اکثروا الصلوۃ علیٰ یوم الجمعۃ فانہ مشھود تشھدہ الملئکۃ وان احدا لن یصلی علیٰ الا عرضت علیٰ صلوتہ حتی یفرغ منھا'' (رواہ ابن ماجہ کمافی منتقی الاخبار ج ۳ ص ۳۰۴)

ترجمہ: جمعہ کے دن مجھ پر درود کثرت سے پڑھا کرو۔ یہ یوم مشہود (حاضری کا دن) ہے اس دن فرشتے حاضری دیتے ہیں کوئی شخص مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ وہ مجھ پر پیش ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جائے۔

یعنی جمعہ کے دن تو وہ پڑھتے پڑھتے ہی پیش ہو رہا ہے۔ کیونکہ جمعہ کے دن فرشتے آپ پر حاضری دیتے ہیں کہ امت کا صلوۃ وسلام آپ کو پہنچا دیں۔ دوسرے دنوں میں پڑھا جانے والا بھی جمعہ کے دن ہی پیش ہوتا ہے۔

سیاحین فی الارض کا دائرہ کار

درود وسلام پہنچانے والے فرشتوں کا دائرہ کار دور سے درود پڑھنے والوں اور حضور ﷺ کے روضہ پاک کے مابین ہے جو خود آکر سلام عرض کریں اس میں فرشتے واسطہ نہیں بنتے۔ ملا علی قاری ﷫ (۱۰۱۴ھ) لکھتے ہیں:

''درود وسلام پہنچانے کے لئے فرشتوں کا تقرر اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو روضہ اطہر سے دور ہو۔''

(مرقات ج ۲ ص ۶)

شیخ عبدالحق دہلوی ﷫ ۱۰۵۲ھ) سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر ﷜ سے نقل کرتے ہیں: ''نیز از ابن عمر ﷜ آمدہ ومن صلی علی عند قبری رددت علیہ ومن صلی علی فی مکان آخر بلغونیہ''

(جذب القلوب الی دیار المحبوب ص ۱۸۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر ﷜ سے بھی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود پڑھے گا میں اس پر اور سلام کہوں گا اور جو کسی اور جگہ سے مجھ پر درود پڑھے گا وہ (سمجھو) مجھے فرشتوں نے پہنچایا ہے (اس میں میری طرف سے جواب لازم نہیں)

قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) اس قسم کی احادیث پر جن میں حضور ﷺ پر صلوۃ وسلام پیش ہونے کا بیان ہے بحث کرتے ہوئے اپنا حاصل مطالعہ ان الفاظ میں لکھتے ہیں: ''والاحادیث فیھا مشروعیۃ الاکثار من الصلوۃ علی النبی ﷺ یوم الجمعۃ وانھا تعرض علیہ ﷺ وانہ حیّ فی قبرہ وورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشھداء انھم احیاء یرزقون وان الحیاۃ فیھم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین''

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۰۵)

ترجمہ: اور احادیث میں جمعہ کے دن نبی کریم ﷺ پر کثرت سے درود پڑھنے کی مشروعیت ہے اور اس بات کا ثبوت ہے، کہ وہ نبی اکرم ﷺ پر پیش کیا جاتا ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور قرآن کریم میں شہداء کے حق میں یہ نص موجود ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں (اگلے جہان کے حسب حال) رزق بھی ملتا ہے اور ان کی حیات صرف روح کی نہیں جسد کے ساتھ ہے جب شہداء کا یہ حال ہے تو انبیاء ومرسلین کی حیات (فی القبر) کتنی قوی ہوگی۔

ایک سوال: درود پڑھنے والوں کا درود اگر اس زندگی میں بھی حضور ﷺ پر پیش ہوتا تھا تو حضور ﷺ جب مقام حدیبیہ میں تھے اور کسی نے خبر دی کی حضرت عثمانؓ مکہ میں شہید کر دیئے گئے ہیں اور آپ نے ان کے خون کے بدلہ میں پندرہ سو صحابہؓ سے بیعت لی اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی اپنے بائیں ہاتھ سے بیعت لی تو آپ کو ان کا درود پیش ہونے سے کیوں پتہ نہ چلا کہ آپ مکہ میں زندہ ہیں شہید نہیں کئے گئے۔ آپ کو پتہ چل جانا چاہئے تھا کہ قتل عثمانؓ کی اطلاع غلط ہے؟

جواب: (۱) جب آپ نے حضرت عثمانؓ کی طرف سے بھی بیعت لی تو کیا یہ اس بات کا اشارہ نہیں کہ آپ کا گمان یہی تھا کہ یہ خبر غلط ہے۔

(۲) اگر حضرت عثمانؓ شہید بھی ہو گئے ہوتے اور یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور یہ بات بھی اپنی جگہ ثابت ہے اونچے درجے کے مقربین برزخ اور جنت میں بھی اعمال طاعت میں لگے رہتے ہیں۔ گو یہ ان پر فرض اور واجب نہ ہو تو اگر حضرت عثمانؓ کی طرف سے درود برابر آرہا تھا۔ تو کیا یہ اس کا محمل نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ عالم برزخ میں حضور ﷺ پر درود وسلام بھیج رہے ہوں اس احتمال کے ہوتے ہوئے حدیبیہ میں اس خبر شہادت سے آپ پر درود پیش ہونے کی روایات رد نہیں کی جا سکتیں۔

(۳) کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ پر پوری امت کا درود اجمالاً پیش کیا جاتا ہو تفصیلاً نہیں یا یہ کہ صرف جمعہ کو پیش ہوتا ہو۔ ہر روز نہیں۔

(۴) آپ پر اعمال امت پیش ہونے کی روایات تو ملتی ہیں۔ آپ پر حالات امت پیش ہوتے ہوں، یہ بات کسی روایت میں نہیں ملتی۔ امت کے مجموعی حالات کی آپ کو اطلاع ملتی ہو۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ فرداً فرداً ہر ایک کی آپ کو اطلاع دی جائے ان امور میں غور کرنے سے آپ کے شبہات کا ان شاء اللہ العزیز ازالہ ہو جائے گا۔

یہ فصل درود وسلام کے پیش ہونے کے بارے میں تھی یہ حدیث ان صلوٰتکم معروضة علیّ کا مختلف پہلوؤں سے بیان تھا۔ رہا حضور ﷺ کے روضہ پاک پر حاضر ہو کر خود براہ راست درود وسلام پڑھنا تو یہ پیش ہونے کا موضوع نہیں۔ اس پر ایک مستقل باب آگے آرہا ہے۔

المبحث السادس: التحقیق المفید فی الذب عن الشیخ الشهید

بعض مبتدعین حضرت مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کے ذمہ یہ لگاتے ہیں کہ وہ انبیائے کرام علیہم کے (وفات شریفہ کے بعد) مٹی کے ساتھ مٹی ہو جانے کے قائل تھے۔ ان کے نزدیک یہ حدیث کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم کے اجساد مطہرہ مٹی پر حرام فرما دیئے، ثابت نہیں اور اگر ثابت تھی تو پھر ان کی تحقیق میں ضعیف ہو گی۔ اس الزام کے لئے حضرت شہیدؒ کی جو عبارت پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے:

یعنی میں بھی ایک دن مر کر مٹی میں ملنے والا ہوں، تو کب سجدے کے لائق ہوں۔

یہاں لفظ ''ملنا'' محل اعتراض ہے اور اسی پر الزام کی ساری عمارت تعمیر کی جاتی ہے حالانکہ مٹی کے ساتھ ملنا اور بات ہے اور مٹی ہونا اور بات ہے۔

اردو زبان میں لفظ "ملنا" کے یہ معنی ملتے ہیں: "پیوستہ ہونا، ملحق ہونا، چسپاں ہونا، ایک ذات ہونا"
(نور اللغات ج ۴ ص ۶۳۲)

معترضین خواہ مخواہ اس لفظ کو چوتھا معنی پہناتے ہیں۔ تاکہ پھر کفر کی مشین کو حرکت دے سکیں حق یہ ہے کہ حضرت شیخ شہیدؒ کی عبارت میں یہ پہلے معنی مراد ہیں۔ اس تشریح میں حضور ﷺ کی طرف سے یہ کہا جا رہا ہے کہ مجھے بھی ایک دن پردہ قبر میں جانا ہے مٹی میں ملنے والا ہوں۔ اس سے مراد یہی ہے کہ ایک دن مجھے قبر کی مٹی سے ملحق ہونا ہے، نہ یہ کہ مجھے مٹی ہو جانا ہے۔ (معاذ اللہ) اردو زبان کا جامع ترین لغت "جامع اللغات" ج ۲ ص ۵۶۵ میں خاک میں ملنا کے معنی دفن ہونا اور مٹی میں پڑنا بھی لکھے ہیں ج ۴ ص ۴۶۰ میں لکھا ہے: "مٹی سے مٹی مل جانا، دفن ہونا"

منیر اللغات ص ۹۰ میں ہے: "خاک میں ملنا، دفن ہونا"

اسی طرح سعید اللغات مرتبہ منیر لکھنوی میں ہے: "مٹی میں مل جانا، دفن ہو جانا"

ان تصریحات کی موجودگی میں ظاہر ہے کہ مٹی میں ملنے والا ہوں کا معنی یہی ہے کہ ایک دن مجھے قبر میں دفن ہونا ہے۔ اب اسے ضد و عناد سے ان معنوں پر محمول کرنا جو مصنف کے حاشیہ خیال میں بھی نہ گزرے ہوں کس قدر فریب اور ظلم ہے۔ والی اللہ المشتکی!

پیش نظر رہے کہ جب کوئی چیز دوسری چیز کے ساتھ کسی ایک جہت سے چسپاں ہو تو اس ملنے کو اس طرح تعبیر کرتے ہیں کہ "یہ چیز اس چیز سے ملی ہوئی ہے۔" لیکن اگر اول الذکر کو اس ثانی الذکر چیز نے چاروں طرف سے احاطہ کر رکھا ہو اور اس کی ہر جہت اس سے ملحق ہو رہی ہو تو پھر پہلی چیز کے متعلق یہ نہیں کہا جائے گا کہ "یہ چیز اس سے ملی ہوئی ہے" بلکہ زیادہ بلیغ انداز یہی ہوگا کہ "سے" کی بجائے "میں" کا لفظ اختیار کیا جائے۔ حضور اکرم ﷺ کے جسد اطہر پر روضہ منورہ ہر جہت سے چسپاں ہو رہا ہے۔ اس لئے حضور ﷺ کی طرف سے یہ مضمون ان لفظوں میں ادا کیا گیا۔ مٹی میں ملنے والا ہوں تو کب سجدے کے لائق ہوں۔

ویسے نور اللغات ج ۴ ص ۴۸۷ پر لکھا ہے کہ "میں" کبھی "سے" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں درخت میں باندھ دو یعنی درخت سے باندھ دو۔

مبتدعین محض بغض و عناد اور اپنی کور باطنی کی وجہ سے اس عبارت کے معنی بگاڑتے ہیں اور اس مضمون کو حدیث حفظ اجساد انبیاء سے خواہ مخواہ ٹکراتے ہیں حالانکہ حضرت شیخ شہیدؒ اور ان کے حلقہ اعتقاد میں اس عبارت کا مفہوم ہمیشہ یہی سمجھا گیا کہ حضور اکرم ﷺ ایک دن ضرور پردہ قبر میں تشریف لے جائیں گے اور اس کے لئے آپ کو اس دروازے سے بھی گزرنا ہوگا جس کے بغیر کوئی اس عالم سے اس عالم میں منتقل نہیں ہو سکتا۔ اور اسی دروازے کو موت کہتے ہیں جس کی لذت آشنائی انبیاء کے لئے بھی ضرور ہے۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ"

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں: "مٹی میں ملنے کے دو معنی ہیں، ایک یہ کہ مٹی ہو کر زمین کے ساتھ خلط ہو جائے جیسا سب اشیاء زمین پر پڑ کر خاک ہو کر زمین ہی بن جاتی ہیں، دوسرے مٹی سے متصل ہونا، یہاں (یعنی مولانا اسماعیل شہیدؒ کے کلام ہیں) مراد دوسرے معنی ہیں اور جسد انبیاء علیہم کے خاک نہ ہونے کے مولانا اسماعیل شہید بھی قائل ہیں۔" (فتاوی رشیدیہ ص ۹)

محدثین حنفیہ اور شافعیہ نے بھی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے (جس کی تشریح کے ضمن میں مولانا اسماعیل شہیدؒ نے عبارت زیر بحث لکھی تھی) آنحضرت ﷺ کی طرف سے ایک ایسے ہی مضمون کو ادا کیا ہے:

"اسجدوا للحیّ الذی لا یموت لمن ملکہ لا یزول فانک الما تسجد لی الان مھابۃ و اجلالا فاذا صرت رھین رمس امتنعت عنہ" (مرقات ج ا ص ۳۶۹)

ترجمہ: سجدے تم اس ذات کو کرو جو زندہ ہے اور اس پر فنا کبھی نہ آئے گی اور جس کی بادشاہی لازوال ہے بے شک تو اس وقت تو میرے رعب اور میری تعظیم کے لئے سجدہ کرنے کو تیار ہو رہا ہے۔ لیکن جب میں مٹی کے قبضے میں چلا جاؤں گا تو اس وقت تو سجدے سے رک جائے گا۔

علامہ طیبیؒ شافعیہ میں اور ملا علی قاریؒ حنفیہ میں بہت بلند پایہ ائمہ فقہ و حدیث ہیں۔ انہوں نے ارشاد نبوت کے اس مضمون کو آنحضرت ﷺ کی طرف سے اسی طرح ادا فرمایا ہے جس طرح کہ مولانا اسماعیل شہیدؒ نے اس مضمون حدیث کو بیان کیا ہے۔ ہاں ان بزرگوں کے الفاظ فاذا صرت رھین رمس۔ جب میں قبر کی مٹی میں گرفتار ہو جاؤں مولانا شہید کے مقابلے میں ذرا زیادہ سخت ہیں۔

بعض مبتدعین مٹی کی پوری بحث ہی کو ہدف طعن بنا لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ حضور انور ﷺ کا جسد اطہر ہی خاکی نہ تھا۔ نہ مٹی سے بنا اور نہ مٹی میں رہنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب حضور انور ﷺ کی حدیث نقل فرما رہے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے اپنے مٹی سے پیدا ہونے اور مٹی میں دفن ہونے کا اس طرح اظہار فرمایا: "انا و ابو بکر و عمر خلقنا من تربۃ واحدۃ و فیھا ندفن" (فتاویٰ افریقہ ص ۸۵)

ترجمہ: میں اور ابو بکر و عمرؓ ایک ہی مٹی سے بنے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے۔

معلوم ہوا کہ جسد اطہر خاکی ہی تھا اور ذات اقدس کو مٹی سے گریز نہ تھا۔ ہاں آپ اپنی صفات میں شمع نور و عرفان اور مرکز ہدایت و ایمان تھے اور اس سے کس بد بخت کو انکار ہو سکتا ہے۔

مولانا شہیدؒ کا حفظ جسدِ اطہر کا عقیدہ

مولانا شہیدؒ کا عقیدہ تھا کہ آپ ﷺ کا جسد اطہر روضہ میں مختفی اور محفوظ ہے ریزہ ریزہ نہیں آپ مثنوی سلک نور میں لکھتے ہیں:

ان آنکھوں سے ہر چند وہ جسم پاک بظاہر ہوا مختفی زیر خاک
ولے نور ان کا ہے قائم مقام کہ ہر پاک دل میں ہے ان کا مقام

جو زیر پردہ ہے وہ آپ کا جسم ہے، جو ہر جگہ پھیلا ہے وہ آپ کا نور ہے۔

الفصل الثاني... وفيه ستة من المباحث

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ما من احد یسلم علی الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام" (سنن ابی داؤد ج ا ص ۲۷۹ مسند امام احمد ج ۲ ص ۵۲۷)

ترجمہ: کوئی شخص ایسا نہیں کہ مجھ پر سلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں۔ (وعلیک السلام کہوں)

المبحث الاوّل: فی معنی الحدیث

اس حدیث پر یہ چند سوال ابھرتے ہیں ان پر غور فرمائیے:

(۱) سلام کرنے والا سلام کہنے کے لئے کہاں آئے؟ مدینہ منورہ کے روضہ اطہر پر یا اپنے تصور میں اعلیٰ علیین پہنچے۔ پھر یہ کہ کیا دور سے بھی آپ کو وہاں سلام کیا جا سکتا ہے جس طرح درود بعید سے بھی بھیجا جا سکتا ہے؟

(۲) سلام کرنے والا روح اقدس پر سلام عرض کر رہا ہے یا جسد اطہر پر؟ اللہ مجھ پر روح لوٹاتا ہے۔ یہاں مجھ سے مراد جسد اطہر نہیں تو اور کیا چیز ہے جس پر روح اقدس لوٹتی ہے؟

(۳) اگر جسد پر روح لوٹتی ہے تو کیا وہ بے جان محض ہے جس پر درود و سلام پیش ہوتا ہے یا وہ جسد اطہر زندہ ہے اور اس پر روح لوٹنے کا مطلب، روح اقدس کا اس زائر کی طرف متوجہ ہونا ہے؟

(۴) جب ہر وقت روضہ منورہ پر زائرین کا ایک تانتا بندھا ہے تو روح اقدس کا اشراف یا اس کی توجہ بدن اطہر پر دائما ہے یا انقطاعا اس دوسری صورت میں اس کی صورت عمل کیا ہوگی؟

الجوابات: سلام کو ہم یہاں سے بھی گزارش کرتے ہیں اور ہر نماز میں ''السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ'' کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے بھی روئے زمین پر گھومتے ہیں۔ جہاں کسی نے آپ پر سلام کہا انہوں نے حاضری پر وہ سلام حضور ﷺ کے گزارش کر دیا۔ مگر حدیث زیر بحث پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سلام جسد اطہر پر ہی عرض کیا جائے گا۔ روح کے آنے جانے یا توجہ کرنے کا محل روضہ پاک ہی ہے۔ اور روح اقدس اس جسد اطہر پر ہی متوجہ ہوتی ہے جو روضہ پاک میں مدفون ہے سو زائرین سلام کے لئے یہیں حاضری دیتے ہیں۔ روح کا قرینہ بتلا رہا ہے کہ جہاں بدن اطہر ہے وہیں سلام پیش ہوتا ہے۔

حافظ ابن قدامہ حنبلی (۶۲۰ھ) نے اس روایت میں عند قبری کے الفاظ بھی نقل کئے ہیں اب ظاہر ہے کہ قبر سے مراد وہی جگہ ہوگی جسے لوگ قبر جانتے ہوں نہ کہ اعلیٰ علیین کی کوئی اور جگہ: ''مامن احد یسلم علی عند قبری ... الحدیث'' (المغنی ج ۳ ص ۵۵۸ روایۃ عن احمد اسے ہم تائیداً نقل کرتے ہیں)

حضور ﷺ کی قبر یہی ہے جس پر زائرین حاضری دیتے ہیں۔ روح اقدس اعلیٰ علیین میں ہو تو بھی قبر مبارک یہی ہے اور اسی دنیوی جسد اقدس میں برزخی حیات ہے جو دیکھنے والوں کو گو نظر نہ آئے لیکن آپ اسی میں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور سلام زائرین کا جواب بھی دیتے ہیں بلکہ دور سے پڑھنے والوں کا سلام بھی فرشتے آپ کو یہیں پہنچاتے ہیں[1] اور روح اقدس کی کچھ جہات ان کی طرف متوجہ ہوتی ہوں آفتاب کی کروڑوں کرنیں زمین پر جلوہ ریز ہوں اسے تو آسانی سے تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ کیونکہ مشاہدہ ہے اور اس لئے کہ یہ عام ہے لیکن روح اقدس کی کروڑوں روحانی کرنوں کا تسلیم کر لینا ہمارے دوستوں کے لئے سوہان روح بنا ہوا ہے کیونکہ یہ جلوے برزخی ہیں اور ان کی آنکھوں سے اوجھل ہیں اور معتزلہ ان چیزوں کو ماننے کے لئے تیار نہیں جو ان کے حواس میں نہ آئیں۔

---

[1] قال ابن عبد الهادی هو ﷺ یسمع السلام من القبر و تبلغه الملئکة الصلوٰة و السلام من البعد (الصارم المنکی ص ۲۸۲)

حدیث میں سلام کا ذکر پہلے ہے اور رد روح کا بعد میں اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ سلام زائرین جسد اطہر پر ہی پیش ہوتا ہے۔ علامہ زین الدین ابو بکر المراغی (۸۱۶ھ) لکھتے ہیں: ''اعلم ان کتب السنة متضمنة للاحادیث الدالة علی ان روح النبی ﷺ ترد علیه وانه یسمع ویرد علیہ السلام'' (تحقیق النصرۃ ص۱۱۶ المطبوع بمصر)

ترجمہ: جان لو اہل سنت کی کتابوں میں کتنی احادیث ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کی روح اطہر آپ کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور آپ سلام سنتے بھی ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

علامہ عزیزی جامع صغیر میں لکھتے ہیں: ''الا رد الله علیٰ روحی ای رد علی نطقی لانه حی دائما وروحه لاتفارقه'' (السراج المنیر ج ۳ ص ۲۷۸)

ترجمہ: مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے یعنی میرا نطق اور تکلم مجھے دیا جاتا ہے (یہ تشریح اس لئے ضروری ہے) کہ آپ زندہ ہیں اور آپ کی روح مقدسہ آپ سے جدا نہیں ہوتی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس حدیث سے حیات انبیاء پر استدلال کرتے ہیں: ''بدانکہ حیات انبیاء صلوٰت اللہ وسلام علیہم اجمعین متفق علیہ است میان علماء ملت وہیچ کس را خلاف نیست دراں ...... ایں حدیث صحیح است مامن مسلم یسلم علیَ الا رد الله علیَ روحی''

ترجمہ: جان لو کہ اللہ کے نبیوں کی حیات، اللہ کے صلوٰت اور تسلیمات ان پر ہوں، تمام علمائے امت کے ہاں متفق علیہ ہے کسی عالم کا اس سے اختلاف نہیں یہ حدیث صحیح ہے کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ وہ جب مجھ پر سلام بھیجے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح متوجہ نہ کردے۔

ہمارے یہ کرم فرما بھی کہتے ہیں کہ شیخ عبدالحق کا اسے متفق علیہ کہنا درست نہیں۔ شیخ تصحیح میں متساہل تھے۔ ہم عرض کرتے ہیں امام تیمیہ تو متساہل نہ تھے، ان سے کون متشدد زیادہ ہوگا۔ آپ بھی یہی بات کہتے ہیں جو حضرت شیخ نے کہی ہے: ''واتفق الائمة علی انه یسلم علیه عند زیارته وعلی صاحبیه لما فی السنن عن ابی هریرة عن النبی ﷺ انه قال مامن مسلم یسلم علی الا رد الله علیَ روحی'' (فتاویٰ امام ابن تیمیہ ج ۴ ص ۳۶۱)

ترجمہ: اور اس پر تمام ائمہ کا اتفاق ہو چکا ہے کہ حضور کی (قبر کی) زیارت کے وقت آپ پر اور حضرت ابو بکر و عمرؓ پر سلام عرض کیا جائے سنن میں حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث مروی ہے، وہ اسے حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جب وہ مجھ پر صلوٰۃ وسلام بھیجے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتے ہیں۔

امام طبرانی اور بیہقی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔

المبحث الثانی: اس حدیث کی سند کی تحقیق

صحاح ستہ میں یہ حدیث ابوداؤد کی روایت سے ہے۔ اس کے راوی یہ ہیں:

(۱) ابوداؤد صاحب سنن، (۲) ابو حاتم محمد بن عوف، (۳) عبدالرحمن بن یزید المقری،
(۴) حیوۃ بن شریح، (۵) ابو صخر حمید بن زیاد، (۶) یزید بن عبداللہ بن قسیط،
(۷) حضرت ابو ہریرہؓ صحابی رسول۔

ابو حاتم محمد بن عوف کو امام نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ (تہذیب التہذیب ج ۹، ص ۳۸۴)

عبدالرحمن بن یزید المقری کو بھی امام نسائی نے ثقہ کہا ہے۔ (ایضاج ۶، ص ۸۳)
حیوۃ بن شریح کو امام یحیٰی بن معین ثقہ کہتے ہیں۔ (ایضاج ۳، ص ۷۱)
علماء مصر کے استاد تھے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۴)
ابوصخر حمید بن زیاد کو دارقطنی جیسے متشدد نے بھی ثقہ کہا ہے۔ (تہذیب ج ۳ ص ۳۴۲)
یزید بن عبداللہ بن قسیط کو امام نسائی ثقہ اور محمد بن معین لیس بہ باس کہتے ہیں۔
(تہذیب ج ۱۱، ص ۳۴۲ قال ابن عبدالبر ثقہ من الثقات)
ان رواۃ میں کوئی کذاب نہیں جو واعظین ان رواۃ حدیث کو کذاب کہتے ہیں وہ خود بڑے کذاب ہیں۔

تصحیح محدثین

(۱) حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) امام نووی (۶۷۶ھ) سے اس کی تصحیح نقل کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۵۱۴) امام نووی کتاب الاذکار میں لکھتے ہیں: بالاسناد الصحیح (ص ۱۰۶) اور ریاض الصالحین (ص ۴۹۲) میں بھی اس کی تصحیح کرتے ہیں۔

یہ ساتویں آٹھویں صدی کی شہادت ہے۔ علامہ سبکی (۷۷۱ھ) لکھتے ہیں امام احمد (۲۴۱ھ) اور ابوداؤد (۲۷۵ھ) نے اس روایت پر اعتماد کیا ہے۔ یہ تیسری صدی کی شہادت ہے۔

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں: رواتہ ثقات (اس کے سب راوی ثقہ ہیں)
(فتح الباری ج ۶، ص ۴۸۸)

(۳) علی شیخ احمد العزیزی (۱۰۵۰ھ) شارح جامع الصغیر لکھتے ہیں: ''اسنادہ حسن''
(السراج المنیر ج ۳ ص ۲۷۹)

(۴) علامہ سمہودی (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں: ''روی ابوداؤد بسند صحیح'' (وفاء الوفاء ص ۱۳۰۳ ج دوم)

(۵) علامہ زرقانی (۱۱۲۲ھ) لکھتے ہیں: ''باسناد صحیح'' (زرقانی شرح مواہب ج ۸ ص ۳۰۸)

(۶) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں: ''ایں حدیث صحیح است''
(مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۴۴۷)

(۷) نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) لکھتے ہیں: ''قال النووی فی الاذکار اسنادہ صحیح وقال ابن حجر رواتہ ثقات۔'' (دلیل الطالب ص ۸۴۳)

(۸) امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری (۱۳۵۳ھ) لکھتے ہیں: ''رواتہ ثقات'' (عقیدۃ الاسلام ص ۵۲)

(۹) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) لکھتے ہیں: ''عن ابی ہریرۃ رفعہ ما من احد یسلم علیّ الا رد اللہ علیّ روحی حتی ارد علیہ السلام ورواتہ ثقات... انہ یستغرق فی امور الملاء الاعلی فاذا اسلمہ الیہ رجع الیہ فہمہ لیجیب من سلم علیہ'' (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)

(۱۰) محدث العصر علامہ ظفر احمد عثمانی دامت برکاتہم لکھتے ہیں: ''رواہ ابو داؤد بسند صحیح واعتمد علیہ جماعۃ قال السبکی وھو اعتماد صحیح'' (اعلاء السنن طبع قدیم ج ۱۰ ص ۳۳۴)

ایک اعتراض: وہ یہ کہ حضرت ابو ہریرہؓ اور یزید بن عبداللہ کے درمیان انقطاع ہے۔ امام مالک نے یزید بن عبداللہ بن قسیط پر جرح کی ہے اور یہ کہ یزید بن عبداللہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کا زمانہ نہیں پایا۔

الجواب وہو الصدق والصواب

یہ صحیح نہیں کہ امام مالک یزید بن عبداللہ بن قسیط کو لائق اعتماد نہیں سمجھتے۔ ابو حاتم کی رائے صحیح نہیں۔ امام ابن عبدالبر مالکی ہیں انہوں نے ابو حاتم کا رد کیا ہے حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں: ''ویزید قد احتج به مالک فی مواضع من المؤطا هو ثقة من الثقات''

حافظ ابن حجر یہ بھی لکھتے ہیں: ''روی عن ابن عمر و ابی هریرة''

اب کیسے مان لیا جائے کہ یزید بن عبداللہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو نہیں پایا۔ یزید بن عبداللہ کی عمر حضرت ابو ہریرہؓ (۵۸ھ) کی وفات کے وقت ۲۶ سال کے قریب تھی۔ تحمل روایت میں سب سے زیادہ سختی کوفیوں کے ہاں تھی وہ بھی بیس سال کی عمر پر کسی سماع سے نہیں روکتے تھے اب ہم یہ کیسے تسلیم کرلیں کہ یزید بن عبداللہ اس عمر تک حضرت ابو ہریرہؓ جیسی عظیم شخصیت سے بیگانہ رہے ہوں۔

حدیث مذکور آپ ﷺ کی روضہ مبارکہ کی حیات پر نص ہے۔ رد اللہ علیّ روحی سے جو ایہام پیدا ہوتا تھا وہ امت کے دائمی صلوٰۃ وسلام اور وہاں ہر وقت کی حاضری خاص وعام کے باعث کسی درجہ میں درخور اعتناء نہیں۔ افسوس صد افسوس کہ ہمارے بعض کرم فرما ان روایات سے کھلا تصادم کہہ رہے ہیں۔ جن میں جمعہ کے دن آپ پر صلوٰۃ وسلام کے پیش ہونے کا بیان ہے سو مناسب ہوگا کہ اس اضطراب کو بھی رفع کرلیا جائے۔ معلوم رہے کہ یہ اضطراب سند کا نہیں مضمون کے ظاہر کا ہے اور اس میں تطبیق ممکن ہے۔

المبحث الثالث: كشف الحجاب عن وجه الاضطراب

حضرت ابو الدرداءؓ کی روایت ابن ماجہ کے حوالے سے آپ کے سامنے آچکی ہے۔ اس میں درود پڑھتے ہی اس کے پیش ہونے کا بیان ہے۔

''ان احد الن يصلى علىّ الا عرضت علىّ صلوته حتى يفرغ منها''

ترجمہ: کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ اس کے فارغ ہوتے ہی مجھ پر پیش کردیا جاتا ہے۔

اس میں جو پہلے یوم جمعہ کی فضیلت اور صلوٰۃ وسلام پیش ہونے کا بیان ہے۔ اس میں فضیلت کے اوقات میں درود جیسے اعمال صالحہ کی ترغیب ہے۔ صلوٰۃ وسلام پیش ہونے کے لئے جمعہ کی تخصیص نہیں، یہ حقیقت ہے کہ اوقات فاضلہ میں اعمال صالحہ کا درجہ اور زیادہ بلند ہوجاتا ہے[1]۔ حضرت اوس بن اوسؓ کی روایت کا مفاد بھی یہی ہے حصن حصین کے الفاظ: ''ليس يصلى علىّ احد يوم الجمعة الا عرضت علىّ'' میں بھی جمعہ کے دن پیش ہونے کی

[1] ان العمل الصالح زيد فضلا بواسطة فضل الوقت وعلى هذا لاحاجة الى تقييد العرض بيوم الجمعة قاله السندھی

تخصیص نہیں جمعہ کے دن درود پڑھنے پر اس کے پیش ہونے کی یہ بشارت ہے اور جو یوم جمعہ کی فضیلت میں فرمایا:
''فانہ مشھود تشھدہ الملئکۃ''

ترجمہ: اس دن فرشتے حاضر رہتے ہیں۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ جمعہ کے ماسوا باقی دنوں میں فرشتے بالکل حاضر نہیں ہوتے، بلکہ یہاں مراد کثرت شہود ہے، نہ یہ مطلب ہے کہ روضہ منورہ پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والے فرشتے ہی اس دن حاضر ہوتے ہیں۔ اس مقصد کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے سیاح فرشتوں کی ایک مستقل جماعت مقرر کررکھی ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ روایت آپ پڑھ آئے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا: ''ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام[1]''
(نسائی ج۱ ص ۱۴۳، دارمی ص ۳۷۲)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے سیاحت ارض پر مقرر ہیں جو میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

یہاں اس سیاحت کے لئے یوم جمعہ کی کوئی تخصیص نہیں۔ اگر اوقات فضیلت میں اعمال فضیلت کی ترغیب دلائی جائے، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ اعمال یا ان کی شان ان اوقات ہی میں منحصر ہوکر رہ گئی ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان اوقات فضیلت میں عرض صلوٰۃ وسلام بھی بعض خصوصیات کا حامل ہو۔

پیش نظر رہے کہ ان روایات میں عرض صلوٰۃ وسلام کے لئے اگر جمعہ کی تخصیص نہیں تو ہر روز کی بھی تصریح نہیں۔ یہاں عرض صلوٰۃ وسلام کا محض اجمالی بیان ہے جن روایات سے درود پڑھتے ہی اس کا پیش ہونا متبادر ہوتا ہے، اسے بھی ہم ہر روز پیش ہونے کے لئے تصریح نہیں کہہ سکتے۔ ہوسکتا ہے وہ جمعہ کے دن ہی پیش ہونے کا بیان ہو۔ اس لئے کہ وہ روایات بھی تو فضیلت جمعہ کے ضمن ہی میں وارد ہوئی ہیں۔

بعض روایات میں عرض صلوٰۃ وسلام کے لئے یوم جمعہ کی تصریح بھی موجود ہے لیکن ان کی سندیں ضرور محل کلام ہیں۔ سنن سعید بن منصور میں یہ مرسل روایت مروی ہے: ''ان صلوٰۃ امتی تعرض علی فی کل یوم جمعۃ''
(منتقی الاخبار ج ۳ ص ۲۱۰ مصر)

ترجمہ: بے شک میری امت کا درود مجھ پر ہر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔

ان روایات کی روشنی میں اگر پہلی سب روایات کے اجمال کو اٹھالیں تو غایت مافی الباب یہ ہوگا کہ ہر جمعہ امت کے صلوٰۃ وسلام فرشتوں کے توسط سے روضہ اطہر پر پیش ہوتے ہیں۔

اب اس کے مقابلہ میں ان روایات کو لیجئے جن میں یوم الجمعہ کی نہ تخصیص ہے نہ ذکر، بلکہ عمومی طور پر صلوٰۃ وسلام

---

[1] علامہ عزیزی لکھتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔ (السراج المنیر ج۱ ص ۵۱۴) اس کی سند میں زاذان راوی حدیث ہے۔ امام ابن معین انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن سعد ثقہ اور کثیر الحدیث قرار دیتے ہیں خطیب اور عجلی نے بھی ثقہ کہا ہے۔ ابن عدی اور حاکم نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ (تہذیب ج ۳ ص ۳۰۳) حافظ ابن القیم لکھتے ہیں: ''وزاذان من الثقات روی عن اکابر الصحابۃ کعمر وغیرہ وروی لہ مسلم فی صحیحہ قال یحی بن معین ثقۃ وقال حمید بن ھلال وقد سئل عنہ ھو ثقۃ لاتسأل عن مثل ھؤلاء
(کتاب الروح ص ۵۹)

پیش ہوتے رہنے کا بیان ہے۔ ابوداؤد میں ہے: "مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی فارد علیہ السلام[1]"

ترجمہ: جب بھی کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ فرمادیتے ہیں پس میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

اس میں صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہی اس کے پیش ہوتے رہنے کا بیان ہے۔ نہ جمعہ کی کوئی تخصیص نہ اس کا کوئی پہلے ذکر ہے۔ غنیۃ الطالبین کی روایت میں بھی یہ الفاظ ملتے ہیں۔ یہ مفہوم یقیناً ان روایات سے متعارض ہے جن میں عرض صلوٰۃ وسلام کے لئے یوم جمعہ کی تخصیص تصریحاً یا تفسیراً تسلیم کرلی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان دو متعارض مضامین میں کوئی صورت مطابقت ہے ایک طرف کی روایات میں ہر جمعہ کے دن عرض صلوٰۃ وسلام متبادر ہوتا ہے اور توسط ملائکہ کا تذکرہ ملتا ہے اور دوسری طرف کی روایات ہر روز بلکہ ہر آن عرض صلوٰۃ وسلام کا پتہ دے رہی ہیں۔
اب سوال یہ ہے کہ ان روایات کو متصادم قرار دے کر کیا اضطراب فی الروایۃ کا دعوے کردیا جائے گا یا اس تعارض کو اٹھانے کی کوشش کی جائے؟ کیا کسی محدث یا شارح حدیث نے محض اس بنا پر اس روایت کو مضطرب قرار دیا ہے؟ ہرگز نہیں۔ من ادعی فعلیہ ان یأتی بالنقل!

لیجئے مزید بحث کی ضرورت نہیں خود ارشاد نبوت ہی اس اضطراب کو رفع کردیتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا:
"من صلی علی عند قبری سمعتہ و من صلی علی نائیا بلغتہ" (رواہ ابوالشیخ بسند جید کمافی الفتح ج ۱ ص ۳۳۰)

ترجمہ: جو میرے روضہ پر آکر مجھ پر درود پڑھے اسے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

---

[1] رواتہ ثقات (فتح الباری ج ۶، ص ۸۸۴۔ پ ۱۳ ص ۲۷۹) رواتہ ثقات (فتح الملھم ج ۱، ص ۳۳۰) اسنادہ ھکذا حدثنا محمد بن عوف اخبرنا المقری اخبرنا حیوۃ عن ابی صخر حمید بن زیاد عن یزید بن عبد اللہ بن قیسط من اواخر کتاب المناسک و تقدیر الکلام مامن احد یسلم علی الا رد علیہ السلام لانی حی اقدر علیہ (کذا فی الشرح ج ۲ ص ۱۶۹) قال المحدث السخاوی یؤخذہ من ھذہ الاحادیث انہ ﷺ حی علی الدوام و ذلک انہ محال عادۃ ان یخلو الوجود کلھا من واحد یسلم علیہ فی لیل و نہار و نحن نؤمن و نصدق بانہ ﷺ حی یرزق فی قبرہ و ان جسد الشریف لاتاکلہ الارض و الاجماع علی ھذا۔ (القول البدیع ص ۱۲۵) رد اللہ علیہ روحہ لاجل سلام من یسلم علیہ و استمرت فی جسدہ ﷺ لا انھا تعاد ثم تنزع ثم تعاد (القول البدیع ص ۱۲۷) قال المحدث انور شاہ کشمیری الظاھر منہ انہ لم یوجد ھنالک نقل من موطن الی موطن و انما ھو نقل من حالۃ الی حالۃ و تبدیلھا و لعل المراد بحدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون انھم ابقوا علی ھذہ الحالۃ و لم تسلب عنھم (تحیۃ الاسلام ۳۶)

اس صورت میں معنی حدیث شریف یہ ہوں گے کہ جب کوئی سلام بھیجتا ہے تو خداوند کریم آپ کی روح پر فتوح کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ وتجلیات اللہ سے...... ہوش فرمادیتا ہے جونسا امتی آپ پر سلام عرض کرے گا اس کی طرف کا شعبہ لوٹے گا ارتداد جملہ شعب لازم نہیں اور ظاہر ہے۔ اس شعبہ کا ارتداد باعث اطلاع سلام معلوم تو ہوگا پر موجب زوال استغراق مطلق نہ ہوگا۔
(مکتوبات شیخ الاسلام مولانا مدنی ﷫ ج ۱ ص ۲۴۵)

والمعنی ان اللہ سبحانہ یرد روحہ الشریف عن استغراقہ المنیف لیرد علی مسلمہ
(شرح الشفا للملا علی القاری ج ۲ ص ۱۴۲ مصر، والتفصیل فی نسیم الریاض للخفاجی ج ۳ ص ۴۹۹)

بات صاف ہوگئی کہ درود پڑھنے اور پہنچنے کی دو صورتیں ہے۔ مذکورہ بالا دونوں قسم کی روایات کو ان پر منطبق کرلو۔ روضہ منورہ کے پاس حاضر ہوکر درود پڑھنا ہر وقت پہنچتا ہے اور دور سے پڑھنا جمعہ کے دن فرشتوں کے توسط سے پہنچایا جاتا ہے جب اس تقسیم پر غور کیا تو امام احمد کی ایک روایت ''مامن احد یسلم علی'' کے مضمون کی اور وضاحت ہوگئی حضور ﷺ نے فرمایا: ''مامن احد یسلم علی قبری الا رد اللہ علیَ روحی''

لیجئے! رفع تعارض اور تطبیق بین القولین کے لئے ''عرض سلام بوقت تسلیم'' کا جو مطلب ہم نے بتایا تھا کہ یہ قریب روضہ کے لئے ہے۔ وہی مضمون ''علی قبری'' کی عبارت میں خود الفاظ نبوت ہوکر سامنے آگیا ہے۔ ؎

وكم من عائب قولا صحيحا وآفته من الفهم السقيم

سیدنا ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''درود وسلام پہنچانے کے فرشتوں کا تقرر اس شخص کے ساتھ مخصوص ہے جو روضہ اطہر سے دور ہو۔'' (مرقات ج ۲ ص ۶)

نیز از ابن عمرؓ آمدہ من صلی علیَ عند قبری ردت علیه و من صلی علیَ فی مکان آخر بلغونیه

(جذب القلوب ص ۱۸۲ مصنفہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی)

ترجمہ: جو مجھ پر میری قبر کے پاس آکر درود پڑھے میں اسے اس پر لوٹاتا ہوں اور جو اس کے سوا کسی اور جگہ سے پڑھے تو وہ مجھے فرشتے پہنچاتے ہیں۔

باقی رہا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت میں فانکم لا تدرون لعل ذلک یعرض علیه (ابن ماجہ ص ۶۵) کے الفاظ، سو اس لفظ ''لعل'' میں درود پہنچنے کی کسی تیسری صورت کا ذکر نہیں بلکہ اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کے احتمالات کا بیان ہے[1] یعنی درود شریف اچھی طرح پوری توجہ ہی سے پڑھا جائے، تبھی حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچتا ہے۔

مبتدعین کا یہ کہنا کہ براہ راست سننے اور بتوسط ملائکہ پہنچنے کا فرق قرب وبعد کے لئے نہیں بلکہ محبت اور عدم محبت کے لئے ہے جو محبت سے درود پڑھے، وہ خود سنتے ہیں اور دوسرا فرشتوں کی وساطت سے پہنچایا جاتا ہے، یہ سب وسوسے اور توہمات ہیں تحقیق میں ان کا کوئی مقام نہیں، درود شریف تو پڑھا ہی محبت سے جاتا ہے۔ خواہ روضے کے پاس حاضر ہو خواہ دور سے پڑھ رہا ہو وہ کون سا بدبخت ہوگا جو محبت کے بغیر درود پڑھتا ہو۔ کامل ترین محبت کے بغیر تو ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا۔ یاد رکھیے حضور ﷺ پر وہی درود پیش ہوتا ہے جو پوری توجہ اور محبت سے پڑھا جائے، روضہ پر حاضری ہو تو خود سماعت فرماتے ہیں، دور سے پڑھا جائے تو فرشتوں کے توسط سے پہنچتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عرض صلوٰۃ وسلام کی روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ اگر پہلی روایات کی بعض مرسل اور کمزور روایات کی روشنی میں یوم جمعہ کے ساتھ تخصیص نہ کریں تو پھر تو تعارض کا سوال بالکل پیدا نہیں ہوتا۔ قرب وبعد کا صلوٰۃ وسلام ہر روز بلکہ ہر ساعت پہنچتا ہے اور اگر ان روایات کے اجمال کی بعض کمزور اور مرسل قسم کی روایات کے ساتھ تفصیل کر دی جائے اور تبلیغ صلوٰۃ وسلام کو یوم جمعہ سے خاص سمجھا جائے، تو پھر اس کی تطبیق دوسری روایات سے یوں ہوگی کہ قریب کے صلوٰۃ وسلام کے لئے تو کسی وقت کی تخصیص نہیں اور دور کا مجموعی طور پر جمعہ کے دن پیش ہوتا ہے۔

[1] ان الترجی فی قبولیة الصلوٰة فان عرضة لا یکون الا بشرط القبول لعدم اختلاطه بالریاء

نوٹ: طبرانی کی ایک روایت میں لیس من عبد یصلی علی الابلغنی صلوٰتہ کے الفاظ ہیں حافظ ابن قیم کی جلاء الافہام میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے لیکن تصحیف کاتب سے بلغنی صلوٰتہ کے بجائے بلغنی صوتہ لکھا گیا ہے۔ ناظرین طبرانی کے حوالے سے جلاء الافہام کے حوالے میں تصحیح فرمالیں طبرانی کی روایت میں سعید بن ابی ہلال اور حضرت ابوالدرداءؓ کے مابین انقطاع ہے۔

المبحث الرابع: فی تصحیح المتقدمین

بحث ثانی میں ہم اس حدیث کی صحیح سند سے فارغ ہو چکے ہیں۔ ہم نے وہاں ابتداء امام نووی کی تصحیح سے، کی اس پر ہم سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ ہم اس کی صحت متقدین سے کریں۔ اصولا یہ مطالبہ صحیح نہیں قرون وسطی کے ائمہ فن پر اعتماد نہ کرنا سلف سے ایک کھلا خروج ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ ھ) امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے جلیل القدر استاد اور خود امام مجتہد ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا اگر کوئی حضور ﷺ کے روضہ پر سلام عرض کرے تو کیا آپ ﷺ سنتے ہیں؟ اس وقت آپ کے پاس یہی روایت مستحضر تھی کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر متوجہ کر دیتے ہیں حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ ھ) لکھتے ہیں: "والامام احمد اعلم الناس فی زمانہ لما سئل عن ذلک لم یکن عندہ بما یعتمد علیہ فی ذلک من الحدیث الا حدیث مامن رجل یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ"

(فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲۷ ص ۲۲۶)

ترجمہ: امام احمد نے اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم تھے جب آپ سے یہ بات پوچھی گئی تو آپ کے پاس اس وقت سوائے اس حدیث کے اور کوئی روایت نہ تھی جس پر کہ اعتماد کیا جا سکے۔ وہ یہ کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کا جواب دوں۔

حضرت امام احمد نے خود بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ (مسند امام احمد ج ۲ ص ۵۲۷)

پھر امام ابوداؤد (۲۷۵ ھ) خود بھی تو متقدمین میں سے ہیں اور امام احمد کے شاگرد ہیں۔ آپ اپنی سنن میں جس حدیث پر سکوت فرمائیں وہ آپ کے نزدیک صالح للاحتجاج ہوتی ہے اگر وہ آپ کے ہاں کسی جہت سے مجروح ہوتی تو آپ اس پر جرح کر دیتے۔ آپ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی اس حدیث پر سکوت فرمایا ہے اور یہ آپ کے نزدیک صالح للاحتجاج ہے۔

"مالم یذکر فیہ شیاء فھو صالح" (تدریب الراوی ص ۵۵)

امام ابوداؤد نے لکھا ہے: "میں نے اس کتاب میں کوئی ایسی حدیث نہیں لی جس کے ترک پر سب کا اتفاق ہو۔" (مرقات ج ۱ ص ۲۴)

محدث کبیر مولانا ظفر احمد عثانی لکھتے ہیں: "ابوداؤد نے اسے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے اور اس پر ایک جماعت نے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ امام سبکی کہتے ہیں یہ اعتماد بالکل صحیح ہے۔"

(اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۲)

حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی

ابوداؤد اور بیہقی روایت کرتے ہیں: "مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی فارد علیہ"
(اثبات الالہام والبیعۃ ص ۲۳۶)

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز

سنن ابی داؤد میں ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مجھ پر لوٹا دیتا ہے یہانتک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ (الحج والعمرۃ والزیارہ ص ۱۵۱)

المبحث الخامس: فی معنی رد الروح

فصل اوّل میں ہم اس بحث سے فارغ ہو چکے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر جس طرح دنیا میں صلوٰۃ وسلام "روح انور اور جسد اطہر" کے مجموع پر آپ کی ذات مبارک پر پڑھا جاتا تھا وفات سید کائنات کے بعد بھی درود وسلام اسی جسد اطہر پر پیش ہوتا ہے جو بہ تعلق روح فائز الحیات ہے گو وہ حیات کلی طور پر اس دنیا کی سی نہ ہو۔ اس پر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے جو عملی شرح فرمائی ہے وہ بھی آپ کے سامنے آ چکی اور یہ بات بھی کھل کر سامنے آگئی کہ یہ سارا معاملہ اس صورت میں ہے کہ درود پڑھنے والا خود روضہ انور پر حاضر ہو۔ وہاں آپ ہر ایک کا درود وسلام خود سنتے ہیں۔

رئیس المحدثین حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: "رواہ ابو داؤد فی رد روحہ حین یسلم علیہ لیس معناہ انہ یرد روحہ انہ یحیی فی قبرہ بل توجہ من ذلک الی ھذا الجانب فھو حیّ فی کلتا الحالتین" (فیض الباری ج ۲ ص ۶۵)

ترجمہ: ابوداؤد کی روایت میں سلام کے وقت آپ کی روح لوٹنے کا جو ذکر ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ آپ کی روح اس طرح لوٹائی جاتی ہے کہ آپ کو آپ کی قبر میں زندہ کیا جائے بلکہ اس سے مراد آپ کو اس طرف متوجہ کرنا ہے زندہ تو آپ دونوں حالتوں میں ہیں۔ (اب درود شریف پیش ہونے کے وقت بھی اور اس سے پہلے بھی)

حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ لکھتے ہیں: "فاذا ابلغہ سلام احد من الامۃ رد اللہ روحہ المطہرۃ من تلک الحالۃ الی رد من سلم علیہ" (بذل المجہود ج ۳ ص ۲۰۷)

ترجمہ: جب آپ کو امت میں سے کسی کا سلام پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کی روح اطہر کو اس حالت سے ادھر لوٹاتا ہے کہ آپ سلام کہنے والے پر جواب لوٹا سکیں۔

"فھی دائما تعرض علیہ بواسطۃ الملئکۃ الا عند روضتہ فیسمعھا بحضرتہ" (ایضاً ج ۱ ص ۱۶۰)

ترجمہ: درود شریف آپ پر فرشتوں کے واسطہ سے پیش ہوتا رہتا ہے دائما مگر آپ کے روضہ انور کے پاس وہاں آپ اسے خود سنتے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا یہ حوالہ یاد رکھنے کے لائق ہے۔ آنحضرت ﷺ کا زائر کے سلام کا جواب دینا یقینی اور متفق علیہ ہے اور غیر زائر کو جواب دینا علماء کے نزدیک مختلف فیہ ہے بعض روایات کی

بنا پر علماء نے جمع کی یہ صورت بیان فرمائی ہے کہ سلام غائب کی صرف بذریعہ ملائکہ تبلیغ ہوتی ہے اور سلام حاضر کی تبلیغ بھی ہوتی ہے اور سماع بھی لہٰذا قریب سے صلوٰۃ وسلام کو ترجیح اور فضیلت حاصل ہوتی ہے کیونکہ زائر کی آواز کا آنحضرت ﷺ کے گوش مبارک تک پہنچنا بڑے شرف اور مجد کی بات ہے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۲۴۳)

حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی لکھتے ہیں: ”بیشک حقیقۃً رسول اللہ ﷺ اس جہان میں حاضر اور زندہ نہیں مگر حکماً ہیں“ (کیونکہ یہاں سے وہاں ہمارا سلام سنتے ہیں)

ابوداؤد اور بیہقی روایت کرتے ہیں: ”مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی فارد ﷺ“

ترجمہ: جب کوئی شخص مجھ کو سلام کہتا ہے اس وقت اللہ جل شانہ میری روح مجھ پر لوٹاتا ہے اور میں اس کو جواب سلام دیتا ہوں۔

پس جب کہ ہمارا سلام آپ کو پہنچ جاتا ہے اور آپ ہم کو جواب دیتے ہیں تو یہ خطاب غیر محل نہ ٹھہرا۔

دوسری روایت میں ہے: ”ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغون من امتی السلام رواہ النسائی وابن حبان فی صحیحہ والحاکم وصححہ“ (اثبات الالہام والبیعہ ص ۲۳۶)

الفصل الخامس میں وہ حدیث بھی آرہی ہے جس میں قبر مبارک کے قریب درود پڑھنے اور دور سے پڑھنے کا فرق بتلایا گیا ہے۔ قریب سے پڑھا جانے والا درود پاک آپ خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا جانے والا آپ کی خدمت میں فرشتے پہنچاتے ہیں اس کی دو سندوں میں سے ایک کمزور اور دوسری عمدہ ہے اس کی پوری بحث آگے آئے گی۔ یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ اس حدیث کا مضمون حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث سے بھی پوری وضاحت سے ثابت ہے اور عجیب اتفاق یہ کہ وہ حدیث بھی حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے اور یہ بھی۔

اس حدیث میں ہے قریب سے پڑھا گیا درود شریف آپ خود سنتے ہیں۔ اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ جواب بھی دیتے ہیں۔ اس میں ہر ایک کا صلوٰۃ وسلام سنے جانے کی صراحت نہیں۔ اس میں ہر ایک کے صلوٰۃ وسلام پر حضور کی روح مقدسہ کا متوجہ ہونا مذکور ہے۔ اس حدیث میں دور سے پڑھنے والے کے درود وسلام کا بواسطہ ملائکہ پہنچنا مذکور ہے اور اس حدیث میں دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے کا سرے سے کوئی ذکر نہیں۔ ہاں اس حدیث کا یہ مضمون ایک اور حدیث میں اس صراحت سے موجود ہے جیسا کہ وہ حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث میں مذکور ہے مولانا عبدالجبار غزنویؒ نے بھی اسے نقل کیا ہے اور صحیح ابن حبان کا حوالہ بھی دیا ہے۔

المبحث السادس: فی سیاحۃ الملئکۃ

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”ان للہ ملئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام“ (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۴۳)

ترجمہ: بے شک خدا تعالیٰ کے فرشتے زمین میں سیاحت پر مقرر ہیں وہ میری امت کا سلام مجھے پہنچاتے ہیں۔

یہ فرشتے پورے صفحۂ زمین پر سیاحت کرتے ہیں اور جہاں کسی امتی نے حضور ﷺ پر درود پڑھا وہ زمین پر سیاحت کرتے روضۂ انور پر حاضری دیتے ہیں اور مسلمانوں کا پڑھا درود آنحضرت کے حضور ﷺ پیش کرتے ہیں۔

یہ سارا کام زمین پر ہوتا ہے۔ درود پڑھنے والے اور جس ذات اقدس پر درود پڑھا جا رہا ہے سب اسی

زمین پر ہیں تبھی تو وہ فرشتے زمین کے سیاح ہیں۔ اگر آپ کی حقیقی قبر زمین پر مدینہ میں نہ ہوتی اعلیٰ علیین میں ہوتی تو وہ فرشتے سیاحین فی الارض نہ ہوتے بلکہ سیاحین بین الارض والسماء ہوتے۔

یہ حدیث دور سے صلوٰۃ وسلام پڑھنے والوں کے بارے میں ہے ان کا سلام فرشتے پہنچاتے ہیں قریب سے سلام پڑھنے والوں کے بارے میں حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث ہے کہ جب کوئی مسلمان مجھ پر (میری قبر کے پاس) درود پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو اس پر متوجہ کر دیتا ہے جس سے اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

ان دونوں حدیثوں کو جمع کریں تو یہ بات نکھر کر سامنے آتی ہے کہ آنحضرت ﷺ قریب سے پڑھے گئے درود وسلام کو خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا آپ کو فرشتوں کے توسط سے پہنچایا جاتا ہے ہمارے پاس اگر ابوالشیخ کی حضرت ابوہریرہؓ والی حدیث نہ بھی ہوتی اور نہ ہی حضرت ابن عمرؓ والی حدیث جسے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب جذب القلوب میں نقل فرمایا ہے تو بھی ہمارا یہ مسئلہ ان دو احادیث سے عبارۃ النص سے ثابت ہے اور یہ دونوں حدیثیں صحیح ہیں۔

حضرت مدنیؒ نے اسے یقینی اور متفق علیہ مسئلہ قرار دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں اہل حق میں سے کسی کا اختلاف نہیں شیخ محمد بن عبدالوہاب مجدی کے صاحبزادے شیخ عبداللہ نے اپنے عقائد پر جو رسالہ لکھا ہے (جسے مولانا محمد اسماعیل غزنوی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے) اس کے ص ۶۵ پر علمائے مجد کا عقیدہ اس باب میں اس طرح لکھا ہے: ''اور حضور ﷺ کی زندگی قبر میں برزخی زندگی ہے جو شہداء کی زندگی سے بہت اعلیٰ ہے قرآن شریف کی آیات اس پر نصوص ہیں کیونکہ حضور ﷺ شہداء سے بلاشک وریب افضل ہیں ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت ﷺ پر سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں۔''

پھر آگے ص ۱۲۰ پر آل شیخ علامہ مجد شیخ محمد بن عبداللطیف کا عقیدہ بھی بایں طور مرقوم ہے: ''اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔''

مسئلہ مذکورہ میں اگر کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش ہوتی تو علمائے مجد کبھی اس طرح کھل کر آپ ﷺ کے سماع عند القبر کے قائل نہ ہوتے سو بات اسی طرح ہے جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مدنیؒ نے تصریح فرمائی ہے کہ انبیاء کرام کے سماع عند القبر میں کسی عالم کا کوئی اختلاف نہیں۔ اہل حق کے ہاں یہ ایک یقینی اور متفق علیہ مسئلہ ہے۔

الفصل الثالث... وفيه ستة من المباحث

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ـــ اَمَّا بَعْدُ!

''حدثنا هداب بن خالد و شيبان بن فروخ قال اخبرنا حماد بن سلمة عن ثابت البناني و سليمان التيمي عن انس بن مالک ان رسول الله ﷺ قال اتيت و في رواية هداب مررت على موسىٰ ليلة اسرى بي عند الكثيب الاحمر و هو قائم يصلي في قبره'' (مسلم ج ۲ ص ۲۶۸، نسائی ج ۱ ص ۱۸۵)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا معراج کی رات میں سرخ ٹیلے کے قریب موسیٰ ﷤ کے پاس سے گزرا کیا دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر شریف میں زندہ ہونا اور نماز پڑھنا بصراحت مذکور ہے قرآن عزیز فرماتا ہے: ''وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَلَا تَکُنْ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْ لِّقَآئِہٖ'' (پ ۲۱، السجدہ ۲۳)

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب دی پس ان کی ملاقات میں کسی قسم کا شک نہ کریں۔

یعنی آپ جو شب معراج میں موسیٰ علیہ السلام کو ملے تھے، وہ امر واقع اور سچی حقیقت تھی یہ کوئی خواب یا کسی مثالی وجود اور روح کی ملاقات نہ تھی اور نہ ہی کوئی دھوکہ یا نظر بندی تھی آپ یقیناً اسی شخصیت کو ملے تھے جسے ہم نے تورات دی تھی ظاہر ہے کہ یہ تورات دینا کسی مثالی وجود کو نہ تھا اور نہ ہی وہاں روح متمثل ہو رہی تھی بلکہ تورات لینے والے خود موسے علیہ السلام تھے جن کا جسم عنصری تھا۔ انہی کو آنحضرت ﷺ نے شب معراج میں دیکھا تھا۔ قرآن کہتا ہے کہ آپ اس موسے کی ملاقات میں ہرگز شک نہ کریں۔ اور اگر یہ آئندہ ملاقات کی خبر ہے تو بھی اس میں شک نہ کریں، ملاقات ہو کر رہے گی۔ اس کی مفصل بحث ہم پہلے کر آئے ہیں۔ (دیکھیے ص........... از کتاب ہذا)

المبحث الاوّل

یہ سوال پیدا کیا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر منور میں زندہ موجود تھے تو پھر بیت المقدس میں ان کا حاضر ہونا اور باقی انبیاء کے ساتھ حضور ﷺ کی اقتداء میں نماز پڑھنا اور پھر آسمانوں پر حضور ﷺ کو ملنا اور پھر آپ کی واپسی پر نمازوں کی تخفیف کے لئے آپ سے مذاکرہ کرنا، آخر ان تمام ملاقاتوں کا محل کیا ہوگا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ قبر میں بھی زندہ موجود ہوں بیت المقدس میں بھی حاضر ہوں اور ملاء اعلیٰ میں بھی تشریف فرما ہوں یہاں بھی ہوں اور وہاں بھی۔ کیا وہ ہر جگہ موجود اور حاضر و ناظر ہیں؟

افسوس ہے کہ یہاں وہ امور زیر بحث لائے جارہے ہیں، جن کی مدارس عربیہ کے متوسط طالب علموں سے بھی توقع نہیں ہوسکتی تھی۔ وہ بھی جانتے ہیں کہ تعارض کے لئے وحدت زمان شرط ہے۔

در تعارض ہشت وحدت شرط داں

جو یہاں مفقود ہے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: ''وصلوتھم فی اوقات مختلفة وفی اماکن مختلفة لایردہ العقل وقد ثبت بہ النقل فدل ذلک علی حیاتھم'' (فتح الباری کتاب الانبیاء ج ۱۳ ص مصر)

ترجمہ: اور انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں مختلف مقامات پر نمازیں پڑھنا یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ عقل سلیم اس سے متصادم نہیں اور نقل صحیح اسے ثابت کر رہی ہے۔ پس یہ ان کے زندہ ہونے پر کافی شہادت ہے۔

یعنی قبر میں نماز پڑھنا پھر بیت المقدس میں نماز پڑھنا اور پھر ملاء اعلی میں ملنا ان سب کے اوقات مختلف ہیں یہاں تعارض لازم نہیں آرہا۔ فتفکروا یااولی الابصار!

محدث کبیر امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں: ''فی قصة المعراج انہ لقیھم فی جماعة الانبیاء فی السموات وکلمھم وکلموہ وکل ذلک صحیح لایخالف بعضہ بعضا فقد یری موسیٰ علیہ السلام قائما یصلی فی قبرہ ثم یسری بموسیٰ وغیرہ الی بیت المقدس کما اسری بنبینا فیراھم فیہ ثم یعرج بھم الی السموات کما عرج نبینا ﷺ فیراھم فیہ کما اخبرہ وصلوتھم فی اوقات بمواضع مختلفات جائز فی العقل کما ورد بھا خبر الصادق وفی کل ذلک دلالة علی حیاتھم'' (حیات الانبیاء للامام البیہقی ص ۸ مصر)

ترجمہ: واقعہ معراج میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ انبیائے کرام کی ایک پوری جماعت کو آسمانوں میں ملے تھے۔ ان سے کلام فرمایا اور انہوں نے آپ سے باتیں کیں یہ سب مضامین صحیح ہیں اور ایک دوسرے سے متعارض نہیں۔ ایک وقت ہے کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتے دیکھ رہے ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی بیت المقدس تک سفر اسراء کرایا گیا۔ جیسا کہ حضور اکرم کو سفر اسراء پیش آیا پس آپ نے وہاں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا۔ پھر سب پیغمبروں کو بھی آسمانوں تک (اپنے اپنے مقام میں) معراج کرایا جیسا کہ حضور اکرم ﷺ کو معراج ہوا۔ پس آپ نے وہاں بھی انبیائے کرام کو دیکھا پس انبیائے کرام کا مختلف اوقات میں مختلف جگہوں پر نماز پڑھنا اس پر عقلاً کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور نقلاً اس پر قول صادق موجود ہے۔ ان تمام واقعات سے انبیائے کرام کی حیات پر دلالت ہو رہی ہے۔

المبحث الثاني

بعض اوقات کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ حیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت تھی اور اسے واقعہ حال لاعموم لھا کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے جواباً عرض ہے کہ محدثین نے اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس اسے حیات انبیاء کے کلیہ کے ماتحت ذکر کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) اور علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) نے یہی موقف اختیار کیا ہے: "فان قیل هذا خاص بموسی قلنا قد وجد ناله شاهدا من حدیث ابی هریرة (راجع له ص ۳۴۴ مع الفتح) اخرجه مسلم ایضا من طریق عبد الله بن الفضل عن ابی سلمة عن ابی هریرة رفعه لقد رایتنی فی الحجر و قریش تسألنی عن مسرای... الحدیث"

ترجمہ: پس اگر یہ کہا جائے کہ یہ حیات موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو ہم کہیں گے کہ ہمیں صحیح مسلم کی روایت سے حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث اس کے شاہد کے طور پر مل گئی ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا، میں مقام حجر میں تھا اور قریش مجھ سے میرے سفر اسراء کے متعلق سوال کر رہے تھے۔ پھر اسی حدیث میں ہے کہ میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی پوری جماعت میں دیکھا موسیٰ، عیسیٰ، ابراہیم علیہم السلام سب حضرات وہاں جمع تھے۔

محدثین کرام میں سے یہ کسی کا موقف نہیں کہ یہ حیات صرف حضرت موسیٰ کے ساتھ خاص تھی۔ یہ ہمارے نادان دوستوں کی سینہ زوری ہے۔ من ادعیٰ فعلیہ البیان۔

آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ بالکل عالم بیداری میں بحالت سفر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کو وادی ازرق اور ثنیہ ہرشی میں لبیک پڑھتے ہوئے خاص ہیئت و لباس میں دیکھا۔

(مسلم ج ۱ ص ۸۰۔۸۱ بخاری کتاب المناسک ج ۱ ص ۲۱۰)

آپ نے ایک دفعہ یہ بھی فرمایا کہ میں نے وادی عسفان میں حضرت نوح علیہ السلام حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، وہ سرخ اونٹوں پر سوار تھے جن کی مہاریں کھجور کی چھال کی تھیں۔

(رواہ ابو یعلی والطبرانی، قال الحافظ ابن کثیر فیہ غرابۃ، البدایۃ والنہایۃ ج ۱ ص ۱۱۹)

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے حضرت ہود اور حضرت صالح علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے۔ (اخرجہ احمد۔ قال ابن کثیر ہذا اسناد حسن، البدایۃ ج ۱ ص ۱۳۸)

یہ واقعات لیلۃ المعراج کے نہیں، بلکہ دوسرے مواقع سے متعلق ہیں پس ایسے انکشافات نہ تو لیلۃ الاسراء سے خاص ہیں اور نہ ہی یہ حیات صرف موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب!

المبحث الثالث

بعض اوقات یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ قبر کی حیات عنصری اگر تسلیم بھی کر لی جائے تو تمام انبیاء کا اس رات بیت المقدس میں اجساد عنصریہ سے حاضر ہونا اور پھر ملاء اعلیٰ میں اجسام عنصریہ سے پہنچنا ہرگز قرین قیاس نہیں۔ جواباً عرض ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسد عنصری کے ساتھ دوسرے آسمان سے بیت المقدس میں آنا اگر قرین قیاس ہے تو دوسرے انبیاء کرام کا اپنی اپنی قبور سے وہاں پہنچنا کیوں قرین قیاس نہیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اسی جسد عنصری سے ملاء اعلیٰ میں پہنچنا اگر محال نہیں، تو باقی انبیائے کرام کے اجساد مطہرہ کے ساتھ وہاں پہنچنے میں کون سا استبعاد ہے؟ اگر مدار عقل پر ہے تو وجہ استبعاد بتائی جائے اور اگر نقل پر ہے تو پھر اسے استبعاد عقلی کے طور پر پیش نہ کیا جائے۔ آخر نقول تو یہاں بھی موجود ہیں۔

اگر کہا جائے کہ اس رات انبیائے کرام کا اصل اجساد عنصریہ کے ساتھ حاضر ہونا اسے لازم ہے کہ ان کی قبریں کھلیں اور ایسا ہونا اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ کے خلاف ہے (یعنی قیامت کو قبریں اکھاڑ دی جائیں گی) اس سے پہلے ایسا کبھی وقوع میں نہیں آسکتا۔ جواباً عرض ہے کہ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معراج کی رات بیت المقدس میں آنا کتاب وسنت کی ان نصوص کے کیوں خلاف نہیں، جن میں ان کا آنا قیامت کے قریب مذکور ہے اگر یہ کہو کہ کتاب وسنت میں ان کی جس آمد کی خبر دی گئی ہے، وہ آمد اصلاح احوال سے اس زمین پر زندگی گزارنے کے لئے ہوگی اور یہ آمد قطعاً اس رات واقع نہیں ہوئی ہم کہیں گے کہ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ وغیرہ آیات میں قبروں کی جس اکھاڑ کی خبر دی گئی ہے، وہ وہ ہے جو حساب وکتاب اور حشر کے لئے ہوگی اور ظاہر ہے کہ لیلۃ المعراج میں انبیائے کرام کا اپنی اپنی قبور سے نکل کر بیت المقدس پہنچنا ان مقاصد کے لئے نہ تھا۔ علاوہ ازیں اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس رات وہ قبور منورہ نہیں کھلی تھیں۔ رات کا وقت تھا کون وہاں دیکھ رہا تھا۔ جو بیان کرے کہ وہ ہرگز نہ کھلی تھیں، نیز یہاں کوئی حصر نہیں، خوب سمجھ لیا جائے۔

اگر کہا جائے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبور سے اصل اجسام عنصریہ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے تو کیا اتنا عرصہ وہ اپنی اپنی قبور سے علیحدہ رہے تھے جواباً عرض ہے کہ اگر رات کے نہایت مختصر لمحوں میں آنحضرت ﷺ سدرۃ المنتہیٰ سے ہو کر واپس آسکتے ہیں اور اس کا پتہ کسی کو نہیں چلتا، بستر بھی گرم رہتا ہے۔ تو باقی انبیائے کرام کے اپنی اپنی قبور سے ایک نہایت مختصر لمحے کے لئے چلے جانے میں اور اس طرح چلے آنے میں کسی کو اس کا پتہ نہ چلے اس میں کون سا استحالہ لازم آتا ہے اور کون سا شرعی اصول پامال ہوتا ہے۔ انبیائے کرام اس رات اگر اپنے اجسام عنصریہ کے ساتھ حاضر تھے۔ تو یہ ضروری نہیں کہ اس حاضری کے تحقق کے لئے جو اسباب کارفرما ہوں وہ بھی سب مادی ہوں، جہات مختلفہ یہاں ناممکن نہیں۔ ان نفوس قدسیہ کی مذکورہ حاضری کے لئے جو اسباب عمل میں آئے وہ روحانی تھے پس روحانی طریق سے قبروں کا کھلنا اور پھر بند ہونا یہ کوئی ایسی بات نہیں، جو امر محال ہو اور ایسے موقعوں پر بسا اوقات زمان ومکان کی وسعتیں لپیٹ دی جاتی ہیں اور وہاں تزاحم وتضاد کا وسوسہ بھی باقی نہیں رہتا۔

بایں ہمہ اگر یہ سب انکشافات حقیقت نہ ہوں، وادی ازرق، ثنیہ ہرشی اور وادی عسفان کی یہ ملاقاتیں یا لیلۃ المعراج میں انبیائے کرام کا بیت المقدس میں اجتماع اور ملاء اعلیٰ کے مذاکرات، یہ سب امور ابدان مثالیہ سے متعلق ہوں اور یہ سب مشاہدات عالم مثال کے قرار دیئے جائیں، تو بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر شریف میں نماز پڑھنا یہ بھی ایک عالم مثال ہی کا واقعہ تھا۔ امور مذکورہ بالا کو اگر ان تاویلات پر بھی محمول کر دیا جائے، جو ان کے تذکروں میں بطور احتمال ذکر کی گئی ہیں۔ تو بھی یہ مقصود کلام قطعاً متاثر نہیں ہوتا کہ انبیائے کرام کو اپنی اپنی قبور میں جو حیات حاصل ہے، وہ عنصری اور جسمانی ہے نیز یہ کہ وہ تلذذاً معروف عبادت ہیں، یہ عبادات ان کے لئے تکلیفی نہیں۔

ہاں اگر کہا جائے کہ مذکورہ انکشافات میں اور معراج کی ملاقاتوں میں نہ ابدان مثالیہ تھے اور نہ اجسام عنصریہ بلکہ ان انبیائے کرام کی ارواح قدسیہ ہی متمثل ہو رہی تھیں[1] تو پھر یہ وہم ہو سکتا ہے کہ پھر ان کے اجسام عنصریہ قبور شریفہ میں زندہ نہ ہوں گے اس صورت میں ہم عرض کریں گے کہ اگر ارواح مقدسہ رفیق اعلیٰ یا خطیرہ قدسیہ کو اپنا مستقر بنا کر وہاں سے اجسام قبریہ پر اپنی تاثیر دکھا سکتی ہیں اور انہیں فائز الحیات کر سکتی ہیں کہ وہ اجسام عنصریہ بھی اپنی اپنی قبور میں زندہ ہوں تو جہاں وہ ارواح متمثل بصورت جسمیہ ہو رہی ہوں وہاں سے اجسام قبریہ پر وہ کیوں پرتو نہیں ڈال سکتیں اور وہاں اتصال روح کے نتیجے میں حیات کا تحقق کیوں نہیں ہو سکتا۔

نوٹ: اس مبحث میں ہمارا مقصود ان انکشافات کی تحقیق، اس کے ضمن میں مختلف احتمالات کی تطبیق یا کسی ایک توجیہ کا اثبات یا ابطال نہیں، بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر شریف میں زندہ ہونے کے بیان میں جو جو مغالطات عوام کے سامنے لائے گئے ہیں، ان کے الزامی جوابات اور ایراد استبعاد میں دلائل امکانات ہیں نہ ہر صورت ممکنہ کے وقوع کا دعوے ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے، کہنا یہ ہے کہ اصل مدعا کسی بھی صورت واقعہ سے متاثر نہیں ہوتا۔

المبحث الرابع

یہ بھی سننے میں آیا ہے[3] کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنی قبر شریف میں نماز پڑھنے کی روایت اگرچہ صحیح مسلم میں موجود ہے لیکن قرآن پاک کے خلاف ہونے کی وجہ سے لائق اعتماد نہیں قرآن پاک میں ہے: "وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ" (پ ۱۴، الحجر آیت ۹۹)

ترجمہ: اور بندگی کئے جا اپنے رب کی، یہاں تک کہ تجھے وفات آجائے۔

پس جب عبادت موت تک کے لئے ہی ہے تو قبر میں عبادت کرنے اور نمازیں پڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ ہرگز دار العمل نہیں پس یہ حدیث جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قبر منور میں نماز پڑھنا مذکور ہے قرآن کے خلاف ہے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)

۱؎ قال الشیخ الاکبر فی الفصوص "الروح یتشکل باشکال مختلفۃ" (العرف الشذی ص ۱۰)

۲؎ کما ذھب الیہ ابن القیم و راجع لہ (کتاب الروح ص ۵۴ و زاد المعاد ج ۲ ص ۴۹)

۳؎ یہ روئیداد ملتان کے ایک درس کی ہے، جو ہمارے محترم دوست ڈاکٹر فیروز الدین صاحب (اندرون بوہڑ گیٹ) نے ہمیں سنائی تھی۔

جواباً عرض ہے کہ دارالعمل کے بعد "وجوب عمل" کا انقطاع ہے "نفس عمل" کا نہیں قرآن عزیز نے جس عبادت کا حکم دیا ہے۔ اس کی "انتہائے مدت" واقعی موت ہے۔ اس کے بعد عبادت کا نہ حکم ہے اور نہ کسی پر یہ اس عالم میں واجب ہے۔ انبیائے کرام جو عالم برزخ میں (اپنی اپنی قبور میں) نمازیں پڑھتے ہیں، وہ تلذذاً پڑھتے ہیں، وجوباً نہیں۔

"قال القرطبی حببت الیھم العبادۃ فھم یتعبدون بما یجدونہ من دواعی انفسھم لا بما یلزمون بہ" (راجع لہ الفتح ج ا ص ۳۳۰)

خاتم المحدثین حضرت مولانا السید انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: "ان کثیرا من الاعمال قد ثبتت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی وقراءۃ القران عند الترمذی" (فیض الباری ج ۲، ص ۱۸۳ مصر)

ترجمہ: بہت سے اعمال قبور شریفہ میں بھی ثابت ہوتے ہیں سنن دارمی کی روایت سے قبر میں اذان واقامت اور ترمذی شریف کی روایت سے قبر میں تلاوت قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔

پس جس طرح صَلُّوا خَمْسَكُمْ (تم اپنی پانچ نمازیں پڑھ لیا کرو) میں تہجد کی نفی نہیں، اسی طرح درود موت کے بعد قبر کی زندگی میں نمازیں پڑھنا، تلاوت کرنا وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ کے خلاف نہیں۔ مقربین ایزدی کو عبادت میں اس قدر لذت ملتی ہے کہ وجوب ہو نہ ہو، وہ عبادت کو اپنی طبیعت بنا چکے ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن عزیز جنت میں بھی دعا و ذکر کی خبر دیتا ہے: "دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (پ ۱۱ یونس ۱۰)

ترجمہ: ان کی دعا اس جگہ یہ ہے کہ اے اللہ! تیری ذات پاک ہے اور ان کا تحفہ ایک دوسرے کو سلام کا ہوگا اور خاتمہ ان کی دعا کا اس پر ہے کہ سب تعریفیں سب جہانوں کے پروردگار کے لئے ہی ہیں۔

پس جب دعا جو مخ العبادۃ ہے یعنی ساری عبادت کا مغز ہے، وہ مرنے کے بعد ثابت ہے، تو پھر یہ کہنا کہ قرآن عزیز اس دارالعمل کے بعد کسی قسم کی عبادت یا ذکر وحمد کی خبر نہیں دیتا۔ قرآن پاک پر اور خود اسلام کے نظریہ مابعد الموت پر کس قدر ظلم ہے۔

فریب کش کش عقل و ذوق راہزنی دارد		کہ میر قافلہ و دیدنی دارد

قال اللہ تعالیٰ! "وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ ... وَقِيْلَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" (پ ۲۴ زمر)

ترجمہ: اور جنتی کہیں گے الحمد للہ، جس نے اپنا وعدہ سچا کیا اور وارث کیا ہمیں اس زمین کا...... اور ہر طرف سے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی آوازیں آئیں گی۔

"وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْاٰخِرَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ" (پ ۲۲ سبا)

ترجمہ: اور آخرت میں بھی اسی کی ہی حمد ہوگی اور وہی ہے حکیم وخبیر۔

"وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا" (پ ۸، اعراف ۴۳)

ترجمہ: اور جنتی کہیں گے الحمد للہ، سب تعریفیں اسی ذات کے لئے ہیں جس نے ہمیں یہاں تک پہنچا دیا۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: "یلھمون التسبیح والتحمید" (مسلم شریف)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد ان کے دلوں میں ڈال دی جائے گی۔

پھر حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یسبحون اللہ بکرۃ وعشیا متفق علیہ''

ترجمہ: وہ صبح وشام اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہیں گے۔

''فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ '' میں تسبیح وتحمید اور استغفار کا حکم تھا۔ اس عالم میں وجوبا اس پر عمل ہوتا رہا بعدازاں تلذذاً تسبیح وتحمید اور دعاء استغفار کا سلسلہ جاری ہے تسبیح وتحمید کا بیان ہو چکا اب استغفار بھی لیجئے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

''حیاتی خیر لکم ومماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدت اللہ علیہ وما کان من سیئی استغفرت اللہ لکم رواہ البزار باسناد جید'' (فتح الملہم ج ۱ ص ۴۱۳)

''وکذا عند البزار بسند جید عن ابن مسعود'' (عقیدۃ الاسلام ص ۱۱ مولانا انورشاہؒ)

''بزار برجال صحیح از عبداللہ بن مسعودؓ می آرد۔'' (جذب القلوب ص ۱۸۴)

ترجمہ: میری یہ زندگی بھی تمہارے لئے خیر ہے اور بعد الوفات بھی میری حالت تمہارے لئے خیر ہے۔ تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوتے رہیں گے۔ پس جو اچھے ہوں گے، تو یہ میرے لئے سامان تحمید ہوگا اور جو اعمال اچھے نہ ہوں گے اس پر میں دعائے استغفار کرتا رہوں گا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: ''مجموع روایات سے علاوہ فضیلت حیات واکرام ملائکہ کے برزخ میں آپ (ﷺ) کے یہ مشاغل ثابت ہیں۔ (۱) اعمال امت کا ملاحظہ فرمانا۔ (۲) نماز پڑھنا۔ (۳) غذا مناسب اس عالم کے نوش فرمانا۔ (۴) سلام کا سننا، نزدیک سے خود اور دور سے بذریعہ ملائکہ۔ (۵) سلام کا جواب دینا۔ یہ تو دائما ثابت ہیں، اور احیانا بعض خواص امت سے یقظہ میں آپ ﷺ کا کلام اور ہدایت فرمانا بھی آثار واخبار میں مذکور ہے اور حالت رؤیا اور کشف میں تو ایسے واقعات حصر واحصاء سے متجاوز ہیں اور ان مشاغل کے ایک وقت میں اجتماع سے تزاحم کا وسوسہ نہ کیا جائے، کیونکہ برزخ میں روح کو پھر خصوصا روح مبارک کو بہت وسعت سے امور غیر ثابتہ بالدلیل الصحیح یعنی منفیہ یا مسکوت عنہا کو ثابت یا ثابتہ احیانا کو ثابت بالدوام ماننا جائز نہ ہوگا، خوب سمجھ لیا جائے۔'' (نشر الطیب ص ۲۰۱)

خلاصہ بحث یہی ہے کہ یہ حدیث صلوٰۃ موسیٰ فی القبر بالکل صحیح ہے اور ہرگز قرآن پاک کے خلاف نہیں۔ اسی طرح لیلۃ الاسراء میں انبیائے کرام کا نمازیں پڑھنا اور پھر آن حضرت ﷺ کا ان کی امامت کرانا یہ بھی احادیث صحیحہ سے روز روشن کی طرح ثابت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب!

المبحث الخامس

یہ اعتراض بھی سننے میں آیا ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ کے قبر میں نماز پڑھنے کی حدیث حضرت انسؓ نے آنحضرت ﷺ سے براہ راست نہیں سنی۔ اس لئے کہ بعض سندوں میں عن انسؓ عن بعض اصحاب النبی ﷺ قال ......الحدیث کے الفاظ ملتے ہیں۔ پس جب تک اس صحابی کے نام کا پتہ نہ ملے، جس سے حضرت انسؓ نے یہ حدیث سنی تھی، اس وقت تک اسے حجت نہیں سمجھا جا سکتا۔

جواباً عرض ہے کہ صحیح مسلم کی روایت میں حضرت انسؓ براہ راست آنحضرت ﷺ سے اس حدیث کو نقل کررہے ہیں۔ پس جو سند اس عالی سند سے ٹکرائے گی، ناقابل اعتماد ہوگی، ثانیاً امام نسائی جنہوں نے دونوں طریق اسناد پیش کئے ہیں، خود اسی روایت کو ترجیح دے رہے ہیں۔ جس میں حضرت انسؓ براہ راست حضور اکرم ﷺ سے اس حدیث کو روایت کرتے ہیں۔

''قال ابو عبدالرحمن النسائی هذا اولیٰ بالصواب عندنا'' (سنن نسائی ج۱ ص۱۸۵)

ثالثاً اگر ان دونوں حقیقتوں کو نظر انداز کردیں، تو غایت مافی الباب لازم آتا ہے کہ یہ حدیث مرسلات صحابہؓ میں شمار ہو اور ظاہر ہے کہ مرسلات صحابہؓ بالاتفاق موصولات کے حکم میں ہیں اور ان لوگوں کے نزدیک بھی معتبر ہیں جو مرسل کے قبول کرنے میں کلام کرتے ہیں الفیہ عراقی میں ہے۔

اما الذی ارسله الصحابی فحکمه الوصل علی الصواب

الفیہ سیوطی میں ہے: ''و مرسل الصاحب وصل فی الاصح''

تحریر میں ہے: ''فلا یضر اذ لا یرسل الا عن صحابی'' (التحریر لابن الہمام ص۳۲۷ مصر)

شیخ الاسلام فرماتے ہیں: ''اما مراسیل الصحابة فحکمها حکم الموصول علی المشهور الذی ذهب الیه الجمهور'' (مقدمہ فتح الملہم ص۳۴)

خلاصہ سب دلائل کا یہی ہے کہ: صحابہ کرامؓ کی مرسلات (یعنی وہ روایات جو روایت کرنے والے صحابیؓ نے خود حضور ﷺ سے نہ سنی ہوں۔ بلکہ کسی اور صحابی سے سنا ہو کہ حضور ﷺ نے ایسا ایسا فرمایا تھا اور اب وہ اس دوسرے صحابی کی نشاندہی ضروری نہ سمجھتے ہوئے ان احادیث کو براہ راست حضور ﷺ سے ہی روایت کررہے ہوں تو ان) کا حکم یہی ہے کہ انہیں متصل روایات قرار دیا جائے اور یہی جمہور محدثین کا فیصلہ ہے۔

المبحث السادس

وادی ازرق، اور لیلۃ الاسراء کے مشاہدات اگر حقیقت نہ ہوں، تو بھی مقصود کلام متاثر نہیں ہوتا۔

مذکورہ سابقہ انکشافات برزخیہ میں یہ اختلاف درپیش ہے کہ اجسام مرئیہ واقعی حضرات انبیاء علیہم السلام ہی تھے یا یہ فقط ان کے مثالی اجسام تھے؟ اس میں کئی موقف اختیار کئے جاتے ہیں۔

حضور ﷺ نے جب فرمادیا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے، تو واقعی آپ نے انہیں دیکھا ہے، اس کا ادراک وشعور اگر ہمیں نہ بھی ہو سکے، تو بھی یقین کامل ہے کہ آپ نے جنہیں دیکھنے کا دعویٰ فرمایا، آپ نے واقعی انہیں دیکھا تھا اور وہ واقعۃً وہی حضرات تھے، جن کا آپ نے ذکر فرمایا۔ اس عالم برزخ میں انبیائے کرام جسمانی طور پر زندہ ہیں اور جس کے لئے بھی کبھی یہ پردے اٹھائے گئے، اس نے ان نفوس قدسیہ کو اس دنیا کی جسمانیات قبر یا کعبہ وغیرہما سے متعلق ہی پایا۔

یہ موقف کہ ان انکشافات میں اشخاص مرئیہ صرف مثالی وجود تھے یا ان کی ارواح (تعلق بالبدن المدفون کے باوجود) یہاں متمثل ہورہی تھیں، یقیناً صرف عن الظاہر ہے اور یہ طے شدہ تحقیق ہے کہ شے اپنی اصل پر قائم ہے، جب تک کہ اس کا حقیقت پر محمول ہونا شرعاً یا عقلاً متعسر نہ ہوں، صرف عن الظاہر کے لئے اصل شرعی

مطلوب ہے اور وہ بھی کم از کم اسی پایہ کی ہونی چاہئے جس پائے کا آپ کا یہ دعوے شریفہ ہے کہ میں نے ان ان انبیاء کو فلاں فلاں موقع پر دیکھا تھا اگر اس درجہ کی اصل اس مقام پر موجود نہیں تو ظاہر ہے کہ اصل دعوے کو اپنے اصل ہی پر رہنے دیا جائے گا۔

اس مؤقف کے قائلین پر ایک الزام

جو اہل علم حضرات ان انکشافات کے حقیقت پر محمول ہونے کا مسلک رکھتے ہیں ان کی تردید میں یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ سلف صالحین میں سے یہ کسی کا مسلک نہ تھا۔ ان اجسام مدفونہ سے متعلق سماع وعدم سماع یا شعور وعدم شعور کے مباحث تو تھے لیکن ان کے متحرک ہونے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کا دعوے سلف میں سے کسی نے نہیں کیا۔

راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ اس الزام میں قلب موضوع، حقائق کو برعکس بیان کرنے، موجود کو غیر موجود کہنے سے کام لیا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرام کے اجسام مدفونہ سے متعلق سماع یا عدم سماع اور شعور یا عدم شعور کے مباحث تو حضرات اہل سنت میں کہیں نہیں ملتے اور اس کے برعکس ان اجسام مدفونہ کے متحرک ہونے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے کا قول سلف صالحین میں موجود ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فتح الباری باب المعراج میں لکھتے ہیں: "واستشکل رؤیۃ الانبیاء فی السمٰوات مع ان اجسادھم مستقرۃ فی قبورھم بالارض واجیب بان ارواحھم تشکلت بصور اجسادھم او احضرت اجسادھم لملاقات النبی ﷺ تلک اللیلۃ تشریفا وتکریما ویؤیدہ حدیث عبد الرحمن بن ھاشم عن انس رضی اللہ عنہ ففیہ وبعث لہ ادم ومن دونہ من الانبیاء" (فتح الباری ج ۷ ص ۱۶۶ مصر)

ترجمہ: یہ اشکال پیش کیا گیا ہے کہ انبیائے کرام کے اجساد کریمہ تو اپنی اپنی قبروں میں استقرار پذیر ہیں۔ پھر حضور ﷺ کا انہیں معراج کی رات آسمانوں پر دیکھنا یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی ارواح قدسیہ اس رات متجسد کردی گئی تھیں یا ان کے اجساد کریمہ ہی (ان کی قبور سے) آنحضرت ﷺ کی تشریف وتکریم کے لئے لاحاضر کردیئے گئے تھے اور اس دوسری صورت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت انسؓ سے منقول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کا انداز بیان بتلا رہا ہے کہ وہ اس دوسری صورت کو ہی ترجیح دے رہے ہیں خاتمہ الحفاظ کے علاوہ اور بھی کئی محدثین سے یہ مؤقف منقول ہے حیرت در حیرت ہے کہ جو مباحث موجود ہیں، ان کے وجود ہی سے انکار ہوا اور جن کا حضرات اہل سنت میں نام ونشان بھی نہیں ملتا، ان کے امر واقع ہونے کا دعویٰ کردیا جائے۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا، جنوں کا خرد — جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بعض دوسرے حضرات کا مؤقف یہ ہے: حضور ﷺ نے جن انبیائے کرام کے متعلق فرمایا کہ میں نے انہیں دیکھا ہے، حضور ﷺ نے انہیں واقعی نہ دیکھا تھا، بلکہ یا: (۱) ان انبیاء علیہم السلام کی ارواح قدسیہ صورت جسم میں متمثل ہو رہی تھیں یا: (۲) ان انبیائے کرام علیہم السلام کے ان اجسام کا مشاہدہ ہو رہا تھا، جو عالم مثال میں قائم تھے اور یا: (۳) انہیں اس عالم سے انتقال فرمانے کے بعد کوئی اور جسم ملا ہوا ہے اور ان انبیائے کرام علیہم السلام کی یہ حاضریاں انہی جسم کے ساتھ تھیں۔

ہمیں ان احتمالات کے مابین محاکمہ کرنا نہیں امر واقع خواہ کوئی صورت ہو، اس عقیدے کے لئے قطعا کوئی گنجائش نہیں کہ انبیائے کرام کے اجساد عنصریہ اپنی قبور شریفہ میں بالکل بے حس و بے شعور ہیں۔

اگر یہ نفوس قدسیہ اپنی وفات شریفہ کے بعد بھی کہیں کہیں اپنے اصل جسد عنصری سے چلتے پھرتے دکھائی دیں اور یہ رفت و آمد فوق الاسباب بغیر انشقاق قبور کے ہو اور اس اعتبار سے روحانی ہو کہ زمان و مکان کی وسعتیں، جیسا کہ معراج کی رات واقع ہوا، سمٹ گئی ہوں، یعنی اپنی قبور سے جدائی بھی کسی خاص محسوس درجے میں نہ ہو تو سوال یہ ہے کہ: "رب العزت کے لئے ایسے حالات پیدا کرنا اور پھر روحانی اور جسمانی اعتبارات کو مختلف جہات سے اس عالم برزخ میں جمع کردینا کیا امر ناممکن ہے؟ یا ان جزئیات میں سے کوئی جزئیہ کتاب وسنت کی کسی تصریح سے متصادم ہوتا ہے؟ یا یہاں کوئی پہلو ایسا بھی اختیار کیا گیا، جس کی نظیر پہلے کے کسی واقعہ میں نہ ہو؟ جواب یقیناً نفی میں ہوگا۔"

پیش نظر رہے کہ ان تفصیلات کو ہم مدعی ہو کر اپنے دلائل میں پیش نہیں کر رہے بلکہ بات یہ چلی کہ آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ میں نے فلاں فلاں پیغمبر کو فلاں فلاں جگہ دیکھا تھا، آیا حقیقت پر محمول ہیں یا اسے حقیقت پر محمول کرنا شرعاً اور عقلاً محال ہے۔ بصورت دیگر ہم مجبور ہوں گے کہ آپ کے اس ارشاد کو اس کے ظاہر سے پھیر کر تمثیل و مجاز وغیرہ پر محمول کریں ہم نے یہ تفصیل اس لئے کی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ان ارشادات کو ان امکانات، احتمالات اور نظائر کے ہوتے ہوئے ان کے ظاہر پر محمول کرنا شرعاً اور عقلاً ہرگز ناممکن نہیں اور واضح ہے کہ امکان ثابت کرنے کے لئے یا امتناع توڑنے کے لئے صرف صورت ممکنہ کافی ہوتی ہے۔ صورت واقعہ کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

اگر ان برزخی مشاہدات میں اجسام مرئیہ اصل اجسام عنصریہ نہ ہوں، بلکہ عالم مثال کے مثالی اجسام ہوں، تو بھی اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ اصل اجسام عنصریہ اپنی اپنی قبور میں بالکل بے حس و بے شعور ہوں اور انبیائے کرام اپنے روضات میں فائز الحیات نہ ہوں، اس لئے کہ ان دونوں معاملات میں کوئی تصادم نہیں، ہر معاملہ اپنے اپنے مقام پر اپنے اپنے حالات کے مطابق ہو رہا ہے۔

ہاں اگر یہ تشکل عالم مثال کا نہ ہو، بلکہ اصل ارواح قدسیہ ہی متمثل بصورت جسمیہ ہو رہی ہوں جیسا کہ علامہ قرطبی وغیرہ کی رائے ہے، تو ہمیں وہ موقف اختیار کرنا پڑتا ہے کہ عالم برزخ میں ان ارواح طیبہ کو عظیم وسعت حاصل ہوتی ہے۔ ہرگز بعید نہیں کہ یہ ارواح قدسیہ اجسام عنصریہ سے بھی بالکل بے تعلق نہ ہوں اور ان کا پرتو یہاں بھی صورت جسمیہ میں متمثل ہو رہا ہو۔ یا وہ ارواح اصلیہ ان مقامات پر متمثل بصورت جسمیہ ہو رہی ہوں اور ان کا اجسام قبریہ پر بھی پرتو پڑ رہا ہو جس سے وہ صفت حیات سے متصف ہوں۔ اگر روح پاک رفیق اعلیٰ یا خطیرہ قدسیہ کو اپنا مستقر بنا کر قبور شریفہ میں رکھے اجسام پر پرتو حیات ڈال سکتی ہے جیسا کہ حافظ ابن قیم کی رائے ہے، تو ارواح متمثلہ یہاں قریب کے مقامات سے اجسام قبریہ پر تاثیر کیوں نہیں کر سکتیں؟

حق یہ ہے کہ احوال برزخ پر اس عالم کی نظر و فکر کے پہرے نہیں بٹھائے جا سکتے جن حضرات کا یہ موقف ہے کہ ان انکشافات میں ارواح قدسیہ ہی متمثل بصورت جسمیہ ہو رہی تھیں۔ آخر وہ بھی تو رفیق اعلیٰ یا خطیرہ قدسیہ ہی کو روح کا محل استقرار قرار دیتے ہیں جو جواب ان کا ان احوال میں ارواح قدسیہ کے علیین سے جدا ہونے کا ہوگا۔ وہی جواب ان کا سمجھ لیجئے جو ارواح قدسیہ کو قبر کے اجسام عنصریہ سے متعلق مان کر پھر ان مشاہدات میں تمثل ارواح کا دعویٰ کر رہے ہیں۔

حافظ ابو یعلیٰ کا سلسلہ اسناد یہ ہے: "حدثنا (۱) ابو الجهم الازرق بن علی حدثنا (۲) يحي بن ابی بکیر حدثنا (۳) المستلم بن سعید عن (۴) الحجاج عن (۵) ثابت عن (۶) انس قال قال رسول الله ﷺ... الحدیث"

یہ سلسلہ اسناد امام بیہقیؒ کو اس طریق سے پہنچا ہے: "اخبرنا (۱) الثقة من اهل العلم قال انبأنا (۲) ابو عمرو بن حمدان قال انبأنا (۳) ابو یعلی الموصلی حدثنا (۴) ابو الجهم الازرق"

حافظ ابو یعلی کے سلسلہ اسناد میں سب راوی معروف، قابل اعتماد اور متصل ہیں۔ اب حافظ بیہقی کی سند ابو یعلی تک جن دو راویوں سے پہنچتی ہے اگر وہ نہ بھی ہوتے اور امام بیہقی تک یہ حدیث نہ بھی پہنچی ہوتی، تو بھی یہ حدیث صحیح اور صالح الاحتجاج تھی اور حافظ ابو یعلی کا اسے سند صحیح سے لے آنا اس کی حجیت کے لئے کافی تھا۔ کس قدر افسوس ہے کہ امام بیہقی کے اس کہنے پر کہ "اخبرنا الثقة من اهل العلم" اس حدیث کے پورے اسناد پر مجہول ہونے کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس سند میں امام بیہقی کے شیخ روایت بھی حکماً مجہول نہیں کیونکہ مجہول وہ ہوتا ہے، جسے کسی امام حدیث نے ثقہ نہ کہا ہو اور یہاں خود امام بیہقی اسے اسی سند میں ثقہ قرار دے رہے ہیں۔ راوی کا تعین اور اس کے حالات کی تفصیل اسی لئے مطلوب ہوتی ہے کہ اس کی ثقاہت کا پتہ چلے اور اس مقام پر نہ صرف اس کی توثیق ہے بلکہ امام حدیث حافظ بیہقی اس کے اہل العلم ہونے کا بھی اعلان کر رہے ہیں۔

خیر، اسے بھی جانے دیجئے حافظ ابو یعلی کے سلسلہ اسناد کو لیجئے، نچلے روات میں اگر کوئی اختلاف بھی ہو، تو بھی اوپر کے روات کی توثیق بالکل متاثر نہیں ہوتی اور یہاں اوپر کے سب ثقہ ہیں۔

المبحث الاوّل: فی معنی الحدیث

اس حدیث میں انبیاء کے لئے وہی عنوان قائم کیا گیا ہے جو شہداء کے لئے قرآن کریم میں ملتا ہے نادان دوست بے فائدہ اس حدیث کی تضعیف میں لگے ہوئے ہیں اور جو سند ابن عدی یا ابن بزار کی ہے، اس پر جرح کر کے اس حدیث سے جان سے چھڑانا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ وہ عنوان ہے جو خود قرآن مجید میں موجود ہے پس جو تاویل اور توجیہ تم قرآن پاک میں کرتے ہو، کیا وہی تاویل اس حدیث میں نہ ہو سکے گی کیوں خواہ مخواہ اس صحیح حدیث کو ضعیف قرار دینے میں اپنی توتیں ضائع کر رہے ہو۔ اور تمام علماء حق سے ٹکر لے رہے ہو۔

رہا یہ فرق کہ قرآن کریم میں فی قبورھم نہیں اور حدیث میں فی قبورھم کے الفاظ ہیں تو اس کی فکر وہ کرے جسے قبر کا معنی بدلنا نہ آتا ہو اور جسے پتہ ہو مجاز کا دروازہ کھلا ہے تو کون اس میں گھسنے کی راہ نہیں جانتا، پھر ان الفاظ کے انکار کے درپے ہونا اس میں معلوم نہیں انہیں کون سی ذہنی راحت ملتی ہے۔

باقی یہ فرق کہ قرآن کریم میں یرزقون کی تصریح ہے اور حدیث میں یصلون کے الفاظ ہیں تو اس جہت سے بھی تضعیف حدیث کی کوشش کوئی خاص فائدہ مند دکھائی نہیں دیتی یصلون کی نسبت یرزقون کا پیرایہ دنیوی زندگی

۱۔ پیش رہے کہ توثیق رجال میں حافظ بیہقی کا مسلک دار قطنی اور ابن حبان والا نہیں کہ فقط دو راویوں کی روایت اس کے لیے کافی ہو۔ بلکہ امام بیہقی اس باب میں جمہور محدثین کے ساتھ ہیں پس ان کی توثیق کچھ کم وزن نہیں رکھتی بالخصوص جب کہ اس روایت سے انہیں کسی خاص فقہی موقف کی کوئی تائید مقصود نہ ہو۔

کے اور زیادہ قریب ہے معلوم نہیں یہ لوگ اس حدیث کی تضعیف کے کیوں درپے ہیں۔

اس حدیث میں حیات انبیاء کو یصلون سے جوڑا گیا ہے۔ نماز ذکر اور چند جسمانی حرکات چاہتی ہے سو نماز جسد چاہتی ہے معلوم ہوا یہاں انبیاء کی کسی روحانی حیات کا ذکر نہیں۔ ان کی جسمانی زندگی کا ذکر ہے جس کا قوی قرینہ ان کا نمازیں پڑھنا ہے معلوم ہوا وہ بایں معنی حیات ہیں کہ ان کے اعمال طاعت جاری ہیں اور یہ اقتدار ان سے سلب نہیں کی گئی۔

الانبیاء احیاء (نبی زندہ ہیں) میں ''الانبیاء'' (پہلے جزو) کے معنی سمجھ لیجئے کہ یہاں روح اور جسد دونوں مراد ہیں اور یہی نفس انسانی ہے حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں: ''یرید بقولہ الانبیاء احیاء مجموع الاشخاص لاالاوراح فقط'' (تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

ترجمہ: الانبیاء کے لفظ سے جسد اور روح کا مجموع اشخاص مراد ہے صرف روحیں نہیں اور دوسرے جزء ''احیاء'' کے بارے میں لکھتے ہیں: ''اراد بالحیوۃ فعل الاعمال واکثر من فی القبور فی العطلۃ بخلاف المقربین'' (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳)

ترجمہ: حیات سے آپ کی مراد اعمال کا جاری رہنا ہے (جو بدوں جسد تقوم نہیں پاتے) اور اکثر اہل قبور بے کار پڑے ہیں لیکن مقربین کی یہ حالت نہیں (ان کے اعمال قائم ہیں)

ان کے اعمال ہمیں نظر نہ آئیں تو بھی ان کے اعمال سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ زندگی پردے میں ہے اور ہم اس جہان میں ہیں یہاں رہتے ہوئے ہم اس جہان کے حالات کو دیکھ نہیں پاتے، نہ اس جہاں کی آوازیں سن سکتے ہیں بایں ہمہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انبیاء اور صدیق اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور باعتبار عالم ان کی زندگی برزخی ہے پردے میں ہے اور جس طرح یومنون بالغیب کے تحت ہم اور بہت سی حقیقتوں کو بن دیکھے تسلیم کرتے ہیں ان احوال قبر پر بھی ہم یومنون بالغیب کے سائے میں ایمان لاتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں: ''ان کثیرا من الاعمال قد ثبتت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی وقراۃ القران عند الترمذی''

(فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۵)

ترجمہ: قبروں میں (احادیث کی رو سے) بہت سے اعمال ثابت ہیں اذان اور اقامت کا ذکر سنن دارمی میں ملتا ہے اور قبر میں کسی کے قرآن پڑھنے کا ثبوت ترمذی شریف میں موجود ہے۔

صرف نماز ہی نہیں جو ایک جگہ ادا ہوتی ہیں انبیاء عالم برزخ میں حج تک کرتے ہیں اور دیکھنے والا انہیں کہیں چلتے پھرتے نہیں دیکھتا۔ وہ یہی محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی قبروں میں استراحت فرما رہے ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: ''ان الانبیاء افضل من الشہداء والشہداء احیاء عند ربہم فکذلک الانبیاء فلا یبعد ان یصلوا ویحجوا ویتقربوا الی اللہ بما استطاعوا مادامت الدنیا وھی دار تکلیف باقیۃ'' (فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۴۵)

ترجمہ: انبیاء کرام شہداء سے افضل ہیں اور شہدا اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ سو انبیاء کرام بھی اس طرح زندہ ہیں یہ کوئی امر بعید نہیں کہ وہ نماز بھی پڑھتے ہوں اور حج بھی کریں اور جہاں تک ہو سکے اللہ رب العزت کے قرب میں اور بڑھتے رہیں جب تک یہ دنیا جو عمل کی دنیا ہے باقی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور وادی میں تلبیہ پکارتے بھی دیکھا۔ یہ عالم غیب میں نماز اور حج کی واردات ہیں جو یقیناً اپنی جگہ صحیح ہیں۔ گو ہم انہیں دیکھ نہ پائیں۔

"اما موسیٰ کانی انظر الیہ اذا انحدر فی الوادی یلبی" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۱۰)

ترجمہ: اور موسیٰ علیہ السلام اس طرح ہیں کہ میں انہیں وادی میں اترتے دیکھ رہا ہوں وہ تلبیہ پڑھ رہے ہیں (لبیک پکار رہے ہیں)

عالم برزخ میں قبر کی زندگی میں اعمال طاعات کا جاری رہنا اور انبیاء و مقربین سے وہاں اذکار و ادعیہ کا صدور یہ ہرگز کوئی غیر شرعی بات نہیں ہے۔

علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ) آنحضرت ﷺ کے بارے میں لکھتے ہیں: "ھو فی البرزخ و دعانہ لربہ فی ھذہ الحالۃ غیر ممتنع" (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۴۲۱ مصر)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ اس وقت عالم برزخ میں ہیں۔ اور آپ کا اس حالت میں اپنے پروردگار سے دعا کرنا کوئی ناممکن بات نہیں ہے۔

ایک اور جہت سے معنی پر غور

اس حدیث میں یہ بات غور طلب ہے کہ اس کا منشاء انبیاء کی صرف حیات طبعی کا بیان نہیں جس قسم کی حیات انبیائے کرام کے لئے ثابت کی جارہی ہے، وہ اس حیات طبعی پر ایک امر زائد ہے اس کے لئے اس حقیقت کو پیش نظر رکھئے۔

عام طور پر روح اور جسم کے تعلق یا روح کے بدن میں ہونے کو زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن یہ حیات کا صرف طبعی مفہوم ہے۔ اس حیات طبعی کی پھر دو حالتیں ہیں۔ ایک یہ کہ حیات ان تمام کاموں سے جو مقصد حیات ہیں، خالی اور بے کار ہو اور دوسرے یہ کہ یہ حیات بے کار نہ ہو اور ان جیسے کاموں سے جو مقصد حیات ہیں، اس کا تعطل نہ ہو۔

اول الذکر حیات طبعی تو ہے، لیکن حقیقتہً یہ بھی موت ہے یا ایک ایسی زندگی ہے کہ اس میں اور موت میں کوئی فرق نہیں قرآن عزیز ان لوگوں کو جن کی حیات طبعی تو تھی، لیکن ان کا دامن حیات مقصد حیات سے بالکل خالی تھا۔ قلوب ان کے مردہ تھے اور دل کے کانوں سے وہ بہرے تھے، قرآن انہیں صریح الفاظ میں مردے قرار دیتا ہے۔

"اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ" (پ ۲۰ نمل، پ ۲۱ روم)

ترجمہ: بے شک آپ ان مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ ان بہروں تک اپنی پکار پہنچا سکتے ہیں۔

پھر یہی نہیں کہ انہیں "مردے" فرمایا بلکہ ان کے لئے مردوں کے لوازمات بھی ذکر کر دیئے۔

"وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ" (پ ۲۲ فاطر آیت ۲۲)

ترجمہ: اور آپ ان کو سنا نہیں سکتے، جو قبروں میں پڑے ہوئے ہیں۔

یہ لوگ طبعی طور پر تو زندہ اور موجود تھے، لیکن حکمی طور پر مردہ...... بظاہر حیات تھی، لیکن حقیقتہً نہیں۔

کریں گے مر کے بقائے دوام کیا حاصل جو زندہ رہ کے مقام حیات پا نہ سکے

قرآن عزیز احکام طبعی کو اپنا موضوع قرار نہیں دیتا، بلکہ حقائق کا ادراک کرتا ہے، اس کی نظر میں اندھا پن ظاہری آنکھوں سے محرومی نہیں، باطن کی سیاہی اور دل کی آنکھوں پر پردے کا نام ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔

"لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ" (پ ۱۷ حج آیت ۴۶)

ترجمہ: یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ حقیقت میں اندھے دل ہوتے ہیں جو سینوں میں پڑے ہوئے ہیں۔

اور اسی وجہ سے فرمایا: "وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ أَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ أَعْمٰى" (پ ۵ بنی اسرائیل آیت ۷۲)

ترجمہ: جو کوئی اس جہان میں اندھا رہا۔ سو وہ دوسرے جہان میں بھی اندھا ہی ہوگا۔

ان حقائق سے واضح ہے کہ روح وجسم کا تعلق یا روح کا بدن میں ہونا ایک حیات طبعی ہے جب تک اس کا اشتغال ان کاموں میں نہ ہو، جو مقصد حیات اور راز تخلیق کائنات ہیں اسے حقیقی حیات نہیں کہا جا سکتا۔ ارباب خبرت اس طبعی زندگی کی اول الذکر کیفیت کو موت ہی قرار دیتے ہیں اور صرف ثانی الذکر زندگی ہی کو حیات کہتے ہیں۔

یہاں تین کیفیتیں اور ان کے احکام پیش نظر رہنے چاہئیں۔

(۱) روح اور جسم کا کوئی تعلق نہ ہو۔ اسے عامۃ الناس اور ارباب خبرت دونوں موت قرار دیتے ہیں۔ یہ حیات کسی معنی میں نہیں۔

(۲) وح اور جسم کا تعلق تو ہو، لیکن دامن حیات مقصد حیات سے خالی ہو۔ اسے عوام حیات اور ارباب خبرت موت سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۳) روح اور جسم کا تعلق بھی ہو اور زندگی بھی مقصد حیات سے خالی نہ ہو ارباب خبرت اسے ہی حیات قرار دیتے ہیں اور حقیقت میں زندگی یہی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جب ارشاد فرمایا کہ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں) تو آپ کا منشاء صرف حیات طبعی کا بیان نہیں، بلکہ اس حیات کی کیفیت کا اظہار تھا۔ اگر حیات انبیاء کا یہی مفہوم ہو کہ انہیں قبور شریفہ یا ریاض منورہ میں ایسی زندگی حاصل ہے۔ جس میں محض روح وبدن کا تعلق قائم ہے، تو یہ کوئی خاص مقام نہیں اس لئے کہ قرآن عزیز تعطل عن الافعال کی حیات طبعی کو بے کار ہونے کی وجہ سے موت کے برابر قرار دیتا ہے۔ پس حدیث شریف کا منشاء اس قسم کی حیات طبعی نہیں۔ بلکہ ایسی حقیقی حیات ہے، جس میں محض روح وبدن کا تعلق نہیں، بلکہ اعمال سے بھی ہرگز تعطل نہیں اور یہی حقیقت میں قرآن کا مفہوم حیات ہے۔

الغرض یہ مذکورہ بالا تین صورتوں میں سے دوسری قسم کی حیات نہیں، بلکہ تیسری قسم کی حقیقی حیات ہے اور اسے ہی ارباب دانش حقیقت حیات قرار دیتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ اگر یہی ارشاد فرماتے کہ الانبیاء احیاء فی قبورھم تو یوں متبادر ہو سکتا تھا کہ روضہ شریفہ میں انبیاء صرف روح وبدن کے تعلق کے ساتھ زندہ ہیں اور انبیاء کی حیات جسمانی فقط اس تعلق کا نام ہے۔ لیکن حضور ﷺ نے لفظ یصلون ارشاد فرما کر احیاء کی کیفیت حیات پر بھی متنبہ کر دیا یعنی انبیاء جسد عنصری سے اس طرح فائز الحیات ہیں کہ زندوں کے سے جیسے کاموں سے ہرگز تعطل نہیں ہوا اور وہ بدستور اعمال طیبات میں مشغول ہیں نہ دنیا میں ان کے اشغال طیبہ میں تعطل ہوا، نہ قبور شریفہ میں۔

خلاصہ کلام یہ کہ انبیائے کرام کی اس حیات قبریہ کے دو جزو ہیں:

(۱) وہاں کی حیات محض روحانی نہیں کہ صرف ارواح زندہ ہوں، بلکہ یہ زندگی جسم وروح کے مجموعہ کی ہے۔

(۲) یہ حیات صرف حیات طبعی کی حدود تک نہیں، بلکہ ان اشخاص کریمہ کا زندوں جیسے کاموں میں اشتغال بھی موجود ہے۔

آپ پہلے پڑھ آئے ہیں کہ رئیس المحدثین حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ نے ان دونوں جزوں کو اس طرح بیان فرمایا ہے جزاول کے متعلق لکھتے ہیں: ''یرید بقوله "الانبياء احياء" مجموع الاشخاص لا الارواح فقط'' (تحیۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ مصنفہ مولانا سید انور شاہ ص ۳۶)

ترجمہ: آنحضرت کی مراد اس حدیث سے کہ ''انبیائے کرام زندہ ہوتے ہیں'' یہی ہے کہ مجموعہ اشخاص فائز الحیات ہیں نہ کہ فقط ان کی ارواح زندہ ہیں۔

اور دوسرے جزو کے متعلق لکھتے ہیں: ''اراد بالحيوة فعل الاعمال واكثر من فى القبور فى العطلة بخلاف المقربين ومعانى الحيات فى النهاية وان الميت لا فعل له فى خلق افعال العباد والاحاديث ارادت افعال الحيوة واعمالها لا بقاء الروح وهو قوله فنبى الله حیّ يرزق واحياء فى قبورهم يصلون تسرد فى ذكر الحيوة افعالها لا اصلها او اراد مع الاجساد فان اجسادهم حرمت على الارض'' (ایضا)

خلاصہ: آنحضرت کی مراد انبیاء کے زندہ ہونے سے اعمال کی زندگی ہے اور اکثر لوگوں کی قبریں ایسے اعمال سے تعطل میں ہیں۔ ان احادیث کا منشاء اعمال حیات کا بیان ہے نہ کہ فقط روح کی زندگی حضور کا یہ ارشاد فنبیّ الله حیّ یرزق (اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی ملتا ہے) اور یہ ارشاد کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں یہ سب اصل حیات کے بیان میں نہیں۔ بلکہ (اس سے بھی زائد) اعمال حیات کے ثابت ہونے کے لئے ارشاد فرمائے گئے تھے یا یوں کہہ لیجئے کہ اس زندگی سے مراد حیات جسدی کا بیان ہے کیونکہ انبیاء کے اجساد کریمہ مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں اور وہ اعمال انہی اجساد کریمہ کے ساتھ وجود میں آرہے ہیں۔

شاہ صاحبؒ نے اس دوسرے جزو کو ''دروس بخاری'' میں بھی تفصیلاً ارشاد فرمایا ہے۔ چونکہ وہاں پہلے جزو کی اس طرح تفصیل نہیں۔ اس لئے عبارت سے ابتدائی سطح میں مغالطہ لگ سکتا ہے۔ انصاف یہ ہے کہ پہلا جزو محققین سلف کے نزدیک اتنا بدیہی تھا کہ اس کے لئے کسی تفصیل کی ضرورت محسوس نہ فرماتے تھے۔ ان لوگوں کے علم وفہم پر حیرت ہوتی ہے، جو اس جزو اول کے عدم ذکر کو ذکر عدم بنا کر دوسرے جزو کا مفہوم مطلب بھی اپنی تدلیس کی نذر کر دیتے ہیں۔ اعاذنا الله منها ومن تحريف المبطلين!

(۱) مولانا السید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''المراد بحديث الانبياء احياء فى قبورهم يصلون انهم ابقوا على هذه الحالة ولم تسلب عنهم'' (تحیۃ الاسلام ص ۳۶)

ترجمہ: اس حدیث حیات انبیاء کا مطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام (بدن میں روح لوٹ آنے کی) اسی حالت میں باقی رکھے گئے ہیں اور پھر روح ان سے جدا نہیں کی گئی۔

(۲) قاضی شوکانیؒ شرح حصن حصین میں فرماتے ہیں: ''انه ﷺ حیّ فى قبره وروحه لا تفارقه لما صح ان الانبياء احياء فى قبورهم'' (تحفۃ الذاکرین للشوکانی ص ۲۸ مصر)

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کی روح اقدس آپ کے جسد اطہر سے کبھی جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ حدیث صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

البیان المسدد من حضرۃ المجدد

(۳) حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے اس حدیث کو اس سیاق وسباق میں نقل فرمایا ہے: ''برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است، گنجائش ترقی دارد واحوال ایں وطن نظر باشخاص متفاوت تفاوت فاحش دارد۔ الانبیاء یصلون فی القبور شنیدہ باشند وحضرت پیغمبر ما علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام شب معراج چون بہ قبر حضرت کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام گزشتند دیدند کہ در قبر نمازی گزارد۔'' (مکتوبات ج ۲ ص ۲۹، ۳۰ نمبر ۱۶ مطبوعہ لکھنؤ)

اس کلام ہدایت نظام میں جہاں اس طرف اشارہ ہے کہ حیات برزخی کسی ایک جہت سے حیات دنیوی بھی ہے، وہاں اس امر کی تصریح بھی موجود ہے کہ برزخ صغریٰ میں بھی ترقی مقامات کی بھی گنجائش ہے۔

سوال یہ ہے کہ اس ترقی سے مراد کیا ہے؟ جواباً عرض ہے کہ اس سے مراد ''قرب الٰہی'' میں آگے بڑھتے چلے جانا ہے۔

اس ارتقاء کا تحقق کیسے ہوتا ہے اور ترقی کی کیا صورت ہوتی ہے اسے سمجھنے کے لئے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے یہ اصول وضوابط پیش نظر رہیں۔

حضرت کے نزدیک ''عالم خلق'' ''عالم امر'' سے افضل ہے اور وہ ''قرب عالم خلق'' کو ''قرب اصلی'' اور ''قرب عالم امر'' کو ''قرب ظلی'' قرار دیتے ہیں۔

پس ان کے کلام میں ترقی کی صورت اور ارتقاء کا انداز یہی ہے کہ یا ''قرب ظلی'' سے ہی ''قرب اصلی'' میں انتقال ہو اور یا ''قرب اصلی'' ہی میں قوت وزیادت ہوتی چلی آئے۔

اسلام میں ایمان کے بعد نماز کا درجہ ہے اور اس کے کمالات ایمان کی طرح ذاتی کمالات ہیں۔ اس عبادت کو اسلام میں جو درجہ حاصل ہے، اس کے پیش نظر اس میں کوئی شک کی گنجائش نہیں کہ وہ قرب جو نماز میں تحقق پذیر ہوگا اس قرب سے بہر حال اعلیٰ وافضل ہے جو کسی اور حالت میں حاصل ہوگا پس نماز کے ساتھ ''قرب الٰہی'' میں بڑھتے چلے جانا ''قرب اصلی'' پر فائز المرام ہونا ہے اسی لئے فرمایا: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون''

ترجمہ: انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

پس جب یہ نمازیں جو انبیائے کرام اپنے اپنے روضات میں تلذذاً عمل میں لا رہے ہیں قرب الٰہی میں سامان ارتقاء ہیں جیسا کہ حضرت مجدد صاحبؒ نے تصریح فرمائی ہے اور یہ بھی حقیقت مسلمہ ہے کہ قرب کے باب میں عالم خلق عالم امر سے افضل ہے، تو اس بنیاد یقین سے چارہ نہیں کہ انبیائے کرام کا اپنی اپنی قبروں میں نمازیں پڑھنا جب قرب الٰہی میں ترقی پانے کی گنجائش رکھتا ہے، تو ان کا یہ عمل ضرور عالم خلق ہی سے متعلق ہے۔ اس لئے کہ حضرت مجدد قرب عالم خلق ہی کو قرب اصلی قرار دیتے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کے عمل صلوٰۃ کا عالم خلق سے متعلق ہونا اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے اجساد کریمہ کے ساتھ فائز الحیات ہوں اور یہ ادائے نماز انہی اجسام عنصریہ سے عمل میں آرہا ہو اگر یہ عمل صلوٰۃ صرف روح ہی کا عمل ہو تو پھر یہ عالم امر سے متعلق ہوگا اور واضح ہے کہ حضرت مجدد کے کلام میں اسے قرب اصلی کہنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

پس خلاصہ کلام یہی ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک اس حیات انبیاء کا مفہوم ومطلب یہی ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں اجساد عنصریہ سے فائز الحیات ہیں۔

(۴) علامہ سندھیؒ فرماتے ہیں: ''الصلوٰۃ تستدعی جسدا حیا'' (حاشیہ سنن نسائی)

ترجمہ: نماز پڑھنا ایک زندہ جسم سے ہی ہوسکتا ہے۔

(۵) حضرت علامہ شعرانیؒ فرماتے ہیں: ''قد صحت الاحادیث انہ ﷺ حی فی قبرہ ویصلی باذان واقامۃ'' (منح المنہ ص ۹۲)

ترجمہ: صحیح حدیثوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ حضور انور ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور اذان واقامت سے نماز پڑھتے ہیں۔

(۶) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں آپ استمرار حیات سے زندہ ہیں: ''ان حیاتہ ﷺ فی القبر لا یعقبہا موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورہم'' (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ اپنی قبر شریف میں اس طرح زندہ ہیں کہ اس زندگی پر موت کبھی نہ آئے گی۔ آپ ہمیشہ کے لئے زندہ رہیں گے اور انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہی ہوتے ہیں۔

نماز کسی ایک وقت کی نہیں ہر روز پانچ وقت ہوتی ہے مسئلہ فی القبر (قبر کا سوال وجواب) ایک ہی دفعہ ہوتا ہے لیکن نماز روزانہ کا ایک عمل ہے نماز نہ بدوں جسد عمل میں آسکتی ہے نہ بدوں جگہ۔ دنیا والوں کے لئے اس کی جگہ مسجد ہے اور برزخ والوں کے لئے قبر۔ وہ وہیں پردے کی زندگی میں محو نیاز ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی ارواح قدسیہ کہیں ملا اعلیٰ میں ہوں یا اور کہیں نماز کے لئے انہیں ایک بدن اور جگہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ حدیث الانبیاء احیاء میں کونسی حیات مراد ہے؟ یہاں ان کے نماز پڑھنے کا بیان ہے تو لازمی طور پر احیاء سے مراد روح اور جسد کی زندگی ہے اور اس کے لئے جگہ انبیاء کرام کی اپنی اپنی قبور شریفہ ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا۔ علامہ بدر الدینؒ لکھتے ہیں: ''ھذا صریح فی اثبات الحیوۃ لموسیٰ علیہ السلام فی قبرہ فانہ وصفہ بالصلوٰۃ وانہ قائم ومثل ھذا لا یوصف بہ الروح وانما یوصف بہ الجسد وفی تخصیصہ بالقبر دلیل علی ھذا فانہ لو کان من اوصاف الروح لم یحتج لتخصیصہ بالقبر'' (زہر الربیٰ علی سنن النسائی)

ابو یعلیٰ کے سب راوی ثقہ ہیں اور سب میں اتصال موجود ہے محدث کبیر حافظ ہیثمیؒ فرماتے ہیں: ''رجال ابی یعلی ثقات'' (مجمع الزوائد)

سو اب ہم ان ہی راویوں کی تعدیل بیان کریں گے جو اوپر کے ہیں اور جن پر حدیث کا دارومدار ہے۔

المبحث الثانی: فی احوال الرواۃ لابی یعلیٰ

(۱) ابو الجہم الازرق: ''بن علی الحنفی ابو الجہم صدوق یغرب من الحادیۃ عشرۃ'' (تقریب ص ۳۱)

ابن حبان نے ثقہ کہا ہے صدوق اور سچے روای حدیث ہیں۔

(۲) یحیٰ ابن ابی بکیر: ''واسمہ نسر الکرمانی کوفی الاصل نزل بغداد۔ ثقہ من التاسعۃ مات سنہ ۲۹۸ھ'' (تقریب ص ۵۴۵)

ثقہ راوی حدیث ہیں رجال صحیح میں سے ہیں۔　　(فتح الباری پ ۱۳ ص ۲۷۸)

(۳) مستلم بن سعید: امام احمد اور ابن حبان انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں (فتح) صَدُوْق۔　(تقریب ص ۴۸۸)

یعنی ثقہ اور سچے راوی حدیث ہیں۔

(۴) حجاج بن الاسود الاسود: یہ ابن ابی زیاد بصری ہے۔ اس نے ثابت بنانی، جابر بن یزید، ابی نضرہ اور کئی دوسرے بزرگوں سے احادیث روایت کی ہیں اور اس سے جریر بن حازم، حماد بن سلمہ، روح بن عبادہ اور کئی اور لوگوں نے روایات لیں۔ حافظ حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں۔ امام احمد اور یحیٰ بن معین نے اسے ثقہ کہا ہے۔

آپ کی یہ توثیق لسان المیزان میں موجود ہے اور یہ سب رواۃ اعلیٰ درجے کے قابل اعتماد اور ثقہ رواۃ حدیث ہیں اور حدیث بالکل صحیح حدیث ہے۔

کسی راوی پر جرح ہو تو علماء کا کام وجہ جرح کو تلاش کرنا اور اس کا سبب معلوم کرنا ہوتا ہے۔ جو جرح مبین السبب نہ ہو اور اس کے مقابل ائمہ فن کی تعدیل موجود ہو تو محدثین اس جرح کو وزن نہیں دیتے۔ ایسی ہی ایک جرح اس کے پانچویں راوی حجاج بن اسود پر ہے۔ ذہبی نے میزان الاعتدال میں اس پر نکرہ ہونے کی جرح کی ہے اور اس کی روایت کو خبر منکر کہا ہے حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لسان المیزان (جو خاص اسی کتاب میزان الاعتدال پر لکھی گئی ہے) میں اس جرح کو رد کر دیا ہے۔ اب آپ خود غور فرمائیں کہ ذہبی کی جرح کو میزان سے نقل کرنا اور لسان المیزان کے جواب کا ذکر تک نہ کرنا کون سی شان دیانت اور حق طلبی ہے؟ ہاں عوام کی آنکھوں میں خاک جھونکنے کے لئے (کہ دیکھو یہ جرح موجود ہے فلاں نے یہ کہہ دیا ہے) یہ ایک بہانہ ضرور ہے آیئے اب اس پر کچھ غور بھی کر لیں۔

حجاج بن الاسود

ذہبی (۷۴۸ ھ) کہتے ہیں ”ماروی عنه فیما اعلم سوی مستلم بن سعید“ کہ مستلم بن سعید کے سوا اس سے کسی نے روایت نہیں لی۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں جریر بن حازم، حماد بن مسلمہ روح بن عبادہ اور کچھ اور لوگوں نے بھی روایت لی ہے سو اسے کسی درجے میں مجہول نہیں کہا جا سکتا۔

رہی توثیق تو یاد رہے کہ امام یحیٰی بن معین اور امام احمد دونوں اسے ثقہ راوی حدیث کہتے ہیں اور ابو حاتم نے اسے صالح الحدیث کہا ہے۔

حجاج بن الاسود بصری الاصل ہے۔ یہ ابن زیاد بصری ہے، اس نے ثابت بنانی، جابر بن یزید، ابی نضرہ اور دوسرے کئی بزرگوں سے احادیث سنی ہیں اور اس سے جریر بن حازم، حمادم بن سلمہ، روح بن عبادہ عیسیٰ بن یونس، مستلم بن سعید اور دیگر کئی حضرات نے روایات لی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں: ”قال احمد ثقة ورجل صالح وقال ابن معین ثقة وقال ابو حاتم صالح الحدیث وذکره ابن حبان فی الثقات“

(لسان المیزان ج ۲ ص ۱۷۵ فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۴۶)

ترجمہ: امام احمد نے فرمایا حجاج ثقہ راوی ہے اور مرد صالح ہے۔ امام یحیٰی بن معین لکھتے ہیں وہ ثقہ راوی ہے۔ ابو حاتم کہتے ہیں وہ صالح الحدیث ہے اور ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

کشف الستارة عن وجه النكارة

حافظ ذہبیؒ کا خیال ہے کہ حجاج نکارت کا مرتکب ہے۔ یعنی ثابت بنانی سے روایت کرتے میں وہ ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت کر رہا ہے پس ''منکر الروایۃ'' ہے ذہبی لکھتا ہے: ''فأتي بخبر منكر عنه عن انس ؓ في ان الانبياء احياء في قبورهم يصلون رواه البيهقي'' (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۴۶۰)

ترجمہ: حجاج اسود، ثابت سے حضرت انسؓ کی روایت لایا ہے، جو ''منکر'' ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

یعنی حجاج ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت کر رہا ہے۔

ہم نے بہت تلاش کی کہ ثابت بنانی کے دوسرے شاگردوں سے اس روایت کی کہیں مخالفت مل جائے، یعنی انہوں نے اسے اس طرح روایت کیا کہ ہو حیات انبیاء کا مضمون اس سے ٹکرا رہا ہو اور کسی طرح اس پر ثقہ کی زیادتی بھی بن سکے۔ لیکن افسوس کہ حافظ ذہبی کے اس گمان کی ہمیں کہیں سے تصدیق میسر نہیں آسکی۔ ومن ادعى فعليه البيان!

غایت تامل سے ذہن اس طرف منتقل ہوا کہ ممکن ہے حافظ ذہبی کے پیش نظر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قبر میں نماز پڑھنے کی وہ روایت ہو جسے کہ ہم صحیح مسلم کے حوالہ سے نقل کر چکے ہیں۔

اس لئے کہ اس روایت کا سلسلہ اسناد بھی عن ثابت البناني عن انس ؓ ان رسول الله ﷺ قال...... پر ختم ہوتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ صلوٰۃ موسیٰ فی القبر والی روایت کا سلسلہ اسناد یہ ہے: ''حماد بن سلمه عن ثابت عن انس ؓ عن النبي ﷺ''

اور صلوٰۃ جمیع الانبیاء فی القبور والی روایت کا سلسلہ اسناد یہ ہے: ''حجاج بن الاسود عن ثابت عن انس ؓ عن النبي ﷺ''

حافظ ذہبیؒ کے اعتراض سے ایسا متبادر ہوتا ہے کہ وہ ان دونوں روایتوں کو اصلاً ایک سمجھ رہے ہیں اور اس لئے کہ حماد بن سلمہ حضرت ثابت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا روایت کر رہے ہیں اور حجاج بن اسود اس کی بجائے تمام انبیائے کرام کا اپنی قبروں میں نماز پڑھنا نقل کر رہے ہیں انہوں نے اسے ثابت کے دوسرے شاگردوں کی مخالفت سمجھ کر حجاج اسود کو نکارت کا مرتکب قرار دے دیا اور حدیث کو منکر کہہ دیا۔

حالانکہ یہ دونوں حدیثیں علیحدہ علیحدہ تھیں پس نکارت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ نہ یہ ایک روایت ہے اور نہ حجاج اپنے شیخ روایت کے دوسرے شاگردوں سے ٹکرا رہا ہے۔ یہ دو حدیثیں ہیں، اور مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ ہیں۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ''لسان المیزان'' میں حافظ ذہبی کی مذکورہ جرح بالکل قبول نہیں کی اور اسے نقل کر کے اس کا رد فرمایا ہے حضرت امام احمد اور امام یحییٰ بن معین جیسے ائمہ جرح وتعدیل جس کے ثقہ ہونے پر نص فرما رہے ہوں۔ اس کی روایت کیسے نشانہ ضعف بن سکتی ہے۔ فتفكروا يا اولي الابصار!

الغرض حجاج بن اسود نہایت ثقہ اور صالح الحدیث ہے اور ائمہ کبار نے اس کے ثقہ ہونے پر نص فرمائی ہے۔ حافظ ذہبی کا منشائے اعتراض یہ تھا کہ دونوں روایتیں ایک ہوں، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ دونوں حدیثیں جدا جدا ہیں اور اپنے اپنے مقام پر دونوں صحیح ہیں رجال دونوں کے ثقہ ہیں اور سب میں اتصال موجود ہے۔

علامہ ذہبی کے وہم کا ازالہ

علامہ ذہبیؒ کے ذہن میں حجاج بن اسود کوئی غیر معروف راوی ہے جس سے مستلم بن سعید کے سوا کوئی اور روایت کرنے والا نہیں۔ ان کے خیال میں یہ وہ حجاج بن اسود نہیں جس سے جریرین حازم حماد بن سلمہ روح بن عبادہ وغیرہ بھی روایت کرتے ہیں علامہ ذہبی نے اسی وہم کی وجہ سے میزان الاعتدال میں حجاج بن اسود کی اس صحیح روایت کو خبر منکر کہا ہے جسے پیر طریقت اٹھائے پھرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لسان المیزان میں حافظ ذہبیؒ کی پوری تردید کر دی ہے اور حضرت امام احمد یحییٰ بن معین اور ابن حبان سے حجاج بن اسود کی توثیق نقل کی ہے اب نہ حجاج مجہول راوی رہا نہ اسکی روایت کسی قاعدہ حدیث سے منکر ٹھہری۔

عراق کے اکابر علماء حدیث میں شیخ علی السویدی البغدادی (۱۲۳۷ھ) علامہ محمود آلوسی (۱۲۷۰ھ) کے اساتذہ میں سے ہیں انہوں نے العقد الثمین فی بیان مسائل الدین لکھی ہے اس میں ہے: ''اخرج ابو یعلی والبیهقی و صححه عن انس ﷺ ان النبی ﷺ قال الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون''

علامہ آلوسیؒ کے بیٹے علامہ نعمان آلوسی (۱۳۱۷ھ) نے عدم سماع موتی پر ایک کتاب الایات البینات فی عدم سماع الاموات علی مذهب الحنفیة السادات لکھی ہے اس میں آپ حیاۃ انبیاء کے بارے میں لکھتے ہیں: ''فامر ثابت بالاحادیث الصحیحة''

آپ نے اس میں پہلے حدیث الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون پیش کی ہے اور اسے صحیح کہا ہے علامہ محمد ناصر الدین البانی نے الاحادیث الصحیحہ میں اس حدیث کی تصحیح کی ہے۔ علامہ البانی نے الآیات البینات کی احادیث کی تخریج کی ہے اس میں آپ لکھتے ہیں: حققته فی الاحادیث الصحیحة (۶۲۱ھ) و بینت فیه صحة الحدیث و وهم من طعن فی احد رواته فراجعه فانه بحث مفید عزیز قلما تراه فی کتاب'' (ص ۴۰)

ترجمہ: میں نے احادیث صحیحہ میں اس کی تحقیق کی ہے اور صحت مذکور کو واضح کیا ہے اور جس نے اس کے کسی راوی میں کوئی جرح کی وہ وہم کا شکار ہے اس کی مراجعت فرمائیں بہت مفید بحث ہے۔ بہت کم اس کو آپ کسی کتاب میں دیکھیں گے۔

حدیث صلوٰۃ موسیٰ فی القبر کو محدثین نے اس حدیث ''الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون'' کا شاہد اور مؤید قرار دیا ہے پس دونوں کو ایک حدیث کیسے سمجھا جا سکتا ہے شیخ الاسلام حضرت عثمانیؒ نقل فرماتے ہیں: ''وشاهد هذا الحدیث ماثبت فی صحیح مسلم من روایة حماد بن سلمة'' (حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ج ۲ ص ۲۱۹ مصر)

ترجمہ: صحیح مسلم میں حماد بن سلمہ سے جو روایت منقول ہے، وہ اس حدیث (الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون) کی شاہد ہے۔

''هذا ماظهر لی والله اعلم و علمه اتم واحکم''

المبحث الثالث

حضرت ثابت بنانیؒ سے یہ حدیث حیات انبیاء صرف حجاج بن اسود روایت کر رہے ہیں راوی ثقہ ہونے کے باعث یہ حدیث بالکل صحیح ہے اور اس کی سند بالکل بے غبار ہے تاہم تائید مزید ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ثابت بنانیؒ یہ روایت کرتے تھے: ''اللّٰھم ان کنت اعطیت احدا من خلقک ان یصلی لک فی قبرہ فاعطنی ذلک'' (حلیۃ الاولیاء نعیم ج ۲ ص ۳۱۹ مصر)

ترجمہ: اے اللہ! اگر تو نے (انبیاء کے سوا) کسی کو اپنی مخلوق میں سے یہ مرتبہ دیا ہے کہ وہ اپنی قبر میں تیرے لئے نماز پڑھے تو وہ مرتبہ مجھے عطا فرما۔

دوسری سند میں یوسف بن عطیہ متابعت کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''سمعت ثابتا یقول لحمید الطویل ھل بلغک یا اباعبید ان احدا یصلی فی قبرہ الا الانبیاء قال ''لا'' قال ثابت ''اللّٰھم ان اذنت لاحد ان یصلی فی قبرہ فاذن الثابت ان یصلی فی قبرہ'' (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۱۹ مصر)

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ انبیائے کرام کے اپنی اپنی قبور شریفہ میں نماز پڑھنے کا مضمون حضرت ثابت بنانیؒ کے نزدیک یقینی طور پر ثابت تھا۔ تبھی تو وہ اپنے لئے بھی اس کی دعائیں کررہے تھے۔ پھر ان کا ابوعبیدہؓ سے یہ کہنا کہ کیا تمہیں کوئی روایت پہنچی ہے کہ انبیائے کرام کے سوا کچھ اور لوگ بھی اپنی قبروں میں نمازیں پڑھیں گے اور انبیائے کرام سے متعلق اس دعوے پر ابوعبیدؓ کا نکیر نہ کرنا اس حقیقت حال کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عبیدہؓ کو بھی یہ مضمون حدیث پہنچ چکا تھا کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبور شریفہ میں نمازیں پڑھتے ہیں۔ ورنہ غیر انبیاء کے اس مقام پر آنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ اب حجاج اسودؒ حضرت ثابتؓ سے یہ مضمون نقل کرنے میں متفرد نہ رہے اور اس کے ایک اور طریق کا پتہ چل گیا۔ اگرچہ اس میں ابوعبیدہ عن ثابت عن انسؓ کی تصریح نہیں تاہم اس کا مجموعی مفاد اس روایت کی تائید ضرور کررہا ہے اور حضرت ثابتؓ کے نزدیک تو اس مضمون کے ثابت ہونے میں کوئی شبہ ہی نہ رہا۔

حضرت جسرؓ کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانیؒ کو خود قبر میں اتارا تھا۔ حمید طویل بھی اس وقت میرے ساتھ تھے۔ جب ہم نے ان پر اینٹیں برابر کردیں تو ایک اینٹ گر پڑی ثابت کو دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ (والتفصیل فی تنویر الملک فی رویۃ النبی والملک ص ۶۳ مصر) اللہ تعالیٰ کسی سے کبھی برزخ کا پردہ اٹھادیں تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

''فلما سوینا علیہ اللبن سقطت لبنۃ فاذا رایتہ یصلی فی قبرہ فقلت للذی معی الاتری قال اسکت فلما سوینا علیہ و فرغنا اتینا ابنتہ فقلنا لھا ما کان عمل ابیک ثابت ﷺ ... قال فی دعائہ اللّٰھم ان کنت اعطیت احدا من خلقک الصلوٰۃ فی القبر فاعطنیھا'' (حلیۃ الاولیاء ج ۲ ص ۳۱۹ مصر)

''وقال ابن سعد فی الطبقات و ابن ابی شیبۃ فی المصنف و الامام احمد فی الزھد اخبرنا عفان بن مسلم قال حدثنا حماد بنؒ سلمۃ عن ثابت النبانی ھکذا'' واللہ اعلم بالصواب!

المبحث الرابع

کن کن اکابر محدثینؒ اور علماء اعلام نے اس حدیث کے صحیح ہونے پر نص فرمائی ہے یا اسے قبول کیا ہے یا اسے استدلالاً ذکر کیا ہے۔

(۱) ابن بزار (۲۹۸ھ)	(۲) حافظ ابویعلی الموصلی (۳۰۷ھ)
(۳) ابن عدی (۳۶۵ھ)	(۴) حافظ ابونعیم (۴۳۰ھ)
(۵) حافظ بیہقی (۴۵۸ھ)	(۶) حافظ ابن عساکر الدمشقی (۵۷۱ھ)

(۷) حافظ تورپشتی (۶۶۲ھ) (۸) حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ)
(۹) حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) (۱۰) حافظ تاج الدین سبکی (۷۷۴ھ)
(۱۱) حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) (۱۲) حافظ الہیثمی (۸۰۷ھ)
(۱۳) حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) (۱۴) حافظ بدرالدین العینی (۸۵۵ھ)
(۱۵) علامہ سخاوی (۹۰۲ھ) (۱۶) حافظ سیوطی (۹۱۱ھ)
(۱۷) علامہ سمہودی (۹۱۱) (۱۸) علامہ شعرانی (۹۷۳ھ)
(۱۹) حافظ منذری (۱۰۰۳ھ) (۲۰) ملاعلی قاری (۱۰۱۴ھ)
(۲۱) امام ربانی مجدد الف ثانی (۱۰۳۴ھ) (۲۲) علامہ علی بن شیخ احمد عزیزی (۱۰۵۰ھ)
(۲۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) (۲۴) علامہ احمد بن محمد الخفاجی المصری (۱۰۶۹ھ)
(۲۵) علامہ زرقانی (۱۱۲۲ھ) (۲۶) امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ)
(۲۷) قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ) (۲۸) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ)
(۲۹) علامہ شامی (۱۲۵۲ھ) (۳۰) قاضی شوکانی (۱۲۵۵ھ)
(۳۱) علامہ محمود آلوسی صاحب روح المعانی (۱۲۷۰ھ) (۳۲) نواب قطب الدین شارح مشکوۃ (۱۲۷۹ھ)
(۳۳) نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) (۳۴) مولانا نذیر حسین دہلوی (۱۳۲۰ھ)
(۳۵) مولانا شمس الحق عظیم آبادی (۱۳۲۹ھ) (۳۶) مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ھ)
(۳۷) حضرت انور شاہ کشمیری (۱۳۵۳ھ) (۳۸) حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی (۱۳۶۳ھ)
(۳۹) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) (۴۰) محدث العصر مولانا ظفر احمد عثمانی (ھ)

حدیث پر تواتر کا دعویٰ

"حیاۃ النبی ﷺ فی قبرہ وسائر الانبیاء معلومۃ عندنا علما قطعیا لماقام عندنا من الادلۃ فی ذلک وتواترت بہ الاخبار" (فتاوی حافظ جلال الدین السیوطی ج ۳ ص ۱۴۷ طبع مصر ونحوہ فی مرقاۃ الصعود)

"ان من جملۃ ماتواتر عن النبی ﷺ حیاۃ الانبیاء فی قبورھم" (نظم المتناثر من الحدیث المتواتر ص ۳)

حوالجات از بعض عبارات

۱...... حافظ بیہقی (۴۵۸ھ)

حافظ ابن بزار اور حافظ ابو یعلی الموصلی ابن عدی اسے اپنی اپنی سندوں سے لائے ہیں ان میں حافظ ابو یعلی کی سند نہایت پختہ اور ثقہ راویوں پر مشتمل ہے چوتھی صدی میں یہ روایت اسی طرح چلی پانچویں صدی میں امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے اسے خود بھی اور ابو یعلی کی سند سے بھی روایت کیا ہے اور اس کی تصحیح بھی کی ہے۔

"اخبرنا الثقۃ من اھل العلم قال انبانا ابو عمرو بن حمدان قال انبانا ابو یعلی الموصلی حدثنا ابو الجھم الازرق... الحدیث"

امام بیہقی کا محض روایت کر دینا اور درجہ رکھتا ہے اور آپ کا اسے صحیح قرار دینا اور عقائد کی بحث میں اسے استدلال لانا اور مخالفین کے سامنے اسے بطور حجت کے پیش کرنا یہ اور درجہ رکھتا ہے یہ دوسری بات نہایت اعلیٰ درجہ کی تصحیح ہے اور نہایت پختہ روایات کو ہی میسر آ سکتی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اسے اسی وضاحت سے نقل کیا ہے:

''واخرجه البزار ولكن وقع عنده الحجاج الصواف وهو وهم والصواب الحجاج الاسود كما وقع التصريح في رواية البيهقي وصححه البيهقي'' (فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۴۶ کتاب الانبیاء)

ترجمہ: اسے محدث بزار نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس کے ہاں یہ حجاج صواف کے نام سے مذکور ہے اور یہ وہم ہے صحیح راوی حجاج اسود ہے جیسا کہ بیہقی کی روایت میں اس پورے نام کی تصریح موجود ہے اور امام بیہقی نے تو اسے صحیح بھی کہا ہے۔

۲...... حافظ شہاب الدین فضل اللہ تورپشتی (۶۶۲ھ)

''حدیث درست است کہ: ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء الی ان قال هم احیاء فی قبورهم يصلون واول ہمہ پیغمبر ما برخیزد'' (کتاب المعتمد فی المعتقد باب ۲ فصل ۴)

ترجمہ: یہ حدیث بھی صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کے اجساد زمین پر حرام کر دیئے ہیں (وہ انہیں ریزہ ریزہ نہیں کر سکتی) اور یہ بھی آپ نے فرمایا ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور سب سے پہلے قبر سے آنحضرت ﷺ ہی اٹھیں گے۔

۳...... شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ)

علامہ بدرالدین بعلی الحنبلی نے فتاویٰ ابن تیمیہ کا نہایت نفیس اختصار کیا ہے اس میں ہے: ''والانبياء احياء في قبورهم وقد يصلون'' (مختصر الفتاوی المصریہ ص ۱۷۰)

ترجمہ: اور انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور کبھی کبھی نماز بھی پڑھتے ہیں۔

یہ ''وقد'' کے الفاظ کمپوزر کا سہو ہیں یا بطور سہو کہے گئے ہیں۔ یہ حدیث کے الفاظ نہیں ہیں مراد یہ ہے انبیاء کرام اپنی قبور میں ہمیشہ نماز میں ہی نہیں رہتے کئی دوسری طاعات میں بھی کبھی اشتغال رکھتے ہیں۔ اس کی تشریح کچھ بھی ہو حدیث اپنی اصل میں ان کے ہاں مسلم ہے اور صحیح ہے۔

۴...... علامہ تاج الدین السبکیؒ (۷۷۴ھ)

''عن انس ﷺ قال قال رسول الله ﷺ الانبياء احياء في قبورهم يصلون فاذا ثبت ان نبينا ﷺ حي فالحي لابد من ان يكون اما عالما او جاهلا ولا يجوز ان يكون النبي ﷺ جاهلا'' (طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۲۸۱ مصر)

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور وہ نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ ہمارے نبی پاک ﷺ زندہ ہیں تو جو بھی زندہ ہو وہ یا با شعور ہو گا یا بے شعور اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی (اپنی قبر میں) بے شعور ہو۔ یہ نہیں ہو سکتا۔

اور آگے جا کر لکھتے ہیں: ''لان عندنا رسول اللہ ﷺ حی یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوۃ والسلام علی ما بینا'' (ایضا ۲۸۲)

ترجمہ: یہ اس لئے کہ ہم (اہل سنت) کے عقیدہ میں نبی پاک ﷺ زندہ ہیں، بدن مبارک میں حس موجود ہے علم کی شان آپ میں باقی ہے اور آپ پر امت کے اعمال بھی پیش کئے جاتے ہیں اور آپ کو (امت کا) صلوٰۃ وسلام بھی جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں پہنچایا جاتا ہے۔

اور اس سے پہلے آپ یہ لکھ آئے ہیں: ''ومن عقائدنا ان الانبیاء ﷩ احیاء فی قبورھم فاین الموت'' (طبقات شافعیہ ج ۲ ص ۲۶۶)

ترجمہ: اور ہم (اہل سنت) کے عقائد میں سے ہے کہ انبیاء ﷩ اپنی قبروں میں زندہ ہیں (اس وقت ان پر) موت کہاں؟

۵...... علامہ نور الدین ہیثمیؒ (۸۰۷ھ)

''رجال ابی یعلی ثقات'' (مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱)

ترجمہ: ابو یعلی کی اس روایت کے تمام راوی ثقہ (لائق اعتماد اور پختہ) ہیں۔

۶...... خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ)

''اخرجہ من طریق یحی بن ابی بکیر وھو من رجال الصحیح عن المستلم بن سعید وقد وثقہ احمد وابن حبان عن الحجاج الاسود وھو ابن ابی زیاد البصری وقد وثقہ احمد وابن معین عن ثابت عن انس واخرجہ ایضا ابو یعلی فی مسندہ من ھذا الوجہ واخرجہ البزار لکن وقع عندہ عن الحجاج الصواف وھو وھم والصواب الحجاج الاسود کما وقع التصریح فی روایۃ البیھقی وصححہ البیھقی''
(فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۴۶ کتاب الانبیاء)

ترجمہ: یہ حدیث یحی بن ابی بکیر کے طریق سے مروی ہے اور وہ صحیحین کے راویوں میں سے ہے۔ اس نے مستلم بن سعید سے روایت کی ہے جسے کہ امام احمدؒ اور ابن حبان نے ثقہ قرار دیا ہے اس نے یہ روایت حضرت ثابتؓ سے لی ہے اور انہوں نے اسے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے۔ ابو یعلی نے بھی اپنی مسند میں اسے اسی طریق سے روایت کیا ہے۔ بزار کی تخریج میں وہم سے حجاج صواف آ گیا ہے۔ صحیح حجاج اسودؒ ہی ہے جیسا کہ امام بیہقی نے تصریح کی ہے اور امام بیہقی نے اسے صحیح بھی کہا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ امام بیہقی کے اس فیصلے سے کہ یہ حدیث صحیح ہے پوری طرح متفق ہیں۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں: ''وفی البیھقی عن انس ؓ وصححہ ووافقہ الحافظ فی المج السادس ان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' (فیض الباری ج ۲ ص ۹۴ مصر)

''الانبیاء احیاء فی قبورھم'' (فتح الباری ج ص ۲۲)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے امام بیہقی کی تصحیح کو جو اہمیت دی ہے حضرت شاہ صاحبؒ بھی امام بیہقی کی اس تصحیح کو خاصا وزن دے رہے ہیں۔ فتفکر!

۷...... حافظ بدرالدین العینیؒ (۸۵۵ھ)

"الانبیاء ... فانهم لایموتون فی قبورهم بل هم احیاء واما سائر الخلق فانهم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القیمه" (عینی ج ۷ ص ۲۰۰)

۸...... حافظ شمس الدین السخاویؒ (۹۰۲ھ)

"نحن نؤمن و نصدق بانه ﷺ حی یرزق فی قبره و ان جسده الشریف لا تأکله الارض"

(القول البدیع ص ۱۲۵ طبع ہند)

ترجمہ: ہم ایمان لاتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں آپ کو (وہاں کے مناسب) رزق بھی دیا جاتا ہے اور آپ کے جسد اطہر پر زمین کا کوئی اثر وارد نہیں ہوتا۔

۹...... حافظ جلال الدین السیوطیؒ (۹۱۱ھ)

"حیاة النبی فی قبره و سائر الانبیاء معلومة عندنا علما قطعیا لما قام عندنا من الادلة فی ذلک وتواترت به الاخبار" (فتاوی حافظ سیوطی ج ۲ ص ۱۴۷)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کی اپنی قبر میں حیات اور (اسی طرح) تمام انبیاء کرام کی (اپنی قبروں میں) زندگی ہمارے نزدیک علم قطعی درجے میں ہے ہمارے ہاں اس پر دلائل قائم ہو چکے ہیں اور احادیث اس باب میں تواتر (قدر مشترک) تک پہنچ چکی ہیں۔

"ان من جملة ماتواتر عن النبی ﷺ حیاة الانبیاء فی قبورهم" (النظم المتناثر من الحدیث المتواتر)

ترجمہ: جو روایات نبی کریم ﷺ سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔ ان میں یہ حدیث بھی ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

۱۰...... علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ)

"لاشک فی حیاته ﷺ بعد وفاته و کذا سائر الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام احیاء فی قبورهم حیاة اکمل من حیاة الشهداء التی اخبر الله بها فی کتابه العزیز" (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۵)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ کی حیات بعد الوفات میں کسی شک کو راہ نہیں دی جا سکتی۔ اسی طرح تمام انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی یہ حیات شہداء کرام کی حیات جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں خبر دی ہے سے بھی زیادہ کامل ہے۔

۱۱...... علامہ عبدالوہاب الشعرانی ﷫ (۹۷۳ھ)

"قد صحت الاحادیث انه ﷺ حی فی قبره یصلی باذان واقامة" (منح المنة ص ۹۲ مصر)

ترجمہ: یہ حدیثیں پوری صحت کو پہنچ چکی ہیں کہ حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور آپ وہاں اذان واقامت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔

۱۲...... علامہ عبدالرؤف المناوی ﷫ (۱۰۰۳ھ)

''الانبیاء احیاء فی قبورھم ھذا حدیث صحیح'' (فیض القدیر ج ۳ ص ۱۸۴)

ترجمہ: یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ صحیح درجے کی حدیث ہے۔

۱۳...... مجدد مائۃ دہم ملا علی قاری ﷫ (۱۰۰۴ھ)

''صح خبر الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون'' (مرقات ج ۲ ص ۲۱۲ قدیم ج ۳ ص ۲۴۱ طبع جدید)

ترجمہ: یہ حدیث کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں صحیح سند سے ثابت ہو چکی ہے۔

''ان الانبیاء احیاء فی قبورھم فیمکن لھم سماع صلوٰۃ من صلی علیھم''

(مرقات ج ۳ ص ۲۳۸ طبع جدید)

ترجمہ: انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ سو یہ بات عالم امکان میں ہے کہ آپ اس شخص کا صلوٰۃ وسلام سنیں جو آپ پر درود وسلام پڑھے۔

''ای یوصلون من امتی السلام اذا سلموا علیّ قلیلا او کثیرا وھذا مخصوص بمن بعد عن حضرۃ مرقدہ المنور و مضجعہ المطھر وفیہ اشارۃ الی حیاتہ الدائمۃ و فرحہ ببلوغ سلام امتہ الکاملۃ وایماء الی قبول السلام حیث قبلتہ الملٰئکۃ'' (مرقات ج ۲ ص ۳۴۱)

ترجمہ: فرشتے میری امت کا سلام قلیل ہو یا کثیر مجھے پہنچاتے ہیں اور یہ اس کے لئے ہے جو دور ہو آپ کی قبر منور سے اور آپ کی آرامگاہ پاک سے۔ اس میں آپ کی حیات دائمی اور خوشی کی طرف اشارہ ہے جو آپ کو آپ کی امت کے سلام ملنے سے حاصل ہوتی ہے اور اس میں اس سلام کے قبول ہونے کا بھی اشارہ ہے کہ فرشتوں نے اس سلام کو آگے پہنچانے کے لئے قبول کر لیا ہوا ہے۔

وہ سلام کسی وجہ سے لائق رد ہوتا تو فرشتے اسے کبھی اٹھا کر نہ لے جاتے۔ فرشتوں کا اسے لے لینا ہی اس بات کا نشان ہے کہ اب سلام قبول ہو چکا۔

''وما افادہ من ثبوت حیاۃ الانبیاء حیاۃ بھا یتعبدون ویصلون فی قبورھم مع استغنائھم عن الطعام والشراب کالملٰئکۃ امر لا مریۃ فیہ'' (ایضاً ج ۳ ص ۲۳۸)

ترجمہ: یہ بات کہ انبیاء کرام کے لئے وہاں ایسی حیات ثابت ہے کہ اس سے وہ اپنی قبروں میں مشغول عبادت اور مصروف نماز ہیں اور فرشتوں کی طرح یہاں کے مادی کھانے پینے سے مستغنی ہیں یہ ایسی پختہ بات ہے کہ اس میں شک نہیں۔

''وقد ورد بہ الاحادیث والانباء وانھم احیاء فی قبورھم فانھم افضل من الشھداء واحیاء عند ربھم'' (ایضاً ج ۱۱ ص ۱۴۳)

ترجمہ: اور اس موضوع پر بہت سی احادیث واخبار وارد ہیں اور بے شک وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں کیونکہ وہ (بالیقین) شہداء سے جو اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں ہر حال میں افضل ہیں۔

''انه علیه السلام فی قبره حی و قال قال تعالیٰ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی''

(مرقات ج ۲ ص ۲۲۳)

ترجمہ: بے شک حضور ﷺ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ تم اپنی آوازیں حضور ﷺ کی آواز سے اونچی نہ کرو۔

''وفیه دلیل علی ان الانبیاء احیاء حقیقة'' (ایضاً ج ۱۱ ص ۱۴۲)

ترجمہ: اور اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انبیاء کرام حقیقی طور پر زندہ ہیں۔

''المعتقد المعتمد انه ﷺ حیّ فی قبره کسائر الانبیاء فی قبورهم وهم احیاء عند ربهم وان لارواحهم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی'' (شرح الشفاء ج ۲ ص ۱۴۲)

ترجمہ: وہ عقیدہ جس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ حضور ﷺ جس طرح دوسرے انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں آپ بھی زندہ ہیں اور وہ (انبیاء کرام اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں۔ اور بایں طور کہ ان کی ارواح کا تعلق عالم علوی اور اس جہان ارضی دونوں سے ہے۔

۱۴...... مجدد مائۃ یازدہم حضرت امام ربانی سیدنا الشیخ سرہندیؒ (۱۰۳۴ھ)

''برزخ صغریٰ چوں از یک وجہ از مواطن دنیوی است گنجائش ترقی دارد احوال ایں وطن نظر باشخاص متفاوتہ تفاوت فاحش دارد ''الانبیاء یصلون فی القبور'' شنیدہ باشند'' (مکتوبات دفتر ۲ نمبر ۱۶، ص ۲۹)

ترجمہ: یہ پہلا برزخ چونکہ ایک پہلو سے موطن دنیوی بھی ہے اس میں ترقی اعمال کی گنجائش ہے اور برزخ کے اس موطن دنیوی کے حالات مختلف درجوں کے افراد کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ آپ نے یہ حدیث تو سنی ہو گی کہ انبیائے کرام اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔

۱۵...... علامہ علی بن شیخ احمد عزیزیؒ (۱۰۵۰ھ) شارح جامع صغیر

''لانه حیّ دائما وروحه لاتفارقه لان الانبیاء احیاء فی قبورهم'' (السراج المنیر ج ۳ ص ۲۷۸)

ترجمہ: یہ اس لئے کہ (آپ) دائمی حیات سے زندہ ہیں اور آپ کی روح مقدسہ کبھی آپ سے جدا نہیں ہوتی۔ کیونکہ سب انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۱۶...... حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ)

''ابو یعلی ﷫ بنقل ثقات از روایت انس بن مالک ﷛ آوردہ قال قال رسول الله ﷺ الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون'' (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵۱۹ عمدۃ المطالع ۱۷۱۲ھ جذب القلوب ص ۱۸۰)

ترجمہ: ابو یعلی نے ثقہ راویوں کی روایت سے حضرت انس بن مالکؓ سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ انبیائے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

۱۷...... علامہ احمد بن محمد الخفاجیؒ (۱۰۶۹ھ) شارح شفاء

''وقد ثبت بالاحادیث الصحیحة ان النبی ﷺ وسائر الانبیاء احیاء حیاة حقیقیة کالشهداء''

(نسیم الریاض ج ۳، ص ۲۹۹)

ترجمہ: اور یہ بات احادیث صحیحہ سے ثابت ہو چکی ہے کہ آنحضرت ﷺ اور تمام انبیائے کرام حیات حقیقی سے جیسا کہ وہ شہداء کے لئے حاصل ہے زندہ ہیں۔

۱۸...... علامہ محمد بن عبدالوہاب الزرقانیؒ (۱۱۲۲ھ) شارح مواہب اللدنیہ

"وحیاۃ النبی فی قبرہ ھو وسائر الانبیاء معلومہ عندنا علما قطعیا لماقام عندنا من الادلۃ فی ذلک وتواتر الاخبار بہ" (شرح المواہب ج ۵ ص ۳۳۴)

ترجمہ: حیات النبی ﷺ اپنی قبر مبارک میں اور تمام انبیاء کرام کی حیات (ان کی قبروں میں) ہمارے ہاں علم قطعی سے ثابت ہو چکی ہے کیونکہ ہمارے ہاں اس پر دلائل قائم ہو چکے اور یہ احادیث تواتر کے درجے کو پہنچی ہیں۔

۱۹...... علامہ یوسف الشافعی الاردبیلی (......ھ)

"ویخاطب بعد الموت بقول السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ویحجون کما ورد" (کتاب الانوار فی فقہ الامام الشافعی ج ۲ ص ۱۴ طبع ۱۳۶۲ھ مصر)

ترجمہ: اور حضور ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپ کو موت کے بعد بھی السلام علیک ایھا النبی سے خطاب کیا جا سکے۔ کیونکہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور حج بھی کرتے ہیں جیسا کہ روایات میں وارد ہو چکا۔

۲۰...... مجدد ملت دوازدہم حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (۱۱۷۶ھ)

آپ کی کتاب فیوض الحرمین میں ان مقامات کا مطالعہ فرمائیں۔ جب آپ مدینہ منورہ میں روضہ انور پر حاضری دیتے تھے: "لما دخلت المدینۃ المنورۃ وزرت الروضۃ المقدسۃ... رایت روحہ ﷺ ظاھرۃ بارزۃ لا فی عالم الارواح فقط... ثم توجھت الی القبر الشامخ المقدسۃ مرۃ بعد اخری... وانہ الذی اشار الیہ بقولہ ان الانبیاء لایموتون وانھم یصلون ویحجون فی قبورھم وانھم احیاء الی غیر ذلک ولم اسلم علیہ قط الا وقد انبسط الی وانشرح" (فیوض الحرمین ص ۲۸ مطبوعہ دیوبند)

اس کی تائید میں ایک دوسری حدیث بھی لیجئے: "وھی المکنی عنہ بقولہ ﷺ مامن احد یسلم علی الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ وقد شاھدت ذلک ما لا احصی فی مجاورتی المدینۃ سنۃ الف ومائۃ واربع واربعون" (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص مترجم ص ۶۴۹)

ترجمہ: اور یہ اشارہ ہے آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کی طرف کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح لوٹا دیتا ہے (اسے مجھ پر متوجہ کر دیتا ہے) یہاں تک کہ میں اس پر سلام لوٹاؤں اور میں نے ۱۱۴۴ھ میں جب میں مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کے پاس ٹھہرا ہوا تھا تو میں نے اس حقیقت کو وہاں (روضہ انور پر) اتنی بار مشاہدہ کیا کہ میں شمار نہیں کر سکتا۔

۲۱...... محدث کبیر قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) صاحب التفسیر المظہری

"انہ ﷺ قال من صلی علی عند قبری سمعتہ ومن صلی علی غائبا بلغتہ"

(تفسیر مظہری ج ۱۰ ص ۲۲۴)

۲۲...... حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) صاحب تفسیر فتح العزیز

ارواح کے لئے موت کے بعد فنا نہیں بلکہ صرف بدن سے اس کا تعلق منقطع ہو جاتا ہے لیکن عوام کے حق میں روح کی حیات سے مراد صرف یہ ہے کہ روح باقی رہتی ہے اور شہداء کو اس بقا کے علاوہ دو امر زائد دیئے جاتے ہیں۔ دنیا میں روح کا بدن کے ساتھ جو تعلق ہے اس کا حاصل بھی وہی دو امر ہیں۔ اول یہ کہ شہداء کے اجر میں ترقی ہوتی ہے اور دوسرا امر یہ ہے کہ بتوسط بدن شہداء کو روزی دی جاتی رہے...... انبیاء علیہم کو اس سے بھی زیادہ درجہ حاصل ہے کہ امت کے احوال ان کے حضور میں پیش کئے جاتے ہیں...... چنانچہ عوام کی دنیوی حیات کے اثر سے کہیں زیادہ ہے۔ (فتاوے عزیزی ج۱ ص۱۶۰)

۲۳...... علامہ ابن عابدین الشامیؒ (۱۲۵۲ھ) شارح الدر المختار

"ان الانبیاء احیاء فی قبورھم کما ورد فی الحدیث" (رسائل ابن عابدین ج۲ ص۲۰۳ مصر)

"ان الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام احیاء فی قبورھم" (رد المختار الشامی ج۳ ص۲۶۶ باب المغنم)

ترجمہ: حدیث میں وارد ہے کہ انبیاء علیہم اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۲۴...... قاضی شوکانیؒ (۱۲۵۵ھ) صاحب تفسیر فتح القدیر و شارح منتقی الاخبار

"انہ ﷺ حی فی قبرہ و روحہ لا تفارقہ لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم"

(تحفۃ الذاکرین شرح الحصن الحصین ص۲۸)

ترجمہ: بے شک حضور ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور آپ کی روح اقدس آپ سے جدا نہیں ہوتی کیونکہ یہ بات صحیح طریق سے ثابت ہو چکی ہے کہ انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

"ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشھداء انھم احیاء یرزقون وان الحیوۃ فیھم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین وقد ثبت فی الحدیث ان الانبیاء احیاء فی قبورھم"

(نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار ج۳ ص۳۰۵)

"رواہ المنذری وصححہ البیھقی"

ترجمہ: قرآن کریم میں شہداء کے حق میں نص وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب کے ہاں رزق بھی دیئے جاتے ہیں اور یہ کہ حیات ان کی ان کے جسد سے تعلق رکھتی ہے یہ شہداء کی حیات ہے تو انبیاء مرسلین کی حیات کس درجہ قوی ہوگی اور یہ بات تو حدیث میں ثابت ہو چکی ہے کہ انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔

"انہ ﷺ حی فی قبرہ بعد موتہ کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم وقد صححہ البیھقی والف فی ذلک جزا" (ایضاً ج۵ ص۱۷۸)

ترجمہ: بے شک حضور ﷺ اپنی قبر میں بعد الوفات زندہ ہیں جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے۔

"انه ﷺ حیّ فی قبره بعد موته کما فی حدیث الانبیاء احیاء فی قبورهم... ویؤید ذلک ماثبت ان الشهداء احیاء یرزقون فی قبورهم والنبی ﷺ منهم واذا ثبت انه حیّ فی قبره کان المجیء الیه بعد الموت کالمجیء الیه قبله" (ایضاً ج ۵ ص ۱۷۸)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ اپنی قبر میں اپنی وفات کے بعد سے پھر زندہ ہیں جیسا کہ حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم سے ثابت ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور انہیں ان کی قبروں میں رزق بھی دیا جاتا ہے اور نبی اکرم ﷺ بھی تو شہیدوں میں سے ہیں اور جب حضور ﷺ کے لئے قبر میں حیات ثابت ہو چکی تو آپ کی قبر مبارک پر آنا اسی طرح ہے جس طرح وفات سے پہلے آپ کے پاس حاضری دینا تھا۔ (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۷۸)

۲۵...... علامہ محمود آلوسیؒ (۱۲۷۰ھ)

"والمراد بتلک الحیوة نوع من الحیوة غیر معقول لنا وهی فوق حیاة الشهداء بکثیر وحیوة نبینا ﷺ اکمل واتم من حیاة سائرهم علیهم السلام الی ان قال تلک الحیوة فی القبر وان کانت یترتب علیها بعض ما یترتب علی الحیوة فی الدنیا المعروفة لنا من الصلوٰة والاذان والاقامة ورد السلام المسموع ونحو ذلک الا انها لا یترتب علیها کل مایمکن ان یترتب علی تلک الحیوة المعروفه"

(روح المعانی ج ۲۲، ص ۳۶)

"والحیوة فی القبر لا تستلزم الخروج وانا اقول بها فی حق الانبیاء علیهم السلام" (ایضاً)

حاصل ایں کہ آنحضرت ﷺ کی حیات شہداء سے بہت اعلیٰ اور اتم ہے اس حیات فی القبر پر اگرچہ بعض دنیوی امور مرتب ہیں جیسے نماز اذان اقامت اور سلام کرنے والوں کا جواب دینا۔ لیکن اس دنیا کی حیات معروفہ کی ہر ممکن چیز اس حیات پر مرتب نہیں ہے۔

۲۶...... نواب قطب الدین خانؒ (۱۲۷۹ھ) شارح مشکوٰۃ صاحب مظاہر حق

زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کسی کو اس میں اختلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔ (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۴۵)

نوٹ: دنیا کی سی ہے سے مراد یہ ہے کہ دنیوی نہیں کیونکہ مشبہ بہ میں اور مشبہ میں تغائر ضروری ہے باعتبار عالم وہ حیاۃ برزخی ہے اور انبیاء اسے اسی طرح جسمانی محسوس کرتے ہیں جیسے وہ اس دنیا میں ایک جسمانی زندگی رکھتے تھے اور وہی جسد فائز حیاۃ ہے جو ریزہ ریزہ ہونے سے محفوظ کیا گیا۔ گو یہاں والوں کو محسوس نہ ہو۔

۲۷...... نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ (۱۳۰۷ھ)

نواب صاحب اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں اس کی سند جید ہے: "من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیا بلغته رواه ابو الشیخ" (دلیل الطالب ص ۸۴۴)

قریب سے درود و سلام خود سنتے ہیں اور دور سے فرشتے پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول تھا۔ (رحلہ ص ۸۰)

۲۸......میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ (۱۳۲۰ھ)

حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ خصوصاً آنحضرت ﷺ کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۳ ص ۵۵)

۲۹...... مولانا شمس الحق عظیم آبادیؒ (۱۳۲۹ھ) صاحب عون المعبود شرح سنن ابی داؤد

''اجساد الانبیاء ای من تاکلها فی قبورهم احیاء'' (عون المعبود ج ۱ ص ۴۰۵)

ترجمہ: انبیاء کرام کے اجساد مٹی پر حرام ہے کہ ان کو کھائے وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۳۰......مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ (۱۳۴۷ھ)

''المراد بالسلام عند القبر وقت حضوره للزيارة... ان روح المقدسة فی شان مافی الحضرة الالهية فاذا بلغه سلام احد من الامة رد الله تعالىٰ روحه المطهرة من تلك الحالة الى رد من سلم عليه''

(بذل ج ۳ ص ۳۰۷)

آنحضرت ﷺ حیات ہیں لہذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت ﷺ خود سنتے ہیں۔ (تذکرۃ الخلیل ص ۳۶)

۳۱...... امام العصر علامہ انور شاہ کشمیریؒ (۱۳۵۳ھ)

''فی البیهقی عن انس وصححه ووافقه الحافظ فی المج السادس ان الانبیاء احیاء فی قبورهم یصلون'' (فیض الباری ج ۲ ص ۹۴)

ترجمہ: بیہقی میں حضرت انسؓ سے روایت ہے اور بیہقی نے اس کی تصحیح کی ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری کی چھٹی ج میں بیہقی سے اس حدیث کی صحت پر موافقت کی ہے حدیث یہ ہے، کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

۳۲......حکیم الامۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۳ھ)

حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔ (نشر الطیب ص ۱۸۳ طبع دیوبند)

۳۳......شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

''اما بعد وفاته فروحه المقدسة قد استقرت فی الرفیق الاعلی مع ارواح الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام ولا یتوهم من هذا انکار حیات فی قبره الشریف فان لروحه ﷺ اشرافا علی البدن المبارک المطیب واشراقا وتعلقا به وبدنه فی ضریحه غیر مفقود واذا سلم علیه المسلم رد الله روحه حتی یرد علیه السلام کما ورد فی الحدیث لم یفارق الملاء الاعلی ومن کثف ادراکه وغلظت طباعه عن هذا الادراک فلینظر الی الشمس فی علو محلها وتعلقها وتاثیرها فی الارض وحیاة النبات والحیوان بها'' (فتح الملہم ج ۳ ص ۳۳۰)

المبحث الخامس: الكلام على عالم المثال

قبر عالم برزخ کی ایک قرارگاہ ہے اگلی قرارگاہ عالم آخرت ہے جس کے دو بڑے حصے ہیں:

(۱) جنت (۲) جہنم

مقام اعراف بھی عالم آخرت کا ہی ایک حصہ ہے۔

یہ دنیا جس میں اب ہم ہیں ہماری یہ قرارگاہ بھی کچھ وقت کے لیے ہے دائمی قرارگاہ عالم آخرت ہے:

(۱) عالم ارواح (۲) عالم دنیا (۳) عالم برزخ (۴) عالم آخرت

یہ چاروں عالم بالترتیب چلے ہیں پہلے تینوں اپنے اپنے وقت کے لیے بنی نوع انسان کی قرارگاہیں اور چوتھا جہاں مستقل طور پر ہماری قرارگاہ ہے یہ چاروں جہاں حقائق کے جہاں ہیں یوں سمجھئے چاروں جہاں عالم شہادت کے مختلف پیرائے ہیں علماء نے ان کے متوازی ایک اور جہان کا پتہ دیا ہے یہ جہاں عالم مثال ہے جو عالم شہادت کے ساتھ ساتھ چلتا ہے یہ حقائق کی دنیا نہیں یہاں حقائق کی ان کے اپنے مناسب حال تصویریں اترتی ہیں عالم مثال گویا ایک آئینہ ہے جس میں حقائق منعکس ہوتے ہیں۔

خود آنحضرت ﷺ کے سامنے جنت ایک دفعہ مثالی شکل میں لائی گئی "رَأَيتُ الْجَنَّةَ والنارَ ممثلتين"

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۰۳ ج ۲ ص ۱۴۲ ص ۱۰۵۰)

حضرت شیخ محی الدین ابن العربیؒ فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے کئی اور آدم گزرے ہیں اور اس پر انہوں نے عالم مثال کے کچھ مشاہدات ذکر کئے ہیں۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب آدم عالم مثال کے ہیں۔ عالم شہادت میں صرف وہی ایک آدم گزرے ہیں جنہوں نے صفت جامعیت پر خلقت پائی۔ ان کے آنے سے پہلے ان کے لطائف یا صفات میں سے کوئی صفت یا لطیفہ اللہ رب العزت کی ایجاد سے عالم مثال میں وجود پاتا رہا اور صورت آدم میں اس کا ظہور ہوتا رہا۔ (مکتوبات دفتر دوم ۵۸ ص ۱۱۳)

حضرت امام ربانی شیخ سرہندی کے اس ارشاد سے بعض حضرات یہ مطلب نکال رہے ہیں کہ جس طرح ادوام مختلفہ عالم مثال میں موجود رہے۔ اسی طرح انبیائے کرام وفات کے بعد عالم مثال میں چلے جاتے ہیں اور ان کی ارواح قدسیہ عالم مثال ہی میں مختلف اطوار میں ظہور فرماتی ہیں۔ یہ انبیاء کرام کا اپنے قبور میں نمازیں پڑھنا سب مثالی وجود ہی سے عمل میں آتا ہے نہ کہ جسد عنصری سے نعیم قبر اور عذاب قبر اسی عالم مثال میں ہوتے ہیں۔

جواباً عرض ہے کہ پہلے حضرت مجدد کے کلام میں عالم مثال کا معنی سمجھ لیجئے۔ آپ کے ہاں عالم مثال ایک آئینہ کے درجہ میں ہے جس میں حقائق اور معانی منعکس ہوتے ہیں اس کی اپنی کوئی صورت وہیئت نہیں جتنی صورتیں اور شکلیں اس میں نظر آتی ہیں، وہ دوسرے عوامل سے اس آئینہ مثال میں عکس دے رہی ہوتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ پھر یہ عالم مثال کوئی رہنے کا محل نہیں، اسے عالم ارواح اور عالم اجساد کے درمیان فقط ایک برزخ کا درجہ حاصل ہے، جو فی حد ذاتہ کسی صورت وشکل کو متضمن نہیں۔

عالم مثال کی اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا کہ روح آدم خلقت آدم سے پیشتر بھی ہرگز عالم مثال میں اقامت گزیں نہ تھی قرون متطاولہ سابقہ میں فقط اس کے لطائف منعکس ہو کر آدم کا نام پاتے رہے۔ روح بہر حال عالم ارواح میں تھی نہ کہ عالم مثال میں۔ اس لیے کہ عالم مثال رہنے کی جگہ نہیں۔ فقط دیکھا جانے کا ایک آئینہ ہے جس میں حقائق و معانی اترتے ہیں۔

پس یہ کہنا کہ جس طرح اوادم مختلفہ عالم مثال میں موجود رہے ہیں، اسی طرح انبیائے کرام بعد وفات اس عالم مثال میں چلے جاتے ہیں، بنائے فاسد علی الفاسد ہے۔ اعاذنا اللہ منہا!

ارشاد حضرت مجدد الف ثانیؒ

''نوشتہ بودند کہ روح پیش از تعلق بہ بدن در عالم مثال بودہ است و بعد از مفارقت از بدن باز بعالم مثال خواہد رفت، پس عذاب قبر در عالم مثال خواہد بود۔ بدانند کہ ایں قسم خیالات از صدق قلیل النصیب است...... بعالم مثال کار ندارد نہ پیش از تعلق و نہ بعد از تعلق۔ بیش از یں نیست کہ در بعضے اوقات بتوفیق اللہ سبحانہ، بعضے از احوال خود را در مراۃ عالم مطالعہ می نماید...... عالم مثال از برائے دیدن است نہ برائے بودن، جائے بودن عالم ارواح است یا عالم اجساد، عالم مثال بیش از مراٰۃ ایں دو عالم نیست...... عذاب قبر از یں قبیل نیست کہ حقیقت عقوبت است نہ صورت و شبہ عقوبت۔'' (مکتوبات دفتر سوم مکتوب نمبر ۱۳، ص ۵۷، ۵۸)

ترجمہ: آپ نے لکھا تھا کہ روح بدن کے ساتھ وابستہ ہونے سے پہلے عالم مثال میں رہی ہے اور بدن سے جدا ہونے کے بعد پھر عالم مثال میں چلی جاتی ہے پس عذاب قبر اس عالم مثال میں ہوتا ہے۔ جواباً آپ کو جاننا چاہیے کہ اس قسم کے خیالات انہی لوگوں کے ہیں، جنہیں صداقت بہت کم نصیب ہوئی ہے اور وہ اس باب میں قلیل النصیب ہیں روح کا عالم مثال سے کوئی سروکار نہیں، نہ بدن کے ساتھ وابستہ ہونے سے پہلے اور نہ اس کے بعد، زیادہ سے زیادہ یہی ہو سکتا ہے کہ اللہ رب العزت کی قدرت سے روح کے بعض احوال اس عالم کے آئینے میں منعکس ہوتے ہوں۔ لیکن عالم مثال روح کے رہنے کی جگہ نہیں (وہ تو محض دیکھنے کا ایک پردہ ہے جس پر صورتیں ظاہر ہوتی ہیں) رہنے کی جگہ یا عالم ارواح ہے یا عالم اجساد، عالم مثال ان دونوں جہانوں کے آئینہ ہونے کے سوا اور کچھ نہیں عذاب قبر اس مثالی صورت پر وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ عذاب قبر خود ایک حقیقت ہے کسی عذاب اور سزا کی محض کوئی تصویر نہیں۔

اس مکتوب پر حضرت امام ربانی نے جو تصریحات فرمائیں، ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) معاملات قبر اپنا حقیقی وجود رکھتے ہیں، فقط صورت و انعکاس نہیں۔

(۲) وجود عالم مثال فقط شبہ و صورت ہے، کسی شئے کی حقیقت نہیں۔

(۳) روح کا تعلق عالم مثال میں کبھی رہنے کا نہیں ہوا نہ بدن سے متعلق ہونے سے پہلے نہ بعد ازاں۔

(۴) مفارقت بدن کے بعد روح اور اطوار روح کو عالم مثال میں ٹھہرانا روح کی نفی کرنے کے مترادف ہے۔

اب غور فرمایئے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی ارواح قدسیہ ان کے برزخی احوال اور ان کے معاملات قبر کو عالم مثال کے امور بتلانا اور پھر اسے فیصلہ کن ٹھہرانا، کس قدر شان علم و دیانت ہے۔

المبحث السادس: فی معنی القبر

قبر اپنی وسعت اور کشادگی کے اعتبار سے فقط اس زمینی نشان کا نام نہیں، بلکہ یہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے جس کا ایک پہلو یہ زمینی نشان ہے اور اس کی دوسری حدود و اطراف کو اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں۔

آپ کسی میت کے لیے کوئی گڑھا کتنا ہی فراخ کیوں نہ بنا دیں۔ اللہ تعالیٰ اس سے اس کے خلاف معاملہ کرنا چاہیں، تو اسے تنگی کی آخری انتہا تک پہنچا دیتے ہیں۔ اگرچہ وہ اتنا ہی فراخ دکھائی دے۔ اسی طرح کسی بندہ خدا کے لیے کوئی قبر کتنی ہی تنگ کیوں نہ بنا دی جائے، وہ رحیم مطلق جب چاہے اسے حد نظر سے بھی زیادہ فراخ کر دیتا ہے۔ اگرچہ بظاہر اس زمینی نظام میں کوئی خاص تبدیلی ظہور پذیر نہ ہو۔ اس سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ ظاہری قبر عالم برزخ کا صرف ایک پہلو ہے، جس کی اگلی وسعت و فسحت کو اللہ رب العزت ہی جانتے ہیں یا وہ بندگان خدا اس پر اطلاع پاتے ہیں، جنھیں اللہ تعالیٰ اس کا انکشاف کرامت فرما دیتے ہیں۔ اس کی بحث ہم تفصیل سے پیچھے کر آئے ہیں۔

ایک غلطی کا ازالہ

بعض لوگ صوفیائے کرام کے ان ارشادات سے کہ ''قبر حقیقت میں اس ظاہری زمینی نشان کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک عالم برزخ کی منزل ہے...... اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ عالم برزخ اس ظاہری قبر سے ایک بالکل جدا مکان کا نام ہے، حالانکہ ایسا نہیں، امر واقع یہ ہے کہ عالم برزخ کو اس ظاہری قبر سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور ہوتا ہے۔ البتہ قبر اپنی وسعت و فسحت کے اعتبار سے اس زمینی نشان تک محدود نہیں۔ بلکہ یہ ایک برزخی منزل ہے[1] جس کا ایک پہلو یہ ظاہری قبر اور اس کی باقی حدود اس پردے میں ہیں جسے کہ برزخ کہا جاتا ہے یعنی یہ ظاہری قبر حقیقت قبر سے کلیۃً جدا نہیں، صرف بعض اعتبارات سے اس سے مختلف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ برزخی مشاہدات میں بھی اس ظاہری نشان پر قبر کا اطلاق بکثرت وارد ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے عالم برزخ کا ایک پہلو یقیناً یہ ظاہری قبر ہے۔ اسے حقیقت قبر سے کنایہ قرار دینا، تو خیر سمجھ میں آتا تھا، لیکن مجاز ہی مجاز[2] کہے چلے جانا یہ بالکل خلاف واقع ہے۔ واللہ اعلم بالصواب!

پیچھے اس پر پوری بحث ہو چکی ہے اور آپ یہ حدیث پڑھ آئے ہیں کہ: ''آنحضرت ﷺ ایک قبرستان سے گزرے۔ آپ ﷺ نے دو شخصوں کو عذاب ہوتے دیکھا۔ ایک ان میں سے پیشاب کے چھینٹوں سے نہ بچتا تھا اور دوسرا چغلی کھانے کا عادی تھا۔'' (راجع صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۸۴)

---

[1] ان القبر اول منازل الاخرة (مستدرک ج ۱ ص ۳۷۱)

واحوال البرزخ اشبہ باحوال الآخرة (فتح الباری ج ۱۳، ص ۲۷۹)

[2] ''عن ابن فورک انہ ﷺ حی فی قبرہ رسولا الی الابد حقیقة لا مجازا قال ابن عقیل من الحنابلة هو ﷺ حی فی قبرہ یصلی (الروضة البهیة فیما بین الاشاعرة والماتریدیة ص ۱۴ مطبوعہ حیدرآباد دکن)

یہ تو ظاہر ہے کہ ان دونوں کو عالم برزخ میں عذاب ہو رہا تھا۔ اب اس کا ان ظاہری قبروں سے انکشاف اس حقیقت کا پتہ دے رہا ہے کہ حقیقت قبر اس ظاہری زمینی نشان سے کلیۃً علیحدہ نہیں بلکہ یہ علیحدگی صرف وسعت وفسحت وغیرہ کے اعتبار سے ہے۔

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا اس عورت کے متعلق جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی، فرمانا کہ مجھے اس کی قبر کا پتہ بتاؤ یقیناً اس ظاہری زمینی نشان سے ہی متعلق تھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا: ''دلونی علی قبرھا''
(صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۵)

ترجمہ: مجھے اس کی قبر کا پتہ بتاؤ۔

اور پھر آپ کا یہ اعلان بھی اسی ظاہری زمینی نشان ہی سے متعلق تھا: ''ان ھذہ القبور مملوءۃ ظلمۃ علی اھلھا وان اللہ ینورھا لھم بصلوتی'' (صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۱۰)

ترجمہ: بے شک یہ قبور اپنے مدفونین کے لیے تاریکی سے اٹی پڑی ہیں اور اللہ تعالیٰ میرے جنازہ پڑھنے سے انہیں نورانی بنا دیتے ہیں۔

یہ ارشاد بھی بتا رہا ہے کہ ظلمت ونور کا محل یقیناً وہی ظاہری قبور ہیں جو ھذہ کا مشار الیہ ہیں۔ ہاں اس کے باقی برزخی پہلو اور وسعت وفسحت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں وہ اس ظاہری نشانات کی ظاہری حدود میں منحصر نہیں۔

آنحضرت ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی جس برزخی زندگی میں نماز پڑھتے دیکھا تھا، اس کا انکشاف اس ظاہری قبر سے ہی ہوا تھا، جو سرخ ٹیلے کے پاس آپ نے دیکھی تھی۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ کہنا کہ عالم برزخ کو اس ظاہری قبر سے کوئی تعلق نہیں، یقیناً غلط ہے۔ مقام افسوس ہے اور محل حیرت در حیرت ہے اور مولانا نیلوی کا اس پر اصرار صرف ضد اور ایک تقاضائے غیرت کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ آپ کچھ بھی نہ کہہ سکے۔

آنحضرت ﷺ نے اس حدیث حیات انبیاء میں صرف یہ نہ فرمایا ''الانبیاء احیاء'' (انبیاء زندہ ہوتے ہیں) بلکہ اس کے ساتھ ''فی قبورھم'' (اپنی اپنی قبروں میں) کی وضاحت فرما دی تاکہ کوئی یہ گمان نہ کر سکے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی برزخی حیات صرف روحانی ہوتی ہے ''فی قبورھم'' کے الفاظ سے اس پر متنبہ کر دیا کہ یہاں محل حیات وہی ہے جسے قبروں میں رکھا جاتا ہے اور وہ جسدِ میت ہی ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انبیائے کرام کے اجسام عنصریہ ہی بعد الوفات قبور میں اتارے جاتے ہیں پس ان کی حیات کا بیان ان قبور کے ذکر کے ساتھ اس حقیقت کو بے نقاب کر رہا ہے کہ انبیائے کرام کی برزخی حیات صرف روحانی نہیں، بلکہ عنصری اور جسمانی بھی ہے۔

پھر یہی نہیں کہ آنحضرت نے حیات انبیاء کی وضاحت ''فی قبورھم'' کے الفاظ سے کی بلکہ آپ نے یصلون (کہ وہ نمازیں بھی پڑھ رہے ہیں) کی تصریح فرما کر حیات جسمانی کو اور روشن کر دیا۔ اس لیے نماز کسی وجود جسدی کو چاہتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ تو قبر میں ہے۔

''الصلوٰۃ تستدعی جسدا احیا'' (حاشیہ نسائی)

افصح العرب والعجم، صاحب جوامع الکلم نے کس جامع اور بلیغ انداز میں ارشاد فرمایا ہے: ''الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون''

ترجمہ: انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

(۱) احیاء میں حیات کا بیان جملہ اسمیہ سے کر کے استمرار کی وضاحت کی۔

(۲) فی قبورھم میں حیات کے عنصری جسمانی ہونے کی وضاحت ہوگئی۔

(۳) یصلون میں حیات حقیقی کا، جس میں اعمال طیبہ سے تعطل نہ ہو، بیان ہوا۔

پس بفحوائے حدیث شریف آنحضرت اپنے روضہ شریفہ میں (تاثیر روح یا دخول روح سے) اپنے جسد عنصری کے ساتھ فائز الحیات ہیں اور بدستور اشغال طیبہ میں استغراق ہے یہ عمل تلذذاً ہے نہ کہ وجوباً۔ علامہ علی بن شیخ احمد عزیزی لکھتے ہیں: ''تلذذا لان التکلیف انقطع بالموت'' (عزیزی شرح جامع صغیر ص ۱۳۴)

ترجمہ: یہ عبادت تلذذاً ہے کیونکہ مکلف ہونا وہ موت سے ختم ہو چکا ہے۔

تاہم قبر سے مراد یہی قبر ہے جس کی برزخی وسعت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ مقدمہ میں ہم مٹی قبر پر حضور ﷺ اور صحابہ کرام ﷢ سے متعدد مثالیں پیش کر چکے ہیں، یہاں ایک اور حوالہ نوٹ کر لیجئے۔ اس سے واضح ہو گا کہ اللہ رب العزت کے ہاں بھی یہ دنیا کا گڑھا مفہوم قبر سے بالکل بے تعلق نہیں، مومنین پر اللہ رب العزت کی رحمتیں انہی گڑھوں پر اترتی ہیں اور بسا اوقات نور کے شعلے بھی انہی سے اٹھتے ہیں۔

حضرت ابوایوب انصاری ؓ کی قبر سے نور کا مینار اٹھا

حضرت ابوایوب انصاریؓ (۵۱ھ) اس لشکر میں شامل تھے جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوا۔ یہ حضرت معاویہ ؓ کا دور خلافت تھا۔ حضرت ابوایوب ؓ بیمار ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ آپ رات کے وقت قلعہ کے دامن میں دفن کیے گئے۔ امام محمد بن احمد السرخسی (۴۸۳ھ) بیان کرتے ہیں: ''فدفنوہ لیلا فصعد نور من قبرہ الی السماء ورای ذلک من کان بالقرب من ذلک الموضع من المشرکین فجاء رسولھم من الغد فقال من کان ھذا المیت فیکم فقالوا اصحاب لنبینا فاسلموا ابمار أوا'' (شرح سیر کبیر ج ۱ ص ۱۵۷)

ترجمہ: انہیں ساتھیوں نے رات کے وقت قبر میں اتارا آپ کی قبر سے نور کا ایک شعلہ آسمان کی طرف بلند ہوا اور اس منظر کو دوسری طرف کفار نے بھی جو سرحد کے قریب تھے دیکھ لیا۔ صبح ہوئی تو ان کا ایک قاصد آیا اور اس نے پوچھا کہ یہ مرنے والا کون تھا (جسے رات تم نے دفن کیا) انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے نبی اکرم ﷺ کے صحابی تھے۔ جنہوں نے اسے دیکھا وہ سب ایمان لے آئے۔

انہوں نے سوچا کہ جس نبی کے صحابی کی یہ شان ہے کہ ان کی قبر سے روشنی اٹھتی ہے اس نبی کی اپنی شان کیا ہوگی کس طرح آپ کے لیے آسمان رحمتیں برساتا ہوگا اور زمین بھی اپنی برکتیں اگلتی ہوگی۔ اور یہ حقیقت ہے کہ آپ کی قبر مبارک حضرت ابوایوب انصاری ؓ کی قبر سے کئی گنا زیادہ منبع نور ہوگی۔

الفصل الخامس... وفيه ستة من المباحث

"قال ابو الشيخ في كتاب الصلوة حدثنا عبد الرحمن بن احمد الاعرج حدثنا الحسين بن الصباح حدثنا ابو معاوية حدثنا الاعمش عن ابي صالح عن ابي هريرة ﷜ قال قال رسول الله ﷺ"

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "من صلى عليَّ عند قبري سمعته ومن صلى عليَّ من بعيد اعلمته... وفي رواية من صلى علي نائيا ابلغته"

(رواہ ابوالشیخ الاصبہانی وابن حبان بسند جید، مرقات ج ۲ ص ۷ ۳۴ طبع قدیم ج ۲ ص ۱۰)

ترجمہ: جو پڑھے درود میری قبر کے پاس اسے میں خود سنوں گا اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچا دیا جائے گا۔

المبحث الاوّل: في معنى الحديث

اس حدیث میں من صلی عام ہے۔ جس نے بھی حضور ﷺ پر درود بھیجا، وہ انسان ہو یا فرشتہ یا جن، ہر ایک کا درود آپ کو پہنچتا ہے۔ ہاں جو قبر مبارک کے پاس درود پڑھے اسے حضور اکرم ﷺ خود سنتے ہیں۔

سوال: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی قوت سامعہ کیا اتنی تیز ہے کہ منوں مٹی کا فاصلہ اسے روک نہیں سکتا؟

جواب: ہاں جب حضور ﷺ خود دنیا میں تشریف فرما تھے تو کیا آپ نے منوں مٹی کے فاصلے سے ان مردوں کی آوازیں نہ سنیں جن کو عذاب ہو رہا تھا اور کیا یہ احادیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود نہیں ہیں؟

سوال: کیا کسی اور حدیث سے بھی ثابت ہے کہ حضور ﷺ قریب سے کہے گئے سلام کو سنتے ہیں؟

جواب: ہاں حضور ﷺ نے فرمایا: "مامن احد يسلم عليَّ الا رد الله عليَّ روحي حتى ارد ﷺ"

(سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۷۹، مسند امام احمد ج ۲ ص ۵۲۷)

جو مجھ پر سلام پڑھے اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف متوجہ کرتا ہے اور میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

رد اللہ علی روحی کی بحث پہلے آچکی ہے۔ اس حدیث میں حضور ﷺ کا قریب سے صلوٰۃ و سلام سننا خود ثابت ہے۔

ثانیاً: حضور ﷺ نے حضرت عیسیٰ کے بارے میں بھی فرمایا: "لئن قام على قبري فقال يا محمد لاجيبنه" (رواہ ابو یعلی ورجالہ رجال الصحیح، مجمع الزوائد ج ۸ ص ۲۱۱، الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۴۰، رواہ ابو یعلی کمافی الحاوی للفتاوی ج ۲ ص ۲۹۰، روح المعانی پ ۲۲ ص ۳۵، مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۹۰، مستدرک حاکم ج ۲ ص ۵۹۵)

ترجمہ: اگر وہ میری قبر پر آئیں اور مجھے بلائیں، میں ان کا جواب دوں گا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ قبر مبارک پر آپ خود سنتے ہیں اور سلام کا جواب بھی دیتے ہیں۔

"وروى محمد بن يحى بن ابى عمر برجال ثقات عن ابى هريرة ﷜ رسول الله ﷺ قال ان عيسىٰ بن مريم يكون مازابالمدينة المنورة حاجاأو معتمرا ولئن سلم عليَّ لأردن عليه"

ترجمہ: حضرت عیسیٰ بن مریم ﷤ مدینہ کے قریب حج یا عمرہ کا احرام باندھے گزریں گے آپ نے اگر مجھے (میری قبر پر) سلام کہا تو میں جواب میں انہیں وعلیک السلام کہوں گا۔

صحیح مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ روحاء سے حج یا عمرہ یا دونوں کا احرام باندھیں گے۔
(صحیح مسلم ج۱، ص۴۰۸)

"وروی ابن النجار عن إبراهیم بن یسار قال حججت فی بعض السنین فجئت المدینة فتقدمت الی قبر رسول اللہ ﷺ فسلمت علیه فسمعت من داخل الحجرة وعلیک السلام"

اس کی توثیق مازری کی اس روایت سے: "ان سلیمان بن شحم قال رأیت النبی ﷺ فی النوم فقلت یارسول اللہ هؤلاء الذین یأتونک فیسلمون علیک أتفقه سلامهم؟قال نعم!"

ترجمہ: سلیمان بن حم نے بتایا کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا، میں نے آپ ﷺ سے پوچھا: یہ لوگ جو آپ پر سلام پڑھتے ہیں کیا آپ ان کے سلام کو سمجھتے ہیں؟ آپ نے کہا ہاں!

"وروی ابو نعیم عن سعید بن المسیب قال لقد رأیتنی لیالی الحرة وما فی المسجد غیری وما یأتی وقت أذان الا سمعت الاذان من القبر"

ترجمہ: حافظ ابونعیم نے حضرت سعید بن المسیب سے روایت کیا ہے کہ میں ایام حرہ کی راتوں میں اپنے آپ کو اکیلا ہی پایا میرے سوا ان میں کوئی نہ ہوتا تھا جب بھی نماز کا وقت ہوتا تو حضور ﷺ کی قبر سے اذان کی آواز سنائی دیتی۔

"عن سعید بن عبد العزیز قال لما کان ایام الحرة لم یؤذن فی مسجد النبی ﷺ۔ ثلثا۔ ولم یقم ولم یبرح سعید من المسجد وکان لا یعرف وقت الصلوٰة الا بهمهمة یسمعها من قبر النبی ﷺ فذکر معناه"
(سنن دارمی ص ۴۴)

ترجمہ: حضرت سعید بن عبد العزیز سے بھی روایت ہے کہ ایام حرہ میں اجالے کی تینوں نمازوں کے وقت نہ اذان ہوتی رہی نہ اقامت نہ آپ مسجد سے باہر جاتے اور نہ وقت نماز جان پاتے مگر آپ نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک سے کچھ گنگناہٹ کی آوز سنتے (یہ قبر سے اذان آنے کی آواز تھی)

حضرت کعب احبار﷜ (جو اہل کتاب کے بڑے عالم تھے) نے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ﷞ کے ہاں پہلی کتابوں سے یہ روایت سنائی۔ آپ نے کہا: "فقال کعب: ما من یوم یطلع الا نزل سبعون ألفا من الملئکة حتی یحفوا بقبر النبی ﷺ یضربون بأجنحتهم ویصلون علی رسول اللہ ﷺ حتی اذا امسوا عرجوا وهبط مثلهم فصنعوا مثل ذلک حتی اذا انشقت عنه الأرض خرج فی سبعین ألفا من الملئکة یزفونه"
(سنن دارمی ج۱، ص ۴۴)

ترجمہ: ہر روز ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں اور حضور ﷺ کی قبر کو گھیر لیتے ہیں اور اپنے پر پھیلا دیتے ہیں اور حضور ﷺ پر درود پڑھتے ہیں جب شام ہوتی ہے وہ اوپر (آسمان کی طرف) چلے جاتے ہیں اور اتنے ہی اوپر سے نیچے آتے ہیں وہ ایسا ہی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ حشر پر زمین پھٹے اور ستر ہزار فرشتے آپ کا استقبال کریں۔

یہ "أول من تنشق عنه الأرض" کا کیسا ایمان افروز نظارہ ہوگا کتنے خوش قسمت وہ اہل سنت ہیں جو اس وقت کرامیہ اور مماتیوں کے اس غلط عقیدے سے بچے اپنی قبروں میں اترتے ہیں جو بدنصیب اب تک یہ انعام باری نہیں پا سکے۔ اللہ رب العزت انہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے اور وہ اپنے بھائیوں سے پھر آملیں۔

یہ روایات قاطبۃ حضور ﷺ کے روضہ پر پڑھے گئے صلوٰۃ وسلام اور آپ کے خود سننے کی خبر دے رہی ہیں اور دور سے پڑھا بھی آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔ اللھم زد فزد!

ثانیاً: حضور ﷺ نے فرمایا: ''لیس من عبد یصلی علیّ الا بلغنی صلوتہ رواہ الطبرانی''

(نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۱)

ترجمہ: جو بندۂ خدا مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ مجھے پہنچتا ہے۔

یہاں پہنچایا جاتا نہیں کہا، پہنچتا کہا ہے معلوم ہوتا ہے یہ اس شخص کے متعلق ہے جو قریب سے پڑھے، دور والے کا پہنچایا جاتا ہے نہ یہ کہ خود پہنچتا ہے۔ بعض حوالوں میں یہ روایت تصحیف کاتب سے بلغنی صوتہ کے لفظوں میں لکھی ہے۔ اس سے بھی اس بات کی تائید ملتی ہے کہ یہ قبر مبارک کے قریب درود پڑھنے والے سے متعلق ہے۔

حدیث کا دوسرا حصہ یہ ہے کہ جو درود دور سے پڑھا جائے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔ یہ مضمون ان روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے: (۱) ''ان للہ ملٰئکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام''

(رواہ النسائی ج ۱ ص ۱۸۹، مسند امام احمد ج ص ۴۴۱، سنن دارمی ص ۳۷۲، المصنف لابن ابی شیبہ ج ص، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۵۴، الجامع الصغیر ج ۱ ص ۹۳، مشکوٰۃ ص ۸۶ تحریرات حدیث مولانا حسین علی ص ۲۱۱)

ترجمہ: بے شک اللہ کے فرشتے زمین میں سیاحت کرتے ہیں جہاں کوئی میرا امتی مجھ پر سلام پڑھے وہ مجھے پہنچا دیتے ہیں۔

(۲) ''یبلغونی صلوٰۃ من صلی علیّ من امتی'' (رواہ الدارقطنی، القول البدیع ص ۱۱۵)

ترجمہ: وہ مجھے پہنچاتے ہیں جو کوئی میرا امتی مجھ پر درود پڑھے۔

(۳) ''ان صلوٰتکم معروضۃ علیّ''

ترجمہ: بے شک تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے۔

فرشتوں کے پہنچانے کے ذیل میں درود اور سلام دونوں کا ذکر ملتا ہے بعض روایات میں صرف صلوٰۃ کا بیان ہے، بعض میں صرف سلام کا......اور فیصلہ کن بات یہ ہے کہ فرشتے درود بھی پہنچاتے ہیں اور سلام بھی......دونوں میں افراد ہو تو بھی احناف کے ہاں جائز ہے اور صلوٰۃ وسلام جمعاً پڑھے جائیں تو بھی جائز ہے اور دونوں آپ تک پہنچتے ہیں۔ صلوٰۃ وسلام حضور ﷺ کو دور سے خطاب کر کے بھی عرض کیا جا سکتا ہے بایں اعتقاد کہ فرشتے اسے اسی طرح روضہ پاک پر عرض کر دیں گے جیسے کہ میں پیش کر رہا ہوں اور قریب سے بھی عرض کیا جا سکتا ہے۔ بایں اعتقاد کہ آپ خود سنتے ہیں۔

سماع عند القبر کے موضوع پر عام لوگوں کے بارے میں تو اختلاف ہے کہ سنتے ہیں یا نہیں۔ لیکن حضور ﷺ کا سماع عند القبر مجمع علیہ ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۳۲۳ھ) لکھتے ہیں: ''انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۰)

مجدد صدی دہم سیدنا ملا علی قاریؒ فرشتوں کے درود پہنچانے کے بارے میں لکھتے ہیں: ''ھذا مخصوص بمن بعد عن حضرۃ مرقدہ المنور ومضجعہ المطھر وفیہ اشارۃ الی حیاتہ الدائمۃ وفرحہ ببلوغ سلام امتہ الکاملۃ وایماء الی قبول السلام حیث قبلتہ الملٰئکۃ وحملتہ الیہ علیہ السلام'' (مرقات ج ۲ ص ۳۲۱)

ترجمہ: فرشتوں کا یہ درود پہنچانا اس شخص سے مخصوص ہے جو حضور کے مرقد منور اور آپ کی استراحت گاہ مطہر سے دور ہو اور اس میں آپ کی حیات دائمہ کا اشارہ بھی ہے اور آپ کی اس خوشی کا بھی جو آپ کو اپنی امت کاملہ کا سلام پہنچنے سے ہوتی ہے اور اس میں سلام کرنے والے کے سلام کے قبول ہونے کا اشارہ بھی ہے بایں طور کہ فرشتوں نے اسے قبول کر لیا ہے اور اسے آنحضرت ﷺ کے پاس لے آئے ہیں۔

اس سے بھی پتہ چلا کہ روضہ پر پڑھے گئے درود و سلام کو حضور ﷺ خود سنتے ہیں۔ حضرت ملا علی قاریؒ اس حدیث کی شرح میں ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''من صلی علیَّ عند قبری سمعتہ ای سمعا حقیقیا بلا واسطة'' (ایضاً ص ۳۴۷)

ترجمہ: حدیث ''جو مجھ پر میری قبر پر آ کر درود پڑھتا ہے اسے میں سنتا ہوں'' کا مطلب سماع حقیقی ہے جو بلا واسطہ ہوتا ہے۔

یہ دونوں مضمون کہ روضہ پر پڑھے گئے صلوٰۃ و سلام کو حضور ﷺ خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا گیا آپ کو فرشتوں کے واسطہ سے پہنچایا جاتا ہے ہم متعدد دوسری روایتوں سے جزءاً جزءاً پیش کر آئے ہیں۔ ابوالشیخ کی اس روایت میں صرف یہ خصوصیت ہے کہ اس میں دونوں مضمون یک جا جمع ہیں سو جن حضرات نے اس حدیث کو صرف اس لیے ہدف طعن بنا رکھا ہے کہ اسے ابوعبدالرحمن محمد بن مروان السدی نے روایت کیا ہے اور وہ ضعیف ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ اس روایت کے دونوں مضامین اپنی اپنی جگہ علیحدہ علیحدہ بھی ثابت ہیں اور ان روایات سے ثابت ہیں جنہیں اکابر محدثین نے تسلیم کیا ہے۔

نوٹ: سماع عند القبر کی یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کے علاوہ حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''نیز ابن عمرؓ آمدہ من صلی علیَّ عند قبری رددت علیہ و من صلی علیَّ فی مکان آخر بلغونیہ'' (جذب القلوب ص ۱۸۲)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے، حضور نے فرمایا جو شخص مجھ پر میری قبر پر آ کر درود پڑھتا ہے میں اس کا جواب دیتا ہوں اور جو کوئی کسی دوسری جگہ سے پڑھتا ہے وہ فرشتے مجھے پہنچا دیتے ہیں۔

حضرت مولانا تھانویؒ اسے حضرت انسؓ سے مروی بھی بتلاتے ہیں: ''بروایت حضرت انسؓ خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سن لیتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا ہے وہ مجھ کو پہنچایا جاتا ہے یعنی بذریعہ فرشتوں کے۔'' (نشر الطیب ص ۲۱۱)

سو یہ روایت حضرت ابوہریرہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت انسؓ تین صحابہ سے مروی ہے۔

ہمارے مخالفین اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد اسے مطلقہ عامہ ٹھہراتے ہیں یہ بھی نہ ماننے کی ایک ادا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ درود پڑھنے کے ساتھ آپ کا اسے متصلاً سننا ضروری نہیں یہ تحقق سمع آئندہ کسی وقت ہو جائے تو بھی مطلقہ عامہ کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ آئندہ کسی وقت سنا دے یہ ساتھ ہی سننا کہاں سے لازم آ گیا۔

حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو اس تاویل کو راہ دے اور حال یہ ہے کہ دن رات کے اوقات میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گزرتا کہ ہزاروں زائرین روضہ اطہر پر صلوٰۃ و سلام عرض نہ کر رہے ہوں اگر قبر مبارک کی حاضری اور وہاں درود و سلام دائماً نہ پڑھا جا رہا ہوتا تو بات اور تھی۔

سو اس موجودہ صورت میں یہ قضیہ مطلقہ عامہ نہ ہوگا دائمہ مطلقہ ٹھہرے گا۔ جب درود و سلام ہر وقت پڑھا جا رہا ہے تو آپ کا اسے سننا بھی دائمی ہے۔ یہ قضیہ دائمہ مطلقہ ہے، مطلقہ عامہ نہیں، دائمہ مطلقہ وہ ہوتا ہے جس میں ثبوت محمول کا جو یہاں سمعتہ ہے موضوع کے لیے جو من صلی علی عند قبری ہے دائما ہو۔

ہم نے ضرور یہ مطلقہ نہیں کہا، جیسے کل انسان حیوان بالضرورۃ، دائمہ مطلقہ کہا ہے جیسے کل نبی صادق بالدوام، سو جس طرح صدق نبوت سے شرعاً ممتنع السلب ہے کوئی مومن روضہ اطہر پر درود پڑھے اور حضور ﷺ نہ سنیں یہ شرعاً ممتنع ہے۔

قاضی صاحب اس حدیث میں کوئی قید لگا کر تو اسے مطلقہ عامہ بنا سکتے ہیں حدیث کے اپنے الفاظ میں یہ قضیہ مطلقہ عامہ نہیں ہے۔

''فالقضیة دائمة اذ من المحال العادی ان یخلو الوجود کله عن واحد یسلم علیه فی لیل او نهار فنحن نؤمن و نصدق بانه ﷺ یسمع ما دام المصلون یصلون علیه علی قبره الشریف ولا تذهب ساعة من الساعات ولا وقت من الاوقات الا و یصلی علیه فی مسجده الشریف ﷺ بالدوام بالضرورة''

المبحث الثانی: فی بیان الشاهد من الحدیث

حضرت ابو ہریرہ ؓ کی اس روایت کے ضمن میں ہم حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی یہ روایت پیش کر آئے ہیں۔ امام نسائی اسے دو سندوں سے روایت کرتے ہیں اور وہ دونوں حضرت سفیان الثوریؒ پر مل جاتی ہیں: ''اخبرنا عبد الوهاب بن عبد الحکم الوراق قال اخبرنا معاذ بن معاذ عن سفیان بن سعید و اخبرنا محمود بن غیلان قال حدثنا وکیع و عبد الرزاق (کلاهما) عن سفیان''

سند حضرت سفیان بن سعید الثوری: ''عن عبد الله بن السائب عن زاذان عن عبد الله بن مسعود ؓ قال قال رسول الله ﷺ ان لله ملئکة سیاحین فی الارض یبلغونی من امتی السلام'' (سنن نسائی ج ۱ ص ۱۸۹)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے فرشتے مقرر ہیں جو زمین پر ہر وقت مصروف سیاحت ہیں وہ امت کا سلام مجھے پہنچاتے رہتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ پہنچانا دور والوں سے ہی متعلق ہے قریب والے تو خود سامنے سلام عرض کر رہے ہیں۔

فرشتے کیسے پہنچاتے ہیں؟ قبر مبارک پر پہنچ کر...... قبر کہاں ہے؟ زمین پر...... حدیث میں ان فرشتوں کو سیاحین فی الارض کہا ہے سو جس طرح درود و سلام بھیجنے والے زمین پر ہیں، قبر اطہر بھی مدینہ منورہ میں زمین پر ہے۔ فرشتے درود بھیجنے والوں اور روضہ اطہر کے مابین مصروف سیاحت رہتے ہیں وہ درود بھیجتے ہیں اور یہ پہنچاتے ہیں اور اس لیے پہنچاتے ہیں کہ آن کی آن میں درود لے کر وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ اس سے یہ بات از خود واضح ہے کہ قریب سے آپ خود سن رہے ہیں، تبھی تو فرشتوں سے آپ خود سنتے ہیں جو روضہ اطہر پر حاضر ہو کر دور والوں کا سلام عرض کرتے ہیں اور یہ مضمون اس حدیث میں عبارۃ النص سے مذکور ہے کہ دور والوں کا سلام حضور ﷺ کو پہنچایا جاتا ہے۔

سو جو بات حدیث ابو ہریرہ ؓ میں بیان کی گئی ہے وہ بعینہ اس حدیث میں بھی موجود ہے فرق ہے تو صرف یہ کہ حدیث عبداللہ بن مسعود ؓ میں اس حدیث کا پہلا جز و دلالۃ النص اور دوسرا عبارۃ النص سے ثابت ہے اور حدیث

ابوہریرہ میں دونوں باتیں عبارۃ النص میں مذکور ہیں۔ دور سے درود کا اس طرح پہنچنا بتلاتا ہے کہ قریب سے آپ خود سنتے ہیں ورنہ تبلیغ صلوٰۃ وسلام کے لیے سیاحین فی الارض کے بیان کی کیا ضرورت تھی؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی سند کا حال

عبدالوہاب بن عبدالحکم ثقہ ہیں، معاذ بن معاذ ثقہ ہیں، سفیان ثوری ثقہ ہیں، عبداللہ بن السائب ثقہ ہیں اوران سب کی توثیق تقریب التہذیب میں ص ۱۵۱، ص ۲۰۰، ص ۲۴۹، ص ۲۵۷ پر علی الترتیب موجود ہے ابوعبداللہ زاذان کندی کو ابن حبان نے ثقات میں شمار کیا ہے مگر کثیر الخطاء کہا ہے۔ جمہور علماء نے ان کی یہ جرح قبول نہیں کی اور جرح جب تک مفسر نہ ہو اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا ابن سعد، عجلی اور خطیب تینوں اسے ثقہ کہتے ہیں، بعض نے ان کی کنیت ابوعمرو بھی لکھی ہے۔ امام فن یحییٰ بن معین کہتے ہیں ثقہ لایسئل عن مثلہ۔ یہ ایسے ثقہ ہیں کہ ایسے حضرات کے متعلق مزید تحقیق کے لئے کہیں پوچھا نہیں جاتا۔

دوسری سند کے راوی

محمود بن غیلان سے اوپر کے راوی جرح وتعدیل کے امام وکیع بن الجراح ۱۹۷ھ ہیں۔ یہ اور عبدالرزاق (۲۱۱ھ) صاحب المصنف امام اعظم ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ حضرت سفیان ثوریؒ سے روایت کرتے ہیں علامہ ہیثمی فرماتے ہیں: ''رواہ البزار ورجالہ رجال الصحیح'' (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۲۸)

یہ حدیث اور کن کن کتابوں میں ہے

مسند امام احمد ج ۱ ص ۴۴۱، المصنف لابن ابی شیبہ ج ص، سنن دارمی ص ۳۲۷، سنن دارقطنی (القول البدیع ۱۱۵) البیہقی ص، مستدرک حاکم ج ۲ ص ۴۲۱، البدایہ والنہایہ ج ۱ ص ۱۵۴، حلیہ ابی نعیم ص، الجامع الصغیر ج ۱ ص ۹۳، مشکوٰۃ ص ۸۶، وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۴ دیگر کئی کتابوں میں بھی موجود ہے۔

کن کن محدثین نے اسے صحیح کہا ہے

(۱) علامہ ذہبی صاحب میزان الاعتدال (۷۴۸ھ) تلخیص المستدرک میں لکھتے ہیں: ''صحیح''
(مستدرک ج ۲ ص ۴۲۱)

(۲) علامہ سمہودیؒ (۹۱۱ھ) لکھتے ہیں امام نسائی اور اسماعیل قاضی نے اسے صحیح سند سے روایت کیا ہے۔
(وفاء الوفاء ج ۲ ص ۴۰۴)

(۳) علامہ عزیزی (ھ) شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں: ''حدیث صحیح'' (السراج المنیر ج ۱ ص ۵۱۸)

(۴) علامہ ہیثمی (۸۰۷ھ) لکھتے ہیں: ''ورجالہ رجال الصحیح'' (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۴)

(۵) علامہ سخاوی (۹۰۲ھ) رواہ احمد والنسائی والدارمی وابونعیم والبیھقی والخلعی وابن حبان والحاکم فی صحیحھما وقال صحیح الاسناد۔ (القول البدیع ص ۱۱۵)

(۶) علامہ ابن عبدالہادی (۷۴۴ھ) نے مختلف طرق سے صحیح اسانید کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے۔
(الصارم المنکی ص ۱۶۸)

محدثین میں یہ حدیث اس درجہ مشہور اور مقبول ہے کہ اس کے تواتر معنوی کا دعوی کیا گیا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''ہر آئینہ خدائے را فرشتگان اند سیر کنندگاں در زمین ے رسانند مرا از امت من سلام راو بتواتر رسیدایں معنی۔'' (فتاوی عزیزی ج ۲ ص ۶۹)

ترجمہ: بے شک خدا تعالیٰ کے فرشتے ہیں زمین میں سیر کرتے پھرتے۔ مجھے میری امت کا سلام پہنچاتے ہیں اور یہ بات تواتر کے درجے میں پہنچ چکی ہے۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم جن کا مضمون اس مسئلہ پر ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں چھپا ہے اور اس سے محدث جلیل حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب سابق صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور (بھودی تحصیل وضلع کیمبل پور) نے پورے اتفاق کا اظہار کیا ہے اور فریقین کو اس پر جمع ہونے کی دعوت دی ہے وہ اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: ''فرشتوں کے ذریعے آپ کو صرف وہی درود وسلام پہنچتا ہے جو کوئی دور سے بھیجے لیکن اللہ تعالیٰ جن کو قبر مبارک کے پاس پہنچا دے اور وہ وہاں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کریں تو آپ اس کو بنفس نفیس سنتے ہیں۔'' (معارف الحدیث ج ۵ ص ۸۰)

کاش! کہ ہمارے کرم فرما اسی نقطہ اتحاد پر جمع ہو جائیں اور روضہ انور کا یہ سماع تسلیم کرلیں۔

المبحث الثالث: الجوهر النقي في تحقيق اسانيد ابي الشيخ والبيهقي

حضرت ابوہریرہؓ کی یہ حدیث کہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے میں سنتا ہوں جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے گو حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے اور حضرت انس بن مالکؓ سے بھی اسے روایت کیا جاتا ہے لیکن اس وقت ہم صرف حضرت ابوہریرہؓ کی روایت پر بحث کریں گے۔ اس حدیث کو حافظ ابوالشیخ الاصبہانی جو بقول ذہبی امام ثقہ اور احد الاعلام ہیں (تذکرۃ الحفاظ ج ۳، ص ۱۴۷) کتاب الثواب کے کتاب الصلوٰۃ میں روایت کرتے ہیں اور امام بیہقی اسے شعب الایمان اور حیاۃ الانبیاء میں روایت کرتے ہیں۔ اصبہانی اور بیہقی کی سندیں اپنی اپنی ہیں۔ اصبہانی کی سند جید ہے اور یہ حدیث صحیح ہے اور بیہقی کی سند کا ایک راوی ابوعبد الرحمن محمد بن مروان السدی ضعیف ہے۔ ایک سند کا ضعف جب دوسری صحیح سند سے اٹھ جاتا ہے تو کیا یہ دیانت کے خلاف نہیں کہ جید سند کو بالائے طاق رکھ کر عوام میں صرف ضعیف سند کو متعارف کرایا جائے اور دیدہ ودانستہ قول رسول ﷺ کی تضحیک کی جائے، یہ اتنی بڑی جسارت ہے کہ اب پوری قوم اس عذاب کی زد میں ہے۔ اعاذنا اللہ منہ اور انہیں حق قبول کرنے کی توفیق نہیں۔

مشکوٰۃ شریف میں یہ حدیث صرف بیہقی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے۔ عوام میں مشکوٰۃ بڑی عام اور متداول کتاب ہے۔ ہمارے کرم فرما اسے مشکوٰۃ کے حوالے سے ہر جگہ لیے پھرتے ہیں۔ اور ان کے بائیں ہاتھ میں ابوعبدالرحمن محمد بن مروان پر جرح ہوتی ہے اور جب لوگوں کو بتایا جائے کہ ابوالشیخ نے اس حدیث کی دوسری سند بھی پیش کی ہے جو صحیح ہے تو پھر یہ دوسرا پینترہ بدلتے ہیں کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے قرآن تو کہتا ہے مردے نہیں سنتے اور یہ حدیث کہتی ہے حضور سنتے ہیں ہم قرآن کو مانیں یا اس حدیث کو؟

اوّلاً تو یہ بات بھی صحیح نہیں کہ قرآن کہتا ہے مردے نہیں سنتے۔ قرآن کریم میں تو یہ ہے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى ''آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے'' اللہ تعالیٰ جسے چاہے سنا دیتا ہے۔ قرآن کریم میں اسماع کی نفی ہے سماع کی نہیں۔ پھر یہ تو عام دعویٰ ہے اسے شہیدوں اور پیغمبروں پر منطبق کرنا اور ان کی حیات کے خصوصی دلائل کو دبا جانا کیا یہ قادیانیوں کا طریقہ نہیں جو اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاءٍ سے اور قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرتے ہیں دعوی خاص اور دلیل عام کا ایسا کریہہ منظر شاید ہی کسی نے دیکھا ہو۔

اس وقت ہمیں اس استدلال سے بحث نہیں، نہ ہم یہاں سماع موتی کی بحث لانا چاہتے ہیں ہمیں صرف یہ بتلانا ہے کہ ہمارے مہربانوں نے جب نیت ہی کر لی ہو کہ اس حدیث کو نہیں ماننا تو جب ان کا پہلا وار (کہ یہ حدیث ضعیف ہے) خالی جاتا ہے تو پھر کس جرأت سے قادیانی طرز استدلال پر آجاتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بھی ہو تو ہم اسے قبول نہیں کریں گے کیونکہ قرآن کے خلاف ہے۔ اگر ان سے پوچھا جائے کہ ائمہ اعلام میں سے کسی نے کہا ہے کہ یہ حدیث قرآن سے مطابقت نہیں رکھتی یہ اس کے خلاف ہے تو اس پر ایک حوالہ بھی پیش نہ کر سکیں گے۔ ''وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا''

مغالطے کا ایک اور انداز

بیہقی کی سند کا راوی ابو عبد الرحمن محمد بن مروان ہے اور ابو الشیخ کی روایت کا ایک راوی عبد الرحمن احمد الاعرج (۳۰۰ھ) ہے جو ضعیف نہیں عبد الرحمن کا نام چونکہ دونوں میں آتا ہے اس لیے ہمارے مخالفین اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں اور ابو عبد الرحمن کی جرح عبد الرحمن بن احمد[1] پر بھی لگا دیتے ہیں اور کہتے ہیں ابو الشیخ کی سند میں بھی وہ ضعیف راوی موجود ہے۔ ان ھذا الا بہتان عظیم!

المبحث الرابع: تحقیق رواۃ سند ابی الشیخ

(۱) ابو الشیخ الاصبہانی	(۲) ابو صالح عبد الرحمن بن احمد الاعرج
(۳) الامام الحافظ حسن بن الصباح	(۴) ابو معاویہ محمد بن حازم
(۵) سلیمان بن مہران الاعمش	(۶) ابو صالح ذکوان (اسمان الزیات)

عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ

(۱) ابو الشیخ الاصبہانی: علامہ ذہبی ان کو حافظ، امام اور مسند زمان کہتے ہیں ان کے تقویٰ و تدین کو تسلیم کرتے ہیں۔ ابن مردویہ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں اور حافظ ابو نعیم ان کو احد الاعلام اور ثقہ کہتے ہیں۔

(دیکھئے تذکرہ للذہبی ج ۳ ص ۱۴۷)

---

1. عبد الرحمن بن الاعرج سے قاضی ابو احمد بن احمد بن ابراہیم بھی روایت کرتے ہیں (دیکھئے تاریخ اصفہان ج ۲ ص ۱۱۳) اور ابو الشیخ اصبہانی بھی (دیکھئے جلاء الافہام للحافظ ابن القیم ص ۱۹) امام دارقطنی لکھتے ہیں جس شخص سے دو راوی روایت کریں وہ مجہول نہیں رہ سکتا (دیکھئے سنن دارقطنی ج ۲ ص ۳۲۱) تو جب اس پر مشتمل سند کو علماء محدثین نے جید تسلیم کیا ہے۔ من روی عنہ عن ثقتان فقد ارتفعت جہالتہ وثبتت عدالتہ۔ تو کیا اب بھی عبد الرحمن کی تعدیل نہ ہوگی؟ اس اصول کے لیے دیکھئے فتح المغیث ص ۱۴۷۔

"ابو محمد عبداللہ بن محمد بن جعفر ابو الشیخ... فهو الحافظ الکبیر... ثقة"

(لسان المیزان ج ۶ ص ۳۹۵)

(۲) ابو صالح عبدالرحمن بن احمد الاعرج: والد کا نام ابو یحییٰ (ھ)۔ ابو نعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) نے تاریخ اصبہان ج ۲ ص ۱۱۳ میں اس کا تذکرہ کیا ہے اس سے قاضی ابو احمد محمد بن احمد اور ابو الشیخ جیسے ثقات نے روایتیں لی ہیں اور اس نے سلمہ بن شبیب اور الامام الحافظ حسن بن الصباح جیسے حضرات سے روایات لی ہیں حافظ ابن حجر عسقلانی مسلمہ بن شبیب کے بارے میں لکھتے ہیں: "احد الثقات حدث عنه الائمة و القدماء"

سلمہ بن شبیب سے روایت کرنے والوں میں یہ ابو صالح عبدالرحمن بن احمد بھی ہیں البتہ عبدالرحمن بن احمد الاعرج کا بھائی محمد بن احمد ضعیف ہے۔

"قال ابو الشیخ لم یکن بالقوی فی الحدیث" (لسان المیزان ج ۵ ص ۴۱)

(۳) الحسن بن الصباح: "صحیح بخاری کے معروف راوی ہیں۔ ذہبی انہیں امام اور حافظ جیسے پر عظمت الفاظ سے ذکر کرتے ہیں جن لوگوں نے اسے حسن بن صباح جو اسماعیلی فرقے کا بانی تھا مشہور کر رکھا ہے وہ خدا کا خوف کریں۔" (تذکرہ ج ۲ ص ۵۵)

(۴) ابو معاویہ محمد بن خازم: "کوفہ کے مشہور محدث تھے، حافظ ذہبی انہیں حافظ اور ثبت کہتے ہیں صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ اعمش سے روایت کرنے میں ثقہ ہیں۔ کسی اور سے روایت کریں تو ہو سکتا ہے اس میں کچھ اضطراب ہو۔" (دیکھو تذکرہ ج ۱ ص ۲۷۱)

"یحییٰ بن معین کہتے ہیں اعمش سے روایت کرنے میں اثبت ہیں۔" (حاشیہ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۱۳۸)

(۵) سلیمان بن مہران الاعمش: صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں عظیم المرتبت اور جلیل القدر محدث ہیں۔ ان پر شیعیت کا الزام ہے مگر ان دنوں شیعیت رفض کے معنوں میں نہ تھی یہ ایک سیاسی گروہ تھا۔ تحریف قرآن عقیدہ امامت اور انکار خلافت راشدہ روافض کا مذہب ہے اثنا عشریہ کا، نہ کہ مطلق شیعوں کا۔

(۶) ابو صالح ذکوان: صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں امام احمد فرماتے ہیں: "ثقة ثقة من اجل الناس واوثقهم" (تذکرہ ج ۱ ص ۸۳)

ترجمہ: ثقہ ثقہ ہے بڑے اونچے لوگوں میں سے زیادہ لائق وثوق لوگوں میں سے ہے۔

اور اس زمانے میں تو راویوں کی پڑتال اور غیر مبین السبب جرح سامنے لانے کی بجائے یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ حدیث متلقی بالقبول ہے یا نہیں یہی راہ سلامتی کے زیادہ قریب ہے اب دیکھئے کن کن ائمہ فن نے اس حدیث پر اعتماد کیا ہے۔

جن علمائے اعلام نے اس حدیث کو صحیح تسلیم کیا ہے

کن کن ائمہ کبار اور علمائے فن نے اس حدیث کی تصحیح کی ہے اور کن کن اعیان امت نے اس کے مضمون کو صحیح تسلیم کیا ہے؟ کچھ نام ملاحظہ فرمائیں:

(۱) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) (۲) حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ)

(۳) خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) (۴) امام سخاویؒ (۹۰۲ھ)
(۵) علامہ ابن حجر مکیؒ (۹۷۳ھ) (۶) علامہ عبدالرؤف المناویؒ (۱۰۰۴ھ)
(۷) ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) (۸) قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ)
(۹) علامہ سید احمد طحطاویؒ (۱۲۳۳ھ) (۱۰) نواب صدیق حسن خانؒ (۱۳۰۷ھ)
(۱۱) حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ) (۱۲) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

حوالجات از بعض عبارات

۱...... حافظ ابن تیمیہؒ کی شہادت

''صلوا علیّ حیثما کنتم فان صلوتکم تبلغنی قال فاخبر انہ یسمع الصلوٰۃ من قریب و یبلغ ذلک من بعید'' (رسائل ابن تیمیہ ص ۲۹۱ رسالہ ۱۶)

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا، مجھ پر درود پڑھا کرو جہاں بھی تم ہو، کیونکہ تمہارا درود مجھے پہنچتا ہے۔ حضور ﷺ نے بتایا ہے کہ آپ قریب سے پڑھے گئے درود کو خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔

یہ دو حدیثیں ہیں۔ پہلی ابوداؤد کی ہے اور اس کی سند صحیح ہے اور دوسری وہی امام بیہقی والی...... امام ابن تیمیہؒ اس دوسری حدیث کی سند سے بے خبر نہیں ہیں۔ اس کی کمزوری آپ کو معلوم ہے مگر آپ اسے اس کے شواہد کے باعث قبول کر رہے ہیں۔

''وقد روی ابن ابی شیبۃ والدار قطنی عنہ من صلی علیّ عند قبری سمعتہ و من صلی علیّ نائیا ابلغتہ و فی اسنادہ لین لکن لہ شواھد ثابتۃ فان ابلاغ الصلوٰۃ والسلام علیہ من البعد قد رواہ اھل السنن من غیر وجہ'' (فتاوی ابن تیمیہ ج ۲۷ ص ۱۱۶)

ترجمہ: اور ابن ابی شیبہ دار قطنی نے حضور سے روایت کی آپ نے فرمایا جو مجھ پر میری قبر پر آکر درود پڑھے وہ میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے پڑھا جائے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے لیکن اس حدیث کے بہت سے شواہد ہیں۔ آپ کو دور سے صلوٰۃ وسلام کا پہنچایا جانا ائمہ حدیث نے کئی طریقوں سے روایت کیا ہے۔

۲...... حافظ ابن القیمؒ کی شہادت

یہ جو کہا ہے کہ اس کی سند میں کچھ کمزوری ہے یہ ابوالشیخ کی سند کے بارے میں نہیں ابن ابی شیبہ اور دار قطنی کی سند کے بارے میں ہے، اور ممکن ہے یہ وہی کمزوری ہو جو بیہقی کی سند میں تھی۔ مگر چونکہ بقول ابن تیمیہؒ اس کے شواہد موجود ہیں اس لیے یہ روایت بھی قبول کر لی جائے گی اور یہ محدثین کا اصول ہے کہ روایت اپنے شواہد سے قوی ہو جاتی ہے۔[1]

[1] تعدد الطریق یفید القوۃ۔ اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۲۵ طبع قدیم۔

ان شواہد میں وہ حدیث بھی ہے جسے اہل سنن (نسائی وغیرہ) نے روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ کو دور سے پڑھا گیا صلوٰۃ وسلام (فرشتوں کے توسط سے) پہنچایا جاتا ہے۔ امام سیوطیؒ بھی اس کے شواہد کا ذکر کرتے ہیں:

''قلت هذا الحديث اخرجه الطبراني وابو نعيم في الحلية وله شواهد يرتقي بها الى درجة الحسن''

(اللآلی المصنوعہ ج۱ ص ۲۸۵)

یہ سب تائید اسی روایت کی ہے جو امام بیہقی نے لکھی ہے یہ ائمہ فن بتاتے ہیں کہ اس کا ضعف ان شواہد سے کلیۃً اٹھ جاتا ہے۔

حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) نے جلاء الافہام میں ابوالشیخ کی پوری سند دے کر حضرت ابوہریرہؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے: ''من صلى عند قبري سمعته ومن صلى علي من بعيد اعلمته'' (جلاء الافہام ص ۲۵)

سند یہ ہے: ''قال ابو الشيخ في كتاب الصلوٰة حدثنا عبد الرحمن بن احمد الاعرج حدثنا حسين بن الصباح حدثنا ابو معاوية حدثنا الاعمش عن ابي صالح عن ابي هريرة ﷛ قال قال رسول الله ﷺ''

اور کتاب الروح میں لکھا ہے: ''وقد صح عنه ان الله تعالىٰ وكل بقبره الملٰئكة يبلغون عن امته السلام''

ترجمہ: اور حضور سے سند صحیح سے ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی قبر پر فرشتے مقرر کر رکھے ہیں جو حضور ﷺ کو امت کا صلوٰۃ وسلام پہنچاتے ہیں۔

فرشتے یہاں (روضہ اقدس پر) حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام تبھی پہنچاتے ہیں کہ حضور ﷺ یہاں خود سنتے ہیں ورنہ فرشتوں کے یہاں آنے کا کیا مطلب...... اور جو درود وسلام دور سے پڑھا جائے یہاں پہنچایا جاتا ہے۔

یہ حافظ ابن قیم کی طرف سے اس حدیث کی اور اس کے معنی کی پوری تصدیق ہے...... پھر لکھتے ہیں:

''فالروح هناك ولها اتصال بالبدن في القبر واشراف عليه وتعلق به بحيث يصلي في قبره ويرد سلام من سلم عليه'' (کتاب الروح ص ۵۴ طبع حیدرآباد)

ترجمہ: سو روح اقدس اپنے مقر میں ہے اور اس کا قبر میں پڑے بدن سے ایک اتصال واشراف اور ایک تعلق ہے بایں طور کہ آپ اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہیں اور سلام عرض کرنے والے کو جواب بھی لوٹاتے ہیں۔

اس حدیث کے بارے میں کوئی شک نہیں ہے کہ حضور ﷺ اپنے روضہ اقدس پر عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود سنتے ہیں اور اس سماع عند القبر کا اہل حق میں سے کسی نے انکار نہیں کیا۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔

۳...... حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی شہادت

''اخرج ابو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيد بلفظ من صلى عليّ عند قبري سمعته ومن صلى عليّ نائيا بلغته'' (فتح الباری ج ۶، ص ۴۸۸)

ترجمہ: ابوالشیخ نے کتاب ثواب اعمال میں بڑی عمدہ سند سے یہ الفاظ روایت کیے ہیں کہ جو میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر درود پڑھے وہ میں خود سنوں گا اور دور سے پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

حافظ ابن حجر یہاں اس حدیث پر بحث کر رہے جو صلوا عليّ فان صلوٰتكم تبلغني ہے۔ اس کے بعد آپ اس کے شواہد ذکر کرتے ہیں: (۱) پہلا ابوداؤد کی روایت سے، (۲) دوسرا ابوالشیخ کی روایت سے، (۳) تیسرا ابوداؤد اور نسائی کی روایت فان صلوٰتكم معروضة عليّ سے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ اسی روایت کو لائق قبول بتا رہے ہیں جو امام بیہقی سے منقول تھی اور اس پر شواہد پیش کر رہے ہیں جنہوں نے اس کی سند کی کمزوری اٹھا دی ہے۔ ابوالشیخ کی روایت پیش کرتے ہوئے وہ ضمناً یہ بات بھی کہہ گئے کہ اس کی سند عمدہ ہے ہم نے اس کی سند حافظ ابن قیم کی کتاب جلاء الافہام سے نقل کی ہے۔ حافظ کی پوری عبارت یہ ہے: ''ومن شواهد الحديث ما اخرجه ابو داؤد من حديث ابی هريرة رفعه وقال فيه صلوا علیّ فان صلوٰتكم تبلغنی حيث كنتم سنده صحيح واخرجه ابو الشيخ فی كتاب الثواب بسند جيد بلفظ من صلى علیّ عند قبری سمعته ومن صلى علیّ نائيا ابلغته وعند ابی داؤد والنسائی وصححه ابن خزيمة وغيره عن اوس الی ان قال فان صلوٰتكم معروضة علیّ فقالوا كيف تعرض وقد ارمت''

(فتح الباری ج ٦، ص ٤٨٨)

۴...... حافظ شمس الدین سخاویؒ کی شہادت

''من صلى علیّ عند قبری سمعته ومن صلى علیّ من بعيد اعلمته رواه ابو الشيخ وسنده جيد''

(القول البدیع ص ۱۱٦)

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا ہے جو میری قبر پر آ کر مجھ پر درود پڑھے میں خود سنتا ہوں اور دور سے پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے اسے ابوالشیخ نے روایت کیا ہے اور اس کی سند جید ہے (عمدہ ہے)۔

۵...... علامہ ابن حجر مکیؒ کی شہادت

''اذا صلى وسلم عند قبره سمعه سماعا حقيقيا ويرد عليه من غير واسطة وان صلى وسلم من بعيد لا يسمعه الا لواسطة يدل عليه احاديث كثيرة'' (شرح ہمزیہ ص)

ترجمہ: جب کسی نے درود وسلام آپ کی قبر کے پاس پڑھا تو آپ اسے حقیقی طور پر سنتے ہیں اور سلام کا جواب براہ راست دیتے ہیں اور اگر درود وسلام دور سے پڑھا تو آپ اسے نہیں سنتے مگر (فرشتوں کے) واسطہ سے اس پر بہت سی احادیث دلالت کرتی ہیں۔

اور الجوہر المنظم میں لکھتے ہیں: ''انه ﷺ يبلغه الصلوٰة والسلام اذا صدر من بعيد ويسمعها اذا كان عند قبره الشريف بلا واسطة'' (الجوہر المنظم ص ۲۳)

ترجمہ: بے شک حضور اکرم ﷺ کو درود وسلام پہنچایا جاتا ہے جب وہ دور سے آئے اور آپ اسے خود بلاواسطہ سنتے ہیں جب پڑھنے والا آپ کی قبر شریف کے پاس ہو۔

''وفی رواية اخرىٰ للطبرانی ليس من عبد يصلی علیّ الا بلغنی صوته قلنا يا رسول الله وبعد وفاتك قال وبعد وفاتی ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء ای فسمعهم الحسی كيفيته كحواسهم الظاهرية''

ترجمہ: اور طبرانی کی ایک دوسری روایت میں ہے کوئی مسلمان مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ اس کی آواز مجھے پہنچتی ہے ہم نے کہا اور آپ کی وفات کے بعد کیا ہوگا؟ حضور نے فرمایا وفات کے بعد بھی ایسا ہی ہوگا بے

شک اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے اجساد زمین پر حرام کر دیئے ہیں کہ انہیں ریزہ ریزہ کرے۔ انبیاء کا سننا ایسا ہے کہ اس کی کیفیت حسی ہے جیسا کہ ان کے دوسرے حواس (قائم ہوتے ہیں)

اجساد انبیاء کہاں محفوظ رہتے ہیں؟ انہی قبور میں ...... حضور ﷺ نے جب خبر دی کہ درود پڑھنے والے کی آواز مجھے پہنچتی ہے تو صحابہؓ کا ذہن فوراً آپ کی قبر مبارک کی طرف متوجہ ہوا کہ وہاں آپ کیسے سنیں گے۔ آپ نے اپنے جسد اطہر کے محفوظ رہنے کی خبر دی ...... ابن حجر اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کہ انبیاء ﷩ کے دوسرے ظاہری حواس کی طرح ان کی قوت سامعہ حسی طور پر محفوظ ہے۔

حضور ﷺ جب دنیا میں تھے تو بھی عام حالت یہ تھی کہ قریب والے کی بات سنیں اور دور کی بات سے اطلاع پائیں۔ وفات کے بعد جب قوت سامعہ اسی ظاہری انداز پر ہے تو ظاہر ہے کہ قبر مبارک میں بھی آپ قریب سے سنیں گے اور دور والے کا درود وسلام آپ کو پہنچایا جائے گا۔

سو حدیث الا بلغنی صوتہ حافظ ابن حجر مکی کے ہاں عند قبری سے خاص ہوگی اور اس سے اس کی ان احادیث صحیحہ سے بھی تطبیق ہو جائے گی جن میں دور کے سلام کا بتوسط ملائکہ پہنچنا صریح لفظوں میں پایا جاتا ہے۔ ابن حجر نے اسے اسی شخص کے متعلق قرار دیا ہے جو قبر مبارک کے پاس آکر درود پڑھے ...... یہ تفصیل ہم نے اس لیے کی ہے کہ بعض دوسرے علماء نے جب طبرانی کی اس حدیث کو نقل کیا ہے تو الفاظ بلغنی صلوٰتہ (اس کا درود مجھے پہنچتا ہے) روایت کیے ہیں معلوم ہوتا ہے بلغنی صوتہ میں تصحیف ہوئی ہے، اسے اسی شکل میں لیا جائے تو اسے عند قبری کے ساتھ خاص کرنا ہوگا اس صورت میں یہ روایت بھی امام بیہقی کے شواہد میں ذکر کی جاسکتی ہے۔

۶ ...... حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ)

باوجودیکہ آپ اس کی بیہقی والی سند پر جرح کرتے ہیں اس کے راوی محمد بن مروان السدی الصغیر کو متروک قرار دیتے ہیں مگر حدیث کو مقبول قرار دیتے ہیں یہ تلقی بالقبول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳، ص ۵۱۵)

۷ ...... علامہ شہاب الدین الخفاجیؒ (۸۹۹ھ)

"وبما تقرر فی ھذہ الاحادیث علم انہ ﷺ تبلغہ الصلوٰۃ والسلام اذا صدر من بعید ویسمعھا اذا کان عند قبرہ الشریف بلا واسطۃ" (نسیم الریاض ج ۳ ص ۳۹۸)

"لانہ ﷺ حی فی قبرہ یسمع دعاء زائرہ" (ایضاً ص ۵۰۳)

ترجمہ: اور ان احادیث میں جو بات قرار پائی اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کو درود وسلام پہنچایا جاتا ہے جب وہ دور سے آئے۔ اور آپ اسے خود بلا واسطہ سنتے ہیں جب آپ کی قبر شریف کے پاس پڑھا جائے ...... یہ اس لیے کہ آپ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور زیارت کے لیے آنے والے کی آواز سنتے ہیں۔

۸ ...... حضرت علامہ عبدالرؤف المناویؒ (۱۰۰۳ھ)

"من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیّ نائیا ای بعیدا (ابلغتہ) ای اخبرت بہ من احد من الملئکۃ"

ترجمہ: جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے میں اسے سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے فرشتوں میں سے کوئی مجھے اس کی اطلاع دے دیتا ہے۔

یہ تو حدیث کے الفاظ ہیں۔ اب ان پر علامہ مناوی کا تبصرہ بھی سن لیں: ''وذلک لان لروحہ تعلقا بمقر بدنہ الشریف وحرام علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء'' (فیض القدیر ج ۶، ص ۱۷۰)

اور یہ اس لیے کہ آپ کی روح اقدس کا آپ کے مقر بدن (قبر مبارک) سے ایک تعلق ہے اور زمین پر حرام ہے کہ وہ اجساد انبیاء کو کھائے۔

۹...... ملا علی القاری ﷫ (۱۰۱۴ھ)

(۱) ''ورواہ ابو الشیخ و ابن حبان فی کتاب ثواب الاعمال بسند جید'' (مرقات ج ۲ ص ۱۰)

ترجمہ: اس حدیث کو ابو الشیخ اور ابن حبان نے ثواب الاعمال میں سند جید سے روایت کیا ہے۔

(۲) ''من صلی علیّ عند قبری سمعتہ ای سماعا حقیقیا بلا واسطۃ'' (شرح الشفاء ج ۳ ص ۵۰۰)

ترجمہ: جو مجھ پر میری قبر کے پاس آکر درود پڑھتا ہے میں اسے حقیقی طور پر سنتا ہوں۔ بلا واسطہ۔

(۳) ''انہ قد ثبت من صلی علیہ نائیا بلغہ و من صلی علیہ عند قبرہ سمعہ'' (مرقات ج ۳ ص ۵۲۵)

ترجمہ: یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جو شخص آپ ﷺ پر دور سے درود پڑھے وہ آپ کو پہنچایا جاتا ہے اور جس نے آپ کی قبر مبارک کے پاس درود پڑھا اسے آپ خود سنتے ہیں۔

(۴) ''ان الزائر اذا صلی و سلم علیہ عند قبرہ سمعہ سماعا حقیقیا و رد علیہ من غیر واسطۃ لما جاء عنہ بسند جید من صلی علیّ عند قبری سمعتہ و من صلی علی من بعید اعلمتہ''

(الدرۃ المضیۃ فی زیارۃ المصطفیٰ بیہ رسائل ملا علی قاری۔ منقول از تعلیم القرآن راولپنڈی)

ترجمہ: زائر جب آپ کی قبر کے پاس آکر آپ پر درود و سلام پڑھے تو آپ اسے حقیقۃً سنتے ہیں اور سلام کا جواب دیتے ہیں بلا واسطہ...... کیونکہ آنحضرت ﷺ سے سند جید کے ساتھ یہ بات پہنچی ہے کہ جو شخص میری قبر پر آکر مجھ پر درود پڑھتا ہے وہ میں خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

۱۰...... علامہ سید احمد طحطاوی ؒ (۱۲۳۳)

''فانہ یسمعھا ای اذا کانت بالقرب منہ ﷺ وتبلغ الیہ ای یبلغھا الملک الیہ اذا کان المصلی بعیدا'' (طحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۰۵ مصر)

۱۱...... قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (۱۲۲۵ھ) صاحب تفسیر المظہری

''انہ ﷺ قال من صلی علیّ عند قبری سمعتہ و من صلی علیّ غائبا بلغتہ'' (مظہری ج ۱۰ ص ۲۲۴)

۱۲...... شیخ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ

''انہ یسمع من یسلم علیہ'' (اتحاف النبلاء ص ۴۰۵)

ترجمہ: آپ اس درود کو جو آپ پر (قبر کے پاس) پڑھا جائے خود سنتے ہیں۔

مولانا اسمٰعیل غزنوی نے آپ کے اس رسالہ کا اردو میں ترجمہ کیا ہے اسے ان کے الفاظ میں پڑھیے:

ہمارا عقیدہ ہے کہ جب کوئی مسلمان آنحضرت ﷺ پر سلام کہے تو آپ اس کا سلام سنتے ہیں ص ۶۵۔

آل شیخ کے مقتدر عالم علامہ مجد شیخ محمد بن عبد اللطیف رقمطراز ہیں: ''ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ کا رتبہ تمام مخلوق سے بہتر ہے اور آپ اپنی قبر میں زندہ ہیں لیکن برزخی زندگی کے ساتھ، اور شہداء کی زندگی سے کہیں بہتر آپ کی زندگی ہے، اور آپ کی قبر پر جو آپ کو سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔'' (ترجمہ رسالہ از مولانا اسماعیل غزنوی ۱۹۲۷ء امرتسر)

۱۳...... حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ)

جو خود روضہ پر حاضر ہوں اور صلوٰۃ وسلام بالکل سامنے عرض کر رہے ہوں وہ صلوٰۃ وسلام آپ ﷺ خود سنتے ہیں۔ (دیکھئے السعی المشکور ص ۴۵۵)

روضہ اطہر پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھا جائے تو نبی کریم ﷺ خود سن کر جواب دیتے ہیں یہ مسئلہ سنت رسول اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ (ایضاً ص ۴۵۲)

۱۴...... نواب صدیق حسن خانؒ (۱۳۰۷ھ)

اسنادہ جید...... اس حدیث کی سند جید ہے۔ (الدلیل الطالب ص ۸۴۴)

۱۵...... حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ (۱۳۴۶ھ)

''مسجد نبوی کی حد میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت ﷺ خود سنتے ہیں۔''

(تذکرۃ الخلیل ۳۶)

ان تصریحات کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ حضور ﷺ کے اپنی قبر مبارک پر سلام سننے کو تلقی بالقبول کا درجہ حاصل ہے اور محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ تلقی بالقبول سے حدیث بلاشبہ لائق اعتماد ہو جاتی ہے۔ اس حدیث پر ابوالشیخ کی سند جید نہ بھی موجود ہوتی تو بھی بیہقی کی روایت تلقی بالقبول کے باعث لائق اعتماد ہے۔

محدث سہارنپوریؒ نے بذل المجہود ج ۳، ص ۱۱۷، اور ص ۱۲۰ پر اور المہند علی المفند میں اپنے اس عقیدہ کو بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے۔ ہمارے کرم فرماؤں نے المہند کے خلاف القول المسند فی رد المہند لکھ کر قوم کے سامنے بڑی بے کار بات پیش کی ہے۔ قرآن مجید میں ہے كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ (پ ۲۸، المنافقون ۴) مماتیوں کی باتیں بھی اسی طرح خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ہیں۔

۱۶...... حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ (۱۳۶۲ھ)

خود حضور ﷺ کا ارشاد مروی ہے کہ جو شخص میری قبر کے پاس درود پڑھتا ہے اس کو میں خود سنتا ہوں اور جو شخص دور سے درود بھیجتا ہے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے یعنی بذریعہ فرشتوں کے...... جیسا کہ مشکوٰۃ میں نسائی اور دارمی سے بروایت عبداللہ بن مسعودؓ آپ کا ارشاد مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ ملائکہ زمین میں سیاحت کرنے والے

مقرر ہیں کہ میری امت کی طرف سے مجھ کو سلام پہنچاتے ہیں۔

۱۷...... شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ (۱۳۶۹ھ)

''اخرجه ابو الشيخ في كتاب الثواب بسند جيد من صلى عليّ عند قبري سمعته و من صلى عليّ نائيا بلغته'' (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۳۰)

۱۸...... مولانا عبدالغفور غزنوی امرتسریؒ (......ھ) مترجم مشکوٰۃ

''آنحضرت ﷺ مع جسم صحیح و سالم ہیں اور قبر شریف میں زندہ ہیں اور جو کوئی قبر کے پاس درود یا سلام بھیجے تو آپ خود سن لیتے ہیں اور اگر دور سے درود بھیجے تو فرشتے آپ تک پہنچا دیتے ہیں۔ اہلحدیث کا بھی اعتقاد ہے۔'' (حاشیہ مشکوٰۃ باب الجمعہ ص ۴۰۱)

۱۹...... مولانا محمد عطاء اللہ حنیف صاحب التعلیقات السلفیہ

''انها احياء في قبورهم يصلون و قد قال النبي ﷺ من صلى عليّ عند قبري سمعته و من صلى علي نائيا بلغته'' (التعلیقات ج ۱ ص ۲۳۷)

ترجمہ: انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور وہ وہاں نمازیں بھی پڑھتے ہیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص میری قبر پر آکر مجھ پر درود پڑھے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

''واضح ہوا کہ عند القبر آنحضرت ﷺ صلوٰۃ و سلام کا سماع فرماتے ہیں اور بلوغ صلوٰۃ و سلام صحیح ہے اور اس بلوغ درود اور سلام کی کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔'' (تسکین القلوب ص ۱۰۵)

المبحث الخامس: علامہ ابن عبدالہادی کا اسے قبول کرنا

علامہ ابن عبدالہادی کی نظر ابوالشیخ کی سند پر نہیں گئی۔ ان کے پیش نظر امام بیہقی والی سند ہی تھی آپ نے محمد بن مروان سدی صغیر پر بڑی سخت جرح کی ہے۔ لیکن یہ بات تسلیم کیے بغیر انہیں بھی چارہ نہیں رہا کہ حضور ﷺ قریب سے عرض کیے گئے صلوٰۃ و سلام کو خود سنتے ہیں اور دور سے آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔ یوں سمجھئے کہ اگر ابوالشیخ والی سند نہ بھی ہوتی تو بیہقی کی روایت ان کے ہاں دوسرے شواہد کی روشنی میں تلقی بالقبول کا درجہ پا چکی تھی۔ کیا محدثین اور کیا فقہاء، کیا احناف اور کیا شوافع، کیا موالک اور کیا حنابلہ، پوری امت میں کوئی مقتدر عالم ایسا نہیں ملے گا جو حضور ﷺ کے عند القبر سماع بلا واسطہ کا قائل نہ ہو۔ فرشتے کا توسط صرف دور کے سماع کے لیے ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ علامہ طحاوی لکھتے ہیں: ''يبلغها الملك اذا كان المصلي بعيدا''

(طحاوی علی مراقی الفلاح ص ۴۰۵)

ترجمہ: فرشتہ اس صورت میں درود و سلام پہنچاتا ہے جب کہ درود بھیجنے والا قبر مبارک سے دور ہو

علامہ ابن عبدالہادی لکھتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں: ''وهو ﷺ يسمع السلام من القبر و تبلغه الملئكة الصلوٰة والسلام من البعد'' (الصارم المنکی ص ۲۰۵)

ترجمہ: اور آنحضرت ﷺ قبر مبارک سے سلام خود سنتے ہیں اور فرشتے وہ صلوٰۃ وسلام پہنچاتے ہیں جو دور سے پڑھا جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن عبد الہادی سماع عند القبر کے ہرگز منکر نہیں۔ آپ کو امت کی چودہ صدیوں میں ایک عالم ربانی ایسا نہیں ملے گا جو اہل سنت کہلائے اور حضور ﷺ کے سماع عند القبر بلا واسطہ کا منکر ہو۔

علامہ ابن عبد الہادی ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''فاما ذلک الحدیث و ان کان معناه صحیحا فاسناده لا یحتج به و انما یثبت معناه باحادیث اخر فانه لا یعرف الا من حدیث محمد بن مروان السدی صغیر عن الاعمش کما ظنه البیهقی و ما ظنه فی هذا هو متفق علیه'' (الصارم المنکی ص ۱۳۱)

ترجمہ: اور یہ حدیث اگرچہ اس کا معنی بالکل صحیح ہے لیکن اس کی سند ایسی نہیں جس سے احتجاج کیا جا سکے یہ معنی کہ حضور ﷺ اپنی قبر کے پاس سے سنتے ہیں دوسری احادیث سے ثابت ہوتا ہے کیونکہ یہ حدیث محمد بن مروان سدی صغیر عن الاعمش کے سوا اور کسی طریق سے معروف نہیں ہوئی جیسا کہ بیہقی کا خیال ہے اور اس کا جو خیال ہے وہ متفق علیہ ہے۔

امام بیہقی کی نظر میں اعمش سے صرف ابو عبد الرحمن محمد بن مروان یہ روایت لے رہا ہے انہیں معلوم نہیں کہ اعمش سے یہ حدیث ابو معاویہ نے بھی سنی تھی۔ اب اگر امام بیہقی کو اپنے اساتذہ سے اس ابو معاویہ کی روایت کا علم نہ ہوا ہو تو سچ کہیے اس میں ابو معاویہ جو صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں اور وہ کوفہ جیسے مرکز علم کے نہایت ممتاز محدث تھے ان کا کیا قصور ہے؟ کیا علم رکھنے والا شخص اس شخص پر حجت نہیں جسے علم نہ ہو؟

بیہقی کے طریق میں واقعی محمد بن مروان منفرد ہے اس کا کوئی متابع نہیں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ الحسن بن الصباح کے طریق میں بھی اس حدیث کو اعمش سے روایت کرنے والا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ ہاں بیہقی کا یہ گمان کہ محمد بن مروان منفرد ہے ان کے اپنے طریق اور علم کے مطابق درست ہے۔

اب کوئی شخص بیہقی کے طریق میں ابو معاویہ کو داخل کرے تو کیا یہ واقعی موضوع روایت نہ ہوگی، بیہقی کی سند میں علاء بن عمرو الحنفی محمد بن مروان اور وہ اعمش سے اس حدیث کا راوی ہے یہ سند محمد بن مروان کی وجہ سے واقعی ضعیف ہے گو یہ ضعف دوسرے شواہد سے دور ہو جاتا ہے لیکن اگر کوئی شخص یوں بیان کرے۔ علاء بن عمرو الحنفی عن ابی معاویہ عن الاعمش تو اسی سند کو موضوع کہنے سے چارہ نہیں رہے گا لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ امام بیہقی کی محمد بن مروان بن الاعمش والی سند موضوع ہے۔ وہ موضوع نہیں ضعیف ہے اگر یہ روایت موضوع ہوتی تو امام بیہقی اسے روایت کرنے کے بعد یہ نہ فرماتے: ''ابو عبد الرحمن هذا هو محمد بن مروان السدی فیما اری و فیه نظر و قد مضی ما یو کده'' (حیات الانبیاء للبیہقی ص ۱۲)

ترجمہ: یہ ابو عبد الرحمن جیسا کہ میں سمجھا ہوں محمد بن مروان سدی صغیر ہے اور اس کے لائق حجت ہونے میں کلام ہے اور وہ روایات پہلے بیان ہو چکیں جو اس روایت کی تائید کرتے ہیں۔

معلوم ہوا امام بیہقی کو پوری طرح معلوم ہے کہ محمد بن مروان پر کس طرح کی جرح ہے بایں ہمہ وہ اسے کلیۃ ترک نہیں کرتے۔ دوسرے شواہد سے اسے مؤکد کرتے ہیں اور یہی محدثین کا طریقہ ہے کہ وہ ایک سند کی کمزوری کو دوسرے قرائن سے منجبر کر لیتے ہیں پھر جب اس حدیث کے ظاہر معنی سے خود ابن عبد الہادی کو بھی انکار

نہیں تو اب کسی عالم کو اس سے انکار کی کیسے جرأت ہو سکتی ہے۔

سو یاد رکھیے! امام بیہقیؒ کی روایت فنی نقطہ نظر سے متروک نہیں، مؤکد ہے۔ علمائے حق کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ بیہقی کے الفاظ وقد مضٰی ما یؤکدہ کو کبھی نہ بھولیں اور بیہقی کی اس روایت کو ہرگز نہ چھوڑیں۔

امام بیہقی نے یہ حدیث اپنی کسی حدیث کی کتاب میں نہیں رسالہ "حیات الانبیاء" میں لکھی ہے اور اس وقت ان کا مقصد اس رسالہ سے کرامیہ کا رد تھا۔ آپ کا اس رسالے میں اس حدیث کو لانا بتلاتا ہے کہ آپ کے ہاں اس حدیث میں مخالفین کے سامنے حجت بننے کی صلاحیت موجود تھی۔ آپ نے اسناداً خود اس پر جرح کی اور معنًی خود اسے قبول کیا ہے اور کون ہے جو اس کا انکار کرے۔[1]

اہل سنت کے مختلف مسالک میں جو اختلاف ہے وہ فروع کا ہے اصول کا نہیں۔ کرامیہ اور معتزلہ شیعہ اور خوارج سے ہمارا اختلاف اصولی درجے کا ہے فروعی اختلاف خطاء اور صواب کے درمیان دائر ہوتا ہے مگر اصولی اختلاف میں ہمیشہ حق اور باطل کے فاصلے ہوتے ہیں۔

امام بیہقی سے اگر ہم نے فروع میں کبھی اختلاف کیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اصولی مسائل میں بھی ہم ان سے اختلاف کرنے لگیں اصولِ اسلام میں سب صحابہؓ، سب ائمہ اور سب علماءؒ ایک ہیں اور ہمارے یہ سب اسلاف اکابر اہل السنۃ والجماعۃ ہیں۔

ابوالشیخ کی سند تو امام بیہقی کی سند کے علاوہ ہے اور اس کے سب راوی سچے اور قابل اعتماد ہیں۔ محدثین نے اسے بالاتفاق جید مانا ہے مگر افسوس کہ اس پر ہمارے کرم فرما یہ بحث لے اڑے: جید ہی تو کہا ہے صحیح نہیں کہا بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔

جید اور صحیح میں فرق

امام ابن الصلاح (۶۴۳ھ) اصولِ حدیث کے مسلم امام ہیں مقدمہ ابن الصلاح اس فن میں آپ کا شاہکار ہے وہ لکھتے ہیں کہ صحیح اور جید ایک ہی درجے میں ہیں۔ علامہ بلقینی اسے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "من ذلک یعلم ان الجودۃ یعبر بھا عن الصحۃ"　(تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۷۸)

ترجمہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کے صحیح ہونے کو جید ہونے سے بھی تعبیر کر دیا جاتا ہے۔

امام ترمذیؒ جس طرح مختلف احادیث پر حسن صحیح کا حکم لگاتے ہیں آپ نے اپنی سنن کے ابواب الطب میں ایک جگہ یہ تعبیر بھی اختیار کی ہے: "ھذا حدیث جید غریب"　(جامع ترمذی ج ۱ ص ۵۹)

دعوئ غرابت اور اس کی وضاحت

حافظ ابن قیمؒ نے ابوالشیخ کی روایت کو غریب کہا ہے۔ اس سے بھی یہ ہمارے کرم فرما اس حدیث کو اس نظر

---

[1] محدث ابن عبدالبر (۴۶۳ھ) ایسے موقع پر حدیث پر صحت کا حکم لگاتے ہیں قاضی شوکانی ان سے ایک بحث نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "ثم حکم ابن عبد البر مع ذلک بصحتہ لتلقی العلماء لہ بالقبول فردہ من حیث الاسناد و قبلہ من حیث المعنی"　(نیل الاوطار ج ۱ ص ۱۷)

سے دیکھتے ہیں جس سے ہمارے دور کا استعمار پرست غریبوں کو دیکھتا ہے اور اس کی نظر میں غریب ہونا واقعی ایک عجیب ہے۔ پھر غرابت کبھی سند میں ہوتی ہے کبھی متن میں ہمارے یہ مہربان اس کی بھی کچھ وضاحت نہیں کرتے۔

اس حدیث کی اکثر روایات میں ابلغتہ یا بلغتہ کے الفاظ ہیں متن مشکوٰۃ اور اس کے حاشیہ میں بیہقی کی روایت میں نسخہ کے اختلاف کا نشان موجود ہے لیکن ابوالشیخ کی روایت میں اعلمتہ (مجھے اس کا علم دیا جاتا ہے) کے الفاظ ہیں۔ ابلغتہ میں ملائکہ واسطہ بنتے ہیں اور اعلمتہ میں یہ ضروری نہیں۔

ہم عرض کرتے ہیں جب دوسری روایات میں ابلغتہ کے الفاظ موجود ہیں تو یہاں اعلمتہ کے الفاظ کو بھی اسی معنی میں لیا جائے گا اور یہ غرابت کوئی مضر نہیں۔ حدیث صحیح اور غریب میں تباین نہیں۔ مشکوٰۃ تو ہر طالب علم کے پاس موجود ہوتی ہے اس کا مقدمہ جو حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا لکھا ہے، اسے ہی اٹھا کر دیکھ لیں: ''ان الغرابة لاتنافی الصحة'' حدیث کا غریب ہونا اس کے صحیح ہونے کے منافی نہیں۔ کیا صحیح بخاری میں آپ نے یہ الفاظ نہیں دیکھے: ''فرفع النبی ﷺ یدیه وقال الله اکبر خربت خیبر ... قال ابو عبد الله دع فرفع یدیه فانی اخشی ان لاتکون محفوظا وان کان فیه فرفع یدیه فانه غریب جدا'' (صحیح بخاری ج۱ ص۵۱۴)

حاصل کلام یہ ہے کہ محمد بن مروان سدی صغیر جو امام بیہقی کی سند کا راوی ہے اس پر مشتمل سند کو کمزور تو کہا جا سکتا ہے موضوع نہیں اور ابوالشیخ کی سند تو بالاتفاق جید ہے۔ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ۱۹۶۷ء کی اکتوبر کی اشاعت میں ہے: ''اس حدیث کی جو سند سدی صغیر پر مشتمل ہے اس کو بوجہ راوی مذکور کے کمزور کہا جائے گا اور جس سند میں یہ راوی نہیں وہ کمزور نہیں ہے...... ملا علی قاری الحنفیؒ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔ قال میرک نقلا عن الشیخ ورواه ابوالشیخ...... باسناد جید۔'' (ماہنامہ تعلیم القرآن ص۴۸)

اہل سنت کا موقف تو ہم آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں آپ کو کوئی جلیل القدر عالم اس کا مخالف نظر نہ آئے گا۔ ہاں کسی خطیب اور واعظ کی آواز اس کے خلاف سنائی دے تو ہمارے عوام کی بھی تو کچھ ذمہ داری ہے کہ وہ آواز اور خطابت کے دام میں نہ آئیں۔ محدث جلیل ملا علی قاری ﷫ فرماتے ہیں راہ سنت کی مخالفت درست نہیں:

''وفیه اشعار بان من خالف السنة وان کان فی الظاهر مزینا خطیبا مکرما عند الناس فهو فی الحقیقة نجس اخس من الکلب'' (مرقات شرح مشکوٰۃ ج۲ ص۷۴۔ ماخوذ از حیات الانبیاء ص۱۴۲)

ترجمہ: اور اس میں اس طرف راہنمائی ہے کہ جو شخص طریق اہل سنت کی مخالفت کرے گو ظاہراً وہ بڑا بنا ٹھنا اور کتنا بڑا خطیب کیوں نہ ہو اور اپنے لوگوں میں اس کا مقام بھی ہو، حقیقت میں وہ نجس ہے اور وہ کتے سے بھی زیادہ خسیس ہے۔

یہ ابوالشیخ کی سند جید نہ بھی ہوتی تو اصولاً بیہقی کی کمزور سند بھی لائق اعتماد تھی اس لیے کہ اونچے درجے کے علماء (فقہاء کرام) جس بات کو بالاتفاق قبول کر لیں وہ دوسروں کے لیے حجت ہو جاتی ہے اور فقہا کی قبولیت سے اس کا ضعف اٹھ جاتا ہے۔

(۱) حافظ ابوبکر الجصاص الرازی (۳۷۰ھ) ایسی ہی ایک روایت پر لکھتے ہیں: ''ان الفقهاء قد تلقت هذا الحدیث بالقبول وعملوا به فثبت حجته بقبولهم له کقوله ﷺ لا وصیة لوارث''

(احکام القرآن ج۲ ص۴۲۵)

(۲) حافظ ابن عبد البر المالکی (۴۶۳ھ) بھی اس اصول پر ایک ضعیف حدیث کو معتمد ٹھہراتے ہیں۔ قاضی شوکانی ایک بحث میں لکھتے ہیں: "ثم حکم ابن عبد البر مع ذلک بصحته لتلقی العلماء له بالقبول"

(نیل الاوطار ج۱ ص ۲۴)

ترجمہ: اس ضعف کے باوجود علامہ ابن عبد البر نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ کیونکہ علماء کی ایک جماعت اسے قبول کر چکی ہے۔

(۳) علامہ ابن عبد الہادی (۷۴۴ھ) حدیث من صلی علی عند قبری کو ضعیف کہتے ہیں (گو ہم ان سے اس بات پر متفق نہیں) لیکن وہ اس کے معنی سے بوجہ تلقی بالقبول پوری طرح متفق ہیں۔(دیکھئے الصارم المنکی ص ۱۰۳) حدیث کی سند کا متکلم فیہ ہونا اور بات ہے اور خود حدیث کا غلط ہونا اور بات ہے اگر ان دونوں میں تلازم ہوتا تو محدثین کے ہاں تلقی بالقبول سے کبھی کوئی حدیث اعتماد کا درجہ نہ پاتی...... تاہم یہاں ہمیں اس اصول کو سامنے لانے کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ یہ حدیث ایک دوسرے طریق میں (ابوالشیخ کے طریق سے) جید سند کے ساتھ موجود ہے اور اس کے جید السند ہونے کا علمائے کبار کی ایک بڑی جماعت نے اقرار کیا ہے۔

المبحث السادس: ارشاد العوام لعرض الصلوٰة والسلام

آنحضرت ﷺ کی خدمت میں صلوٰۃ وسلام علی خیر الانام عرض کرنے کے لیے حاضری ہو اور مومن یہ سعادت پالے کہ اس کی آواز حضور ﷺ کی سماعت کے شرف سے مشرف ہو جائے تو وہ اسے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری سمجھے۔ یہ تصور لے کر نہ آئے کہ وہ ایک میت کے لیے دعا کرنے آیا ہے۔ یہ صحیح ہے حضور ﷺ پر وفات آئی، آپ پر اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ کا وعدہ پورا ہوا۔ لیکن اب آپ میت نہیں ہیں، بعد الوفات زندہ ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے حضور ﷺ کی قبر کی زیارت کی اور یہ سمجھے کہ حضور ﷺ اس قبر میں میت ہیں تو امام مالکؒ کے نزدیک ایسا کہنا مکروہ تحریمی ہے کیونکہ صورت حال یہ نہیں، حضور اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والے کا صلوٰۃ وسلام خود سنتے ہیں۔

ائمہ اربعہ میں فروع واحکام کے اختلافات تو ہیں، اصول وعقائد میں چاروں امام اہل السنۃ والجماعت میں سے ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں اور ان مجتہدین کا عقیدہ ہم مقلدین پر حجت ہے۔ علامہ سمہودیؒ حضرت امام مالکؒ کا فتوے نقل کرتے ہیں: "نقل عن الامام مالک انه کان یکره ان یقول رجل زرت قبر النبی ﷺ قال ابن رشد من اتباعه ان الکراهة لغلبة الزیارة فی الموتی وهو ﷺ احیاه الله تعالیٰ بعد موته حیاة تامة"

(وفاء الوفاء ج۲ ص ۴۱۳ مصر)

ترجمہ: حضرت امام مالک (۱۷۹ھ) سے منقول ہے آپ اسے مکروہ جانتے تھے کہ کوئی شخص کہے میں نے نبی پاک ﷺ کی قبر کی زیارت کی ہے۔

ابن رشد مالکی کہتے ہیں یہ کراہت اس لیے ہے کہ زیارت کا لفظ عام طور پر موتی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور نبی پاک ﷺ کو تو اللہ تعالیٰ نے وفات کے بعد ایک کامل زندگی سے نواز رکھا ہے (ان کے لیے زیارت کا لفظ کیوں؟)

فقہا احناف احتیاطاً اس مقام پر زیارۃ النبی ﷺ یا زیارۃ الرسول کا عنوان اختیار فرماتے ہیں یہ حاضری قبر پر حاضری نہیں، آپ کی خدمت میں حاضری ہے۔ اور نہیں تو نورالایضاح جو عام دینی مدارس میں داخل نصاب ہے۔ اسی میں دیکھ لیجئے: ''ینبغی لمن قصد زیارۃ النبی ﷺ ان یکثر من الصلوٰۃ علیہ فانہ یسمعھا''

(نورالایضاح ص ۱۸۸ الطحاوی ص ۴۰۵)

ترجمہ: جو شخص نبی ﷺ کی زیارت چاہے اسے چاہیے کہ حضور ﷺ پر کثرت سے درود پڑھے کیونکہ حضور ﷺ اسے سنتے ہیں۔

پھر جب آپ میت نہیں تو آپ کے روضے اطہر پر حاضری آپ کی خدمت میں حاضری ہے۔ حضور ﷺ کی خدمت میں بایں تصور جانا کہ حضور ﷺ میرے لیے اللہ رب العزت سے مغفرت کی دعا کریں بالکل جائز ہے حضور ﷺ کی اس دنیا کی زندگی میں آپ کی خدمت میں حاضری کا ایک موضوع یہ بھی تھا: ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا'' (پ ۵، النساء ۶۴)

ترجمہ: اور جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو یہ آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے استغفار کریں اور اللہ کے رسول بھی ان کے لیے استغفار چاہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو بہت توبہ قبول کرنے والا بہت مہربان پائیں گے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''جو رسول اللہ ﷺ کی زیارت کے لیے آیا وہ اس وقت حضور ﷺ کی ہمسائیگی میں ہے یہ اسی صورت میں متصور ہے کہ وہ حضور ﷺ کو روضہ انور میں حیات سمجھے۔''

(جذب القلوب ص ۱۸۰ فارسی)

محدث کبیر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں: ''فثبت ان حکم الآیۃ باق بعد وفاتہ ﷺ''

(اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳۰ قدیم)

ترجمہ: ثابت ہوا کہ اس آیت کا حکم حضور ﷺ کی وفات کے بعد بھی باقی ہے۔

حضور ﷺ کی قبر مبارک پر حاضری کی تمنا کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔ بحرالعلوم عبدالعلی یہ دعا بایں الفاظ لکھتے ہیں: ''وارزقنی من زیارۃ رسولک ﷺ'' (رسائل الارکان ص ۲۸۰)

ترجمہ: اور مجھے اپنے رسول پاک ﷺ کی زیارت نصیب فرما۔

سو جب یہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری ہے تو وہاں صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کے ساتھ حسب آیت کریمہ واستغفر لھم الرسول استغفار کی گزارش بھی بلاتردد جائز ہوگی اور شفاعت کے لیے عرض کسی طرح بے جا نہ ہوگی۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں: ''فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت پیغمبر کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے لیے کافی ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۰)

محقق علی الاطلاق حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) نے قبر اطہر پر حاضری کے ایسے آداب بتائے ہیں کہ یہ قبر پر حاضری نہ رہے اس میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری کی جھلک آجائے۔ اس صورت میں قبر کی زیارت کے الفاظ موجب کراہت نہ رہیں گے کیونکہ حکم کی علت جاتی رہی۔ آپ لکھتے ہیں کہ تیرا چہرہ قبر کی طرف رہے اور تو کہہ السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ...... اور یہ اس تصور کے ساتھ کہ حضور ﷺ قبر شریف میں اپنی دائیں کروٹ پر لیٹے ہوئے ہیں...... اور آپ پر کثرت سے درود شریف پڑھے اور یہاں تک کہ توبہ کرے اور آنسو نکل آئیں:

"ویجتهد فی خروج الدمع فانه من امارات القبول وینبغی ان یتصدق بشئی علیٰ جیران النبی ﷺ ثم ینصرف متباکیا متحسرا علی الفراق الحضرة النبویة والقرب منها ثم یسئل النبی ﷺ الشفاعة یقول یا رسول اللہ! اسئلک الشفاعة یا رسول اللہ! اسئلک الشفاعة واتوسل بک الی اللہ ان اموت مسلما علی ملتک وسنتک ویذکر کل ما کان من قبیل استعطاف" (فتح القدیر ج ۲، ص ۳۳۷)

ترجمہ: اور وہ آنسو لانے میں جہد کرے یہ آنسو دعا کی قبولیت کے آثار ہیں اور یہ بھی چاہیے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ہمسایوں پر کچھ صدقہ کرے...... پھر وہ روتا ہوا وہاں سے رخصت ہو۔ دربار نبوت کی جدائی اس پر گراں اور اس کا قرب اس کا تقاضا ہو، پھر وہ نبی کریم ﷺ سے یوں شفاعت کی درخواست کرے: اے اللہ کے رسول! میں آپ سے شفاعت کا طلب گار ہوں اور میں آپ کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کے حضور لاتا ہوں کہ میں آپ کے دین پر اور آپ کی سنت پر مسلمان رہتے مروں اور ہر وہ بات یاد کرے جس سے نرمی اور نیاز مندی میں اضافہ ہوتا ہو۔

امام ابن ہمامؒ نے اس سے پہلے سیدنا عبداللہ بن عمرؓ (۷۳ھ) کی یہ حدیث نقل کی ہے: "روی ابو حنیفة رحمہ اللہ فی مسنده عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال من السنة ان تأتی قبر النبی ﷺ من قبل القبلة وتجعل ظهرک الی القبلة وتستقبل القبر بوجهک ثم تقول السلام علیک ایها النبی ورحمة اللہ وبرکاته" (ایضاً ص ۳۳۶)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں سنت یہی چلی آرہی ہے کہ تم حضور ﷺ کی قبر مبارک پر قبلہ کی طرف سے آؤ تمہاری پشت قبلہ کی طرف رہے، اور قبر مبارک سامنے ہو اور پھر وہاں سلام عرض کرو۔

سو امام ابن ہمامؒ کا مذکور فتویٰ بلا اصل نہیں ہے اسے ایک جلیل القدر صحابیؓ کی سند حاصل ہے۔

قبر مبارک پر حاضری کے بعد اور اس طلب شفاعت کے وقت یہ نہ سمجھے کہ یہ غائبانہ پکار ہے اسے غائبانہ پکار کہا جائے تو یہ شرک ہوگا۔ یہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ روضہ انور پر عرض کی گئی بات حضور ﷺ خود سنتے ہیں۔ ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی کی ستمبر ۱۹۵۹ء کی اشاعت میں ہے۔

عند القبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع بلاشبہ ثابت ہے خصوصا سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ ہی نہیں۔

اللّٰھم صل وسلم علیہ الصلوٰۃ والسلام دائمین

ھذا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم!

(مولانا) عبدالرشید مفتی دار العلوم تعلیم القرآن راولپنڈی "الجواب الصحیح"

۲۷/صفر ۱۳۷۹ھ لاشئی (مولانا) غلام اللہ خاں

مہر دار الافتاء

حضور ﷺ کی خدمت میں سلام عرض کرنے کے کلمات

امتی جس ادا سے اور جن الفاظ عقیدت سے سلام عرض کرے جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی بات پیرایہ شریعت کے خلاف نہ ہو، لیکن جو کلمات علمائے محققین نے لکھ دیئے ان سے سلام کہے تو بہتر ہے:

حافظ ابن ہمام الاسکندری نے یہ چھ سلام لکھے ہیں:

(۱) السلام علیک یارسول اللہ　　(۲) السلام علیک یا خیر خلق اللہ

(۳) السلام علیک یا خیرۃ اللہ من جمیع خلقہ (۴) السلام علیک یا حبیب اللہ

(۵) السلام علیک یا سید ولد ادم　　(۶) السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پھر امتی اپنے عقیدہ توحید ورسالت کا اقرار، حضور ﷺ کی عبدیت کا اقرار اور حضور ﷺ کے احسانات کا بایں طور اعتراف کرے اور پھر اللہ تعالیٰ سے آپ کے حق میں دعا کرے: "یارسول اللہ انی اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ... وانک عبدہ ورسولہ... واشھد انک یارسول اللہ قد بلغت الرسالۃ وادیت الامانہ ونصحت الامۃ وکشفت الضمۃ فجزاک اللہ عنا خیرا اجزاک اللہ عنا افضل ما جازی نبیا عن امتہ۔ اَللّٰھُمَّ اعط سیدنا عبدک ورسولک محمدنِ الوسیلۃ والفضیلۃ والدرجۃ العالیۃ الرفیعۃ وابعثہ المقام المحمود الذی وعدتہ وانزلہ المنزل المقرب عندک انک سبحانک ذو الفضل العظیم!

اس کے بعد اپنے لیے رقت کے پیرایہ میں اور چھلکتے آنسوؤں سے شفاعت کی درخواست کرے اور اپنے اندر ایسی کیفیت پیدا کرے کہ حضور! یہ امتی اب آپ کے بغیر کس منہ سے اللہ کے حضور حاضر ہو۔ آپ اس دن میری شفاعت فرمائیں جس دن شفاعت کبریٰ کے مقام پر آپ کے سوا کوئی نہ آسکے گا۔

امتی پھر ان دوستوں کی طرف سے بھی سلام عرض کرے جنہوں نے قبر اطہر میں سلام عرض کرنے کے لیے کہا تھا اور خالی جگہ میں اس کا نام مع ولدیت کے ذکر کرے۔

السلام علیک یارسول اللہ من............ بن............

گنبدِ خضریٰ کے سب مکینوں پر سلام ہو؟

حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں کہ اب شیخین کریمین سیدنا ابوبکرؓ اور سیدنا حضرت عمرؓ پر بھی سلام عرض کرے یہ حضرات گو انبیاء میں سے نہیں کہ ان کا قبر پر سننا قطعی ہو لیکن بایں سبب کہ حضور ﷺ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا خمیر ایک مٹی سے ہوا۔ کمارواہ الخطیب اس لیے یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ یہ حضرات بھی گنبد خضریٰ پر عرض گئے سلام کو سنتے ہیں اور مسلمانوں کو چاہیے کہ وہاں حاضری پر ان بزرگوں پر بھی سلام عرض کریں ابن ہمامؒ لکھتے ہیں: "یہاں تک کہ ان دونوں حضرات کو نبی اکرم ﷺ کے حضور واسطہ بنانا بھی درست ہے۔"

(اقسام حج ج ۱ ص ۲۸۲)

اوروں کا سلام بھی عرض کرسکتا ہے۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "ویبلغہ سلام من اوصاہ فیقول السلام علیک یارسول اللہ من فلان ابن فلان یستشفع بک الی ربک فاشفع لہ ولجمیع المسلمین" (فتاویٰ عالمگیری ج ۱، ص ۲۸۲)

ترجمہ: اور زائر حضور ﷺ کو اس کا سلام پہنچائے جس نے اس زائر کو اس کے لیے کہا ہو اور اسے اس طرح عرض کرے: حضور! فلاں بیٹا فلاں کا سلام عرض کرتا ہے اور آپ سے شفاعت کے لیے عرض کرتا ہے۔

انبیاء تو بالاتفاق سنتے ہیں لیکن اوروں کے بعد الوفات اپنی قبروں پر سننے کی بات اس طرح قطعی نہیں ہے۔ اس اختلاف میں ہم ان حضرات کے ساتھ ہیں جو کاملین اور شہداء وصالحین کو نبوت کے سائے میں جگہ دیتے ہیں

اور جو دوست اس سے متفق نہیں، انہیں یہ کہنے کا حق نہیں کہ ان کے عدم سماع کا قول اسلام میں قطعی اور یقینی درجہ رکھتا ہے اگر یہ بات اس طرح ہوتی تو یہ مسئلہ کبھی اختلافی نہ ہوتا۔ حالانکہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ لکھتے ہیں: ''قبر کے پاس جا کر کہے کہ اے فلاں تم میرے واسطے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میرا کام کر دے اس میں اختلاف علماء کا ہے مجوز سماع موتی اس کے مقر ہیں اور مانعین سماع منع کرتے ہیں سو اس کا فیصلہ اب کرنا محال ہے مگر انبیاء علیہم السلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اسی وجہ سے ان کو مستثنیٰ کیا ہے اور دلیل جواز یہ ہے کہ فقہاء نے بعد سلام کے وقت زیارتِ قبر کے شفاعتِ مغفرت کا لکھا ہے پس یہ جواز کے لیے کافی ہے۔'' (فتاویٰ رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۰)

ہمارے دور کے کرّ امی حضرات نے اپنے اس موقف کو قطعیت دینے کے لیے اس پر قرآن کریم کی اس آیت کا معارضہ ڈالا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ مرحومین نہیں سنتے اور قبر پر صلوٰۃ وسلام سنے جانے کی روایات قطعی طور پر قرآن کے خلاف ہیں، نامناسب نہ ہوگا کہ چلتے ہوئے ہم اس معارضے کو بھی اٹھاتے جائیں۔

''اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ'' (پ ۲۲، فاطر ۱۴)

ترجمہ: اگر تم ان کو پکارو، نہیں سنیں گے تمہاری پکار اور اگر سن بھی لیں تو نہ پہنچیں تمہارے کام پر اور قیامت کے دن وہ منکر ہوں گے تمہارے شریک ٹھہرانے سے اور کوئی نہ بتلائے تجھے جیسے ذات خبیر تجھے بتلا رہی ہے۔

''وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ''

(پ ۲۶، الاحقاف ۴)

ترجمہ: اور اس سے زیادہ گمراہ کون ہے جو پکارے اللہ کے سوا کسی ایسے کو جو نہ پہنچ سکے اس کی پکار کو قیامت کے دن تک اور انہیں ان کے پکارنے کی بھی خبر نہیں۔

(۱) ان دونوں آیتوں میں کہیں پاس سے سننے کی نفی نہیں ...... دونوں جگہ پکار سننے کی نفی ہے، پکار کسے کہتے ہیں دور سے بلانے کو...... دور سے تو پیغمبروں پر بھی صلوٰۃ وسلام عرض کریں تو اسے فرشتے پہنچاتے ہیں وہ خود نہیں سنتے ...... سو ان آیتوں سے حضور ﷺ کی قبر مبارک پر عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو نہ سنے جانے کے معرض میں لانا اور ان سے ان کے اسے سننے کی نفی کرنا کس قدر درست ہو سکتا ہے، یہ بات کسی پڑھے لکھے سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ اہل علم کے ہاں اس کا کچھ وزن نہیں۔ جاہلوں میں بیٹھ کر کسی خطیب کا ان آیتوں کو جھوم جھوم کر پڑھنا اور اسے حضور ﷺ کے سماع عند القبر کی نفی پر دلیل لانا کتنی بڑی جرأت ہے۔

فليبك على الاسلام من كان باكيا وليست باول قارورة كسرت فى الاسلام

(۲) پھر ان تدعوھم سے براہ راست انبیاء شہداء مراد لینا اور یہ کہ وہ کہیں بھی سنتے نہیں کیا یہی ان آیات کا موضوع ہے یا مفسرین حضرات نے ان میں جمادات کو بھی داخل کیا ہے جن میں روح کبھی آئی ہی نہیں اگر ایسا ہے تو ان کا مصداق صرف انبیاء و اولیاء اور شہداء کو ٹھہرانا سلف صالحین کا کیا یہی طریق تھا۔ اس پر بھی کچھ غور فرمالیں۔

کیا تفسیر مدارک ج ۴ ص ۱۴۰ پر ان میں بتوں کا ذکر نہیں؟ کیا تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۵۵ میں یہ نہیں لکھا۔ لانها جمادات لا ارواح لها۔ کیا روح المعانی میں ان آیات کے تحت اصنام کا تذکرہ نہیں؟

قاضی شوکانی کو لیجئے لکونها جمادات تفسیر فتح القدیر ج ۴ ص ۳۴۳ کیا آپ کے سامنے نہیں؟

مفسر حقانی نے لکھا ہے: ''اگر تم ان کو پکارو، وہ تمہارا پکارنا نہیں سنتے کس لیے کہ جمادات بے حس و حرکت ہیں۔'' (تفسیر حقانی ج ۶، ص ۱۲۸)

کرامی ان آیات میں یہ معنی اس لیے بیان نہیں کرتے کہ اس سے لایسمعوا دعآئکم کی بتوں پر دلالت انہیں اس مغالطہ دہی میں کامیاب نہ ہونے دے گی کہ حضور ﷺ اپنے روضہ پر عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو نہیں سنتے۔

(۳) پھر غافلون کا یہ معنی کرنا کہ ''انہیں پتہ ہی نہیں ان کی پکار کا'' کیا صحیح ترجمہ ہے یا مراد یہ ہے کہ انہیں دھیان نہیں، خبر نہیں۔ قرآن کریم کی اس آیت میں غفلت کے معنی کیا ہیں؟

''لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ'' (پ ۲۶ ق، ع ۲)

ترجمہ: تو بے خبر رہا اس دن سے سو ہم نے اٹھادیا تیرا پردہ سو آج تیری نگاہ بہت تیز ہے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ لکھتے ہیں: ''تیری آنکھوں کے سامنے شہوات و خواہشات کا اندھیر چھایا ہوا تھا پیغمبر جو سمجھاتے تھے تجھے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا آج ہم نے تیری آنکھ سے وہ پردے ہٹادیئے۔'' (تفسیر عثمانی ص ۶۷۳)

سو اس آیت میں غفلت کا معنی یہ نہیں کہ پتہ ہی نہ ہو، یہاں نفی دھیان اور توجہ کی ہے۔ دھیان کی نفی اور شعور کی نفی اس سے ہوتی ہے جو فی الواقع زندہ ہو مگر ادھر دھیان نہ ہو۔

اللہ کے سوا تم جن کو پکارتے رہے ہو وہ مورد موت ہیں یا اصلاً بے جان ہیں، جن میں حیات کبھی آئی ہی نہیں اور انہیں خبر تک نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے ''وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ'' (پ ۱۴، النحل ۲۱)

''وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غٰفِلُونَ'' سے کیا یہ نہیں سمجھا جاسکتا کہ انہیں کوئی اس طرف دھیان نہیں۔ اسے نہ سننے کی دلیل بنانا اور اسے اس پر قطعی الدلالۃ ٹھہرانا معلوم نہیں کون سی شان علم ہے؟ کفار سنتے تو تھے، دھیان نہیں دیتے تھے۔ اسی پر انہیں کہا گیا۔ ''لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا''

افسوس! کرامی حضرات وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غٰفِلُونَ کا ترجمہ کرتے اس آیت لَقَدْ كُنتَ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا کو یکسر بھول جاتے ہیں۔

یاد رکھیے! آیات کے عمومات سے دعویٰ ابطالِ احادیث کا یہ طریقہ کبھی بھی اہل حق کا طریق نہیں رہا، سب سے پہلے معتزلہ آئے جنہوں نے یہ ہتھیار اٹھایا اور آج انہی کی شاخ کرامیہ اسی راہ سے حدیث کا مذاق اڑا رہی ہے۔

ہم بصمیم قلب یقین رکھتے ہیں کہ حضور ﷺ روضہ پر عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود سنتے ہیں اور دور سے پڑھا آپ کو پہنچایا جاتا ہے اور کرامی حضرات آپ کے نفی سماع پر جو آیات پیش کرتے ہیں ان آیات میں انبیاء کرام علیہم السلام کے عند القبر سماع کی ہرگز نفی نہیں ہے۔ ہاں یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ وہ وہی کچھ سنتے ہیں جو اللہ چاہے اور وہی کچھ کرسکتے ہیں جو اللہ چاہے اور آپ پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے والے اسی عقیدے سے آپ پر صلوٰۃ وسلام عرض کرتے ہیں، ہماری آواز آپ کی سماعت سے مشرف ہو اس سے بڑھ کر ہم کس سعادت کی تلاش میں ہیں؟

حضرت مولانا حسین علی مرحوم حضور ﷺ کے سماع عند القبر کے ہرگز منکر نہ تھے، وہ کرامی نہ تھے۔ آپ کے خلیفہ اعظم حضرت مولانا نصیر الدین غورغشتوی اپنے ایک خط میں جو ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ستمبر ۱۹۶۰ء میں چھپا ہے لکھتے ہیں: ''میں اور مولانا غلام اللہ خان عقیدہ میں متفق ہیں۔ میں بھی نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد برزخی

حیات کا قائل ہوں اور وہ بھی برزخی حیات کے قائل ہیں میں یہ کہتا ہوں کہ روضہ پاک کے قرب میں جب درود جہرا پڑھا جائے تو نبی سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں اور جناب مولانا غلام اللہ خاں صاحب نے بھی اپنے ماہنامہ تعلیم القرآن میں یہ لکھا ہے میرا بھی یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی چیز ذات اور صفات میں شریک نہیں اور ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ ہر شخص کی ندا کو ہر وقت سننا اور ہر جگہ سے سننا۔ الخ''

مولانا عبدالرحمن جامی حضور ﷺ کے روضہ پر حاضری دیتے تو درود وسلام کے علاوہ بھی کئی باتیں رقت میں کہہ گزرتے اور جواب بھی سنتے۔ بوقت واپسی عرض کرتے: ''خواجہ! بسفرے روم چہ فرمائی'' (آقا! میں اب چلتا ہوں، کیا اجازت ہے)

جواب ملتا ہے: ''بسلامت روے و باز آئی'' (سلامتی سے جائیں اور پھر یہاں آئیں)

ایک سال صرف یہ جواب ملا ''بسلامت روی'' پھر آنے کی بات نہ کہی اور واقعات نے بتایا کہ یہ آخری حاضری تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صرف درود وسلام ہی نہیں سنتے نعت بھی سن لیتے ہیں اور عرضداشت بھی، اور یہ سب سننا اور سنوانا اللہ رب العزت کے دست قدرت میں ہے اور آپ کی دعا سے سنا جا رہا ہے۔

مولانا عبدالرحمن جامیؒ کی بات اگر آپ کو پسند نہیں تو صحابی رسول حضرت بلال بن الحارثؓ (۶۰ھ) کا واقعہ تو آپ سے مخفی نہ ہوگا۔ آپ نے حضور ﷺ کی قبر مبارک پر حاضری دیتے ہوئے آپ سے بارش ہونے کے لیے دعا کرنے کو کہا۔ انہوں نے بھی روضہ اطہر پر حضور اکرم کو یا رسول اللہ کہہ کر خطاب کیا: ''یا رسول اللہ! استسق لامتک فانهم هلكوا'' (تحریرات حدیث حضرت مولانا حسین علی مرحوم ص ۲۵۵)

ترجمہ: یا رسول اللہ! آپ اپنی امت کے لیے بارش کی دعا فرمائیں وہ ہلاک ہو رہے ہیں۔

پھر حضور اکرم ﷺ اس صحابی کو خواب میں ملے اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں بارش کی دعا قبول کر لی ہے۔ یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کا ہے۔ ابن خلدون کہتے ہیں ۱۸ھ کا ہے۔ آپ نے حضرت بلال بن الحارثؓ کو یہ بھی فرمایا: ''ائت عمر فاقرأه السلام واخبره انهم مسقون'' (وفاء الوفاء للسمہودی ج ۲ ص ۲۴۱)

ترجمہ: آپ عمر کے پاس جائیں اور اسے میرا سلام کہیں اور بتائیں کہ لوگ بارش سے سیراب ہوں گے۔

معلوم ہوا صحابہؓ روضہ انور پر صرف صلوٰۃ وسلام ہی نہیں کہتے تھے کوئی اور عرضداشت (بارش طلبی ہو یا شفاعت طلبی) پیش کرنا ممنوع نہیں جانتے تھے اور خطاب کے پیرایہ میں آپ پر سلام پڑھتے تھے۔

تحقیق حدیث حضرت بلال بن الحارثؓ

یہ حدیث جو حضرت مولانا حسین علی مرحوم نے پیش کی ہے حضرت امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے دلائل النبوت میں نقل کی ہے اور اسے ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) نے بھی روایت کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے یہ روایت ابو معاویہ محمد بن خازم سے لی ہے اور یہ وہی سند ہے جو حدیث من صلی علی عند قبری سمعته کی بطریق ابی الشیخ ہم پیش کر آئے ہیں۔

ابو معاویہ محمد بن الخازم (۱۹۸ھ) اعمش (۱۴۸ھ) ابو صالح ذکوان السمان

اس حدیث کو ابو صالح حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتا ہے اور وہ اس حدیث کو حضرت ملک الدار سے نقل کرتا ہے حضرت ملک الدار کو علامہ ذہبی صحابہ میں شمار کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ نے حضرت ابو بکر اور حضرت عمر اور حضرت بلال بن الحارثؓ کا دور پایا ہے سو یہ سند متصل ہے اور اس کے جملہ راوی ثقہ اور قابل اعتماد ہیں۔

ابن جریر الطبری (۳۱۰ھ) نے تاریخ الملوک والامم ج ۴ ص ۹۸ میں اسے نقل کیا ہے۔ پھر امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے اسے سند صحیح سے روایت کیا ہے۔ پھر علامہ ابن اثیر جزری (۶۳۰ھ) نے اپنی تاریخ الکامل ج ۲ ص ۵۵۶ میں اس کی تصدیق کی ہے۔ آئیے! اب آپ کو آٹھویں صدی میں لے چلیں۔ علامہ سبکی نے شفاء السقام ص ۱۳۰ میں اس کی شہادت دی ہے۔ پھر حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) نے امام بیہقی کی روایت البدایہ میں پوری سند سے نقل کی ہے اور لکھا ہے۔ ''ھذا اسناد صحیح'' (البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۹۲)

ابن ابی شیبہ کی سند کی حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) پوری تصدیق کرتے ہیں: ''رواہ ابن ابی شیبۃ باسناد صحیح من روایۃ ابی صالح السمان'' (فتح الباری ج ۳ ص ۱۴۸)

پھر علامہ سمہودی (۹۱۱ھ) نے وفاء الوفاء میں اس واقعہ کی تصدیق کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ (ج ۲ ص ۴۱۰)

روضہ انور پر سلام بہ پیرایہ خطاب

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ جب حضور اکرم ﷺ کے روضہ پر حاضری دیتے تو یوں سلام عرض کرتے: ''السلام علیک یارسول اللہ'' (المصنف لعبدالرزاق ج ۳، ص ۵۷۶، المصنف لابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۳۸)

اور شیخین کریمینؓ پر بھی یوں سلام پڑھتے: ''السلام علیک یا ابابکر... السلام علیک یا ابتاہ''

***

الباب الثانی وفیہ خمسۃ فصول

الفصل الاوّل: مسلک خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

شان ورود خطبہ حضرت ابوبکر صدیق

حضور پیغمبر خاتم کی احادیث شریفہ روضۂ منورہ کی حیات جسمانی کے بیان میں یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آچکیں اب اس باب میں افضل البشر بعد الانبیاء سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کا عقیدہ بھی ملاحظہ ہو۔ وفات النبی ﷺ کا سب سے پہلا اعلان بھی حضرت صدیق اکبرؓ ہی کی زبان فیض ترجمان سے صادر ہوا تھا۔ اب اس کے بعد کی حیات النبی ﷺ کا فیصلہ بھی اسی خطبہ صدیقی میں ملاحظہ کیجئے۔ ان سے بڑھ کر اور کون فطرت نبوت کا نبض شناس تھا یا ہوسکتا ہے پہلے شان ورود دیکھئے۔

نزول وحی کے وقت آنحضرت ﷺ پر کچھ ایسی کیفیات وارد ہوتی تھیں کہ اس دنیا کے احساسات کچھ وقت کے لیے منقطع ہو جاتے تھے اور قلب منور پوری طرح عالم بالا کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا۔ ان انکشافات میں بظاہر غشی

وغیرہ کا گمان ہونے لگتا اور اتمام وحی کے بعد آپ پھر اس کیفیت ملکی سے کیفیت بشری کی طرف منتقل ہو جاتے۔ جب روح الامین آپ کے قلب مبارک پر نزول فرماتے تو ایسی کیفیات اکثر وارد ہوتی تھیں۔

آنحضرت ﷺ پر جب اذاقۃ موت کا وعدہ الٰہیہ پورا ہوا تو بعض صحابہؓ نے اس ورودِ وفات کو مذکورہ سابقہ غشی خیال کیا اور گمان کیا کہ ابھی کار نبوت کے کچھ اہم امور باقی ہیں۔

آپ انہیں سرانجام دینے کے بعد ہی اس دنیا سے انتقال فرمائیں گے۔ بنابریں انہوں نے نہایت سختی سے کہا کہ کوئی آپ پر وفات شریفہ کے وارد ہونے کی بات نہ کرے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ:

(۱) کیا وہ لوگ انتہائے غم میں جذبات سے مغلوب ہو کر ایسے خیالات قائم کر رہے تھے؟ یا

(۲) ان کا اعتقاد ہی یہ تھا کہ حضور پر ورودِ موت کبھی نہ ہوگا؟ اور یا

(۳) انہیں ورود موت کی پہچان نہ تھی، کیفیت ورودِ موت اور آثار موت کا کوئی تجربہ نہ رکھتے تھے؟ یا

(۴) اس انکار موت کا منشاء و مبنی کچھ اور تھا؟

جب ہم حضرت فاروق اعظمؓ جیسے ذکی الطبع سلیم الحس اور بیدار مغز انسان کو بھی اسی صف میں کھڑا دیکھتے ہیں، تو پھر ہمیں اور زیادہ غور و فکر سے سوچنا پڑتا ہے کہ آخر اس انکار موت کا سبب کیا تھا؟

جہاں تک پہلے احتمال کا تعلق ہے کہ شاید وہ لوگ انتہائے غم میں جذبات سے مغلوب ہو کر ایسے خیالات قائم کر رہے تھے۔ یہ ہرگز صحیح نہیں! اگر غلبہ محبت ہی اس کا باعث تھا تو حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سب سے پہلے ان جذبات کی رو میں بہ جاتیں پھر حضرت فاروق اعظمؓ جیسے مدبر اور نزاکت شناس سے بالکل مغلوب الحال ہو جانے کی توقع بھی کیسے ہو سکتی ہے۔ نیز ان کا استدلالی پہلو کہ ابھی کار نبوت کے کچھ اہم امور باقی ہیں خود اس بات کا پتہ دے رہا ہے کہ ان کے حواس میں اختلال ہرگز نہ تھا ورنہ یہاں وہ کوئی اجتہاد کرتے نظر نہ آتے۔ خود فرماتے ہیں: ''واللہ ان کنت اظن انہ ﷺ سیبقی فی امتہ حتی یشھد علیہ باخر اعمالھا وانہ ھو الذی حملنی علی ان قلت ماقلت'' (رواہ البیہقی وراجع لہ تفسیر ''وکذلک جعلناکم امۃ وسطا'')

اگر دوسرے احتمال کو جگہ دیجئے کہ شاید ان کے اعتقاد میں حضور ﷺ پر ورودِ موت کبھی ہونا ہی نہ تھا، یعنی وہ حیات بلا وفات کے قائل تھے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ اس لیے کہ اس انکار وفات کی جو وجہ حضرت فاروق اعظمؓ سے منقول ہے وہ خود اس کی تردید کرتی ہے۔ ثانیاً حضرت فاروق اعظم خود حافظ قرآن تھے۔ ''اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ... اَفَائِنْ مَاتَ اَوْ قُتِلَ'' وغیرہما من الآیات ان سے مخفی نہ تھیں، پورے قرآن کی تلاوت ان کے شب و روز کا وظیفہ تھا۔ ان کا علم و فہم بھی کچھ مشتبہ نہ تھا۔ ان کا اعتقاد یہ تھا کہ آپ پر یقیناً لذت موت کا وعدہ الٰہیہ پورا ہوگا۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ارشاد فرماتے ہیں: ''باید دانست کہ قصہ دلالت می کند برآں کہ فاروقؓ می دانست کہ موت برآں حضرت شدنی است پس مخالف آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ اعتقاد نہ کردہ بود، لیکن گمان می کرد کہ آنچہ واقع شدہ است موت نیست بلکہ تعطیل حواس ظاہر است۔'' (قرۃ العینین ص ۲۷۰ مطبوعہ دہلی)

ل ''ما مات رسول اللہ ﷺ ولا یموت حتی یقتل المنافقین (ابن ابی شیبۃ کما فی القسطلانی) فلیقطعن ایدی رجال وارجلھم'' (بخاری ج ۱ ص ۵۱۷)

ترجمہ: معلوم ہونا چاہیے کہ حضرت فاروق اعظمؓ یہ جانتے تھے کہ ورودِ موت آنحضرت پر ہونا ہی ہے۔ پس ان کا اعتقاد آیت اِنَّکَ مَیِّتٌ الخ کے خلاف ہرگز نہ تھا، لیکن وہ خیال کررہے تھے کہ یہ صورت پیش افتادہ موت نہیں، بلکہ صرف آثار حیات روک لیے گئے ہیں۔ یعنی جو کچھ واقع ہوا تھا اسے وہ موت قرار نہیں دیتے تھے۔

اگر تیسرا احتمال سامنے رکھئے کہ انہیں ورودِ موت کی پہچان نہ تھی، تو یہ بھی قرین قیاس نہیں...... ماحول عرب سے کچھ کم آشنا نہ تھے۔ ہزاروں انسانوں کو انہوں نے مرتے دیکھا تھا موت کی کیفیات بھی کچھ ان سے مخفی نہ تھیں اور ایسے مواقع کی نزاکت کا بھی انہیں کوئی کم تجربہ نہ تھا۔

پھر آخر ان کا وقوع موت سے انکار کیوں تھا؟ اس کا سبب اور منشاء کیا ہے؟

حقیقت الامر

بات دراصل یہ تھی کہ جس طرح نزول وحی کی بعض کیفیات میں اس دنیا کے احساسات سے تعطل ہو جاتا تھا، مگر حیات کی نفی نہ ہوتی تھی۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ پر ورود وفات کچھ ایسے طریق سے ہوا کہ حیات کلیۃً منفی نہ ہوئی تھی، صرف آثار حیات سلب ہو گئے تھے (اور یہ بھی اس لیے تھا کہ عالم برزخ میں انتقال ہو سکے اور پردہ قبر میں تشریف لے جا سکیں) حضرت فاروق اعظمؓ کی نگاہیں اس حیات قلب تک پہنچ رہی تھیں، جو زیر پردہ مستور تھی (آخر محدثیت کا مقام کچھ کم منبع عرفان نہ تھا) اور اس کے ہوتے ہوئے وہ وقوع موت کا ادراک نہ کر سکے تھے۔ اس وجود حیات کو اس ورودِ وفات سے تطبیق دینا ان کے لیے مشکل ہو رہا تھا۔

آنحضرت ﷺ کی وفات کے متعلق ان کا اعتقاد یہی تھا کہ آپ پر بھی اسی طرح موت آئے گی، جس طرح کہ عام دوسرے انسانوں پر وارد ہوتی ہے اور چونکہ صورت پیش افتادہ اور حالت واقعہ ایسی نہ تھی، اس لیے وہ آپ پر ورودِ وفات کا یقین نہ کر سکے اور خیال کیا کہ یہ مرحلہ ابھی باقی ہے پیشتر ازیں وہ آیت شریفہ اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ کے پیش نظر آپ ﷺ پر قرائن موت کا تتبع نہ کر سکے تھے۔

پھر جب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس صورت پیش افتادہ اور کیفیت واقعہ ہی کو وفات النبی ﷺ کہا اور آیات قرآنیہ، جن میں آپ ﷺ پر ورودِ وفات کی پیشگوئیوں یا امکان کا بیان تھا۔ ان کا منشاء اسی قسم کی حالت کو قرار دیا تو اب حضرت عمر فاروقؓ سمجھے کہ آیاتِ مذکورہ اپنے عمومی مفہوم میں نہ تھیں اور انہیں شرح صدر ہو گیا کہ ان آیات شریفہ کا منشاء وفات النبی ﷺ کے متعلق کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ان آیات کا مفہوم مجھ پر یوں منکشف ہوا؟

''گویا کہ میں نے پہلے وہ آیات پڑھی ہی نہ تھیں۔''

مقام غور ہے کہ اگر یہ آیات شریفہ اپنے اسی عام مفہوم میں ہوتیں، جیسا کہ ابتدائی سطح میں متبادر ہوتا ہے، تو صحابہ کرامؓ بالخصوص حضرت فاروق اعظمؓ ان آیات کے متعلق اتنا اہم اعلان نہ فرماتے۔ حضور ﷺ کے متعلق وعدۂ موت اگر انہی معنوں میں ہوتا جن میں کہ موت عام ماحول عرب میں متعارف تھی تو حضرت فاروق اعظمؓ حافظ قرآن اور نہایت ذکی الطبع ہوتے ہوئے یہ ہرگز ارشاد نہ فرماتے: ''کانی لم اقرأھا الا یومئذ'' (بخاری شریف ج ۲، ص ۶۴۰)

ترجمہ: گویا کہ وہ آیات میں نے اس دن کے سوا کبھی پڑھی ہی نہ تھیں۔

بات صاف ہے کہ آنحضرت ﷺ پر وفات شریفہ کا ورود کچھ ایسے طریق سے ہوا، جو عام دوسرے انسانوں سے مختلف تھا۔ آپ کے جسد میت سے قرائن موت کچھ ایسے جلی نہ تھے کہ کسی کو شک کی گنجائش نہ مل سکے۔

آپ پر کچھ ایسی کیفیات تھیں کہ موت کا یقین نہ ہوتا تھا اسی کیفیت نے جو زیر پردہ مستور تھی، اشتباہ پیدا کر رکھا تھا، جن کے خیال میں اس کیفیت کی قرائن موت سے تطبیق محال تھی وہ ان قرائن کو غشی سمجھتے رہے کہ کیونکہ ان کے حاشیہ فکر میں موت کے صرف وہی معنی تھے جو عام طور پر معروف ہیں اور جس مقدس ہستی کو راز دار نبوت ہونے کا شرف حاصل تھا اس نے اس کیفیت باطنہ کو جو زیر پردہ مستور تھی، ورود وفات سے متصادم وہم نہ کیا تھا۔ اس وجود حیات اور وقوع وفات میں کوئی تعارض خیال نہ کیا، اعلان فرمایا: ''فان محمدا اقدمات'' (بخاری شریف ج ۲، ص ۶۴۰)

ترجمہ: حضور ﷺ موت کا ذائقہ چکھ چکے ہیں۔

جب حضرت صدیق اکبرؓ نے اس صورت پیش افتادہ ہی کو وفات پیغمبر قرار دے دیا، تو پھر حضرت فاروق اعظمؓ نے آپ پر قرائن موت کا تتبع شروع کیا اور بالآخر ورود وفات کے قائل ہو گئے۔ باقی سب صحابہؓ نے بھی اسے تسلیم کر لیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ''معنی قول او کانی لم اسمعها ایں ست کہ استماع ایں آیت مائل گردانید او را بہ تتبع قرائن و پیش از یں میلان بآں نداشت'' (قرۃ العینین ص ۲۷۰)

ترجمہ: آپ کے اس ارشاد ''گویا کہ یہ آیت میں نے پہلے سنی نہ تھی'' کا مطلب یہی ہے کہ اس آیت کے استماع نے انہیں تتبع قرائن کی طرف متوجہ کر دیا (کہ یہ صورت پیش افتادہ ہی اس آیت شریفہ کا مورد ہے) اور پیش تر ازیں آپ کا (اس آیت کے) اس معنی کی طرف دھیان نہ تھا۔

حجۃ الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حضرت عمرؓ کے انکار وفات کو عام جذبات محبت پر محمول نہیں کیا بلکہ اس میں ایک نہایت دقیق گہرائی معلوم کی ہے۔ صورت پیش افتادہ میں ان حضرات کریمین کا یہ اختلاف کہ یہ موت ہے یا غشی اور پھر حضرت عمرؓ کا تتبع قرائن سے اسے آیت اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ سے منطبق کرنا بتلاتا ہے کہ یہ موت کوئی عام اموات کی طرح نہ تھی، کچھ مختلف تھی ورنہ اول وہلہ میں یہ اختلاف کسی طرح نہ ہوتا۔

حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ آپ پر موت اسی طرح آئے گی جس طرح عام دوسرے انسانوں پر آتی ہے اس لیے ہنوز وہ نہیں آئی۔ جو کچھ پیش آیا ہے وہ کچھ اور ہے حضرت ابوبکر صدیقؓ سمجھتے تھے کہ وفات پر بھی آپ کی خوشبو کا اسی طرح پھیلے رہنا جس طرح کہ آپ کی دنیا کے حین حیات تھی آپ کی ایک جدا قسم کی موت کا پتہ دیتا ہے اور بالآخر اسی پر آپ کے اِس عالم سے اُس عالم میں منتقل ہونے کا اقرار کرنا ہوگا جو حضرت عمرؓ نے بھی بالآخر کر لیا اور اسی پر سب صحابہؓ کا اجماع ہو گیا۔

سو جس طرح ورود وفات پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہو گیا اسی طرح یہ بھی ایک اجماعی حقیقت قرار پائی کہ آپ کی وفات سے وہ معاملہ ہرگز نہ کیا گیا جو عام ایسے دوسرے موقعوں پر کیا جاتا ہے صحابہ کرامؓ نے اس موت کی نوعیت عام انسانوں سے کچھ مختلف سمجھی اور آپ کو جی دفن کرنا ضروری نہ سمجھا۔

آپ کی وفات لطیفہ کے مختلف ہونے کی روشن شہادتیں

اختصاصات لوفات سید الکائنات

۱...... تنوع موت پر پہلی شہادت

کہ صحابہ کرامؓ نے اجماعاً آپ کی وفات سے دوسری اموات والا معاملہ نہ کیا۔

(۱) آپ کو آخری غسل پہلے پہنے ہوئے کپڑوں ہی میں دیا گیا کرتہ تک جسد اطہر سے نہ اتارا گیا۔

(۲) نماز جنازہ بھی عام اموات مسلمین کی طرح نہیں پڑھی گئی بلکہ اسے کسی دوسرے طریق سے ادا کیا گیا، بلکہ بعض روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ معروف نماز جنازہ کی بجائے صرف صلوٰۃ وسلام عرض کیا گیا اور آپ کے احسانات کے اعتراف کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے دعا کی گئی۔

(۳) اور اس سے بڑھ کر یہ کہ مُردوں کے دفن کرنے کے بارے میں تاخیر نہ کرنے کا جو عام تاکیدی حکم شریعت میں ہے، اس کے خلاف قریباً پونے دو دن گزر جانے کے بعد آپ ﷺ کو دفن کیا گیا اور اس غیر معمولی تاخیر میں کوئی حرج نہ سمجھا گیا اور کوئی اندیشہ محسوس نہیں کیا گیا اور کسی ایک صحابیؓ نے بھی اس معاملہ میں جی کرنے کا تقاضا نہ کیا۔

(۴) پھر آپ کی ایک خاص ہدایت کے مطابق آپ کی پہلی زندگی کے عزیز مسکن، یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ ہی کو آپ کا مدفن اور آپ کی دائمی آرام گاہ بنادیا گیا اور آپ اسی میں دفن کیے گئے۔

(۵) اسی طرح آپ کی ایک ہدایت کے مطابق آپ ﷺ کی املاک میں ترکہ اور وراثت کا عام قانون جاری نہیں کیا گیا بلکہ آپ کی حیات طیبہ میں ان کا جو مصرف اور نظام تھا وہی بدستور قائم رکھا گیا اور وہ خلافت کی تولیت میں رہیں اور وہ نظام باقی رکھا گیا جو پہلے سے چلا آرہا تھا۔

(۶) اسی طرح آپ کی ازواج مطہرات ﷢ کا یہ حق سمجھا گیا کہ وہ اپنے مسکونہ حجروں کو تازیست اپنے استعمال میں رکھیں اور رسول اللہ ﷺ کے املاک سے اپنا نفقہ تاحیات حاصل کرتی رہیں جیسا کہ حضور ﷺ کے سامنے ان کو یہ دونوں حق حاصل تھے۔ حالانکہ کسی مسلمان کے مرنے کے بعد اس کی بیوہ کے یہ حقوق صرف عدت کی مختصر مدت تک رہتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم ان واقعات کی روشنی ارشاد فرماتے ہیں: ''ان سب استثنائی اور اختصاصی احکام ومعاملات سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کی نوعیت دوسرے تمام لوگوں کی موت سے بہت کچھ مختلف ہے اور ہمیں نہیں سمجھ آتا کہ اتنی بات سے ہمارے حلقے کے کسی صاحب علم کو اختلاف ہوگا''

۲...... تنوعِ موت پر دوسری شہادت

سوال: کیا موت کے علاوہ اور کوئی کیفیت بھی ہے جو اس کی طرح تمام زندہ انسانوں پر وارد ہوتی ہے؟ اس کے متعلق پتہ کیجئے کہ کیا شریعت مطہرہ نے اس کے معنوں میں بھی تنوع پیدا کیا ہے اور انبیاء کو غیر انبیاء سے اس باب میں بھی ممتاز فرمایا ہے؟

جواب: ہاں نیند بھی موت کی طرح تمام زندہ انسانوں کی فطرت ہے اور تمام زندہ انسانوں پر وارد ہوتی ہے چنانچہ کہا گیا ہے: ''النوم اخو الموت[1]''

ترجمہ: نیند موت کی بہن ہے۔

---

[1] جاء فی الحدیث النوم اخو الموت (فیض الباری ج ا ص ۱۸۳ مصر) براجع حدیث النوم اخو الموت ولا یموت اہل الجنۃ من الجامع الصغیر (تحیۃ الاسلام للشیخ الانور ص ۲۳) وکذلک فی کتاب الروح (ص ۵۳، والتعلیقات علی النبراس ص ۳۲۲)

اگر انبیاء اور غیر میں ''تنوع نیند'' ثابت ہے تو ہر دو طبقوں میں ''تنوع موت'' کیسے ثابت نہ ہو گا۔
آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ان عینی تناماں ولا ینام قلبی'' (رواہ الشیخان)
ترجمہ: میری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سوتا، وہ بیدار رہتا ہے۔
ایک مرسل روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: ''انا معاشر الانبیاء تنام اعیننا ولا تنام قلوبنا''
(اخرجہ ابن السعد کمافی الخصائص)
ترجمہ: ہم لوگ جو انبیاء ہیں ہماری صرف آنکھیں سوتی ہیں، دل نہیں سویا کرتے۔
''وکذلک الانبیاء تنام عیناھم ولا تنام قلوبھم'' (بخاری)
ترجمہ: انبیاء کرام کی صرف آنکھیں سویا کرتی ہیں دل نہیں سوتے۔
خاتم المحدثین مولانا السید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''عدم نقض الوضوء بالنوم من خصائص الانبیاء'' (العرف الشذی ص ۵۰)
ترجمہ: سونے سے وضوء نہ ٹوٹنا یہ انبیاء کرام کی خصوصیت ہے۔
انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ شان ہے کہ اس نیند کی حالت میں بھی ان کے ادراکات جاری رہتے ہیں۔ ان کے ادراکات کی نوعیت بھی ہمارے ادراک کی نوعیت سے مختلف ہے۔ نیند کی طرح ادراک میں بھی تنوع ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی نیند کے ادراکات بھی ایک قسم کی وحی سمجھے جاتے ہیں رؤیا الانبیاء وحی (ترمذی) میں اس کی تصدیق ہے۔ انبیاء کی نیند اور دوسروں کی نیند میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ ان کے منامی ادراکات بھی وحی کا مقام رکھتے ہیں۔ حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں: ''کنالا نوقظ نبی اللہ ﷺ من منامہ اذا نام حتی یستیقظ'' (صحیح مسلم ج ۱ ص ۲۴۰)
ترجمہ: ہم آنحضرت ﷺ کو نیند سے کبھی نہ جگاتے تھے جب تک کہ خود نہ بیدار ہو جاتے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے تو حضرت یوشع بن نون ان کے ساتھ تھے جب عین منزل مقصود پر پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آنکھ لگ گئی، حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا: ''لا أوقظہ'' (بخاری ج ۲ ص ۶۸۹)
ترجمہ: میں آپ کو بیدار نہیں کروں گا۔
انبیاء کو خواب استراحت سے اس لیے نہیں اٹھایا جاتا کہ معلوم نہیں ان پر کیا اسرار منکشف ہو رہے ہوں کیوں ان کے لیے سبب حرج بنا جائے۔ شیخ الاسلام مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنیؒ لکھتے ہیں: ''پھر جب ان کی نیند صرف آنکھوں تک محدود ہوتی ہے تو اس سے ان کی موت کا بھی کچھ اندازہ کر لینا چاہیے۔ کیونکہ النوم اخو الموت مشہور ہے، وہ بھی نیند کی طرح ان پر طاری ضرور ہوتی ہے، مگر عام بشر کی موت کی طرح نہیں یہاں بھی ان کو بڑا امتیاز حاصل ہوتا ہے۔ حتی کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان پر زندہ کا اطلاق آیا ہے۔'' (ترجمان السنۃ ج ۳، ص ۲۵۸)
سیرت کی کتابوں میں اک باب ہے رحلت کا کم فہم سمجھتے ہیں، ہے موت یہ ہم جیسی
ان حقائق کی روشنی میں غور فرمایئے کہ تنوع موت کا انکار اور پھر اسے شرعی مدارک چھوڑ کر احداث فی اللغۃ کے الزام سے رد کرنا کون سی شان تحقیق ہے۔ تنوع موت کا پتہ چلانے کے لیے تنوع حیات کر لیجئے۔ موت اگر حیات کی ضد ہے تو تنوع حیات سے تنوع موت کیسے لازم نہ آئے گا۔ علامہ راغب فرماتے ہیں: ''الحیاۃ تستعمل علی اوجہ'' (المفردات ص ۱۳۸)

لفظ حیات، کلام عرب میں کئی معنوں میں آتا ہے اسے تسلیم نہ کرنا یہ کوئی علم کی خدمت نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب وعِلمہ اتم واحکم فی کل باب!

اعتقاد الصدیق لحیات الرفیق ﷺ

آنحضرت ﷺ پر جب وفات شریف وارد ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ مقام سخ میں تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے کہا: ''ما مات رسول اللہ ﷺ''

ترجمہ: آنحضرت ﷺ پر جو حالت وارد ہے وہ ہرگز موت نہیں۔

بعد میں حضرت عمرؓ خود فرماتے تھے: ''واللہ ما کان یقع فی نفسی الا ذاک''

ترجمہ: خدا کی قسم! میرے دل میں یہی بات اتری تھی۔

حضرت ابوبکرؓ تشریف لائے تو آپ نے حضور انور ﷺ کے چہرہ مبارک سے چادر اٹھائی آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور بے اختیار رو پڑے اور حضور ﷺ کو مخاطب کر کے کہا: ''بأبي أنت وأمي طب حيا وميتا والذي نفسي بيده لا يذيقک اللہ الموتتين ابداً'' (بخاری ج ۱ ص ۵۱۷)

ترجمہ: میرے ماں باپ آپ پر قربان آپ حیات وموت دونوں کیفیتوں میں کیسے خوشبو دے رہے ہیں، کیسے پاکیزہ ہیں۔ اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا (یعنی آپ پر اب موت نہیں آئے گی)

یہ کب کہا جاتا ہے؟ جب اس میں پہلی موت کے بعد پھر حیات آ چکی ہو کہ اب اس پر موت کبھی نہ آئے گی۔ حضور پر اگر اس وقت حیات نہ اتری تھی تو آئندہ موت نہ آنے کا موقف کیسے قائم ہو گیا۔ کاش کہ ہمارے کرم فرما کرامی اسے سمجھ پاتے۔

''اما الموتة التی کتب اللہ علیک فقد متها'' (بخاری کتاب الجنائز ج ۱، ص ۱۶۶)

ترجمہ: جو موت اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے لکھی تھی وہ آپ پر وارد ہو چکی۔

ابن ابی شیبہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے آتے ہوئے حضرت عمرؓ کی یہ بات سن لی تھی کہ آنحضرت ﷺ پر جو صورت حال پیش ہے، وہ موت نہیں ہے: ''فکشف عن وجهه ثم اکب علیه فقبله وبکی ثم قال بابی انت وامی واللہ لا یجمع اللہ علیک موتتین اما الموتة التی کتبت علیها فقد متها''

(صحیح بخاری کتاب المغازی ج ۲، ص ۶۴۰)

ترجمہ: پس آپ نے حضور ﷺ کے چہرہ سے کپڑا اٹھایا، آپ پر جھک پڑے، بوسہ دیا، اور رو پڑے۔ پھر فرمایا میرے ماں باپ آپ پر قربان، خدا کی قسم اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی نہ جمع کرے گا۔ جو موت کہ آپ کے لیے لکھی گئی تھی آپ اس کا ذائقہ چکھ چکے۔

یہاں تین امور پیش نظر رہیں:

اولاً: کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے کسی خاص قسم کی موت لکھی تھی کہ اس کا اس خصوصیت سے تذکرہ کیا جا رہا ہے؟

ثانیاً: میرے ماں باپ آپ پر قربان، عربوں کے محاورات میں یہ جملہ کیا اموات محضہ کے لیے آتا ہے یا اس دعاو تصدیق کے لیے من وجہ حیات لازم ہے؟

ثالثاً: یہاں جمع موتتین میں دو موتوں سے کیا مراد ہے؟ ہم یہاں صرف تیسرے بحث کی تفصیل کرتے ہیں۔

مفہوم موتتین کی تعیین

''لا یجمع اللہ علیک موتتین '' (اللہ تعالیٰ آپ پر دو موتیں کبھی جمع نہ کریں گے) اس کی شرح میں مختلف باتیں کہی جاتیں ہیں۔ فکر و نظر سے ان کا جائزہ لینا چاہیے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ارشاد صدیقی ؓ حضرت عمرؓ کی تردید کے لیے تھا کیونکہ اگر اس صورت پیش کو موت نہ کہا جائے تو لازم آتا ہے کہ آپ پر موت کبھی آئے گی اور اس طرح گویا کہ آپ پر دو موتیں وارد ہوئیں۔ اس کے نفی کرتے ہوئے حضرت ابو بکرؓ نے آنحضرت ﷺ پر ورود وفات ثابت فرمایا۔

جواباً عرض ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کے اس ارشاد و لا یجمع اللہ علیک موتتین کا یہ مفہوم ہرگز نہیں۔ حضرت عمرؓ کے پہلے خیال کے مطابق اگر اس صورت پیش افتادہ کو موت نہ کہا جائے اور اس لزوم کو بھی مان لیا جائے کہ اس صورت میں آنحضرت ﷺ پر پھر کبھی ورود وفات ہوگا تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ حضرت عمرؓ کے خیال کے مطابق حضور ﷺ پر دو موتیں جمع ہو رہی ہیں، جس کی تردید کی ضرورت حضرت صدیق اکبرؓ کو پیش آئی تھی؟ اس لیے کہ جب پہلی صورت ان کے خیال میں موت ہی نہیں، تو پھر آئندہ کے ورود موت سے دو موتوں کا اجتماع کیسے لازم آیا؟ اور اگر پہلے ورود موت ہو چکا ہے تو اس پر یہ لزوم کیسے لا جا سکتا ہے کہ اس صورت میں آپ پر موت پھر کبھی آئے گی۔

لا یجمع علیک موتتین تو اسی ذہن پر کچھ اثر ڈال سکتا ہے جو پہلے ورود موت کا قائل ہوا اور صورت پیش افتادہ کو موت یقین کر رہا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ اس پہلی ہی وفات کے قائل نہ تھے۔ پس ان کے خیال کے مطابق پھر کبھی موت واقع ہونے سے دو موتوں کا اجتماع ہرگز لازم نہیں آتا کہ حضرت صدیق اکبرؓ اس کی تردید فرما رہے ہوں۔ جب حضرت عمرؓ پہلی موت ہی کے قائل نہیں تو ان کی تردید کے لیے یہ جملہ مذکورہ کیسے کار فرما ہو سکتا ہے[1]۔ اس جملہ بلیغہ کا مطلب یقیناً وہی ہے جو شیخ الاسلام علامہ عینیؒ بیان فرما رہے ہیں: ''اراد بالموتتین الموت فی الدنیا والموت فی القبر وھما موتتان المعروفتان المشھورتان فلذلک ذکرھما بالتعریف وھما موتتان الواقعتان لکل احد غیر الانبیاء علیھم السلام فانھم لایموتون فی قبورھم بل ھم احیاء واما سائر الخلق فانھم یموتون فی القبور ثم یحیون یوم القیمۃ ومذھب اھل السنۃ والجماعۃ ان فی القبر حیوۃ وموتا فلابد من ذوق الموتتین لکل احد غیر الانبیاء'' (عینی شرح بخاری ج ۷، ص ۶۰۰ مصر)

---

[1] بخاری کے حاشیہ پر علامہ کرمانیؒ کا یہ قول بے شک لکھا ہے: قالہ ابوبکر ردالما قالہ عمر (ج ۱ ص ۱۶۶) لیکن ج ۲، ص ۶۴۰ کے حاشیہ میں کچھ اور اقوال بھی لکھے ہیں اور اس قول اول کو واضح کہنے کے باوجود اسے قیل کے ساتھ لکھا ہے۔ ہمیں بہت تعجب تھا کہ علامہ کرمانیؒ جیسے فاضل یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ غور کرنے سے پتہ چلا کہ حضرت عمرؓ کے خیال کی تردید میں چونکہ اگلا خطبہ تھا اور یہ جملہ تمہید میں آ گیا تھا اس لیے علامہ کرمانیؒ نے اگلے خطبہ کے پیش نظر اس کو بھی تردید ہی میں ذکر کر دیا ہے چنانچہ علامہ کرمانیؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔ فیہ تمھید لردمقالۃ عمر (حاشیہ بخاری ص ۵۱۷) محدث سہارنپوریؒ کا اصل فیصلہ اسی جگہ پر ہے۔

ترجمہ: دو موتوں سے مراد ایک اس دنیا کی موت اور دوسری قبر کی موت ہے، اور یہ دونوں موتیں تعلیماتِ اسلام میں معروف ہیں اور اسی لیے انہیں معرفہ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ دونوں موتیں انبیاء کے سوا باقی ہر ایک انسان کو پیش آتی ہیں۔ انبیاء کو اپنی قبور میں پھر دوسری موت نہیں آتی بلکہ وہ وہاں زندہ رہتے ہیں ان کے علاوہ باقی عام لوگوں پر (سوال و جواب کے بعد) پھر قبر میں ورودِ موت ہوتا ہے۔ اس کے بعد انہیں زندگی قیامت کو ملتی ہے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا مذہب یہی ہے کہ ماسوائے انبیاء کے باقی سب کے لیے قبر میں موت و حیات دونوں ہیں۔ پس ہر کسی نے دو موتوں کا ذائقہ چکھنا ہے۔

خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ منکرین حیات کا جواب دیتے ہوئے ایک جواب کے بعد ارشاد فرماتے ہیں: ''واحسن من ھذا الجواب ان یقال ان حیاتہ فی القبر لا یعقبھا موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورھم ولعل ھذا ھو الحکمۃ فی تعریف الموتتین حیث قال لا یذیقک اللہ الموتتین ای المعروفتین المشھورتین الواقعتین لکل احد غیر الانبیاء'' (فتح الباری ج ۷، ص ۲۲ مصر۔ پ ۱۴ ص ۳۶۴ دہلی)

ترجمہ: احسن ترین جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو اپنی قبر شریف میں پھر ایسی حیات دائمہ حاصل ہو چکی ہے کہ اب اس کے بعد پھر کبھی ورودِ موت نہ ہوگا اور انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ ارشاد نبوت میں موتتین کو الف لام سے لایا گیا ہے پس یہ دونوں موتیں (ایک اسی دنیا میں دوسری قبر میں) انبیاء کے سوا باقی ہر انسان پر وارد ہوئی ہیں۔

شیخ الاسلام علامہ نور الحق محدث دہلویؒ شارح بخاری لکھتے ہیں: ''لا یذیقک اللہ الموتتین ابدا، یعنی بعد از موت بحیات ابدی زندہ خواہی بود از آں کہ وے رضی اللہ عنہ، دانستہ بود کہ انبیاء در عالم برزخ زندہ اند بخلاف سائر مسلماناں کہ در وقت سوال منکر ونکیر زندہ می کنند، آں بارا بازمی میرانند، چنانکہ در تفسیر اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ گفتہ اند'' (تیسیر القاری شرح صحیح بخاری ج ۳، ص ۴۲۵)

ترجمہ: ارشادِ نبوت کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دو موتوں کا ذائقہ کبھی نہ چکھائے گا۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ وفات شریفہ وارد ہو چکنے کے بعد پھر آپ ہمیشہ کی زندگی پائیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ کا عقیدہ تھا کہ انبیائے کرام عالم برزخ میں زندہ ہوتے ہیں باقی عام مسلمان منکر ونکیر کے سوالات کے لیے اپنی اپنی قبروں میں زندہ کیے جاتے ہیں اور پھر ان پر قبر میں دوبارہ ورودِ موت ہوتا ہے۔

پھر ایک اور مقام پر رقمطراز ہیں: ''قولِ مختار ومقرر جمہور ہمیں است کہ انبیاء بعد اذاقۃ موت زندہ اند بحیات دنیوی۔'' (ایضاً ص ۲۶۲)

پھر ایک مقام پر آپ یہ بھی لکھتے ہیں: ''موت دوم آنست کہ سائر الناس را در قبر بعد از سوال منکر ونکیر خواہد بود وایں جواب موافق جمہور علماء است کہ قائل اند بحیات سائر انبیاء در عالم برزخ وبایں معنی ناطق است آثار واحادیث چنانکہ بر متتبعاں پوشیدہ نیست وایں قول نزد ما احسن اقوال است۔'' (تیسیر القاری پ ۱۸ ج ۴، کتاب المغازی ص ۲۱۷)

ترجمہ: دوسری موت وہ ہے جو عامۃ الناس کو قبر میں منکر ونکیر کے سوالات کے بعد پھر دوبارہ آئے گی۔ یہ جواب جمہور علماء کے فیصلے کے مطابق ہے، وہ عالم برزخ میں تمام انبیاء کی حیات کے قائل ہیں۔ اس معنی کی تائید

میں کئی آثار واحادیث وارد ہیں چنانچہ تتبع کرنے والے اہل حق پر یہ مخفی نہیں اور ارشاد صدیقی کا یہ معنی ان تمام اقوال سے بہتر ہے، جو اس کی تشریح میں کہے گئے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی بھی اس حدیث کی شرح اسی طرح فرماتے ہیں: ''مراد آنست کہ نمی میرد بموت دیگر در قبر ہمچو دیگراں کہ زندہ گردانیدہ می شود برائے سوال باز میرانیدہ می شود وظاہر آنست کہ موت دیگر نیست بروئے وبعد از جریان سنت الٰہی براذاقۃ موت وزندہ گردانیدن بعد ازاں حیات باقی ومستمر خواہد بود وممات برآں طاری نخواہد شد پس ایں سخن اشارہ است بحیات آں حضرت'' (مدارج النبوۃ ج ۲، ص ۸۹۰)

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مراد اس کلمہ سے یہ تھی کہ دوسرے لوگوں کی طرح آپ ﷺ قبر منور میں دوسری موت کا ذائقہ بالکل نہ چکھیں گے۔ دوسرے عام لوگوں کو قبر میں سوال وجواب کے لیے زندہ کیا جاتا ہے اور پھر ان پر دوبارہ ورودِ موت ہوتا ہے آنحضرت ﷺ پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔ ایک دفعہ لذتِ وفات چکھنے اور پھر زندہ ہونے کے بعد آپ حیاتِ دائمہ سے زندہ ہیں۔ آپ ﷺ پر پھر کبھی طریانِ موت نہ ہوگا۔ اس ارشادِ عالی میں حضرت ابوبکرؓ کا ارشاد مسئلہ حیات النبی ﷺ کا ہی تھا۔

خلاصہ کلام یہ کہ صحیح بخاری کے شارحین علامہ عینیؒ، حافظ ابن حجر عسقلانی، شیخ الاسلام نور الحق اور دوسرے اکابر محدثین نے موت ثانیہ سے قبر کی موت ہی مراد لی ہے۔ دوسرے احتمالات عقلاً اور نقلاً صورت حال پر قطعاً چسپاں نہیں ہوتے۔ لایجمع اللہ علیک موتتین کا صحیح مفہوم یہی ہے کہ موت ثانیہ جس سے مراد قبر کی موت ہے، انبیاء پر ہرگز طاری نہ ہوگی۔ وہ موت کی لذت شناسی کے بعد پھر ہمیشہ کے لیے زندہ کردیئے جاتے ہیں۔

حضرت صدیق اکبرؓ کی بصیرت اور فراست پر قربان! وفات النبی ﷺ کا اعلان بعد میں فرمایا پہلے حیات بعد الوفات پر اشارہ فرمادیا تاکہ وقوعِ موت کی صراحت سے کہیں حیات ثانیہ کی نفی لازم نہ کرلی جائے۔ حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ بھی صحیح بخاری کے حاشیہ پر اہل سنت کی طرف سے منکرین حیات قبریہ کا اسی طرح جواب دیتے ہیں: ''والاحسن ان یقال ان حیاتہ ﷺ لا یعقبھا موت بل یستمر حیا والانبیاء احیاء فی قبورھم''

ترجمہ: بہترین جواب یہی ہے کہ ایک دفعہ موت چکھنے کے بعد حضور انور ﷺ کی حیات ایسی ہے کہ پھر آپ پر کبھی موت نہ آئے گی اور پھر دائمی طور پر انبیاء کی طرح اپنے روضہ میں فائز الحیات رہیں گے۔

غور فرمایئے! حضرت ابوبکرؓ کی بصیرت اور فطرت نبوت کی مزاج شناسی کہاں تک پرواز کررہی ہے۔ کتنی دور کی بات آپ نے ایک جملے میں بیان فرمادی اور کس شان سے آپ کے لیے حیات بعد الوفات کا اثبات فرمایا۔ آپ کی جامعیت شان اور بلاغت بیان نے جس طرح یہاں سمندر کو کوزے میں بھر دیا ہے اس کی نظیر کلام عرب میں شاید ہی کہیں اور جگہ مل سکے۔

ورودِ وفات کا پہلا اعلان بھی حضرت صدیق اکبرؓ ہی نے کیا تھا۔ احساسِ نزاکت پر قربان جایئے کہ وفات کا اس وقت تک اعلان نہیں فرمایا جب تک کہ اس کے ساتھ ہی بعد الوفات کی حیات کا اشارہ نہیں فرمایا۔

تنبیہ: پیش نظر رہے کہ ''لایذیقک اللہ الموتتین ابدا'' کی شرح میں شیخ الاسلام علامہ عینیؒ اور دوسرے اجلہ محدثین نے حیات فی القبر کے جس مسئلے کو بیان فرمایا ہے اسے صرف اپنی رائے یا اپنا نظریہ یا صرف اپنی ہی توجیہ قرار نہیں دیا، بلکہ اسے پورے اہل سنت کا مذہب قرار دیا ہے جس کا انکار خروج عن اہل السنۃ ہے: ''ومذھب اھل السنۃ

والجماعة ان فی القبر حیوة وموتا فلابد من ذوق الموتتین لکل احد غیر الانبیاء'' (عینی ج ۷ ص ۶۰۰ مصر)

ترجمہ: پورے اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ قبر میں زندگی اور موت دونوں ہیں پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں۔ ہاں انبیائے کرام علیہم السلام پر یہ دوسری موت کبھی نہ آئے گی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی انداز بیان کو اختیار فرمایا ہے کہ ''حیاۃ فی القبر'' کے منکرین اہل سنت میں سے نہیں اور انہیں جواب دینا اہل سنت کے ذمہ ہی آتا ہے: ''قد تمسک به من انکر الحیوة فی القبر واجیب عن اهل السنة ان حیوته ﷺ فی القبر لا یعقبها موت بل یستمر حیا'' (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲)

حیاۃ فی القبر کے منکرین کبھی کبھی اس خطبہ صدیقیؓ ہی کو اپنا استدلال بنا کر پیش کر دیتے ہیں۔ ان کے لیے اہل سنت کی طرف سے یہی جواب ہے کہ حضور ﷺ اپنے روضہ میں دائمی طور پر زندہ ہیں انہیں وہاں پھر موت کبھی نہیں آئے گی۔

اعتقاد الفاروق الاعظمؓ لحیات النبی الخاتم ﷺ

حضرت صدیق اکبرؓ کا عقیدہ تو آپ کے سامنے واضح ہو چکا، اب حضرت فاروق اعظمؓ کا اعتقاد بھی ملاحظہ کیجئے، اس اصولی مسئلے کو پیش نظر رکھیے: ''يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ'' (پ ۲۶ حجرات)

ترجمہ: اے ایمان والو! بلند نہ کرو اپنی آوازیں نبی ﷺ کی آواز سے اور آپ کے سامنے بھی اس قدر آواز بلند نہ کیا کرو۔ جیسے کہ ایک دوسرے کے سامنے کرتے ہو۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

یعنی حضور ﷺ کی مجلس میں یا آپ کے سامنے اس طرح آواز نہ نکالو جیسے کہ آپس میں ایک دوسرے سے چہک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو۔ آپ ﷺ کے سامنے دبی آواز سے بات کرنا چاہیے۔ مبادا بے ادبی ہو جائے اور تمام اعمال ضائع ہو جائیں۔

''اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى'' (حجرات)

ترجمہ: جو لوگ آنحضرت ﷺ کے پاس دبی آواز سے بولتے ہیں، وہی لوگ ہیں، جن کے دلوں کا اللہ تعالیٰ نے ادب کے لیے امتحان کرلیا ہے۔

اکابر اہل سنت اور جمہور مفسرین کا اجماع ہے کہ ورودِ وفات کے بعد بھی حکم قرآنی روضہ اطہر کے پاس کامل ادب و احترام ملحوظ رکھنے کا متقاضی ہے۔ مسجد نبوی ﷺ کی حدود میں شرعی ضروریات کے علاوہ آواز ہمیشہ پست رہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں: ''قبر شریف کے پاس حاضر ہو، وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھے۔'' (فوائد القرآن ص ۶۶۹)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ فرماتے ہیں: ''آنحضرت ﷺ حیات ہیں لہٰذا پست آواز سے سلام عرض کرنا چاہیے۔ مسجد نبوی ﷺ کی حدود میں کتنی ہی پست آواز سے سلام عرض کیا جائے اس کو حضرت ﷺ خود سنتے ہیں۔'' (تذکرۃ الخلیل ص ۲۰۶)

قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ارشاد فرماتے ہیں: "بہت پکار کر نہ بولے، بلکہ آہستہ خضوع اور ادب سے بہ نرمی عرض کرے اور جس کا سلام کہنا ہو، عرض کرے۔ یارسول اللہ! من فلان بن فلان یستشفع بک الی ربک۔" (زبدۃ المناسک ص ۹۱، ادارہ اشرفیہ لاہور)

"عن السائب بن یزید قال کنت قائما فی المسجد فحصبنی رجل فنظرت الیه فاذا عمر بن الخطاب ﷛ فقال اذهب فاتنی بهذین فجئته بهما فقال ممن انتما او من این انتما قالا من اهل الطائف قال لو کنتما من اهل البلد لاوجعتکما ترفعان اصواتکما فی مسجد رسول الله ﷺ" (صحیح بخاری ج ۱، ص ۶۷)

ترجمہ: سائب بن یزیدؓ کہتے ہیں، میں مسجد میں کھڑا تھا کہ کسی شخص نے میرے کنکری ماری کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حضرت عمرؓ ہیں۔ آپ نے فرمایا "جاؤ اور ان دونوں شخصوں کو میرے پاس لے آؤ" میں انہیں آپ کے پاس لے آیا۔ آپؓ نے ان سے پوچھا "تم کن لوگوں میں سے ہو یا تم کہاں کے ہو؟" انہوں نے کہا "ہم اہل طائف میں سے ہیں" اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم اہل مدینہ میں سے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیتا، اس لیے کہ تم مسجد رسول اللہ ﷺ میں (جس کے سامنے آپ کا روضہ منورہ ہے) اپنی آوازیں بلند کر رہے ہو۔"

آواز بلند کرنے پر مسجد رسول اللہ کی نسبت سے نکیر کرنا اسی لیے تھا کہ وہاں آپ کا روضہ اطہر ہے جس طرح آپ کی اس دنیوی زندگی میں آپ کے پاس آواز بلند کرنا جرم تھا اسی طرح آپ کے روضہ منورہ کے پاس آواز بلند کرنا بھی جائز نہیں۔ اس لیے کہ آپ وہاں تشریف فرما ہیں اور جسد عنصری سے زندہ ہیں۔ حدودِ مسجد کی آواز کو بلا کسی واسطہ کے خود سنتے ہیں۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس نکیر کا منشاء یہ "اصل" ہے کہ مسجد میں آوازیں بلند کرنا جائز نہیں پھر جس شان اور مقام کی یہ مسجد ہوگی، اسی درجے کا یہ حکم ہوگا کہ اس میں آواز بلند نہ کی جائے اور اس کی خلاف ورزی اسی درجہ کا جرم قرار پائے گی۔ اس لیے کہ سلف وخلف میں سے کسی نے اس اصل کو منشائے نکیر نہیں فرمایا۔

ثانیاً: علمائے ثقات اور ائمہ سلف ہمیشہ اس روایت کو ان آداب میں ذکر کرتے آئے ہیں جو حضور ﷺ کی مجلس میں حاضری سے متعلق ہیں۔ کما نقل عن الامام مالک وغیرہ من الائمۃ الاعلام!

ثالثاً: اس صورت میں مسجد کی رسول اللہ ﷺ کی طرف نسبت محض تشریفِ مسجد کے لیے ہوگی۔ حکم نکیر براہ راست اس اضافت سے متعلق نہ ہوگا۔ حالانکہ حضرت فاروق اعظمؓ نکیر ہی ان الفاظ سے فرما رہے ہیں پس اس میں تاویل مذکور یقیناً صرف عن الظاہر ہوگی اور ظاہر ہے کہ جب کلام اپنے اصل پر محمول ہو سکے تو وہاں صرف عن الظاہر درست نہیں ہوتا۔

رابعاً: حضرت فاروق اعظمؓ نے اس نکیر پر دلیل پیش نہیں فرمائی بلکہ اس اضافت ہی کو دلیل کے انداز میں پیش فرمایا ہے۔ اگر محض احترام مسجد ہی مقصود ہوتا تو اس پر دلیل بھی بیان فرما دی ہوتی۔ اس لیے کہ یہ مسئلہ اس سطح پر بھی نظری ہی تھا۔ ہاں احترام دربارِ رسالت ﷺ نص قرآن اور واضح تعامل کے پیش نظر ضرور یہ درجہ اختیار کر چکا تھا کہ اسے معرض دلیل میں لائے بغیر ہی منشائے نکیر کے طور پر بیان کیا جاسکے۔

خامساً: محض احترام مسجد کو نظر انداز کرنا قابل اخراج عن المسجد تو ہو سکتا ہے (کما فعله عبد الله بن مسعود ﷛ رواه الدارمی فی سننه) لیکن اسے قابل سزا قرار دینے کا قول سلف میں سے کسی نے نہیں کیا، ہاں

آداب رسالت کو نظر انداز کرنا اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ضرور قابل سزا رہا ہے یہاں بھی ایجماع کا ذکر ہے، اخراج کا نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب و علمہ اتم و احکم فی کل باب!

اگر حضرت عمر فاروق﷜ کے اعتقاد میں حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ نہ ہوتے اور قریب کی آوازوں کو خود نہ سن رہے ہوتے تو حضرت فاروق اعظم﷜ حضور اکرم ﷺ کے پاس دبی آواز سے بات کرنے کے قرآنی حکم کو اس انداز میں کبھی نہ بیان فرماتے۔ حدود مسجد تک بلند آواز نکالنے کو قابل سزا قرار دینا اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت عمر فاروق﷜ آنحضرت ﷺ کو اپنے روضہ اطہر میں فائز الحیات، زندہ اور مدرک الاصوات سمجھتے تھے۔ پیش نظر رہے کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے اور اس کی صحت اور تقریب ہر لحاظ سے قابل اعتماد ہے۔

مزید تائید

”قد روی عن ابی بکر الصدیق﷜ قال لاینبغی رفع الصوت علی نبی حیا ولا میتا وروی عن عائشہ انہا کانت تسمع صوت الوتد یوتد والمسمار یضرب فی بعض الدور المطنبة بمسجد رسول اللہ ﷺ فترسل الیھم لاتؤذوا رسول اللہ ﷺ قالوا وما عمل علی بن ابی طالب﷜ مصراعی دارہ الا بالمناصع[1] توقیا لذلک ھکذا رواہ الحسینی فی اخبار المدینة وھذا ممایدل علی انھم کانوا یرون انہ حیؐ“

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق﷜ نے فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے آواز بلند کرنا جائز نہیں، نہ وفات سے پہلے نہ وفات کے بعد اور حضرت عائشہ صدیقہ﷞ جب کبھی ان گھروں میں جو مسجد نبوی سے متصل تھے، کسی میخ لگنے یا کیل لگانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ (خبردار) حضور ﷺ کو (اس آواز سے) اذیت نہ دو اور حضرت علی﷜ نے اسی سے بچنے کے لیے اپنے گھر کے کواڑ باہر جا کر بنوائے تھے (تاکہ ان کے بننے کا شور حضور ﷺ کو اذیت نہ دے) (شفاء السقام ص ۱۷۳ مصر)

ان تمام روایات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کو اپنے روضہ انور میں زندہ یقین کرتے تھے۔

حضرت عمر فاروق﷜ جب کسی مہم سے فارغ ہو کر واپس مدینہ آتے تو سب سے پہلے جو کام آپ کرتے وہ آنحضرت ﷺ کے حضور میں سلام عرض کرنا ہوتا تھا اور اسی کی آپ دوسروں کو تلقین فرماتے تھے۔

”اوّل کارے کہ عمر﷜ ابتداء کرد سلام پیغمبر ﷺ بود۔“ (جذب القلوب ص ۲۰۰)

اعتقاد عثمان ذوالنورین﷜ لحیات النبی الثقلین ﷺ

امیر المؤمنین سیدنا حضرت عثمان﷜ کا جب باغیوں نے محاصرہ کر لیا تو بعض صحابہ﷡ نے عرض کی کہ بہتر یہ ہے کہ آپ شام چلے جائیں، وہاں کی افواج مضبوط ہیں۔ اس پر حضرت عثمان﷜ نے ارشاد فرمایا: ”روا ندارم کہ از دار الہجرت خود مفارقت کنم ومجاورت رسول خدا ﷺ بگذارم۔“ (ایضاً ۱۸۸)

ترجمہ: میں اسے جائز نہیں سمجھتا کہ اپنے دار الہجرت کو چھوڑ جاؤں اور (یہ بھی مناسب نہیں سمجھتا کہ) حضور ﷺ کی ہمسائیگی چھوڑ دوں۔

---

[1] المناصع التی یتحلی فیھا للبول او قضاء الحاجة والواحد مصنع۔ ظفر۔ محل بالمدینة کان متبرز اللنساء لیلا قبل اتخاذ الکنف وھی ناحیة بئر ابی ایوب (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۴)

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ حضور اکرم ﷺ کو اپنے روضہ اطہر میں زندہ یقین کرتے تھے اگر وہاں جسد اطہر محض بے حس و بے شعور پڑا ہوتا اور روح اس سے بالکل جدا ہوتی تو پھر اس قرب کا آخر کیا فائدہ تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسا قرب کسی لذت کا سامان نہیں ہو سکتا۔ چہ جائے کہ اس پر جان قربان کر دی جائے۔ حضرت عثمانؓ شام نہ گئے اور مجاورت رسول ﷺ میں وہ لذت اٹھائی کہ اس پر جان قربان کر دی۔

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) ۳۴ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں: ''ان معاویة لما ودعه عثمان حين عزم على الخروج الى الشام عرض عليه ان يرحل معه الى الشام فانهم قوم كثيرة طاعتهم لامراء فقال لا اختار بجوار رسول الله سواه'' (البدایہ والنہایہ ج ۷، ص ۱۶۹۔ تاریخ ابن خلدون ج ۲، ص ۱۰۴۰)

ترجمہ: حضرت معاویہؓ نے جب شام واپسی کا ارادہ فرمایا اور حضرت عثمانؓ نے انہیں الوداع کہی تو انہوں نے آپ کے سامنے تجویز رکھی کہ آپ بھی ان کے ساتھ شام چلے آئیں وہاں کے لوگ اپنے امراء کے بہت تابع فرمان چلتے ہیں آپ نے فرمایا میں حضور ﷺ کے جوار (ہمسائیگی) پر اور کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتا۔

یہاں آپ نے اس مجوزہ دوری کو قبر رسول سے دوری نہیں کہا خود ذات رسالت سے دوری قرار دیا ہے کہ میں آنحضرت ﷺ کے اس قرب کو کسی قیمت پر چھوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ یہ صرف پیغمبروں کی شان ہے کہ وہ جہاں ہجرت کر جائیں پھر اس جگہ کو نہیں چھوڑتے۔ حضور ﷺ نے فتح مکہ کے باوجود اپنے دار الہجرت کو نہیں چھوڑا۔ حضرت عثمانؓ آپ کے خلیفہ راشد تھے، آپ اپنے آقا کے نقش قدم پر چلے اور اپنی جان کو خطرے میں سمجھنے کے باوجود آپ نے اپنے دار الہجرت کو نہ چھوڑا۔ دوسری وجہ آپ نے یہ بتائی کہ میں حضور ﷺ سے جدا نہیں ہونا چاہتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر آپ شام چلے جاتے تو پھر جوار رسول میں نہ رہتے۔ اس سے پتہ چلا کہ جوار رسول یہیں ہے ہر جگہ نہیں اور عاشقان رسول ﷺ وہیں ڈیرے ڈالتے ہیں جہاں جمال جہاں آراء ہر وقت ان کے سامنے رہے۔

حدیث میں آتا ہے جس حالت میں کوئی فوت ہو وہ اسی پیرایہ میں اٹھایا جاتا ہے حضرت عثمانؓ نے جوار رسول سامنے رکھتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کی اب اگلے جہان میں (عالم برزخ میں) آپ بدستور جوار رسول ﷺ میں ہیں۔ گو جنت البقیع میں آپ کی قبر گنبد خضراء سے کچھ فاصلہ پر ہی کیوں نہ ہو، حکماً آپ بھی اپنے پیشرو دوں حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ کے ساتھ جوار رسول میں ہیں۔

اعتقاد علی المرتضیٰؓ لحیات النبی المصطفیٰ ﷺ

حضرت علی ﷜ فرماتے ہیں: ''من زار قبر رسول الله كان في جوار رسول الله'' (جذب القلوب ص ۱۸۰)

ترجمہ: جو حضور ﷺ کے روضہ اطہر کے پاس حاضر ہو، وہ اس وقت حضور ﷺ کی ہمسائیگی میں ہوتا ہے۔

اگر حضور انور ﷺ کی روح اقدس آپ کے جسد اطہر سے مفارق اور بالکل بے تعلق ہوتی تو سیدنا حضرت علیؓ اس خصوصیت کے ساتھ قرب روضہ مطہرہ کو ہمسائیگی رسول ﷺ ہرگز قرار نہ دیتے۔ آپؓ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ آپ بھی حضرت عثمانؓ کی طرح حضور اکرم ﷺ کو اپنے روضہ اطہر میں زندہ یقین کرتے تھے۔

حضرت تھانویؒ نے فرمایا: ''مدینہ منورہ جانے والا یہ نہ کہے کہ میں نے حضور انور ﷺ کی قبر کی زیارت کی، بلکہ یوں کہے کہ میں حضور ﷺ کی زیارت کی، کیونکہ حضور ﷺ زندہ ہیں۔'' (وعظ التبلیغ جمادی الاولیٰ ۷ ۳ھ)

علماء کرام نے حضرت علیؓ کے اس عمل کی علت اسی حقیقت کو قرار دیا ہے: ''اذ ھو حیّ فی قبرہ یصلی فیہ'' (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۴)

حضرت علیؓ کے اس عمل کی بناء یہی تھی کہ حضور اکرم ﷺ اپنے روضہ اطہر میں زندہ ہیں: ''وما عمل علی ابن ابی طالب مصراعی دارہ الا بالمناصع[1] توقیا لذلک'' (شفاء السقام ص ۱۷۳ مصر)

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰؓ نے اپنے گھر کے دروازے مدینہ میں ایک باہر کی جگہ میں بنوائے تا کہ کواڑ بننے کا کہیں شور پیدا نہ ہو اور حضور ﷺ کو اذیت نہ ہو۔

علاوہ ازیں حافظ عبد اللہؒ مصباح الظلام میں حضرت علی المرتضیٰؓ سے روایت کرتے ہیں ایک اعرابی حضور انور ﷺ کے روضہ اطہر پر حاضر ہوا اور عرض کی: یا رسول اللہ! آپ نے جو پروردگار سے سنا ہم نے آپ سے سن لیا اور جو کچھ آپ نے خدا سے یاد کیا ہم نے آپ سے یاد کر لیا آپ پر جو آیات نازل ہوئیں، ان میں یہ آیت شریفہ بھی ہے: ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا'' (پ ۵، النساء ۶۴)

ترجمہ: اور ان لوگوں نے جب اپنے آپ پر ظلم کیا، تو اگر آتے آپ کے پاس اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہتے اور یہ رسول بھی ان کے لیے دعائے معافی کرتے تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔

روضہ منورہ سے آواز آئی: ''اللہ تعالیٰ نے تجھے بخش دیا۔'' (جذب القلوب فارسی ص ۱۹۶)

حضرت علیؓ کی یہی روایت علامہ ابوحیان اندلسیؒ البحر المحیط (ج ۱ ص ۲۸۳ مصر) میں، علامہ سمہودیؒ وفاء الوفاء میں (خلاصۃ الوفاء ص ۵۱ مصر) اور علامہ قرطبیؒ اپنی تفسیر (ج ۵ ص ۲۶۵) میں نقل فرماتے ہیں حضرت علیؓ کا یہ مشاہدہ اور پھر اس پر کسی قسم کی نکیر نہ کرنا اور نہ اس کی کوئی توجیہہ کرنا، ان کے اس عقیدے کی تائید کرتا ہے کہ: ''جو رسول اللہ ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت کے لیے آیا، وہ اس وقت حضور اکرم ﷺ کی ہمسائیگی میں ہے۔'' (ایضاً ص ۱۸۰)

یاد رہے کہ اعرابی کا مذکورہ بالا واقعہ ہم نے صرف تائیداً نقل کیا ہے پس اسناد کا متصل نہ ہوتا اور روایت میں کلام ہونا مضر نہ سمجھا جائے، اس لیے کہ استدلال مقصود نہیں، صرف استشہاد پیش نظر ہے۔

تنبیہ: اعرابی کی یہ روایت اپنی جگہ تسلیم ہو یا نہ، لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ آیت مذکورہ میں جَآءُوْكَ (اگر وہ گنہگار آپ کے پاس حاضر ہوتے) کا مطلب آنحضرت ﷺ کی یہاں کی دنیوی زندگی تک بالکل محدود نہیں سمجھا گیا بلکہ آنحضرت ﷺ کو وفات شریفہ کے بعد پھر حیات حقیقی اور سماع حقیقی حاصل ہے اور آپ کے حضور میں پھر دعائے استغفار کے لیے بھی عرض کیا جا سکتا ہے۔ محدثین اور مفسرین کا اس آیت شریفہ کے تحت ایسے واقعات نقل کرنا اس حقیقت کا پتہ دیتا ہے کہ ''جَآءُوْكَ'' کا مطلب ہرگز اس دنیا کی زندگی تک محدود نہیں بلکہ اب بھی آپ کے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر دعائے مغفرت کے لیے عرض کیا جا سکتا ہے۔

وراجع لہ شرح المسلک المقسط للملا علی القاری ص ۲۸۱ مصر۔ وشرح الشفاء للعلامۃ الخفاجی المصری ج ۳ ص ۳۹۸ والزرقانی ج ۸ ص ۲۹۹، ص ۳۰۶ مصر

---

[1] المناصع محل بالمدینۃ کان متبرز النساء لیلا قبل اتخاذ الکنف وھی ناحیۃ بئر ابی ایوب (زرقانی ج ۸ ص ۳۰۴)

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں: ''فقہاء[1] نے بعد سلام کے وقت زیارت قبر مبارک کے شفاعت مغفرت کا عرض کرنا لکھا ہے پس یہ جواز کے واسطے کافی ہے۔'' (فتاوی رشیدیہ ج ۱ ص ۱۰۰)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے بھی اس آیت شریفہ میں جَاءُوْكَ (اگر گنہگار آپ کے پاس حاضر ہو) کو عام رکھا ہے فرماتے ہیں: ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا'' (پ ۵، النساء ۶۴)

کیونکہ اس میں کسی کی تخصیص ہو تو کیونکر ہو، آپ کا وجود باجود تربیب تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے کہ پچھلے امتیوں کا آپ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا، جب ہی متصور ہے کہ آپ قبر میں زندہ ہوں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں: ''مواہب میں بسند امام ابوالمنصور صباغ اور ابن النجار اور ابن عساکر اور ابن الجوزی نے محمد بن حرب ہلال سے روایت کیا ہے کہ میں قبر مبارک کی زیارت کر کے سامنے بیٹھا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور زیارت کر کے عرض کیا کہ یا خیر الرسل! اللہ تعالیٰ نے آپ پر ایک سچی کتاب نازل فرمائی جس میں ارشاد فرمایا: ''وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا: النساء ۶۴'' میں آپ کے پاس اپنے گناہوں سے استغفار کرتا ہوا اور اپنے رب کے حضور میں آپ کے وسیلے سے شفاعت چاہتا ہوا آیا ہوں۔ اور پھر دو شعر پڑھے...... ان (محمد بن حرب) کی وفات ۲۲۸ھ میں ہوئی ہے۔ اھ غرض زمانہ خیر القرون کا تھا اور کسی سے اس وقت نکیر منقول نہیں، پس حجت ہو گیا۔'' (نشر الطیب ص ۲۱۹)

''فثبت ان حکم الایۃ باق بعد وفاتہ ﷺ'' (اعلاء السنن ج ۱۰، ص ۳۲۹، ص ۳۳۰)

ترجمہ: ثابت ہو چکا ہے کہ اس آیت کا حکم حضور ﷺ کی وفات شریفہ کے بعد بھی باقی ہے۔

یہ تحقیق اپنے مقام پر ثابت ہو چکی ہے کہ اس آیت کا حکم حضور ﷺ کی وفات شریفہ کے بعد بھی باقی ہے۔

اعرابی کی حکایت مذکورہ حافظ ابن کثیرؒ اپنی تفسیر (ج ۳ ص ۱۳۲ مصر) میں شیخ المنصور صباغ کی روایت سے نقل فرماتے ہیں اور یہی واقعہ تفسیر مدارک (ج ۱ ص ۳۹۹ مصر) میں بھی موجود ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: ''جمیع ارباب مذاہب اربعہ کہ تصنیف مناسک حج کردہ اند، ایں حکایت را آوردہ واستحسان نمودہ وبسیارے از ائمہ اعلام باسانیدے کہ دارند روایت آں کردہ۔'' (جذب القلوب ص ۱۹۵)

ترجمہ: چاروں مذہبوں کے علماء نے جنھوں نے مناسک حج پر تصنیفات کی ہیں اس حکایت کو بیان کیا ہے، اس کی تحسین کی ہے اور بڑے بڑے ائمہ نے اسے اپنی اپنی سندوں سے روایت کیا ہے۔

ممکن ہے محمد بن حرب کی یہی روایت دراصل حضرت علی المرتضیٰؓ سے منقول ہو، اختصار کے باعث محمد بن حرب سے اوپر کی سند حذف ہو گئی ہو اور ''اعتماد علی محمد بن حرب'' کے سبب اس کا ذکر ضروری نہ سمجھا گیا ہو۔ ہم نے اس روایت کو صرف تائید مفہوم اور آیت شریفہ کے بیان عمومی کے لیے بیان کیا ہے مستقل استدلال مقصود نظر نہیں۔

[1] فتح القدیر (ج ۲ ص ۳۳۷ مصر) میں ہے: ''ثم یسئل النبی ﷺ الشفاعۃ فیقول یارسول اللہ! اسئلک الشفاعۃ یا رسول اللہ! اسئلک الشفاعۃ واتوسل بک الی اللہ فی ان اموت مسلما علی ملتک وسنتک ویذکر کل ما کان من قبیل الاستعطاف والرفق... انتھی قلت وکذلک فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح فراجع لہ تجدہ کافیا فی کل باب شافیا من کل ارتیاب واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب''

تتمۃ الفصل

بیان عقیدہ از عائشہ صدیقہؓ

علامہ سبکی نقل فرماتے ہیں: ''روی عن عائشۃ انھا کانت تسمع صوت الوتد یوتد و المسمار یضرب فی بعض الدور المطنبۃ بمسجد رسول اللہ فترسل الیھم لاتوذوا رسول اللہ ﷺ'' (شفاء السقام ص ۱۷۳)

''وکذلک فی شرح العلامۃ الزرقانی ج۸ ص ۳۰۴ مصر''

ترجمہ: حضرت عائشہؓ جب کبھی ان گھروں سے جو مسجد نبوی سے متصل تھے، کسی میخ یا کیل لگائے جانے کی آواز سنتی تھیں تو یہ حکم بھیجتی تھیں کہ (خبردار) حضور ﷺ کو (اس آواز سے) اذیت نہ دو۔

''عن عائشۃ قالت کنت ادخل بیتی الذی فیہ رسول اللہ ﷺ وانی واضع ثوبی و اقول انما ھو زوجی و ابی فلما دفن عمر معھم فو اللہ مادخلت الا و انا مشدودۃ علیّ ثیابی حیاء من عمر رضی اللہ عنہ رواہ احمد''

''رجال اسنادا حمد رجال صحیح'' (تنقیح الرواۃ ج۱ ص ۳۴۴ مطبع انصاری)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں اپنے حجرے میں، جس میں کہ رسول اللہ ﷺ تھے، چادر کھلے داخل ہوجایا کرتی تھی۔ مجھے یہی خیال ہوتا تھا کہ میرے خاوند اور میری والد ہی تو یہاں ہیں۔ جب حضرت عمرؓ وہاں دفن ہوئے، تو خدا کی قسم، میں وہاں پردے ہی سے جاتی تھی اور یہ حضرت عمرؓ سے حیا کے باعث تھا۔

دیکھئے! حضرت عائشہؓ یوں نہیں کہہ رہی ہیں کہ میں اس حجرے میں داخل ہوتی تھی جس میں کہ رسول اللہ ﷺ کا بدن میت مدفون تھا۔ بلکہ یوں فرمارہی ہیں: ''جس میں کہ رسول اللہ ﷺ تھے۔''

نبوت ورسالت کے لیے ادراک وشعور لازم ہے۔ اگر ذاتِ مدفون محض بے حس و بے شعور ہو، تو پھر اسے رسول اللہ (ﷺ) بھی نہیں کہا جا سکتا۔ اور اگر کہنا ہی ہو، تو حکمی طور پر کہنے سے چارہ نہیں، حقیقی اعتبار سے بے حس و بے شعور ذات مدفون کو ہرگز رسول اللہ (ﷺ) کہنے کی گنجائش نہیں، فقط روح اقدس کے لیے تو فقط ''رسول اللہ'' کے اطلاق کے لیے تاویل ہوسکتی ہے، روح اقدس اور جسم اطہر کے مجموعہ پر بھی یہ اطلاق بلا ریب صحیح ہے۔ لیکن فقط بدن، جس میں ادراک وشعور دونوں منتفی ہوں، اس پر حقیقی اعتبار سے اطلاق رسول قطعاً نہ ہو سکے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ام المومنینؓ حضور انور ﷺ کو آپ کے روضہ اقدس میں زندہ یقین کرتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ کا سماع موتی سے انکار مشہور ہے۔ مگر یہاں نہ صرف اس کا استثناء ہے بلکہ رؤیت بصری بھی ثابت کی جارہی ہے۔ ہاں پردے کی چادر کا چونکہ مقصود وجود ہی ستر وحیاء اور پردے کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی کثافت باقی رہنے دی جاتی تھی۔ تاکہ جس طرح قبور شریفہ کی پاک مٹی سے یہ انکشاف جاری ہیں، پردے کی چادر سے ایسا نہ ہو اور اس کا مقصودِ وجود باطل ہو کر نہ رہ جائے۔

بات دراصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک کسی چیز کو قائم رکھتے ہیں، اس کا مقصودِ وجود ضائع نہیں فرماتے ہاں ضمنی حالات میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ قبر کا مقصود وجود ذات مدفون کو عامۃ الناس سے پردے میں کرنا ہوتا ہے، عامۃ الناس کو ذات مدفون سے پردے میں لانا نہیں ہوتا۔ اگر ایسا ہو تو ضمناً ہوتا ہے پس اگر ذات مدفون کو پردہ قبر میں سے باہر کا انکشاف ہو رہا ہو اور باہر والے اسے عادۃً نہ دیکھ سکیں تو اس سے مقصود وجود باطل نہیں ہوتا اور پردہ

چادر کا چونکہ مقصود وجود ہی اوڑھنے والے کو پردے میں لاتا ہے۔ اس لیے انکشاف کی حدود اگر اس کے پار نہ ہو سکیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

حاشیہ مشکوٰۃ میں اس حدیث عائشہؓ پر یوں لکھا ہے: ''اوضح دلیل علی حیات المیت وعلی انہ ینبغی احترام القبور عند زیارۃ مهما امکن لاسیما الصالحون بان یکون فی غایۃ الحیاء والتأدب بظاهره و باطنہ''

(مشکوٰۃ ص ۱۵۴)

ترجمہ: یہ حدیث حیات میت پر بہت واضح دلیل ہے اور اس پر کہ قبور شریفہ کا احترام جہاں تک ممکن ہو سکے کیا جائے، خاص طور پر صالحین کی قبور کے سامنے بہت ادب وحیاء ملحوظ رہے۔

حضرت صدیقہؓ کے اس تعامل سے نہ صرف آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ کے حواس روشن ہونے کا پتہ چلتا ہے بلکہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظمؓ کی حیات اقدس اور ان کے حواس کے روشن ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

ولید بن عبدالملک کے زمانہ خلافت میں جب کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ والی مدینہ تھے تو ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے روضہ اقدس کی دیوار خستگی کی وجہ سے کچھ کھل گئی، تو ایک قدم نظر آیا، لوگ بہت گھبرائے یہاں تک کہ: ''جاء سالم بن عبد اللہ بن عمر بن الخطاب وعرف الناس انها قدم جده عمر بن الخطاب''

(مختصر تذکرہ قرطبی ص ۴۰)

ترجمہ: حضرت عمر کے پوتے سالمؒ آئے اور انہوں نے پہچان کی کہ یہ ان کے دادا سیدنا حضرت عمرؓ کا قدم مبارک ہے۔

قبر کے انکشاف کی ایک اور مثال

گنبد خضری کے مکین مٹی کی دبیز تہ سے گزر کر زائر کو دیکھ پائیں یا زائر کی روحانی نظر اس دبیز تہ کو چیر کر مدفون افراد قدسیہ تک جا پہنچے۔ قبر کا یہ انکشاف اونچی روحانی اڑان اڑنے والوں کو نصیب ہو ہی جاتا ہے۔ یہ کرامت بطور خرق عادت ہوتی ہے کیونکہ عادت یہی ہے کہ مٹی حائل ہونے سے ادھر نگاہ نہ کی جا سکے اور دنیا کی آنکھ احوال برزخ کو نہ دیکھ سکے۔

ہاں برزخ والے دنیا والوں کو دیکھ لیں اس کے مواقع اس سے کہیں زیادہ ہیں کہ کوئی دنیا کی آنکھ برزخی حالات کا کچھ مشاہدہ کرے۔ دسویں صدی کے مجدد محدث شہیر ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) شرح اللباب میں لکھتے ہیں: ''ثم من آداب الزیارۃ ماقالوا من انه یأتی الزائر من قبل رجل المتوفی لا من قبل راسه لانه اتعب لبصر المیت بخلاف الاول لانه یکون مقابل بصره'' (ردالمحتار ج ۲ ص ۲۴۲ طبع جدید)

ترجمہ: قبروں کے آداب زیارت میں سے ہے کہ زائر میت کے پاؤں کی طرف سے آئے سر کی طرف سے نہ آئے کیونکہ اس طرح کرنا (یعنی سر کی طرف سے آنا) میت کی آنکھ کے لیے زیادہ تکلیف دہ ہوگا بخلاف پہلی صورت کے کیونکہ اس صورت میں زائر اس کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے۔

میت زائر کو دیکھے یہ صرف اس صورت میں ہوگا کہ مٹی کے دبیز پردے میت کی آنکھوں کے آگے حائل نہ ہوں اور وہ برابر زائر کو دیکھ سکے سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کی آنکھ زائر کے کپڑوں کی تہ کو بھی پار کرے گی یا نہ؟

جواب یہ ہے کہ نظر کا مٹی کے دبیز پردے کے پار ہونا خرق عادت اور خلاف قیاس ہے اللہ تعالیٰ کسی کو یہ منظر دکھا دیں تو یہ اس کی کرامت ہے نہ دکھا دیں تو یہ مٹی کی عادت ہے کہ جب یہ حائل ہو تو کچھ نظر نہیں آتا۔

اصول فقہ میں یہ بات طے ہے کہ جو بات خلاف قیاس اور خرق عادت کے طور پر ہو وہ اپنے مورد پر مقتصر ہوتی ہے۔ ہم اس پر قیاس کر کے آگے یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ پھر وہ نگاہ زائر کے کپڑوں کے اندر بھی پہنچتی ہو گی اور زائر میت کو بالکل ننگا دکھائی دیتا ہو گا اگر اس کا ذرا بھی احتمال ہوتا تو آنحضرت ﷺ کبھی بقیع کے باسیوں کے لیے وہاں دعائے مغفرت کرنے نہ جاتے۔

یہ بات مانی جا سکتی ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور گنبد خضریٰ کے مکینوں کے مابین مٹی کی دبیز تہ حائل نہ رہے۔ لیکن اس پر قیاس کر کے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پھر ان مکینوں کی نگاہ اس چادر سے بھی گزر جانی چاہیے جس سے حضرت ام المومنینؓ نے روضہ اطہر پر حاضری کے وقت حضرت عمرؓ سے پردہ کیا ہوتا تھا۔

حضرت ام المومنینؓ کا روضہ انور میں حضرت عمرؓ سے پردہ کرنا بتلاتا ہے کہ وہ نہ صرف حضور ﷺ کی حیات فی القبر کی قائل تھیں بلکہ وہ حضرات شیخین کریمینؓ کی بھی حیات فی القبر کا عقیدہ رکھتی تھیں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''فیہ اوضح دلیل علی حیاۃ المیت وعلیٰ انہ ینبغی احترام المیت عند زیارۃ مھما امکن لاسیما الصالحون بان یکون فی غایۃ الحیاء والتادب بظاھرہ وباطنہ'' (تنقیح اللمعات ج ۴ ص ۳۸۴)

ترجمہ: اس میں حیات میت کی کھلی دلیل ہے اور یہ کہ زیارت قبر کے وقت میت کا خود احترام کیا جائے، جتنا بھی ہو سکے خاص کر نیک لوگوں کا ظاہر اور باطن ہر دو پہلوؤں سے پورے ادب اور حیاء سے وہاں آئے۔

بتایئے! یہ احترام میت کس قبر کے کنارے کیا جا رہا ہے اور اسے میت سمجھ کر کیا جا رہا ہے یا زندہ اور کیا حضرت شیخ نے اسے حیات میت کی روشن دلیل نہیں کہا؟

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا تعامل

''حدثنا ابو معاویۃ عن عبید اللہ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنھما انہ کان ارادان یخرج دخل المسجد فصلی ثم اتی قبر النبی ﷺ فقال السلام علیک یا رسول اللہ السلام علیک یا ابابکر، السلام علیک یا ابتاہ ثم یاخذ وجھہ وکان اذا قدم من سفر یفعل ذلک قبل ان یدخل منزلہ''

(المصنف لابن ابی شیبہ ج ۱ ص ۱۳۸ ہند)

''أخرجہ عبدالرزاق ایضا بسند صحیح'' (وفاء الوفاء للسمہودی ج ۲، ص ۴۱۰)

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ جب کبھی سفر پر روانہ ہوتے تو مسجد نبوی ﷺ میں آتے، نماز پڑھتے اور پھر روضہ انور پر حاضر ہوتے اور السلام علیک یا رسول اللہ! یا ابا بکر! اور السلام علیک اے ابا جان! پڑھتے اور پھر اپنے منہ کو تھام لیتے اور جب سفر سے واپس ہوتے، تو اپنے گھر جانے سے پہلے پھر اسی طرح صلوٰۃ وسلام عرض کرتے۔

''عبدالرحمن باسناد صحیح می آرد کہ ابن عمرؓ چوں از سفر قدوم مے آرود، اول بقبر شریف می رسید و می گفت السلام علیک یا رسول اللہ'' (جذب القلوب ص ۲۰۰)

''وراجع لہ المؤطا للامام محمد ص ۳۹۶''

روایات سابقہ میں صرف سلام عرض کرنے کا صیغہ ملتا ہے۔

"السلام علیک یا رسول اللہ وغیر ذلک"

البتہ شرح شرعۃ الاسلام میں جو ترکی احناف کے ہاں ایک بڑا علمی اور تحقیقی فقہی ذخیرہ ہے اس میں یوں بھی مرقوم ہے: "یقول الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ"

"عن نافع کان ابن عمر رضی اللہ عنہ یسلم علی القبر رأیتہ فی الیوم مأۃ مرۃ واکثر یجیئ الی القبر فیقول السلام علیک" (منتہی المقال ص ۴۳ لمفتی صدر الدین)

ترجمہ: حضرت نافع کہتے ہیں کہ حضرت ابن عمرؓ کو میں نے دیکھا وہ روضہ اطہر پر سلام عرض کرتے تھے میں نے ایک ایک دن میں انہیں سو سو دفعہ بلکہ اس سے بھی زائد بار قبر شریف پر آتے اور السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ پڑھتے دیکھا۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے یہ صیغے سلام کے لکھے ہیں: "السلام علیک یا رسول اللہ . . . السلام علیک یا خیر خلق اللہ السلام علیک یا حبیب اللہ!" (زبدۃ المناسک ص ۹۰ لاہور)

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نزول فرمانے کے بعد حضور ﷺ کے روضہ اطہر پر حاضری دیں گے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: "ولیأتین قبری حتی یسلم علیّ ولاردنّ علیہ رواہ الحاکم وصححہ" (درمنثور ج ۲ ص ۲۴۵)

ترجمہ: حضرت عیسیٰ ضرور میری قبر پر بھی آئیں گے اور سلام کہیں گے اور میں بھی ان کا جواب دوں گا۔

مسند ابی یعلی ج ۶ ص ۱۰۱ میں یہ حدیث بایں الفاظ مروی ہے: "والذی نفس ابی القاسم بیدہ لینزلن عیسیٰ ابن مریم اماما مقسطا حکما عدلا . . . ثم لئن قام علی قبر فقال یامحمد لاجبتہ"

یہاں کون سی قبر مراد ہے جس پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے؟ یہی مدینہ منورہ والی یا کوئی اعلیٰ علیین کی...... یہ آپ سوچیں یا محمد ﷺ کے الفاظ روایت بالمعنی ہوں گے کیونکہ حضور ﷺ اسے روایت کر رہے ہیں۔ محمد کا لفظ علمی طور پر نہیں ومغی پیرایہ میں ہے۔

روضہ اطہر کے پاس ان صیغوں سے صلوٰۃ وسلام عرض کرنا اسی لیے ہے کہ حضور ﷺ حدود مسجد کے قرب میں خود سماعت کرتے ہیں پس اس طرز ادا سے کسی غلط عقیدے کا ایہام نہیں ہوتا۔ اگر حضور روضہ مطہرہ پر بھی خود نہیں سنتے، تو پھر ان صیغوں سے صلوٰۃ وسلام عرض کرنا غلط عقائد کا ایہام پیدا کرنا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس باب میں ہمارے ائمہ کرام الفاظ موہمہ سے احتراز کرنے کا حکم دیتے ہیں صلوٰۃ وسلام کی مختلف کیفیات صرف اسی صورت میں لائق قبول ہیں کہ کسی طرح کے غلط عقیدے کا ایہام پیدا نہ ہوتا ہو۔

علامہ شامیؒ لکھتے ہیں: "قد اختار جماعۃ من العلماء کیفیات فی الصلوٰۃ ومقتضی کلام ائمتنا المنع من ذلک الا فیما ورد عنہ ﷺ علی ما اختارہ الفقیہ" (ردالمحتار ج ۵ ص ۳۴۹)

ترجمہ: علماء کے ایک طبقے نے صلوٰۃ وسلام پڑھنے کے باب میں مختلف کیفیات جائز قرار دی ہیں۔ ہمارے ائمہ احناف کے کلام کا حاصل ہے، کہ ماسوائے ماثورہ صیغوں کے باقی تمام الفاظ موہمہ سے پرہیز کیا جائے جیسا کہ فقیہ نے فیصلہ فرمایا ہے۔

پس اگر حضور ﷺ اپنے روضہ اقدس کے قریب عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود نہ سنتے ہوتے تو پھر ان

صیغوں سے صلوٰۃ وسلام عرض کرنا غلط عقائد کا ایہام پیدا کرنے کی وجہ سے ہرگز جائز نہ ہوتا اور اگر جائز ہوتا تو پھر قریب وبعید ہر جگہ سے جائز ہوتا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ عمل ہر جگہ پر توارث تعامل کے طور پر موجود ہوتا۔

یہ گمان نہ کیا جائے کہ پھر عامۃ المسلمین کی قبروں کے پاس صیغہ خطاب سے سلام کہنے کی کیا توجیہ ہوگی اس لیے کہ وہاں خطاب جمع اور جنس مومنین کو ہے، کسی معین کو نہیں۔ اور یہاں ایک ذات معین کو اس صیغہ خطاب سے مخاطب کیا جارہا ہے اور ظاہر ہے کہ غیر معین مخاطبین سے خطاب مجاز کے جتنے پہلو اپنی لپیٹ میں لیے ہوتا ہے معین، فردِ واحد کو خطاب کرنے میں اس کی اتنی گنجائش نہیں ہوتی۔ فافہم وتفکر!

حضرت ابوایوب انصاریؓ

''عن داؤد بن صالح قال اقبل مروان یوما فوجد رجلا واضعا وجهه علی القبر فاخذ برقبته وقال اتدری ما تصنع قال نعم فاقبل علیه فاذا هو ابو ایوب الانصاری ﷺ فقال جئت رسول الله ﷺ ولم ات الحجر سمعت رسول الله ﷺ یقول لاتبکوا علی الدین اذا ولیه اهله ولکن ابکوا علیه اذا ولیه غیر اهله''

اخرجه الحاکم وقال صحیح الاسناد ج ۴ ص ۵۱۵ واقر علیه الذهبی فقال صحیح[1]

ترجمہ: ایک دن مروان آیا اور اس نے ایک شخص کو روضہ انور پر منہ رکھے ہوئے دیکھا، اس نے اسے گردن سے پکڑ کر ہٹایا اور کہا ''جانتا ہے کہ تو کیا کر رہا ہے؟'' اس نے کہا ہاں ...... وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہ حضرت ابوایوب انصاریؓ ہیں۔ آپ نے فرمایا ''میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، پتھروں کے پاس نہیں آیا، میں نے حضور ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اس وقت دین پر نہ رونا جب اس کے والی اس کے اہل ہوں بلکہ اس وقت رونا جب کہ دین کی ولایت غیر اہل ہاتھوں میں آجائے۔

پیش نظر رہے کہ یہ مقام فقط انہی حضرات کا ہے جنہیں انکشاف ہورہا ہو، وہ قبر سے نہیں، صاحب قبر سے مصروف نیاز ہوں پس ان لوگوں کے لیے جو اس مقام انکشاف کے بغیر روضات عالیہ یا قبور شریفہ سے لپٹتے ہوں یا انہیں بوسہ دیتے ہوں۔ اس حدیث میں کوئی دلیل اور حجت نہیں۔ ان کے لیے ایسے امور کا ارتکاب جیسا کہ فقہائے کرام نے فرمایا ہے قطعاً ناجائز ہے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حضور ﷺ کی خدمت میں یہ حاضری بتاتی ہے کہ ان کاملین کے لیے کس طرح برزخی پردے اٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ جب خود قسطنطنیہ میں دفن ہوئے تو دنیا نے دیکھا کہ آپ کے برزخی مقام کا شعلۂ نور کس پرشکوہ پیرائے میں پورے فوجی کیمپ کو منور کر گیا تھا۔

علامہ سرخسیؒ (۴۸۳ھ) لکھتے ہیں: ''ودفنوه لیلا فصعد من قبره نور الی السماء ورای ذلک من کان بالقرب من ذلک الموضع''

---

[1] رواه احمد ایضا بسند حسن قال حدثنا عبد الملک بن عمرو حدثنا کثیر بن زید عن داؤد بن ابی صالح قال... قال الهیثمی رواه احمد والطبرانی فی الکبیر والاوسط وفیه کثیر بن زید وثقه جماعة وضعفه النسائی (کمافی کتاب الضعفاء والمتروکین للامام النسائی) وغیره ورواه یحی بن الحسین بن جعفر الحسینی فی اخبار المدینة حدثنی عمر بن خالد ثنا ابو نباتة عن کثیر بن زید عن المطلب بن عبدالله قال السبکی وابو نباتة ومن فوقه ثقات وعمر بن خالد لم اعرفه قلت لاضیر فان احمد رواه عن عبد الملک بن عمرو وهو ثقة عن کثیر بن زید وقد حکم السبکی بتوثیقه
(کذا فی وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۴۰۴)

ترجمہ: مسلمانوں نے آپ کو رات کو دفن کیا معا آپ کی قبر سے ایک شعلہ نور اٹھا اور وہ اوپر بلند ہوا جو لوگ بھی اس مقام کے قریب تھے سب نے یہ منظر دیکھا۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی حیات برزخی اس وقت ہی ہر وارد و صادر پر کھل گئی تھی۔

خلاصۃ البیان

یہ کہ آنحضرت ﷺ کے ارشادات عالیہ، خلفائے راشدینؓ کے عقائد قدسیہ، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے عملی فیصلے اور صحابہ کرامؓ کے نظریات یکے بعد دیگرے آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ ان سب میں قدر مشترک یہ ہے کہ حضور انور ﷺ اپنے روضہ اطہر میں فائز الحیات ہیں اور قریب عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود سنتے ہیں۔ احادیث خمسہ اور خلفائے اربعہ کے فیصلوں کے بعد اب مسالک اربعہ ملاحظہ کیجئے۔

مذاہب اربعہ قرآن کے خلاف نہیں چلے

مذاہب اربعہ میں آپس میں کتنے بڑے چھوٹے اختلافات ہیں مگر حضور ﷺ کی حیات بعد الوفات پر چاروں متفق ہیں کیوں کہ اہل السنۃ والجماعۃ عقیدہ میں سب ایک ہیں مسئلہ حیات النبی میں کچھ بھی اختلاف کی گنجائش ہوتی تو یہ موقع تھا جس میں کوئی ایک فریق اس مسئلہ میں دوسرا پلیٹ فارم ترتیب دے سکتا تھا لیکن مسئلہ حیات النبی کی نوعیت کچھ ایسی یقینی ہے کہ یہ چاروں طبقے اپنے دوسرے بیسیوں اختلافات کے باوجود اس میں سر مو بھی ایک دوسرے سے مختلف نہیں۔

الفصل الثانی: مذاهب اربعه در حیات نبویه

مالکیہ: سیدنا حضرت امام مالکؒ مدنی ہونے کے اعتبار سے اس باب میں خاص طور پر ممتاز ہیں۔ آپ روضہ اطہر کے قریب ہی مسجد نبوی میں درس حدیث دیتے تھے۔

امیر المومنین ابوجعفر نے امام مالک سے کسی مسئلے میں مسجد نبوی میں گفتگو کی تو امام مالکؒ نے فرمایا، اے امیر المومنین! تم کو کیا ہوا؟ اس مسجد میں آواز مت بلند کرو کہ حضور نبوی کا احترام وفات کے بعد وہی ہے جو حالت حیات میں تھا۔ سو ابوجعفر دب گیا۔ (نشر الطیب از حضرت تھانوی ص ۲۱۰ مطبوعہ دیوبند۔ وکذلک فی وفاء الوفاء ج ۲ ص ۲۲۳ طبع مصر)

''نقل عن الامام مالک انه کان یکره ان یقول رجل زرت قبر النبی ﷺ قال ابن رشد من اتباعه ان الکراهة لغلبة الزیارة فی الموتی وهو ﷺ احیاه الله تعالی بعد موته حیاة تامة واستمرت تلک الحیوة وهی مستمرة فی المستقبل ولیس هذا خاصة به ﷺ بل یشارکه الانبیاء فهو حی بالحیاة الکاملة مع الا ستغناء عن الغذاء الحسی الدنیوی'' (وفاء الوفاء ج ۲ ص ۱۳ ۴۔ نورالایمان بزیارۃ حبیب الرحمن ص ۱۴ مولانا عبدالحلیم فرنگی محل)

علمائے مالکیہ میں سے امام قرطبیؒ (ج ۵ ص ۲۶۵)، امام ابوحیان اندلسی (بحر المحیط ج ۱ ص ۲۸۳)، علامہ ابن الحاج، علامہ ابن رشد اندلسی اور ابن ابی حمزہ وغیرہم من الکبائر نے ان مسائل کا پوری عقیدت سے تذکرہ کیا ہے۔

شوافع: شوافع میں سے امام بیہقی اور امام سیوطیؒ نے حیات انبیاء کے عنوان پر مستقل تالیف سپرد قلم کی ہیں۔ علامہ طیبی اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے متعدد حوالے مباحث حدیثیہ کے ضمن میں آپ کے سامنے آچکے ہیں۔ امام غزالی اور علامہ سبکی نے بھی انہی حقائق کی تصدیق فرمائی ہے۔

لطف یہ ہے کہ یہ اکابر، خواہ مالکی ہوں، خواہ شافعی، کسی مقام پر بھی اس تحقیق کو اپنے فقہی مسلک کے تحت ذکر نہیں کرتے بلکہ جہاں کہیں اس عقیدے کا ذکر آتا ہے، وہاں اسے مسلک اہل سنت ہی کے طور پر ذکر کرتے ہیں۔ معلوم ہوا یہ کسی ایک فقہی مسلک کا نہیں سب اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

جمیع اکابر شافعیہ یہی مسلک رکھتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کو اپنے روضہ اطہر میں جو حیات حاصل ہے وہ حیات جسمانی ہے اور وہی جسد اطہر فائز الحیات ہے جو اس دنیا میں تھا۔

علامہ قونویؒ (شافعی المسلک) کا تفرد اس میں تو ہے کہ وہ انبیائے کرام علیہم السلام کے استقرار قبر میں استمرار کے قائل نہیں، بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ انبیائے کرام دفن کے کچھ دن بعد اپنی قبور شریفہ سے اٹھا لیے جاتے ہیں اور ملاء اعلیٰ میں استقرار پذیر ہوتے ہیں۔ لیکن اس حقیقت سے انہیں بھی انکار نہیں کہ انبیاء کرام کی روحیں ان کے اجساد کریمہ سے ہرگز جدا نہیں ہوتیں اور جہاں بھی انبیائے کرام کے یہ دنیا والے جسم ہوں، وہیں انہیں حیات جسمانی حاصل ہوتی ہے۔ حیات جسمانی پر بہر صورت اجماع قائم ہے اور علمائے شافعیہ کا "حیات فی القبر" پر جو اجماع ہے، وہ بھی ایک تفرد سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ علامہ سبکی الشافعی طبقات شافعیہ میں لکھتے ہیں: "عندنا رسول اللہ ﷺ حی یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ ویبلغ الصلوٰۃ والسلام" (طبقات شافعیہ ج ۲۲ ص ۲۸۲)

ترجمہ: ہم شافعیہ کے نزدیک حضور ﷺ زندہ ہیں اور آپ میں احساس وشعور موجود ہے آپ پر اعمال امت بھی پیش ہوتے ہیں اور دور سے پڑھا صلوٰۃ وسلام بھی آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔

علامہ یوسف اردبیلی الشافعی کتاب الانوار لاعمال الابرار میں لکھتے ہیں: "ویخاطب بعد الموت بقول السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لان الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون ویحجون کما ورد"

ترجمہ: حضور ﷺ کو وفات کے بعد السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے الفاظ سے خطاب کیا جائے (کیونکہ وفات کے بعد پھر وہ حیات مستمرہ پا چکے) اور سب انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں، وہ ان میں نمازیں پڑھتے ہیں اور باہر حج کرتے بھی دیکھے گئے ہیں۔ (کتاب الانوار ج ۲ ص ۱۴۱ مصر)

حنابلہ: حنابلہ میں سے حافظ ابن تیمیہؒ کی یہ تحقیق ہے کہ حضور ﷺ اپنے روضہ اطہر کے قریب عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود بلا واسطہ سنتے ہیں۔ ان کی اپنی تحریز باحوالہ بقید صفحہ ومطبع آپ کے سامنے آچکی ہے۔ حافظ ابن قیم کی تصریحات بھی یکے بعد دیگرے آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں: "قال ابن عقیل من الحنابلۃ ھو ﷺ حی فی قبرہ یصلی" (الروضۃ البھیہ ص ۱۴)

ترجمہ: حنابلہ کے مشہور بزرگ ابن عقیل فرماتے ہیں کہ حضور انور ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔

حنفیہ کرام[1]: (۱) علامہ شرنبلالیؒ نور الایضاح میں فرماتے ہیں (یہ کتاب دار العلوم دیوبند کے نصاب تعلیم میں داخل ہے)

---

[1] مسالک اربعہ میں سے اس مسلک کو باوجودیکہ یہ رتبۃً تحقیقاً اور قبولاً باقی سب مسالک پر فائق ومقدم ہے، آخر میں اس لیے بیان کیا گیا ہے کہ اس کی کچھ تفصیل مطلوب تھی اور پہلے تین مسالک چونکہ ہمارے بلاد میں کم پائے جاتے ہیں۔ اس لیے ان کے متعلق اجمال سے کام لیا گیا ہے۔

''ولما هو مقرر عند المحققين انه ﷺ حیّ یرزق متمتع بجمیع الملاذ و العبادات غیر انه احجب عن ابصار القاصرین عن شریف المقامات''

ترجمہ: محققین کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ حضور انور ﷺ زندہ ہیں اور آپ کو رزق بھی ملتا ہے اور عبادات سے آپ لذت بھی اٹھاتے ہیں، ہاں اتنی بات ہے کہ وہ ان نگاہوں سے پردے میں ہیں جو ان مقامات تک پہنچنے سے قاصر رہتی ہیں۔

(۲) مراقی الفلاح میں ہے: ''ینبغی لمن قصد زیارۃ النبی ﷺ ان یکثر الصلوٰۃ علیه فانه یسمعها وتبلغ الیه'' (ج۱، ص ۲۹۸)

ترجمہ: جو شخص حضور اکرام ﷺ کی زیارت کرنے کے لیے آئے اسے چاہیے کہ کثرت سے درود عرض کرے۔ کیونکہ آپ اسے خود سن رہے ہوتے ہیں اور (دور سے) آپ کو پہنچایا بھی جاتا ہے۔

(۳) طحطاوی میں ہے: ''(فانه یسمعها) ای اذا کانت بالقرب منه ﷺ (وتبلغ الیه) ای یبلغها الملک اذا کان المصلی بعیدا''

ترجمہ: آپ صلوٰۃ وسلام کو اس وقت خود سنتے ہیں جب قریب سے عرض کیا جا رہا ہو اور فرشتے اس وقت پہنچاتے ہیں جب یہ دور سے پڑھا جا رہا ہو۔

تنبیہ: علامہ شرنبلالیؒ کا مذکورہ سابقہ فیصلہ اور پھر اسے مختار محققین قرار دینا اگر کچھ بھی محل نظر ہوتا تو اس کے شارح اور پھر شارح کے شارح ہر ایک مرحلے پر اس کی تصدیق وتوثیق نہ کرتے چلے جاتے آخر کسی مقام پر تو اسے موضوع اختلاف کیا جاتا جب ہر مرحلے پر اس کی تصدیق ہی تصدیق ہے تو اس یقین سے چارہ نہیں کہ فقہ حنفی کا متفقہ نظریہ یہی ہے کہ حضور انور ﷺ اپنے روضہ اطہر میں جسمانی طور پر فائز الحیات ہیں اور قریب عرض کیے گئے صلوٰۃ وسلام کو خود بلا واسطہ سنتے ہیں، واللہ اعلم!

(۴) محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام (المتوفی ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں: ''یستقبل القبر بوجهک ثم تقول السلام علیک ایها النبی ورحمة الله وبرکاته... وذلک انه ﷺ فی القبر الشریف المکرم علی شقه الایمن مستقبل القبلة فلیکثر دعائه بذلک فی الروضة الشریفة عقیب الصلوٰة وعند القبر ویجتهد فی خروج الدمع فانه من امارات القبول وینبعی ان یتصدق بشیئ علی جیران النبی ثم ینصرف متباکیا متحسرا علی الفراق الحضرة النبویة والقرب منها... ثم یسئل النبی الشفاعة فیقول یا رسول الله اسئلک الشفاعة یارسول الله'' (فتح القدیر ج۲ ص ۳۳۷، ادا خراج مصر)

ترجمہ: تم حضور انور ﷺ کی قبر شریف کے سامنے ہو کر السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ عرض کرو...... اور یہ اس لیے کہ حضور علیہ السلام اپنی قبر شریف میں دائیں کروٹ قبلہ کی طرف رخ کیے ہوئے ہیں، روضہ شریفہ میں درود شریف کے بعد اور قبر کے پاس پھر کثرت سے دعا کرے اور آنسو آجانے کی حد تک زاری کرے۔ کیونکہ یہ قبولیت کی علامات میں سے ہے اور چاہیے کہ روضہ اطہر کے مجاورین پر کچھ صدقہ بھی کرے پھر روتا ہوا آپ ﷺ کے قرب اقدس سے جدا ہونے کا غم ساتھ لیتے ہوئے واپس ہو...... پھر حضور انور ﷺ سے شفاعت کرنے کی التجا بھی کرے اور کہے کہ یارسول اللہ میں شفاعت کے لیے سوال عرض کرتا ہوں۔

(۵) علامہ ابن عابدین شامیؒ: امام شافعی کے نزدیک مال غنیمت میں سے رسول اللہ ﷺ کا حصہ آپ کی وفات شریفہ کے بعد خلیفہ کو پہنچتا ہے۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ کو یہ حق قیادت اور قیام باموور العامہ کی بناء پر پہنچتا تھا اور اب آپ کے بعد یہ انتظامیہ قیادت بصورت خلافت موجود ہے۔ احناف کے نزدیک آپ کا یہ حق امامت پر مبنی نہیں، بلکہ رسالت پر مبنی تھا۔ آپ کی وفات شریفہ کے بعد کسی نئے رسول کی آمد نہیں پس حنفیہ کے نزدیک سہم رسول وفات پیغمبر سے ساقط ہوجاتا ہے۔ اس سے آگے یہ بحث چلتی ہے کہ کیا رسول کی رسالت اس کی وفات پر ختم ہوجاتی ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں صرف حکماً باقی ہوتی ہے، حقیقۃً نہیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ وہ حقیقۃً باقی ہے۔ یعنی حضور ﷺ اب بھی حقیقی طور پر رسول ہیں۔ رسالت کو صرف حکماً باقی کہنا، صحیح نہیں علامہ شامی فرماتے ہیں: ''افاد فی الدر المنتقی انہ خلاف الاجماع قلت وما نسب الی الامام الاشعری ؒ امام اھل السنۃ والجماعۃ من انکار ثبوتھا بعد الموت فھو افتراء وبھتان والمصرح فی کتبہ وکتب اصحابہ خلاف ما نسبہ الیہ بعض اعدائہ لان الانبیاء علیھم الصلوٰۃ والسلام احیاء فی قبورھم وقد اقام النکیر علی افتراء ذلک ابو القاسم القشیری ؒ'' (شامی باب المغنم وقسمۃ بعد قسمۃ الخمس ص ۲۶۶)

ترجمہ: درمنتقی میں ہے کہ حضور ﷺ کی رسالت آپ ﷺ کی وفات شریفہ کے بعد اب بھی حقیقۃً باقی ہے اور اسے صرف حکماً باقی کہنا خلاف اجماع ہے اور امام اہل سنت امام اشعری کی طرف جو اس کا انکار منسوب ہے وہ افتراء اور بہتان ہے۔ اشاعرہ کی کتابوں میں اس کے خلاف تصریح موجود ہے آپ کی وفات شریفہ کے بعد رسالت کا حقیقۃً باقی نہ رہنا اہل سنت کے بعض دشمنوں نے ان کی طرف منسوب کردیا ہے کیونکہ انبیاء علیہم السلام تو اپنی قبور شریفہ میں زندہ موجود ہوتے ہیں۔

''ان المنع ھنا لانتقام الشرط وھو اما عدم وجود الوارث بصفۃ الوارثیۃ کما اقتضاہ الحدیث واما عدم موت الوارث بناء علی ان الانبیاء احیاء فی قبورھم کما ورد فی الحدیث''

(رسائل ابن عابدین ج ۲ ص ۲۰۳ مصر، الرحیق المختوم شرح قلائد المنظوم)

(۶) علامہ عینیؒ: ''انھم لا یموتون فی قبورھم بل ھم احیاء'' (عینی شرح بخاری ج ۷ ص ۲۰۰)

ترجمہ: یقیناً انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبور شریفہ میں مردہ نہیں ہوتے، بلکہ وہ وہاں زندہ ہیں۔

(۷) امام ملاعلی قاریؒ: ''ان الانبیاء احیاء فی قبورھم فیمکن لھم سماع صلوٰۃ من صلی علیھم''

(مرقات ج ۲ ص ۲۰۹)

ترجمہ: بے شک انبیائے کرام علیہم السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ سن سکتے ہیں اس شخص کو جو ان پر درود پڑھے۔

''المعتقد المعتمد انہ ﷺ حیّ فی قبرہ کسائر الانبیاء فی قبورھم وھم احیاء عند ربھم وان لارواحھم تعلقا بالعالم العلوی والسفلی کما کانوا فی الحال الدنیوی'' (شرح الشفاء لعلی القاری ج ۲ ص ۱۴۲)

ترجمہ: عقیدہ جس پر پورا اعتماد ہے وہ یہی ہے کہ حضور ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور اسی طرح تمام انبیاء اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کی ارواح قدسیہ کو عالم علوی اور عالم سفلی کے ساتھ ایک ایسا تعلق ہوتا ہے جیسا تعلق انہیں اس دنیا میں حاصل تھا۔

الفصل الثالث: اکابر فرقہ اہل حدیث

اہل سنت کی کشتی کے پانچویں سوار حضرات فرقہ اہل حدیث ہیں۔ان کے اکابر کی تصریحات بھی دیکھئے:

(۱) قاضی شوکانی یمنیؒ: ''روحہ ﷺ لاتفارقہ لما صح ان الانبیاء احیاء فی قبورھم''

(تحفۃ الذاکرین ص ۲۸ مصر)

ترجمہ: حضور انور ﷺ کی روح مبارک اپنے جسد اطہر سے جدا نہیں ہوتی۔کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اپنی قبور شریفہ میں زندہ ہوتے ہیں۔

''انہ حی فی قبرہ...... وقد ذھب جماعۃ من المحققین الی ان رسول اللہ ﷺ حیٌ بعد وفاتہ''

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں اور محققین کی ایک جماعت کا یہی فیصلہ ہے کہ حضور ﷺ اپنی وفات شریفہ کے بعد زندہ ہیں۔ (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۰، ۲۱۱)

(۲) شیخ کبیر عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب مجدیؒ[1]: ''والذی نعتقد ان رتبۃ نبینا ﷺ اعلی مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانہ حی فی قبرہ حیوۃ مستقرۃ ابلغ من حیاۃ الشھداء المنصوص علیھا فی التنزیل اذا ھو افضل منھم بلاریب وانہ یسمع من یسلم علیہ'' (اتحاف النبلاء ص ۴۱۵ مطبوعہ کانپور)

ترجمہ: ہمارا یہی اعتقاد ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا مرتبہ تمام مخلوقات سے علی الاطلاق اعلیٰ ہے اور یہ کہ آپ اپنی قبر شریف میں دائمی طور پر زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیات شہداء کی حیات سے، جو قرآن پاک میں منصوص ہے، بہت بالا ہے، کیونکہ آپ ان سے بلاریب افضل ہیں اور آپ اپنے روضہ اطہر میں سلام عرض کرنے والوں کے سلام کو خود سنتے ہیں۔

(۳) نواب صدیق حسن خانؒ حیدر آبادی: ''حدیث ''من صلی علی عند قبری سمعتہ'' (جو میری قبر کے پاس آکر درود پڑھتا ہے، اسے میں خود سنتا ہوں) کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔اسنادہ جید۔'' (الدلیل الطالب ص ۸۴۴)

حج الکرامۃ ص ۲۸۵ میں واقعہ حرہ نقل فرمایا ہے (وسیاتی تفصیلہ وراجع لہ ص ۵۹۶ من ہذا الکتاب) کہ امام التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ فرماتے ہیں کہ: ''میں ان دنوں حجرہ شریفہ سے اذان اور اقامت سنتا تھا۔'' روضہ اطہر سے آواز آنے کی اس روایت کے متعلق نواب صاحبؒ لکھتے ہیں: ''ابن جوزی بسند متصل تا سعید بن المسیب لایا ہے کہ سعیدؒ نے ایسا فرمایا۔'' (حج الکرامۃ ص ۲۸۵)

(۴) حضرت مولانا میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ (۱۳۲۰ھ): ''اور حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی قبر میں زندہ ہیں خصوصاً آنحضرت ﷺ کہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی عند القبر درود بھیجتا ہے میں سنتا ہوں اور دور سے پہنچایا جاتا ہوں۔'' (فتاوے نذیریہ ج ۲ ص ۵۵ ضمیمہ)

(۵) مولانا وحید الزماں حیدر آبادی (۱۳۳۸ھ) تلمیذ حضرت میاں صاحب: ''اور پیغمبروں کے اجسام مردہ نہیں وہ جسم سمیت اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں۔جیسے دوسری حدیث سے ثابت ہے...... وہ مرنے کے بعد بھی

---

[1] آپ نے اپنے عقائد پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا بیشتر حصہ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنی کتاب اتحاف النبلاء مقصد دوم میں حرف المیم کے ماتحت نقل فرمایا ہے۔شیخ عبد اللہ نے اس میں ان تمام الزامات کی تردید کی ہے جو اس طبقہ سے منسوب کیے جاتے ہیں آپ مقلد تھے، غیر مقلد نہ تھے۔

جب حکم الٰہی ہوتا ہے تو اپنے زائر پر توجہ فرماتے ہیں اور ان کی روح سے زائر کو بہت سے فیوض پہنچتے ہیں اگر مردوں میں عموماً احساس اور سمع نہ ہوتا تو اہل قبور پر سلام کیوں مشروع ہوتا؟ کیا لکڑی، پتھر کو آنحضرت ﷺ نے سلام کرنے کا حکم دیا؟ اس کا وہی قائل نہ ہوگا جو نادان ہے۔'' (تیسیر الباری کتاب الدعوات ج ۶ ص ۹۸)

(۶) مولانا شمس الحق عظیم آبادی (۱۳۲۹ھ) شارح سنن ابی داؤد: ''ان الانبیاء فی قبورھم احیاء (ص ۱۰۵) انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور حدیث ما من احد یسلم علیَ الا رد اللہ علیَ روحی کے تحت لکھتے ہیں: والقول الصحیح ان ھذا المن زارہ ومن بعد عنہ تبلغہ الملئکۃ سلامہ'' (عون المعبود ص ۷)

(۷) التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی میں منقول ہے: ''انھم احیاء فی قبورھم یصلون وقد قال النبی ﷺ من صلی علیَ عند قبری سمعتہ ومن صلی علیَ نائیا بلغتہ'' (التعلیقات السلفیہ علی سنن النسائی ص ۲۴۷)

ترجمہ: انبیائے کرام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو مجھ پر میری قبر کے پاس درود پڑھے، اسے میں خود سنتا ہوں اور جو دور سے پڑھے وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے۔

التعلیقات السلفیہ ج ۱ ص ۱۹۵ پر سنن نسائی مطبوعہ دہلی ج ۱، ص ۱۸۵ کا پورا حاشیہ (جو حیات قبریہ کے حیات جسمانی عنصری اور غیر معطل عن الاشتغال الطیبہ ہونے پر نہایت واضح بیان اور مکمل برہان ہے) منقول ہے اور مؤلف نے اپنی عادت کے مطابق یہاں کوئی اختلافی نوٹ نہیں لکھا۔

(۸) مولانا فضل الرحمن ہری پوری: ''کل پیغمبروں کے اجسام زمین کے اندر صحیح وسالم ہیں قبر شریف میں اور اہلحدیث کا یہی اعتقاد ہے۔'' (رسالہ درود شریف از مولانا فضل الرحمن)

(۹) مولانا شمس الحق ملتانی از دارالحدیث رحمانیہ ملتان: ''عالم برزخ میں خصوصیت نبوی سے ایک خاصہ یہ بھی ہے کہ آپ درود وسلام زائر کا سنتے ہیں اور دور سے صلوٰۃ وسلام پہنچایا جاتا ہے۔'' (فتوی ۱۲، جمادی الثانیہ ۱۴۰۷ھ)

(۱۰) مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ: ''آپ میت کی حیات فی القبر اور اعادہ روح دونوں کے قائل تھے۔ آپ لکھتے ہیں فرشتے میت کو بٹھاتے ہیں۔'' (فتاوی ثنائیہ ج ۱ ص ۲۹۲ ص ۳۱۵)

یہ ان دس حضرات کا بیان ہے جو جماعت اہلحدیث میں لائق تقلید سمجھے جاتے ہیں۔ اب سعودی عرب کے حنبلی علماء جو گو مقلد ہیں مگر اہلحدیث حضرات کے ہاں ان کا بڑا احترام پایا جاتا ہے گو کسی وجہ سے ہو۔ ان کا مؤقف بھی اس باب میں ملاحظہ کر لیجئے۔

علمائے نجد کا عقیدہ

(۱) شیخ کبیر عبداللہ بن محمد بن عبدالوہاب نجدی کا بیان آپ اس کتاب میں صفحہ ۵۹۳ پر اتحاف النبلا المتقین کے حوالے سے پڑھ آئے ہیں۔

(۲) علامہ نجد شیخ محمد بن عبداللطیف من آل الشیخ کا عقیدہ آپ اس کتاب کے صفحہ ۲۹۸ پر ملاحظہ کر چکے ہیں کہ: ''آپ ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں برزخی زندگی کے ساتھ''

(۳) ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ رتبہ حضور انور ﷺ کا تمام مخلوق کے مراتب سے اعلیٰ ہے۔ وہ اپنی قبر میں حیات برزخیہ سے زندہ ہیں جو کہ حیات شہداء سے اکمل وافضل ہے اور سلام کہنے والے کا سلام آپ سنتے ہیں۔
(الہدیۃ السنیہ والتحفۃ الوہابیہ النجدیہ ص ۴۷)

(۴) پاکستان میں سعودی عرب کے سابق سفیر علامہ عبدالحمید الخطیب فرماتے ہیں: ''کیا واقعی علمائے نجد اور علمائے وہابیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے ہاں الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ کہنا حرام ہے؟ تو میں نے اس کا جواب دیا کہ تمام اسلاف وہابیہ اس سلام کو جائز قرار دیتے ہیں بعض لوگ خواہ مخواہ اپنے غلط عقائد وہابیہ کے ساتھ غلط ملط کر کے وہابیہ کو بدنام کر رہے ہیں۔ جیسا کہ انڈونیشیا کی ایک جماعت ''اورنغ وہابی'' کے نام سے مشہور ہے۔ مگر ان کے عقائد سراسر وہابیہ کے خلاف ہیں اس سے متاثر ہو کر میں نے یہ قصیدہ لکھا اور اس کو اجلہ علمائے نجد کے سامنے پیش کیا، سب نے تصویب فرمائی۔'' (دیباچہ رسالہ اسمی الرسالات)

اس قصیدہ میمیہ کا پہلا شعر یہ ہے:

علیک سلام اللہ یا سید الوری ومن قدرہ عند الالہ عظیم

یہ پورا قصیدہ ''تحیۃ للحبیب'' علامہ مذکور نے روضہ اطہر کے سامنے کھڑے ہو کر پڑھا۔

الفصل الرابع: عقائد متکلمین در حیات النبیین علیہم السلام

علمائے علم کلام بھی محدثین کے خلاف نہیں چلے۔

۱...... علم کلام کے مشہور امام علامہ تورپشتیؒ آپ ﷺ کا ذکر اس گہری عقیدت میں فرماتے ہیں: ''صلوٰت وبرکات چنداں کہ فہم از و پرشود واندیشہ دروگم گردد از سراپردہ کبریائے او نثار رواں پاک وکالبد زندہ ساکن مدینہ''

ترجمہ: صلوات وبرکات اتنی کہ ذہن ان سے بھر جائے اور فکر ان میں گم ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کی روح پاک اور زندہ جسد ساکن مدینہ پر قربان۔

پھر اہل سنت کے عقائد شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''وازاں جملہ آں ست کہ بدانند کہ کالبد وے را زمین نخورد و بوسیدہ نشود وچوں زمین از وے شگافتہ شود کالبد وے بحال خود باشد وحشر وے وجملہ انبیاء چنیں باشد و حدیثی درست است کہ ان اللہ حرم علی الارض اجساد الانبیاء...... ھم احیاء فی قبورھم یصلون...... واول ہمہ پیغمبر ما برخیز واز گور...... دانستن ایں ہمہ کہ یاد کردیم مہم است۔'' (کتاب المعتمد فی المعتقد باب دوم فصل ۴ للعلامہ تورپشتیؒ)

۲...... اشاعرہ اور ماتریدیہ کا فیصلہ: (۱) ''ان النبی ﷺ فی القبر حیّ یحس ویعلم وتعرض علیہ اعمال الامۃ واللہ تعالیٰ خلق ملٰئکۃ سیاحین یبلغون الیہ الصلوٰۃ من امتہ''

ترجمہ: حضور اکرم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، علم و احساس آپ میں برابر موجود ہیں۔ امت کے اعمال آپ پر پیش ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ایسے فرشتے پیدا کر رکھے ہیں جو زمین میں سیاحت کرتے رہتے ہیں اور امت کا صلوٰۃ وسلام پہنچاتے رہتے ہیں۔

(۲) ''عندھم محمد ﷺ حیّ فی قبرہ'' (الروضۃ البہیۃ ص ۱۵)

ترجمہ: اشاعرہ کے نزدیک حضور ﷺ اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔

امام ابومنصور الشافعی البغدادی اکابر ائمہ اہل سنت میں سے ہیں۔ آپ کی کتاب اصول الدین عقائد میں سند کا درجہ رکھتی ہے۔ ملا علی قاریؒ نے شرح اکبر میں آپ کا مرتبہ امامت تسلیم کیا ہے۔ (شرح فقہ اکبر ص ۱۴۴ کانپور) آپ کا عقیدہ کیا تھا؟ محدث کبیر مولانا ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں: (۳) ''قال الاستاذ ابو منصور البغدادی قال المتکلمون المحققون من اصحابنا ان نبینا ﷺ حیّ بعد وفاتہ'' (اعلاء السنن ج ۱۰ ص ۳۳)

ترجمہ: امام ابوالنصور بغدادیؒ نے فرمایا ہے ہمارے اصحاب محققین متکلمین کا یہی فیصلہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ اپنی وفات شریفہ کے بعد پھر زندہ ہیں۔

خلفائے راشدینؓ مذاہب اربعہ اور متکلمین اسلام کے ان اجماعی عقائد کے خلاف جو بھی کوئی نئی راہ چلے ہر چند وہ اپنے موقف کو بطور مجتہد براہ راست قرآن کریم سے نسبت کرے وہ حق پر نہیں، اہل السنۃ والجماعۃ ایک دین مسلسل پر ایمان رکھتے ہیں۔ جو بات امت کے اس اجماعی موقف کے خلاف ہو وہ کبھی حق نہیں ہوسکتی۔

(تتمۃ الفصل) عقائد علمائے دیوبند اور المہند

علمائے دیوبند بھی عالمی سطح پر اہل السنۃ والجماعۃ کا ایک عظیم مرکز ہیں۔ مسلمانوں پر جب بھی غیر اسلامی افکار نے ہجوم کیا مسلمانوں نے انہی کے ہتھیاروں سے ان کو پسپا کیا۔ ما انا علیہ واصحابی سے عہد وفا باندھنے والوں کے خلاف معتزلہ وغیرہ اٹھے تو یہ متکلمین اسلام ہیں جنہوں نے انہیں ہر محاذ پر شکست دی۔

چودھویں صدی کے اوائل میں اہل بدعت پھر اہل سنت سے صف آراء ہوئے۔ اس تحریک کا آغاز بدایوں سے ہوا۔ پھر بریلی اس کا مرکز بنا اور مولانا احمد رضا خاں ۱۳۲۳ھ میں ایک تکفیری دستاویز لے کر حجاز پہنچے اب ضرورت تھی کہ ہندوستان میں اہل السنۃ والجماعۃ (علمائے دیوبند) پھر سے اپنے عقائد کا ایک خاکہ مرتب کریں۔ المہند ان کے انہی عقائد کی ایک تاریخی دستاویز ہے جس میں عقیدہ حیات النبی ﷺ پوری صراحت سے موجود ہے۔

اب آگے ذرا تاریخ کا رخ کریں اور واقعات کا تجزیہ کریں۔

الفصل الخامس: شواهد الحيات من بيان الوقعات

۱...... واقعہ حرہ

اسلامی تاریخ کا یہ سانحہ یزید کے عہد حکومت میں پیش آیا۔ مظالم کربلا کے بعد ۶۳ھ میں مسلمانوں کی تاریخ اس خونی المیہ سے رنگی گئی۔ یزید نے اہل مدینہ پر جن میں بہت سے صحابہ کرامؓ اور اکثر تابعین کرامؒ تھے، فوج کشی کا حکم دیا۔ مسلم بن عقبہ شامی فوج کا سردار تھا۔ اس لشکر نے اپنے ڈیرے حرہ کے مقام پر ڈالے۔

"وحرة هذا ارض بظاهر المدينة لها حجارة سود كثيرة" (مجمع البحار ص ۲۵۶)

ترجمہ: حرہ مدینہ منورہ کے باہر وہ زمین ہے جہاں بہت سے سیاہ پتھر پائے جاتے ہیں۔

جب قتل عام اور لوٹ مار کا بازار گرم ہوا تو سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں پناہ گزیں ہو گئے۔ اس وقت مسجد نبوی ﷺ میں حضرت سعید بن مسیبؒ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔

حضرت سعید بن المسیب بڑے جلیل القدر تابعی تھے، ان کے عظمت شان کے باعث انہیں افضل التابعین کہتے ہیں۔ آپ نے سینکڑوں ان ہستیوں کو دیکھا جن کی آنکھیں آنحضرت ﷺ کی دولت دیدار سے بار ہا شرف یاب ہو چکی تھیں۔

امام دارمی، ابن سعد، ابونعیم، زبیر بن بکار، اور علامہ ابن الجوزیؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعید بن المسیبؒ نے ارشاد فرمایا: "اذا حانت الصلوٰة اسمع اذانا يخرج من قبل القبر الشريف ... لا يأتي وقت الصلوٰة الا وسمعت الاذان من القبر ثم اقيمت الصلوٰة فتقدمت فصليت وما في المسجد احد غيري"
(خلاصۃ الوفا للسمہودی ص ۳۸)

ترجمہ: جب نماز کا وقت ہوتا تھا، میں قبر شریف سے اذان کی آواز سنتا تھا پھر اقامت بھی ہوتی اور میں اسی اقامت سے نماز پڑھتا، ان دنوں مسجد نبوی میں میرے سوا اور کوئی نہ ہوتا تھا۔

اسی واقعہ کو محدث شہیر علامہ سخاویؒ نے بھی القول البدیع میں نقل کیا ہے نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ فرماتے ہیں: ''ابن جوزی بسند متصل تا سعید بن المسیب لایا۔ ہے۔'' (جذب القلوب ص ۱۸۸ مدارج النبوت ج ۲ ص ۹۰۵)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''وقضیہ سماع سعید بن المسیب ایام واقعہ حرہ اذان از حجرہ شریفہ تا سہ روز کہ مردم مفارقت مسجد نبوی کردہ بودند مشہور است'

ترجمہ: ایام حرہ میں سعید بن المسیب ؒ، حجرہ شریفہ سے تین دن تک اذان سننے کا واقعہ بہت مشہور ہے۔ ان دنوں لوگ مسجد نبوی میں نہ آتے تھے۔

۲...... قبر سے آواز آنے کی ایک اور مثال

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے بعض صحابہؓ نے بے خبری میں ایک قبر پر خیمہ گاڑ دیا۔ اس سے سورہ تبارک الذی بیدہ الملک کی آواز آرہی تھی۔ حتیٰ کہ اس نے تمام سورۃ ختم کی صحابہ نے آکر یہ واقعہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، تو آپ نے فرمایا: ''ھی المانعۃ المنجیۃ وتنجیہ من عذاب القبر''

ترجمہ: یہ سورت عذاب سے نجات دینے والی ہے۔

ا۔ سے امام بیہقی اور امام حاکمؒ نے بھی روایت کیا ہے حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے بھی التکشف ص ۴۴۳ پر نقل فرمایا ہے، واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم فی کل باب!

اسے اور مذکورہ سابقہ واقعہ حرہ کو'' واقعہ حال'' کہہ کر نظر انداز نہ کیا جائے۔ اکابر علمائے ثقات اسے ایک اصول ضابطے کے ماتحت ذکر کرتے ہیں۔ خاتم المحدثین حضرت مولانا السید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں: ''ان کثیرا من الاعمال ثبت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی وقرأۃ القران عند الترمذی'' (فیض الباری ج ا ص ۱۸۵)

ترجمہ: بے شک بہت سے اعمال قبروں میں بھی ظہور پذیر ہوئے ہیں جیسے کہ دارمی کی روایت میں اذان اور اقامت کا وجود (واقعہ حرہ میں) اور ترمذی کی روایت سے قبر میں قرأت قرآن کا ثبوت ملتا ہے۔

۳...... واقعہ سلطان نور الدین شہید محمد بن زنگیؒ (۵۵۷ھ)

سلطان نور الدین شہیدؒ (شاہ مصر) نے ایک رات سردار انبیاء حضور نبی کریم ﷺ کو تین بار خواب میں دیکھا کہ وہ سامنے کھڑے دو شخصوں کی طرف اشارہ کر کے فرما رہے ہیں کہ ''جی پہنچو اور مجھے ان دو شخصوں کے شر سے محفوظ کرو' سلطان نے اپنی فراست سے معلوم کر لیا کہ مدینہ منورہ میں کوئی بہت ناخوشگوار واقعہ پیش آرہا ہے۔ سلطان مذکور اسی وقت رات کے آخری حصے میں اپنے بیس خاص آدمیوں کے ساتھ بہت سامان ساتھ لے کر مدینہ منورہ کی طرف چل پڑا اور سولہ دنوں میں شام سے مدینہ منورہ پہنچا۔ (جذب القلوب ص ۱۱۱، مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۹۰۵)

آخر کار پتہ چلا کہ دو انگریز جو بظاہر بہت پرہیز گار اور عبادت گزار بنے ہوئے تھے، روضہ اطہر کے قریب ایک رباط میں مقیم ہو کر سرنگ کے ذریعے قبر منور تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔ انہیں عیسائی بادشاہ نے اس ناپاک پروگرام کے ساتھ بھیجا ہوا تھا کہ جسد اطہر کو وہاں سے منتقل کر لیا جائے۔ یہ لوگ حاجی بن کر حرم شریف میں داخل ہوئے تھے۔ جس رات وہ روضہ اطہر کے قریب پہنچنے والے تھے، ابر وباراں اور رعد و برق کا ظہور ہوا زمین

کانپنے لگی اور صبح سلطان نورالدین مدینہ منورہ میں حاضر ہو گیا۔ سلطان کی آنکھیں اشکبار تھیں اور ایک عجیب کیفیت طاری تھی بالآخر ملعون فریب کار قتل کر دیئے گئے اور سلطان عادل نے حجرہ شریفہ کے گرد خندق کھدوا کر ایک سیسہ پلائی چاردیواری بنادی تا کہ جسد اطہر تک پھر کسی کی رسائی نہ ہو سکے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں: ''ایں قصہ را جمیع مورخان مدینہ منورہ ومثل شیخ جمال الدین مطری ومجدالدین فیروزآبادی وغیر ایشاں از علمائے اعلام ذکر کردہ اند وتصحیح نمودہ'' (جذب القلوب ص ۱۹۰)

''قلت وکذلک فی خلاصۃ الوفاء باخبار دار المصطفی ص ۱۶۱ واتی الشیخ السمہودی بالاسناد والاعتماد''

تتمۃ الفصل

۴......محب طبری ریاض النضرہ میں اس جیسا ایک اور عجیب واقعہ نقل کرتے ہیں

روافض حلب کی جماعت والی مدینہ کے پاس آئی اور اسے (مغالطہ یا) بہت سی رشوت اور لالچ دے کر اس پر آمادہ کر لیا کہ وہ انہیں رات کے وقت حجرہ شریفہ تک بازیابی دے (تا کہ وہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کے اجساد مطہرہ کو کسی اور جگہ منتقل کر سکیں) امیر نے دربان کو کہہ دیا کہ جب وہ آئیں، تو حرم کا دروازہ کھول دے اور انہیں کسی بات سے نہ روکے۔

دربان کہتا ہے کہ جب عشاء کی نماز ہو چکی اور تمام دروازے بند ہو گئے۔ چالیس رافضی کھودنے گرانے کے آلات اور شمع لے کر ''باب السلام'' پر آ گئے اور دروازہ کھٹکھٹایا میں نے امیر کے حکم کے مطابق دروازہ کھول دیا اور خود ایک گوشے میں بیٹھ کر رونے لگا۔ خدا کی قدرت کہ ابھی وہ منبر شریف کے برابر بھی نہ پہنچے تھے اور اس ستون کے قریب ہی تھے جو حضرت عثمانؓ کے ایزاد کردہ حصہ مسجد کے ساتھ ہے کہ تمام کے تمام اپنے سب آلات وسامان کے ساتھ نیچے دھنس گئے والی مدینہ جو بدمذہب اور منافق تھا، انجام کار کا منتظر تھا۔ اس نے مجھے بلایا اور ان لوگوں کا حال پوچھا میں نے جو کچھ دیکھا تھا پورے کا پورا سنا دیا۔

امیر نے کہا! کیا تو دیوانہ ہو گیا ہے، کیا کہہ رہا ہے؟

میں نے کہا! امیر خود جا کر دیکھ لیں۔ ان کے دھنسنے کے آثار[1] اور ان کے کپڑوں کے نشان ابھی باقی ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: ''طبری نسبت ایں حکایت بہ ثقات مے کند کہ بہ صدق ودیانت مشہور اند وبعضی موورخان مدینہ نیز ذکر کردہ اند۔'' (جذب القلوب ص ۱۱۳)

(۱) ارشادات نبوت، (۲) خلفائے راشدینؓ کے نظریات قدسیہ، (۳) ام المومنینؓ اور (۴) صحابہ کرامؓ کے بیانات عالیہ، (۵) مذاہب اربعہ کی تصریحات، (۶) متکلمین کرام کے فیصلے اور شواہد، (۷) اور واقعات یکے بعد دیگرے آپ نے ملاحظہ فرمالیے۔ تاریخ اسلام کے ان مختلف ادوار میں حیات انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ

---

[1] دھنسنے کے کچھ آثار اس لیے باقی رہ گئے تھے کہ وہ ملعونین کیفر کردار کو پہنچنے کے بعد وہاں سے اکھاڑ کر پھر کسی دوسری جگہ پھینکے جا سکیں۔ اس پاک سرزمین میں انہیں ہمیشہ کا استقرار کیسے مل سکتا تھا اگرچہ ''روضۃ من ریاض الجنۃ'' کی حدود آگے منبر شریف سے شروع ہوتی تھیں اور حجرہ شریفہ تک پہنچتی تھیں اور یہ جگہ جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا، اس قطعہ قدسیہ سے ذرا پہلے تھی تاہم اس کا بھی احترام قائم رکھا گیا۔ ان ملعونین کے جو حصے دھنسنے سے باقی رہ گئے۔ پھر ان پر حکم قتل جاری کیا گیا تھا۔ زیادہ تفصیل کے لیے تحفہ اثنا عشریہ فارسی ص ۱۰۶ مطبوعہ لکھنؤ دیکھئے......وراجع لہ کتاب الاستنصار للفاضل السمنانی القاضی

اس کثرت سے بیان ہوتا رہا کہ ان تمام نقول کا استقصاء اور دلائل کا احصار قریب قریب ناممکن ہے ہاں یہ حقیقت لطف سے خالی نہیں کہ جہاں تاریخ کے ہر دور میں یہ مسئلہ اتنے شد و مد سے سامنے آتا رہا، وہاں ایک مثال بھی نہیں ملتی کہ سواد اہل سنت کے کسی فقہی یا کلامی مسلک نے اس مرکزی نقطہ حیات سے سرمو بھی تجاویز کیا ہو۔ تاریخ کے ہر دور میں بعض ائمہ واکابر اسے بیان کر دینا اور دوسرے اعیان امت میں سے کسی کا اس پر نکیر نہ کرنا، اس حقیقت کی واضح شہادت ہے کہ انبیائے کرام کی حیات برزخیہ کے جسمانی اور اسی دنیا والے جسم سے قائم ہونے پر اہل حق اہل سنت کا تاریخ ملت کے ہر دور میں اجماع رہا ہے۔

الفصل السادس: شهادات اجماع

(۱) محدث کبیر علامہ سخاویؒ تلمیذ خاتمۃ الحفاظ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ: ''نحن نؤمن و نصدق بانه ﷺ حي يرزق في قبره ان جسده الشريف لا تأكله الارض و الاجماع على هذه''

ترجمہ: ہمارا ایمان ہے اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں، آپ ﷺ کو وہاں رزق بھی ملتا ہے اور آپ ﷺ کے جسد اطہر کو مٹی نہیں کھاتی اور اس عقیدے پر اہل حق کا اجماع ہے۔

(۲) شیخ الاسلام محدث شہیر حضرت علامہ عینیؒ: ''و مذهب اهل السنة و الجماعة ان في القبر حياة و موتا فلا بد من ذوق الموتتين لكل احد غير الانبياء'' (عینی علی البخاری ج ۷ ص ۶۰۱)

ترجمہ: پورے اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ قبر میں حیات اور پھر موت یہ دونوں سلسلے ہوتے ہیں پس ہر ایک کو دو موتوں کا ذائقہ چکھنے سے چارہ نہیں ماسوائے انبیاء کے (کہ وہ اپنی قبروں میں زندہ رہتے ہیں ان پر دوبارہ موت نہیں آتی)

(۳) علامہ محقق محمد عابد السندیؒ استاد حضرت شاہ عبد الغنی مجددیؒ: ''اما هم (اى الانبياء) فحياتهم لا شك فيها و خلاف لا حد من العلماء في ذلك... فهو ﷺ حي على الدوام'' (رسالہ مدنیہ ص ۴۱)

ترجمہ: انبیائے کرام کی حیات میں کوئی شک نہیں اور نہ علماء میں سے کسی کا اس سے اختلاف ہے۔ پس آپ ﷺ اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔

(۴) حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ: ''حیات متفق علیہ است ہیچ کس را دروے خلافے نیست۔''

ترجمہ: حضور انور ﷺ کی حیات ایک متفق علیہ اجماعی مسئلہ ہے، اس میں (اہل حق میں سے) کسی کا اختلاف نہیں۔ (اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۶۱۳)

(۵) شارح مشکوۃ نواب قطب الدین صاحب دہلویؒ: ''زندہ ہیں انبیاء علیہم السلام قبروں میں'' یہ مسئلہ متفق ہے۔ کسی کو اس میں خلاف نہیں کہ حیات ان کو وہاں حقیقی جسمانی دنیا کی سی ہے۔ (مظاہر حق ج ۱ ص ۴۴۵)

(۶) قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ: ''قبر کے پاس...... انبیاء کے سماع میں کوئی اختلاف نہیں'' (فتاوی رشیدیہ ص ۱۰۰)

ا۔ جن اعیان امت نے آنحضرت ﷺ کی اس حیات فی البرزخ کو دنیوی کہا ہے ان کی مراد صرف یہی ہے کہ آپ کا وہی بدن فائز الحیات ہے جو اس دنیا میں تھا نہ یہ کہ اس عالم دنیا کی حیات کے جمیع لوازم وہاں ثابت ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اس دنیوی حیات کا مفہوم ان لفظوں میں بیان فرماتے ہیں ''انبیاء کرام کو انہیں حیات دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زندہ سمجھتا ہوں۔'' (لطائف قاسمیہ ص ۳)

تتمة الفصل

جمیع اہل سنت کا یہ متفقہ اور مجمع علیہ عقیدہ ہے تو پھر حیات جسمانی کا انکار کن کا مذہب ہے؟

(۱) شیخ الاسلام حضرت علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: ''من انکر الحیوة فی القبر وھم المعتزلة ومن نحا نحوھم واجاب اھل السنة عن ذلک'' (عینی علی البخاری ج ۷، ص ۶۰۱)

ترجمہ: جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی قبر کی زندگی کا انکار کیا ہے اور وہ معتزلہ اور ان کے ہم عقیدہ ہیں۔ اہل سنت نے ان کے دلائل کے جوابات دیئے ہیں۔

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی اسی انداز کو بیان فرمایا ہے کہ منکرین حیات اہل سنت میں سے نہیں ہیں۔

''قد تمسک به من انکر الحیوة فی القبر واجیب عن اھل السنة ... ان حیوته ﷺ فی القبر لا یعقبھا موت بل یستمر حیا'' (فتح الباری ج ۷ ص ۲۲ مصر)

ترجمہ: منکرین حیات فی القبر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور اہل سنت کی طرف سے ان کا جواب دیا جاتا ہے کہ حضور ﷺ کی قبر کی زندگی ایسی ہے کہ دوبارہ اس پر موت نہیں اور آپ اب دائمی طور پر زندہ ہیں۔

(۳) حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ نے بھی اس عبارت کو حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۵۱۷ پر نقل کیا اور تسلیم کیا ہے۔

مسئلہ کی حقیقت مختصر الفاظ میں

الفصل السابع: وفیه اربعة من المباحث

المبحث الاوّل: حیات فی القبر

جمیع اہل السنۃ والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ مرنے کے بعد قبر میں (یا جہاں بدن میت پڑا ہو یا جہاں جہاں اجزائے بدن پھیلے ہوئے ہوں، سب میں) پھر روح سے تعلق قائم ہوتا ہے۔ یہ تعلق یا تو ''دخول روح در جسد'' سے قائم ہوتا ہے یا اس کا تحقق ''اتصال روح بجسد'' سے ہوتا ہے۔ جو صورت بھی ہو قبر میں زندگی ضرور ملتی ہے۔

سوال وجواب کی منزل گزرنے کے بعد پھر یہ تعلق کمزور ہو جاتا ہے اور اتنا کمزور کہ اسے ''موت فی القبر'' سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اس منزل میں حیات صرف اس درجہ میں باقی ہوتی ہے کہ ثواب وعذاب کا ادراک ہوتا رہے اور ہو سکتا ہے کہ حیات کا یہ درجہ روح کے بغیر ہو۔ اس لیے کہ روح اور حیات میں تلازم محض ایک امر عادی ہے کہ عام عادت الٰہی اسی طرح جاری ہے عقلی یا شرعی نہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بہت سے اشاعرہ اور حنفیہ روح وحیات کے اس تلازم کے قائل نہیں۔

خیر! یہ تو سوال وجواب کی منزل کے بعد کی بات ہے کہ اس درجے کی حیات روح کے ساتھ قائم ہوتی ہے یا روح کے بغیر، لیکن اس پر سب اہل تحقیق متفق ہیں کہ اس منزل سے پہلے کی ''حیات فی القبر'' روح کے ساتھ ہی قائم ہوتی ہے خواہ ''اعادہ روح بجسد'' کے ساتھ خواہ ''اتصال روح بجسد'' کے ساتھ۔ بہر حال اس حیات کے تعلق بالروح سے چارہ نہیں۔ یہ امر مجمع علیہ اور یقینی ہے کہ دفن کے بعد قبر کی پہلی منزل میں ایک دفعہ پھر تعلق بالروح سے زندہ کیا جاتا

ہے اور اس منزل کے گزرنے کے بعد عامۃ الناس میں روح کا استقرار نہیں رہتا۔ اس زندگی پر پھر ایک دفعہ موت آتی ہے۔ ہاں یہ اماتت حقیقی نہیں ہوتی اور اس درجہ میں احساس باقی رہتا ہے کہ ثواب وعذاب کا ادراک ہوتا رہے۔

طریق حیات فی القبر

دفن ہونے کے بعد قبر کی پہلی منزل میں یہ حیات کیسے حاصل ہوتی ہے اس باب میں سواد اعظم کے دو طبقے ہیں۔ ایک اعادہ روح کا قائل ہے اور دوسرا اتصال روح کا مسلک رکھتا ہے۔ اس میں ترجیح کسے حاصل ہے، براہ راست یہ ہمارا موضوع نہیں، ہاں یہ امر یقینی اور متفق علیہ ہے کہ بدن مدفون ایک دفعہ پھر تعلق بالروح سے فائز الحیات ہوتا ہے اور اس کے بعد قبر کی دوسری منزل میں ایک دفعہ پھر حکمی موت وارد ہوتی ہے۔ اور یہ امر بھی اجماعی اور یقینی ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر یہ دوسری موت قطعاً نہیں آتی۔ ان کے لیے ایک ہی دفعہ موت کی لذت شناسی ہے اور صحابہ کرام ؓ کا سب سے پہلا اجماع اسی مسئلے پر ہوا تھا۔ آنحضرت ﷺ کی ''حیات فی القبر'' کے متعلق بھی یہی دو نظریے بیان کیے جاتے ہیں بعض حضرات اعادہ روح کے قائل ہیں اور بعض اتصال روح یا تاثیر روح کا مسلک رکھتے ہیں۔

یہ دونوں مسلک اسی ایک پہلے اختلاف کا نتیجہ ہیں کہ قبر کی حیات ثانیہ اعادہ روح سے حاصل ہوتی ہے۔ پھر اول الذکر مسلک زیادہ صحیح ہے اور اگر اس حیات کا تحقق اتصال روح سے ہے تو پھر ثانی الذکر نظریہ زیادہ صحیح ہوگا۔

آیئے! چلتے ہوئے یہ بھی دیکھتے جائیں کہ حیات فی القبر اعادہ روح سے قائم ہوتی ہے یا اتصال روح۔

حضرت براء بن عازب ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''فتعاد روحه فی جسده فیأته ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک... الحدیث رواہ احمد'' (مشکوۃ ص ۱۴۲ سطر ۱۹)

ترجمہ: پس اس مرنے والے مومن کی روح پھر اس بدن میں لوٹائی جاتی ہے اور دو فرشتے اس کے سامنے آتے ہیں۔ پس اسے بٹھلاتے ہیں اور پھر سوال وجواب کا سلسلہ ہوتا ہے۔

''والحدیث صحیح'' (تنقیح الرواۃ ج ۱ ص ۳۱۷)

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں: ''رواہ الامام احمد وابو داؤد وروی النسائی وابن ماجة اوله ورواہ ابو عوانة الاسفرائنی فی صحیحه وذهب الی القول بموجب هذا الحدیث جمیع اهل السنة والحدیث من سائر الطوائف'' (کتاب الروح ص ۵۱)

''النص الصحیح الصریح وهو قوله ﷺ ''فتعاد روحه فی جسده'' (ایضاً ص ۵۲)

''فالحدیث صحیح لا شک فیه'' (ایضاً ص ۵۶)

''رواہ احمد محتج بهم فی الصحیح والحدیث حسنة المنذری ورواہ ایضا ابو داؤد والحاکم وابن ابی شیبة وابن منده ابو نعیم وابو عوانة الاسفرائنی فی صحیحه من طرق صحیحة والبیهقی وقال هذا حدیث صحیح الاسناد'' (تنقیح الرواۃ فی تخریج احادیث المشکوۃ ج ۱ ص ۳۱۴)

ابن مندہ کی پوری روایت حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح ص ۵۶ تا ص ۵۸ نقل کی ہے اس میں ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں کہ رب العزت ملائکہ سے فرماتے ہیں: ''ردوا روح عبدی الی الارض فانی وعدتهم ان اردهم فیها''

ترجمہ: میرے بندے کی روح پھر زمین کی طرف لوٹا دو، میرا وعدہ ہے کہ میں انہیں پھر زمین میں لوٹاؤں گا۔

اس کا حاصل یہی ہے کہ مرنے والوں کی روحیں علیین یا سجین سے تعلق قائم کرکے وہاں سے ہوکر پھر زمین

کی طرف لوٹائی جاتی ہیں۔ اعادہ روح کی اس حدیث کے متعلق حافظ ابن قیم فرماتے ہیں: ''هذا حديث ثابت مشهور مستفيض صححه جماعة من الحفاظ ولا نعلم احدا من ائمة الحديث طعن فيه بل وردوه في كتبهم وتلقوه بالقول وجعلوه اصلا من اصول الدين'' (کتاب الروح ص۵۹)

ترجمہ: یہ حدیث ثابت ہے۔ مشہور اور مستفیض ہے، حفاظ حدیث کی ایک پوری جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے اور ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا، بلکہ اسے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، اسے قبول کیا ہے اور اس کو اصول دین میں سے ایک اصل قرار دیا ہے۔

المبحث الثاني: رد الاشتباهات في تحقيق الرواة

حافظ ابن تیمیہؒ کا ارشاد: ''قال الحافظ ابو نعيم الاصفهاني واما حديث البراء رواه المنهال بن عمرو عن زاذان عن البراء فحديث مشهور رواه عن المنهال الجم الغفير ورواه عن البراء عدي بن ثابت ومحمد بن عقبة وغيرهما ورواه عن زاذان عطاء بن السائب قال وهو حديث اجمع رواة الاثر على شهرته واستفاضته وقال الحافظ ابو عبدالله بن مندة هذا الحديث اسناده متصل مشهور رواه جماعة عن البراء''

(شرح حدیث النزول ص ۷۴ للحافظ ابن تیمیہ)

حافظ ابن قیمؒ کا ایک اور حوالہ: ''وهو حديث صححه جماعة من الحفاظ''

(اجتماع جيوش الاسلامية على غزو المعطلة الجهمية لابن القيم ص ۳۷)

امام احمد کی پہلی روایت کے متعلق بعض حضرات کہتے ہیں کہ: اس میں ایک راوی منہال بن عمرو ہے اور وہ ''فتعاد روحه في جسده'' کے قطعہ روایت میں منفرد ہے، ابن حزم نے اس کے متعلق کہا ہے: ''ليس بالقوي''

جواباً عرض ہے کہ منہال بن عمرو کو امام جرح وتعدیل امام یحییٰ بن معینؒ نے ثقہ کہا ہے۔ امام عجلیؒ بھی اس کے ثقہ ہونے پر نص فرماتے ہیں۔ ابن حزم چونکہ عذاب قبر کے قائل نہ تھے اور یہ حدیث ان کے اعتقاد کی تردید کرتی تھی اس لیے انہوں نے اس حدیث کی تضعیف کر دی۔ اور منہال بن عمرو کو ضعیف کہہ دیا۔ تنقیح الرواۃ میں ہے: ''وفي اسناد الحديث منهال بن عمرو وثقه ابن معين والعجلي وقد تكلم ابن حزم في المنهال ولا يلتفت لكلام بن حزم بعد احتجاج الشيخين به ولما رأى ابن حزم حديث المنهال راداً على معتقده في انكار عذاب الاجساد في قبورها طعن فيه وطعنه مردود والحديث صحيح'' (تنقیح الرواۃ ج۱، ص ۳۱۴)

ترجمہ: اس حدیث کی سند میں منہال بن عمرو ہے، اسے امام یحییٰ بن معینؒ اور عجلیؒ ثقہ قرار دیتے ہیں۔ ابن حزمؒ نے اس پر کلام کیا ہے، لیکن اس کی کوئی پرواہ نہ کی جائے کیونکہ حدیث کے دو بڑے امام اسے حجت مان رہے ہیں۔ ابن حزمؒ چونکہ عذاب قبر کے جسمانی ہونے کے قائل نہ تھے اور یہ حدیث ان کے عقیدہ کی تردید کر رہی تھی اس لیے انہوں نے اس پر جرح کر دی۔ حالانکہ حدیث صحیح ہے اور اس پر طعن مردود ہے۔

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں: ''فالمنهال احد الثقات العدول قال ابن معين المنهال ثقة وقال العجلي كوفي ثقة واعظم ما قيل فيه انه سمع من بيته صوت غناء وهذا لا يوجب القدح في روايته واطراح حديثه وتضعيف ابن حزم له لا شئ فانه لم يذكر موجبا لتضعيفه غير تفرده بقوله فتعاد روحه في جسده وقد بينا انه لم يتفرد بها بل رواها غيره قد روى ما هو ابلغ منها'' (کتاب الروح ص۵۹)

ترجمہ: منہال عادل اور ثقہ لوگوں میں سے ہیں۔ ابن معین اور عجلی انہیں ثقہ کہتے ہیں زیادہ سے زیادہ ان پر جو اعتراض ہے، وہ یہی ہے کہ ایک دفعہ ان کے گھر سے گانے کی آواز سنی گئی تھی (یہ بھی قیل سے مذکور ہے معلوم نہیں صحیح ہے یا غلط نیز اس کا مرتکب کون تھا اور کون نہیں) اور یہ اس کی روایت میں موجب قدح نہیں اور ابن حزم کا اسے ضعیف کہنا بالکل لاشئے ہے۔ اس نے صرف اس کا تفرد ہی بیان کیا ہے اور ہم ثابت کر آئے ہیں کہ وہ متفرد نہیں۔

دوسرا اعتراض

حضرت براء بن عازبؓ سے اس حدیث کو زاذان نقل کر رہا ہے اور اس کا سماع حضرت براءؓ سے ثابت نہیں۔ علاوہ ازیں وہ بھی اس روایت میں متفرد ہے۔ نیز اس میں بھی ابن حزمؒ کو کلام ہے۔

جواباً گزارش ہے کہ حافظ ابوعوانہ اسفرائنیؒ نے زاذان کندی کا حضرت براءؓ سے صیغہ سماع نقل کیا ہے پس اس اعتراض کی بھی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی۔

حافظ ابن قیم لکھتے ہیں: ''ھذہ العلة باطلة فان ابا عوانة الاسفرائنی رواہ فی صحیحه باسنادہ قال عن ابن عمرو زاذان الکندی قال سمعت البراء'' (کتاب الروح ص ۵۹)

ترجمہ: یہ علت باطل ہے کیونکہ امام ابوعوانہ اسفرائنی نے اسے اپنی صحیح میں اپنی سند سے روایت کیا ہے اور اس میں اس کے سماع کی تصریح کی ہے۔

تفرد زاذان کے متعلق فرماتے ہیں: ''فالحدیث لاشک فیه صحیح وقد رواہ عن البراء بن عازب جماعة غیر زاذان منھم عدی بن ثابت و محمد بن عقبة و مجاھد'' (ایضاً ۵۶)

ترجمہ: پس حدیث صحیح ہے اس میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ براءؓ سے اسے زاذان کے علاوہ اور لوگوں نے بھی روایت کیا ہے انہیں میں عدی بن ثابت، محمد بن عقبہ اور مجاہد بھی ہیں۔

اور توثیق راذان کے متعلق ملاحظہ ہو: ''امام یحییٰ بن معینؒ انہیں ثقہ قرار دیتے ہیں، ابن سعدؒ ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں، خطیب اور عجلی نے بھی ثقہ کہا ہے، ابن عدی اور حاکم نے بھی توثیق کی ہے۔''

(تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۰۳)

علامہ عزیزیؒ اس کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں: ''حدیث صحیح'' (السراج المنیر ج ۱ ص ۵۱۴ مصر)

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں: ''وزاذان من الثقات روی عن اکابر الصحابة کعمر وغیرہ وروی له مسلم فی صحیحه قال یحییٰ بن معین ثقة قال حمید بن ھلال وقد سئل عنه ھو ثقة لا تسئل عن مثل ھؤلاء''

(ایضاً ص ۵۹)

ترجمہ: زاذان ثقہ راویوں میں سے ہے اس نے حضرت عمرؓ جیسے اکابر صحابہؓ سے روایات لیں ہیں۔ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں اس کی روایت لی ہے۔ یحییٰ بن معینؒ اسے ثقہ کہتے ہیں، حمید بن ہلال سے زاذن کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا، ایسے قابل اعتماد لوگوں کے متعلق پوچھنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

المبحث الثالث: اعادۂ روح کے متعلق متکلمین کا موقف

تفصیلات مذکورہ کے پیش نظر محدثین کا موقف تو بالکل بے غبار ہے کہ وہ طریق حیات فی القبر کے باب

میں ''اعادہ روح'' کے قائل ہیں لیکن متکلمین کے متعلق عام طور پر یہی رائے ہے کہ وہ اعادہ روح کے قائل نہیں، بلکہ اتصال روح سے بدن مدفون میں حیات تسلیم کرتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹیؒ لکھتے ہیں: ''لیس المراد بالحیٰ ھھنا ما یعاد فیہ الروح ویصدر عنہ الافعال الاختیاریۃ بل ما بہ یدرک الالم واللذۃ فاذا خلق اللہ فیہ ادراکا۔۔۔ یکون حیا لا جمادا''

(عبدالحکیم علی الخیالی ص ۱۱۸)

ترجمہ: اس جگہ سے ''حی'' سے مراد یہ نہیں کہ اس میں روح لوٹائی گئی ہو، اور اس سے افعال اختیاریہ صادر ہوتے ہیں بلکہ حیات سے مراد یہ ہے کہ وہ الم ولذت کا ادراک کر سکے۔ اس انداز حیات سے بھی وہ جماد ہونے سے نکل جاتے ہیں اور زندہ ہوتے ہیں۔

تحقیق المقام

اس مقام پر تین مسلک بیان کیے جاتے ہیں:

(۱) میت کو قبر میں زندگی ملتی ہے پس عذاب قبر برحق ہے۔ یہ مسلک اہل سنت والجماعۃ کا ہے۔

(۲) میت قبر میں جماد محض ہے پس عذاب قبر کچھ نہیں۔ یہ جمہور معتزلہ وروافض کا مسلک ہے۔

(۳) میت ہے تو قبر میں جماد اور بے جان، مگر اس پر عذاب پھر بھی ہوتا ہے یہ مسلک معتزلہ کی شاخ صالحیہ اور فرقہ کرامیہ کا ہے۔

خیالی کی عبارت ''جوز بعضھم تعذیب غیر الحی'' میں اس تیسرے مسلک کا بیان ہے۔ اس پر حضرت مولانا سیالکوٹیؒ انہیں الزام دیتے ہیں جسے ہم اپنے لفظوں میں بیان کرتے ہیں: کہ جب تم میت کے لیے قبر میں عذاب مانتے ہو تو پھر تمہارا اسے جماد کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟ جماد تو اسے ہی کہتے ہیں جس میں کہ کوئی احساس نہ ہو، پس اسے عذاب ہونے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا اور اگر اس میں اتنا احساس ہے کہ الم ولذت کا ادراک کر سکے، تو پھر اس کے لیے زندگی ثابت ہو گئی، جماد محض نہ رہا۔

اس مقام پر مولانا سیالکوٹیؒ حیات میت کی تشریح میں وہ عبارت لکھتے ہیں جو کہ پہلے لکھی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں مولانا مرحوم صالحیہ اور کرامیہ کو الزام دے رہے ہیں کہ جو ''صورت عذاب قبر'' تم تجویز کر رہے ہو، اس سے بھی حیات قبر لازم آ رہی ہے۔ ہاں اس صورت حیات میں اعادہ روح لازم نہیں۔ چنانچہ ''نبراس علی شرح العقائد'' میں ایسی جواب پر لکھا ہے: ''ھذا جواب اشکال اوردہ المعتزلۃ مستدلین بقولہ تعالیٰ لا یذوقون فیھا الموت الا الموتۃ الاولیٰ'' (نبراس ص ۳۲۲)

ترجمہ: یہ تو ایک اشکال کا جواب تھا جو معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے پیش کیا تھا ''وہ نہیں چکھیں گے وہاں کوئی اور موت ان کے لیے تو وہی موت ہے جو آ چکی''

یہ صورتِ جواب کیوں اختیار کی گئی؟

اس لیے کہ اعادہ روح کا مضمون متکلمین کے نزدیک حدیث براء بن عازبؓ کی رو سے خبر واحد سے ثابت ہو رہا تھا اور معتزلہ خبر واحد کی حجیت کے قائل نہ تھے۔ پس انہیں اعادہ روح کی روایت سے قائل نہ کیا جا سکتا

تھا۔ ہاں عذاب قبر کی روایات چونکہ حد تواتر تک پہنچ رہی تھیں اور ان کی رو سے میت مدفون کے لیے لذت والم کا ادراک ثابت ہو رہا تھا اس لیے یہاں اسے ہی حیات میت ثابت کرنے کے لیے ایک زینہ بنایا گیا۔ معتزلہ اور کرامیہ یقیناً اس کے جواب باصواب سے عاجز تھے۔

اب سوال یہ ہے کہ متکلمین نے ''میت میں پھر روح نہ لوٹنے کو'' کیا تحقیق واقعی کے طور پر بیان کیا ہے یا یہ صرف ایک الزامی شکل جواب تھی اور متکلمین کا اصل مسلک وہی ہے جو محدثین کا تھا؟ شرح نبراس میں اس حقیقت سے اس طرح نقاب کشائی کی گئی ہے: ''وعندی فی هذا الجواب بحث وهو ان الاحادیث الصحیحة ناطقة بان الروح تعاد فی الجسد عند السوال فالجواب بانکار الاعادة غیر موجه وقد اجاب المشائخ عن هذه الآیة بوجوه''

ترجمہ: میرے نزدیک یہ جواب محل نظر ہے اس لیے کہ احادیث صحیحہ پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ روح پھر جسم میں لوٹائی جاتی ہے پس اعادہ روح کا انکار کر کے معتزلہ کو جواب دینا ٹھیک نہیں معتزلہ نے ان کی پیش کردہ آیت کے اور کئی جواب دیئے ہیں۔ (نبراس ص ۳۲۲)

''سائر الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن اذ المسئلة للبدن بلا روح قول قاله طائفة من الناس وانکره الجمهور وکذلک السوال للروح بلا بدن قاله ابن میسرة وابن حزم ولو کان کذلک لم یکن للقبر بالروح اختصاص'' (شرح حدیث النزول للحافظ تیمیہ ص ۵۱)

''هذا قول منکر عند عامة اهل السنة والجماعة[1]'' (ایضاً ص ۸۸)

''واذا قبضت الروح عرج بها الی الله فی ادنی زمان لم تعاد الی البدن فتسأل وهی فی البدن''

(ایضاً ص ۸۷)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے بھی تحفہ اثنا عشریہ میں ''حیات فی القبر'' کا حکمی ہونا روافض کے آیت مذکورہ سے استدلال کرنے کے جواب ہی میں تحریر فرمایا ہے۔ حق یہی ہے کہ محدثین کا مسلک اس باب میں بالکل بے غبار ہے اور متکلمین بھی تحقیقاً انہی کے ساتھ ہیں اس کے علاوہ جو کچھ بھی صورت جواب ہے وہ معتزلہ کے پیدا کردہ اشکالات کے پیش نظر ہے جب جملہ اموات کے لیے اعادہ روح ثابت ہے تو انبیاء علیہم السلام کو کس دلیل کی بناء پر مستثنٰی کیا جاتا ہے؟ علامہ سبکی فرماتے ہیں: ''وعود الروح الی البدن ... فی سائر الموتی فضلا عن الشهداء فضلا عن الانبیاء وانما النظر فی استمرارها فی البدن'' (شفاء السقام ص ۱۵۹)

ترجمہ: روح کا بدن میں پھر دوبارہ لوٹنا یہ تو تمام اموات کے لیے ثابت ہے۔ شہداء اور انبیاء پر تو بدرجہ اولیٰ اس کا تحقق ہوگا بحث صرف اس میں ہے کہ روح پھر بدن میں دائما رہے گی یا یہ تعلق ٹوٹے گا۔

احادیث شریفہ میں ''حیات فی القبر'' کے لیے اعادۂ روح تو نہایت صحیح اور متواتر المعنی روایات سے ثابت ہے۔ لیکن قبر کی پہلی منزل گزرنے کے بعد بدن یا اجزائے بدن میں ادراک الم ولذت کا کچھ اثر چھوڑتے ہوئے یہ روح پھر نکل جاتی ہے یا وہیں استقرار پذیر رہتی ہے؟ یہ معاملہ غور طلب ہے۔

---

[1] اس عقیدہ کی تائید میں کہ قبر کے سوال وجواب روح اور بدن کے مجموعہ سے متعلق ہیں۔ علامہ صدرالدین الحنفی کی یہ تصریح بھی ملاحظہ کیجئے: ''وکذلک عذاب القبر یکون للنفس والبدن جمیعا باتفاق اهل السنة والجماعة تنعم النفس وتعذب مفردة عن البدن ومتصلة به'' (شرح العقیدہ الطحاویہ ص ۳۲۰)

حافظ ابن قیمؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ سے نقل کرتے ہیں: ''قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن وقت السوال'' (کتاب الروح ص ۶۲)

ترجمہ: احادیث صحیحہ متواترہ بتارہی ہیں کہ سوال قبر کے وقت روح پھر بدن میں لوٹائی جاتی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بھی لکھتے ہیں: ''قطع می کنم بعود حیات مر ہر میت را چنانکہ در احادیث ورود یافتہ'' (جذب القلوب ص ۱۸۵)

اس منزل کے بعد پھر روح رخصت ہو جاتی ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس سے کسی شخص کو اختلاف نہیں اور جملہ فرق اہل اسلام کا اس پر اجماع ہے کہ عامۃ الاموات کے لیے اعادہ روح کے ساتھ قبر کی زندگی ہمیشہ نہیں۔ عود روح تو احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ لیکن پھر اس کی مفارقت؟ یہ امر اجماع اور تواتر طبقاتی سے منقول ہے۔ ہاں انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے یہ مفارقت قطعاً ثابت نہیں اور جس طرح عامۃ الاموات کے لیے اس مفارقت کا پتہ اجماع سے چلتا ہے، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے لیے اس عدم مفارقت پر بھی اجماع اور تواتر طبقاتی قائم ہے۔ فافہم وتدبر!

المبحث الرابع: اعادۂ روح اور اتصال روح میں موازنہ

حیات فی القبر کے لیے اعادۂ روح تو احادیث صحیحہ صریحہ سے ثابت ہے۔ اسی اصل کے مطابق انبیاء علیہم السلام کے اجساد مطہرہ میں ارواح قدسیہ دوبارہ لوٹائی جاتی ہیں۔ صورت زیر بحث صرف یہ رہ جاتی ہے کہ جس طرح جملہ اموات کے لیے پھر روح کی مفارقت ہوتی ہے کیا انبیاء علیہم السلام کی ارواح قدسیہ بھی پھر معرض مفارقت میں آجاتی ہیں؟ اہل سنت کے ہاں یہ مفارقت کہیں ثابت نہیں ہوتی۔

اتصال روح کا مؤقف اثبات حیات کے باب میں اگرچہ نہایت کافی ووافی ہے اور اس صورت کیفیت میں بھی انبیاء علیہم السلام کی اپنی اپنی قبروں میں حیات عنصری جسمانی کی قطعاً نفی نہیں ہوتی، تاہم دیکھنا یہ ہے کہ اس صورت کیفیت کی اصل کیا ہے؟

بات دراصل یہ ہے کہ اتصال روح کا موقف کسی نص صریح پر مبنی نہیں۔ بلکہ علمائے کبار نے مختلف نصوص میں تطبیق دینے کے لیے اسے اجتہادی طور پر اختیار کیا تھا بعض مقامات پر ارواح قدسیہ کے اعلیٰ علیین میں ہونے کی خبر دی گئی تھی اور دوسری طرف انبیاء کرام کے اپنی اپنی قبور شریفہ میں زندہ ہونے اور عند القبر خود سننے کا صحیح روایات سے ثبوت ملتا تھا اب بعض علماء کا ذہن بجائے اس کے کہ ابدان مطہرہ کو ارواح قدسیہ کا مستقر قرار دے کر اعلیٰ علیین سے ایک قوی تعلق پیدا کریں، ادھر منتقل ہوا کہ ارواح قدسیہ کو وہاں مان کر ابدان مدفونہ سے ایک قوی علاقہ حیات تسلیم کر لیا۔

خلاصہ یہ کہ اعادہ روح کا مؤقف من حیث الاصل احادیث صحیحہ صریحہ پر مبنی ہے اور اتصال روح کا مؤقف علمائے کبار نے محض تطبیق بین الروایات کی خاطر اجتہادی طور پر اختیار کیا تھا بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ لکھتے ہیں: ''انه ﷺ قال من صلی علیّ عند قبری سمعته و من صلی علیّ نائیا بلغته فکیف التطبیق؟ قلنا وجه التطبیق ان مقر ارواح المومنین فی علیین او فی السماء السابعة ونحو ذلک کما مر ومقر ارواح الکفار فی سجین ومع ذلک لکل روح منها اتصال بجسده فی قبره لا یدرک کنهه الا الله تعالٰی وبذلک الاتصال یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعده من الجنة او النار ویحس اللذة والالم ویسمع سلام الزائر'' (مظہری ج ۱۰ ص ۲۲۴، ص ۲۲۵ ہند)

ترجمہ: حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس آ کر مجھ پر درود پڑھے اسے میں خود سنتا ہوں اور دور کا پڑھا مجھے پہنچایا جاتا ہے (اور یہ بھی سابقا گزرا کہ ارواح طیبہ علیین میں ہوتی ہیں) پس دونوں مضمونوں میں تطبیق کیسے ہوگی؟ ہم کہتے ہیں ارواح مومنین کا مقر تو علیین یا ساتویں آسمان ہی میں ہے۔ اسی طرح ارواح کفار مقام سجین میں ہی رہتی ہیں، لیکن ان حقائق کے باوجود ہر روح کا تعلق قبر میں پڑے جسد (یا اجزائے جسد) سے بھی ضرور ہوتا ہے۔ اس تعلق کی پوری حقیقت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں ہاں روح کے جسد کے ساتھ اس طرح متصل ہونے سے ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ معاملات قبر روح و جسد کے مجموعہ سے ہوتے ہیں اور الم ولذت کا ادراک اسی طرح واقع ہوتا ہے۔

پس جب اعادہ روح کا موقف من حیث الاصل منصوص اور اتصال روح کا موقف من حیث الاستدلال اجتہادی ہے تو اگرچہ بہر صورت کیفیت قبر شریف کی حیات عنصری جسمانی نہایت واضح طور پر ثابت ہے۔ تاہم اتصال روح کا موقف اختیار کرنے سے نصوص پر اجتہاد کی ترجیح لازم آتی ہے۔ غالبا یہی وجہ ہے کہ جمہور محدثینؒ اور اکابر علمائے دیوبند اسی صورت کیفیت حیات کے قائل ہیں جس کی اصل احادیث صحیحہ صریحہ پر مبنی ہے۔

روح و بدن کے تعلق کے کھلے آثار

عالم برزخ میں روح و بدن کا تعلق برزخی ہے۔ ضروری نہیں کہ اسے عام لوگ بھی دیکھ پائیں لیکن اللہ رب العزت کبھی ان برزخی امور سے پردہ اٹھا بھی لیتے ہیں ایسے اٹھے پردے بھی دنیا نے بارہا دیکھے ہیں ہم پہلے بہت سے ایسے واقعات پیش کر آئے ہیں۔ حضرت حذیفہ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہما کی قبریں چودھویں صدی میں کھلیں تو لوگوں نے ان کے ابدان مبارکہ کو بالکل محفوظ پایا۔

ایک صاحب سید الطاف حسین بیان کرتے ہیں: ''قبر سے نکلے ہوئے جنازوں کی موجودگی اور خلق کی آہ وبکا نے قیامت کا نمونہ برپا کر دیا تھا اکثر آدمی روتے روتے بیہوش ہو گئے۔ نعشیں تیرہ سو سال گزرنے کے بعد بھی بالکل سالم تھیں۔ کفن ہاتھ لگانے سے بوسیدہ تھا۔ ایک صاحب کی داڑھی سفید تھی اور ایک کی سیاہ۔''

(صدق لکھنؤ ۱۱، دسمبر ۱۹۴۴ء)

یہاں ہم صرف یہ بات کہنا چاہتے ہیں کہ بعد الوفات تحفظ اجساد کا وعدہ انبیائے کرام علیہم السلام سے ہے لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ بعض دوسرے اجساد کریمہ کو بھی تحفظ سے مشرف فرمایا ہے اور یہ ان کے اہل حق میں سے ہونے کا ایک کھلا دنیوی نشان ہے۔

جن حضرات کے جسد قبر کھلنے پر اس طرح سلامت پائے گئے یہ ان کے اہل حق ہونے کا کھلا آسانی نشان ہے۔ مسئلہ خلافت اس راہ سے بہت آسانی سے حل ہو جاتا ہے، اگر یہ حضرات حضرت ابو بکر صدیقؓ کو حضور ﷺ کا خلیفہ بلافصل مانتے رہے تو یہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت کے حق ہونے کا کیوں آسانی نشان نہ ہوگا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ بعض دوسرے مقربین کے اجساد کا بھی تحفظ

مدتوں بعد ان کا قبروں سے سلامت نکلنا

(۱) جب حضرت امیر معاویہؓ نے اپنے عہد حکومت میں مدینہ منورہ میں ایک نئی نہر کھدوانے کا حکم دیا تو اس کی

گزرگاہ میں اتفاق سے قبرستان احد آتا تھا۔ آپ نے حکم دیا کہ ان مدفونین کو یہاں سے اٹھا کر دوسری جگہ دفن کر دیا جائے۔ جب قبریں کھولی گئیں تو شہدائے احد اپنی اصل حالت پر بالکل تر و تازہ تھے کھودتے ہوئے اتفاق سے ایک کدال حضرت حمزہؓ کے پاؤں کے قریب جا لگی، اسی وقت خون جاری ہو گیا یہ واقعہ جنگ احد سے قریباً ۵۰ سال بعد کا ہے۔

(۲) بیہقی نے روایت کیا ہے کہ فاطمہ بنت خزاعیہ نے حضرت حمزہؓ کی قبر پر سلام کیا: ''السلام علیک یا عم رسول اللہ ﷺ''

وہاں سے جواب آیا: ''علینا و علیکم السلام و رحمۃ اللہ''

(۳) حضرت عمرو بن جموح انصاریؓ بھی شہدائے احد میں سے تھے جب سیلاب نے ان کی قبروں کو کھول ڈالا، تو یوں معلوم ہوتا تھا، گویا کہ کل دفن کیے گئے ہیں۔ جنگ احد اور اس واقعہ سیلاب کے مابین ۴۶ سال کا فرق تھا۔

''فوجدا لم یتغیرا کانھما ماتا بالامس و کان احدھما قد جرح فوضع یدہ علی جرحہ فدفن وھو کذلک فامیطت یدہ عن جرحہ ثم ارسلت فرجعت کما کانت'' (مؤطا امام مالک، ص ۱۷۷)

ترجمہ: پس ان دونوں کو اس طرح پایا گیا گویا وہ ابھی فوت ہوئے ہیں۔ دونوں میں سے ایک کو ایسا زخم لگا تھا کہ انہوں نے اپنا ہاتھ اس پر رکھا تھا اور اسی طرح انہیں دفن کر دیا گیا تھا پس جب اطن کا ہاتھ اس زخم سے ہٹایا گیا اور پھر چھوڑ دیا گیا تو وہ وہیں آ گیا جہاں کہ تھا۔

(۴) حضرت حذیفہ اور حضرت عبداللہ بن جابرؓ کے مزارات دریائے دجلہ کے کنارے تھے۔ پندرہ بیس برس کا عرصہ گزرتا ہے کہ دریا زمین کاٹتا ہوا ان مزارات تک پہنچنے لگا حکومت عراق نے حکم دیا کہ ان مزارات شریفہ کو یہاں سے حضرت سلمان فارسیؓ کے احاطہ میں منتقل کر دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا آٹھ دس ہزار آدمیوں کے قریب ان جنازوں میں شامل ہوئے قاضی شوکانی لکھتے ہیں: ''ورد النص فی کتاب اللہ فی حق الشھداء انھم احیاء یرزقون وان الحیاۃ فیھم متعلقۃ بالجسد'' (نیل الاوطار ج ۳ ص ۲۱۱)

ترجمہ: شہدائے کرام کے حق میں، نص قرآنی وارد ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انہیں رزق بھی ملتا ہے اور یہ کہ ان کی حیات جسمانی ہے (خواہ ہمارے ادراک سے بالا ہی کیوں نہ ہو)

شہدائے کرام کی قبور کھلنے پر اگر ہمیں ان کے حرکت و عمل پر اطلاع نہیں ہوتی اور ہم انہیں عبادت کرتا ہوا محسوس نہیں کرتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری آنکھوں میں وہ قوت نہیں کہ ہمیں ان کے معروف عبادات ہونے کا ادراک ہو سکے۔ یہ نہیں کہ وہ ذوات مدفونہ ہی معطل عن الاعمال ہیں۔ پردہ برزخ اس ادراک لطیف میں حائل ہوتا ہے، ہاں! اللہ تعالیٰ کسی کے لیے اس عالم سے پردہ اٹھا دیں تو وہ اِس عالم میں ہوتے ہوئے بھی اُس عالم کے کسی حال کا مشاہدہ کر لے تو یہ اس کی ایک روحانی منزلت ہے اور ایسے اولیاء کرامؒ بھی کئی گزرے ہیں۔

حیات قبریہ اور اس کے کھلے ادراک کی یہ چند شہادتیں آپ ملاحظہ فرما چکے۔ اس پر ہم مقام حیات کی جلد اوّل کو ختم کرتے ہیں۔

ویتلوہ الجلد الثانی ان شاء اللہ۔ واللہ ھو الموفق لما یحبہ و یرضیٰ بہ!

